بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ

الحمد للہ ولہ المنۃ کہ درین زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق و معارف و
خزینۂ اسرار و لطائف کشاف مشکلات قرآنیہ و وصاف مخدرات فرقانیہ مسمّٰی بہ

# معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا

## الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد ششم مشتمل بر تفسیر پارہ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳ نصف

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

MAKTABA-E-REHMANIA
مکتبہ رحمانیہ

# مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .................... معارف القرآن (جلد ششم)

تصنیف .................... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر .................... مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

مطبع .................... خضر جاوید پرنٹرز

## ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# فہرست مضامین جلد ششم تفسیر ”معارف القرآن“

## پارہ ⑳، ㉑، ㉒، ㉓ نصف

بقیہ سورۂ نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، سجدہ، احزاب، سبا، فاطر، یٰسین، صافات

### پارہ ⑳ اَمَّنْ خَلَقَ


ذکر انواع واقسام دلائل توحید مع توبیخ وتہدید .......... ۱۴
نوع اوّل۔ متعلق بہ آسمان وزمین .......... ۱۵
نوع دوم۔ متعلق بہ کائنات زمین .......... ۱۵
نوع سوم۔ متعلق بہ احتیاج انسان سوئے خداوند جہاں .. ۱۶
نوع چہارم۔ متعلق بہ حاجات مخصوصہ دراوقات مخصوصہ . ۱۶
نوع پنجم۔ متعلق بہ مبدأ ومعاد وحشر ونشر اجساد .......... ۱۷
اثباتِ قیامت .......... ۱۹
اثبات رسالت محمدیہ ﷺ .......... ۲۰
فائدہ دربارۂ سماع موتی .......... ۲۲
ذکر بعض اشراط ساعت یعنی علامات قیامت .......... ۲۳
بیان حال قیامت وجزاء آخرت .......... ۲۵
خاتمۂ سورت برحکم عبادت وتلاوت قرآن .......... ۲۷


### تفسیر سورۂ قصص


آغاز سورت بحقانیت قرآن وذکر اجمالی قصہ .......... ۳۰
سیدنا موسیٰ علیہ السلام وفرعون برائے تہدید اہل نخوت ورعونت ومنکرین نبوت ورسالت .......... ۳۰
تفصیل قصۂ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام با فرعون .......... ۳۳
موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ شباب کا واقعہ .......... ۳۷
موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی جانب سفر .......... ۴۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے مصر کی طرف واپسی اور اثناء سفر میں منصب نبوت ورسالت سے سرفرازی اور بغرض تبلیغ ودعوت .......... ۴۷
فرعون کی طرف جانے کا حکم اور حفاظت اور غلبہ کا وعدہ ... ۴۷
خاتمہ قصہ مذکورہ براعطاء کتاب ہدایت برائے بصیرت وعبرت واثبات رسالت محمدیہ ﷺ مع جوابات از شبہات واہیہ .......... ۵۳
اتمام حجت وقطع معذرت .......... ۵۵
بیان حکمت در تکریر موعظت ومدح مؤمنین اہل کتاب و پیروانِ حق وصواب .......... ۵۸
اتمام حجت وقطع معذرت .......... ۶۱
یعنی قبول ہدایت کے بارہ میں کافروں کے ایک حیلہ اور بہانہ کا ذکر اور اس کا جواب .......... ۶۱
جواب اوّل .......... ۶۲
دوسرا جواب .......... ۶۲
تیسرا جواب .......... ۶۳
ظہور ثمرات ایمان وہدایت ونتائج کفر وضلالت در روز قیامت .......... ۶۵
تذکیر نعم مشتمل بر بیان دلائل توحید .......... ۶۸
ذکر قصۂ قارون برائے عبرت مغروران مال ودولت .... ۷۱

فائدہ علمیہ ونحویہ در بارۂ تحقیق کلمہ وَيْكَاَنَّ ............ ۷۸
بیان مستحقین نعمائے دار آخرت ............ ۷۹
خاتمۂ سورت بر بشارت وہدایت ونصیحت در بارۂ تبلیغ
ودعوت ............ ۸۱
ذکر فناء عالم وتذکیر آخرت ............ ۸۱


## تفسیر سورۂ عنکبوت


سورۂ عنکبوت ............ ۸۳
تنبیہ اہل ایمان بر حکمت شدائد وآفات زمان کہ آں تمیز
مخلص ومنافق است وتشجیع اہل ہدایت بر صبر واستقامت
وتشنیع اہل ضلالت وغوایت ............ ۸۶
شانِ نزول ............ ۸۶
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اسلام پر ان کی والدہ کا
مقاطعہ جوعی ............ ۸۹
قصہ اوّل۔ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام با قوم او ............ ۹۱
قصہ دوم۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام با قوم او ............ ۹۴
قوم کا جواب ............ ۹۶
قصہ سوم۔ لوط علیہ السلام با قوم او ............ ۹۹
قصہ چہارم۔ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام با قوم او ............ ۱۰۱
قصہ پنجم۔ مشتمل بر ذکر اجمالی عاد وثمود وقارون وفرعون و
ہامان ............ ۱۰۲
ابطال شرک واثبات توحید ............ ۱۰۴


## پارہ ㉑ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ


اثبات رسالت محمدیہ وازالۂ شکوک وشبہات منکرین نبوت ۱۰۸
لطائف ومعارف ............ ۱۱۴
ترغیب ہجرت وذکر بقائے عالم آخرت وبیان حقارت
دنیا وفناء وزوال او ............ ۱۱۷
دارِ دُنیا کی حقارت اور دارِ آخرت کی فضیلت ............ ۱۱۹


## تفسیر سورۂ روم


سُورۃُ الروم ............ ۱۲۱
پیشین گوئی غلبۂ روم بر ایران وبشارت فتح ونصرت
وفرحت ومسرت برائے اہل ایمان ............ ۱۲۲
شانِ نزول ............ ۱۲۳
لطائف ومعارف ............ ۱۲۵
ذکر دلائل قدرت وعظمت برائے اثبات الوہیت واثبات
قیامت ............ ۱۳۱
ذکر مبدأ ومعاد برائے تہدید اہل عناد ............ ۱۳۲
ذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت ............ ۱۳۵
دلیل اوّل ............ ۱۳۵
دلیل دوم ............ ۱۳۶
دلیل سوم ............ ۱۳۶
دلیل چہارم ............ ۱۳۶
دلیل پنجم ............ ۱۳۷
دلیل ششم ............ ۱۳۷
بیان مثال برائے اظہارِ جہالت اہل شرک وضلال ............ ۱۴۰
دین فطرت پر قائم رہنے کی ہدایت ............ ۱۴۱
ذکر وبال ونحوست کفر ومعصیت در دارِ دُنیا ............ ۱۴۶
ذکر بعض دلائل قدرت برائے اثبات قیامت ............ ۱۴۹
خاتمۂ سورت بر اعجاز قرآن ............ ۱۵۲


## تفسیر سورۂ لقمان


سورۂ لقمان ............ ۱۵۳
آغاز سورت بمدح کتابِ ہدایت وحکمت وبیان حال ومآل
سعداء مفلحین واشقیاء خاسرین ............ ۱۵۵
اہل ایمان اور عاشقان قرآن کے لیے بشارت ............ ۱۵۷
ذکر نصائح لقمان علیہ السلام سراپا حکمت وعرفان ............ ۱۶۰

لطائف ومعارف ........ ۱۶۴
امام خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا ........ ۱۶۵
تہدید مجادلین بر انکارِ توحید مع مشاہدۂ آثارِ قدرت و
انواع واقسام نعمت ........ ۱۶۹
خاتمہ سُورت بر حکم تقویٰ وتذکیر آخرت ........ ۱۷۴

## تفسیر سورۂ سجدہ

سُورۂ سجدہ ........ ۱۷۷
آغاز سورت بحقانیت قرآن برائے اثبات رسالتِ محمدیہ ۱۷۸
دلائل توحید ........ ۱۷۹
منکرین قیامت کا رد اور مجرمین کی ذلت اور رسوائی کا اجمالی
حال ........ ۱۸۴
رجوع بہ مضمون رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم وتہدید مکذبین و
معاندین ........ ۱۸۷

## تفسیر سورۂ احزاب

سُورۂ الاحزاب ........ ۱۹۱
ایک شبہ مع جواب ........ ۱۹۳
آغاز سورت بحکم تقویٰ وتوکل وتحذیر از موافقت کفار
منافقین ........ ۱۹۵
وتنبیہ بر کید وعداوت مخادعین وجواب از بعض مطاعن مخالفین
برائے تسلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ........ ۱۹۵
شان نزول ........ ۱۹۶
ذکر عہد انبیاء سابقین علیہم السلام در بارۂ اتباع وحی تبلیغ دین ... ۲۰۱
ذکر قصہ غزوۂ احزاب وغزوۂ بنی قریظہ ........ ۲۰۶
ذکر غزوۂ بنی قریظہ ........ ۲۱۲
خطاب نصیحت مآب در بارۂ مطالبۂ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن
از زینت دُنیا کہ ایں ھم نوع از ایذاء بود ........ ۲۱۳
خطاب تکریم وتشریف بہ ضمن تنبیہ وتخویف ........ ۲۱۶

## پارہ ۲۲ وَمَنْ یَّقْنُتْ

فضائل وخصائص ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ........ ۲۱۸
لطائف ومعارف ........ ۲۲۳
مخالفین پردہ کے خیالات جن کو وہ اپنے دلائل کہتے
ہیں ........ ۲۲۶
پہلی بات کا جواب ........ ۲۲۷
دوسری بات کا جواب ........ ۲۲۷
تیسری بات کا جواب ........ ۲۲۷
چوتھی بات کا جواب ........ ۲۲۷
آیتِ تطہیر ........ ۲۲۸
پہلی بات کا جواب ........ ۲۲۸
حدیث نساء ........ ۲۳۱
ایک شبہ اور اس کا ازالہ ........ ۲۳۱
شیعوں کی دوسری بات کا جواب اوّل ........ ۲۳۴
جواب دوم ........ ۲۳۵
تبشیر عام بر امتثال احکام اسلام ........ ۲۳۷
بیان حرمت اعراض وعدول از فیصلہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ... ۲۴۰
کہ این نوعے است از انواع ایذاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم ........ ۲۴۰
ابطالِ تقیہ ........ ۲۴۸
طاعنین کے طعن کا جواب ........ ۲۴۹
لطائف ومعارف ........ ۲۵۲
ذکر اختلاف قراءت در آیت ختم نبوت ........ ۲۵۳
لفظ خاتم کی تشریح ........ ۲۵۳
ایک شبہ اور اس کا ازالہ ........ ۲۵۶
نکتہ ........ ۲۵۷
مسیلمۂ قادیان کا ہذیان ........ ۲۵۹
بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت ........ ۲۶۰

تبشیر مؤمنین و انذار کافرین و منافقین و ذکر بعض فضائل
نبی کریم ﷺ ........................ ۲۶۷
ذکر بعض احکام نکاح و طلاق و بعض خصائص نبوی در بارۂ
نکاح ........................ ۲۷۱
حکم اوّل ........................ ۲۷۲
حکم دوم ........................ ۲۷۲
حکم سوم ........................ ۲۷۳
حکم چہارم ........................ ۲۷۳
حکم پنجم ........................ ۲۷۴
حکم ششم ........................ ۲۷۵
حکم ہفتم ........................ ۲۷۵
نداء اہل ایمان و نزول حکم حجاب برائے خواتین اسلام و
احتراز ........................ ۲۷۷
از ایذاء رسول عالی مقام و تحریم نکاح از واج مطہرات رضی اللہ عنہن
بعد وفات سید البریات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات .... ۲۷۷
حکم وجوب صلوٰۃ وسلام و تحریم ایذاء خدا اور رسول ﷺ
و ایذاء عامۂ اہل اسلام ........................ ۲۸۱
ذکر بعض انواع ایذاء منافقین و مرجفین بتعرض نسواں و
تخویف اہل ایمان ........................ ۲۸۵
تہدید و وعید منافقین و منکرین قیامت مقرون بہ لعنت
عذاب آخرت ........................ ۲۸۷
خاتمہ سورت بر ترغیب از ایذاء رسول و ترغیب اطاعت
رسول ﷺ ........................ ۲۸۹
ترغیب بر حفاظت امانت و ترہیب از خیانت و اضاعت . ۲۹۰
ذکر انجام امانت ........................ ۲۹۳
آیت امانت کی شیعی تفسیر یا تحریف ........................ ۲۹۳
لطائف معارف ........................ ۲۹۴

## تفسیر سورۂ سبا

سورۂ سبا ........................ ۲۹۷
آغاز سورت بہ تحمید و توحید خداوند رب العزت ........ ۲۹۹
اثبات معاد مقرون بہ قسم برائے تہدید اہل کفر و عناد ..... ۳۰۱
قصہ داؤد و سلیمان علیہما السلام ........................ ۳۰۳
داؤد علیہ السلام کی دوسری فضیلت کا ذکر ........................ ۳۰۵
دوسرے عبد منیب کا ذکر ........................ ۳۰۵
قصہ قوم سبا ........................ ۳۰۹
اثبات توحید و توبیخ و تجہیل مشرکین ........................ ۳۱۲
اثبات رسالت محمدیہ و عموم بعثت و اثبات قیامت ....... ۳۱۸
عیش پرستوں کے ایک شبہ کا جواب ........................ ۳۲۱
خاتمہ سورت بر کلمہ حکمت و موعظت ........................ ۳۲۵
تتمہ تہدید منکرین و مکذبین ........................ ۳۲۶

## تفسیر سورۂ فاطر

سورۂ فاطر ........................ ۳۲۸
تحمید خداوند حمید و مجید برائے اثبات توحید و تذکیر نعم و تحذیر
از نقم ........................ ۳۳۰
لطائف و معارف ........................ ۳۳۴
ذکر اقوال مختلفہ در بارۂ حقیقت ملائکہ علیہم السلام ........................ ۳۳۴
احادیث صحیحہ و صریحہ ........................ ۳۳۷
وجود ملائکہ پر فلاسفۂ حال کے شبہات اور ان کے
جوابات ........................ ۳۳۷
پہلا شبہ ........................ ۳۳۷
جوابات ........................ ۳۳۸
دوسرا شبہ ........................ ۳۳۸
جواب ........................ ۳۳۸
تیسرا شبہ ........................ ۳۳۹

جواب ........................ ۳۳۹
ذکر دلائل توحید مع دیگر مضامین مناسبۂ مقام .......... ۳۴۰
مثل ترغیب خشیت وفکر آخرت وترہیب از غفلت ...... ۳۴۰
ذکر دلیل آخر بر توحید و امکان حشر ونشر و اثبات قضاء
وقدر ........................ ۳۴۲
ذکر دلیل ........................ ۳۴۳
دلیل آخر ........................ ۳۴۳
دلیل دیگر ........................ ۳۴۳
دلیل دیگر ........................ ۳۴۳
دلیل دیگر ........................ ۳۴۴
فائدہ جلیلہ ........................ ۳۴۴
جوابات ........................ ۳۴۴
ذکر فقر واحتیاج بشر واستغناء خداوند بر وبحر ........ ۳۴۶
تہدید بر غفلت از عدم نظر در آثار قدرت ........ ۳۴۹
لطائف ومعارف ........................ ۳۵۰
مدح وثناء علماء وصلحاء اُمت وتوصیف وشان علم نبوت و
ترغیب بر تجارت آخرت ........................ ۳۵۳
جوابِ خداوندی ........................ ۳۵۷
لطائف ومعارف ........................ ۳۵۷
فائدہ دربارۂ تقویٰ ........................ ۳۵۸
بیان علم وحلم خداوندی ........................ ۳۶۰
فائدہ جلیلہ دربارۂ حرکت آسمان وزمین ........ ۳۶۱
تشنیع وتقریع بر کفر ومکر ........................ ۳۶۳

## تفسیر سورۂ یٰسین

سورۂ یٰسین ........................ ۳۶۴
اثبات رسالت محمدیہ موکد بقسمے کہ آں دلیل نبوت است .. ۳۶۶
ومقرون بہ بیان تفاوت استعداد در قبول حق وہدایت و
تہدید مکذبین نبوت ومنکرین قیامت ........ ۳۶۶
قصہ اصحاب القریہ برائے عبرت ونصیحت مکذبین
رسالت ........................ ۳۷۱

## پارہ ۲۳ وَمَالِیَ

بقیہ قصہ مرد صالح مشتمل بر پند ونصائح برائے
اصلاح قوم ........................ ۳۷۶
ذکر دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت وامکان
حشر ونشر ........................ ۳۸۰
دلیل اوّل ........................ ۳۸۰
دلیل دوم ........................ ۳۸۱
لطائف ومعارف ........................ ۳۸۴
سجود الشمس ........................ ۳۸۴
دلیل سوم ........................ ۳۸۴
کفار کی سرکشی اور سنگدلی کا بیان ........ ۳۸۶
منکرین حشر ونشر کی تہدید اور وعید ........ ۳۹۱
رجوع بسوئے مضمون وحدانیت وتذکیر نعمت ........ ۳۹۵
منکرین حشر کا ایک شبہہ یا وسوسہ کا جواب ........ ۳۹۷
فائدہ جلیلہ دربارۂ معاد جسمانی ........ ۳۹۸
دوسرا جواب ........................ ۳۹۹
تیسرا جواب ........................ ۴۰۰

## تفسیر سورۂ صافات

سورۂ صافات ........................ ۴۰۲
اثبات توحید اور منکرین حشر کی تردید اور تہدید اور وعید .... ۴۰۳
منکرین حشر اور مکذبین رسالت کی تردید اور ان کی جہالت
اور حماقت کا اظہار ........................ ۴۱۱
احکم الحاکمین کی طرف سے مشرکوں کو وعید ........ ۴۱۳
قصۂ اوّل نوح علیہ السلام ........................ ۴۱۹

قصہ دوم ابراہیم علیہ السلام با قوم او ........................ ۴۲۲

لفظ شیعہ کی اصل ........................ ۴۲۲

شیعہ کس کو کہتے ہیں اور سُنّی کس کو کہتے ہیں؟ ........................ ۴۲۳

سُنّی کس کو کہتے ہیں؟ ........................ ۴۲۳

دوسری بشارت کا ذکر ........................ ۴۲۷

ذبیح اللہ کی بحث ........................ ۴۲۹

قصہ سوم حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ........................ ۴۳۳

قصہ چہارم الیاس علیہ السلام ........................ ۴۳۴

قصہ پنجم لوط علیہ السلام ........................ ۴۳۶

قصہ ششم یونس علیہ السلام ........................ ۴۳۷

مشرکین کی بعض جہالتوں اور حماقتوں کی تردید اور اس پر تہدید اور وعید ........................ ۴۴۱

مشرکین عرب کی ایک بدعہدی کا ذکر ........................ ۴۴۴

خاتمہ سورت بر تنزیہ و تحمید رب العالمین و تنویہ شان حضرات مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام ........................ ۴۴۶

برائے یادداشت ........................ ۴۴۸

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا

بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین ؟ اور اتار دیا تم کو آسمان سے پانی؟ پھر اُگائے ہم نے

بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ

اس سے باغ رونق کے۔ تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت۔ اب کوئی اور حاکم ہے

مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ؕ ۶۰ اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ

اللہ کے ساتھ؟ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مڑتے ہیں۔ بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہراؤ اور

جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَ جَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ

بنائیں اس کے بیچ ندیاں اور رکھے اس میں بوجھ اور رکھا دو دریا میں

حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ ۶۱ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ

اوٹ۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ کوئی نہیں ان بہتوں کو سمجھ نہیں۔ بھلا کون پہنچتا ہے

الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَ يَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ

پھنسے کی پکار کو؟ جب اس کو پکارتا ہے، اور اٹھا دیتا ہے برائی ۔ اور کرتا ہے تم کو نائب زمین پر۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ ۶۲ اَمَّنۡ يَّهۡدِيۡكُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتِ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ تم سوچ کم کرتے ہو۔ بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں

الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ مَنۡ يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًۢا بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ

جنگل کے اور دریا کے؟ اور کون چلاتا ہے باویں خوشخبری لاتیاں اس کی مہر سے آگے؟

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ؕ ۶۳ اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جو شریک بناتے ہیں۔ بھلا کون سرے سے بناتا ہے؟

ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

پھر اس کو دہراتا ہے؟ اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے؟ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟

| |
|---|
| قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ |
| تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو |
| فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ |
| کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی چیز کی، مگر اللہ۔ اور ان کو خبر نہیں کب |
| يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ قف بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ |
| جلائے جائیں گے؟ بلکہ ہار گری ان کی دریافت آخرت میں بلکہ ان کو دھوکا ہے |
| مِّنْهَا ۫ قف بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع 5/7 |
| اس میں ۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔ |

## ذکرانواع واقسام دلائل توحید مع توبیخ وتہدید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ . . . الیٰ . . . بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں مشرکین اور منکرین نبوت کے انجام بد کا ذکر فرمایا جو خدا کی قدرت اور اس کے قہر کی نشانی تھی اب پھر مشرکین کی توبیخ وتہدید کے لیے اپنے آثار قدرت اور دلائل الوہیت ووحدانیت ذکر کرتے ہیں کہ شاید یہ بدنصیب شرک سے باز آجائیں ان کو چاہیے کہ خدا کے قہر کی نشانیوں میں بھی غور کریں اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں بھی غور کریں جو سب کی سب اس کی توحید اور اس کی عظمت وجلال پر دلالت کرتی ہیں اور سمجھیں اور جانیں کہ خدا کے سوا سب عاجز اور ذلیل ہیں۔ لہٰذا شرک سے توبہ کریں اور یقین کریں کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو قادر مطلق ہو اور تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو۔ اور واحد قہار کے قہر سے بچنے کی فکر کریں گزشتہ آیت میں مُجملًا یہ فرمایا: ﴿ آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ بت بہتر ہیں جن کو مشرکین اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اس سے مقصود مشرکین کو سرزنش کرنا اور الزام دینا تھا کہ بت جو اپنے عابدوں کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کوئی بلا ٹال سکتے ہیں وہ بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار بہتر ہے اس کو کیوں نہیں پوجتے تا کہ اس کے قہر اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ اب اس تمہید کے بعد اللہ کی وحدانیت کے چند دلائل بیان کرتے ہیں اور اجمال کے بعد قدرے کمالات قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں تا کہ مشرکین ان میں غور کریں اور بتلائیں کہ کون بہتر ہے۔

## نوع اوّل۔ متعلق بہ آسمان وزمین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ... الی ... بَلْ ھُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ۝۶۰ ﴾

کیا یہ عاجز اوران کے تراشیدہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی سے خوشنما اور بارونق باغ اگائے تم میں اتنی قدرت نہیں کہ تم درختوں کو اُگا ہی سکو۔ تمہاری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ زمین میں بیج ڈالو۔ باقی درختوں کے اگانے اوران کی نشوونما پر تم کو ذرہ برابر بھی قدرت نہیں اور درختوں اور پھولوں اور پھلوں میں جو عجیب عجیب صنعتیں ہیں انکا تو تم تصور بھی نہیں کر سکتے آسمان اور زمین کے اختلاط سے یہ نعمتیں میسر آتی ہیں اور آسمان سے پانی برسنے میں اور زمین سے نباتات کے اگنے میں ذرہ برابر کسی کو دخل نہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ جس کی شان یہ ہے کوئی اور معبود ہے جو الوہیت میں اس کا شریک ہے جو ان چیزوں کے پیدا کرنے میں اس کا معین اور مددگار ہو۔ کوئی نہیں۔ پر مشرکین راہِ حق سے عدول کرتے ہیں اور بلا دلیل خدا کا شریک اوراس کا برابر ٹھہراتے ہیں۔

غرض یہ کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنا اور پھر آسمان سے پانی برسانا اور زمین سے قسم قسم کی نباتات کا اگانا یہ سب اس کی قدرت کے دلائل ہیں جن میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

**اوتار:** ہندوستان کے مشرکین یعنی ہندو اوتاروں کے قائل ہیں۔ اوتار اس کو کہتے ہیں کہ جس میں خدا حلول کر جائے جیسے "رام" اور "کنہیا" کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ اوتار تھے۔

اہل اسلام اس سے بری اور بیزار ہیں مسلمانوں کے نزدیک خدا اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول کرے یا کسی چیز کا جزو ہو جائے۔ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

## نوع دوم۔ متعلق بہ کائنات زمین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَھَآ اَنْھٰرًا ... الی ... بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ ﴾

بھلا بتلاؤ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے جس نے زمین کو آدمیوں اور چوپایوں کے لیے قرارگاہ بنایا اوراس کے درمیان نہریں جاری کیں اوراس نے زمین کو ٹھہرانے کے لیے پہاڑ بنائے یعنی اس نے اپنی قدرت سے زمین کو جائے قرار بنایا کہ جو اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہے اور جمی ہوئی ہے کہ نہ جھکتی ہے اور نہ ہلتی ہے اگر وہ ہلتی اور کانپتی رہتی تو کوئی ذی حیات اس پر زندگی نہ بسر کرسکتا اور نہ اس کی عیش خوشگوار ہوتی۔ اللہ نے اس کو اپنے فضل اور رحمت سے ایسا جما ہوا فرش بنادیا کہ ہلتا نہیں۔

اوراس نے دو دریاؤں کے درمیان ایک پردہ بنادیا یعنی ایک حد فاصل بنادی کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہیں پاتا حالانکہ ایک کا پانی کھاری ہے اور ایک کا میٹھا ہے مگر قدرتِ الٰہی نے ان کے درمیان ایسا پردہ حائل کردیا کہ دونوں مخلوط نہیں ہوتے اس کی تحقیق اور تفصیل سورۂ فرقان کی اس آیت ﴿ وَھُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ ھٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَھُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا

﴿مَحْجُوْرًا﴾ (الفرقان: ۵۳) کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

بھلا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے جس میں یہ قدرت ہو ہرگز نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ کچھ جانتے اور بوجھتے نہیں اس لیے شرک میں مبتلا ہیں۔

## نوع سوم۔ متعلق بہ احتیاج انسان سوئے خداوند جہاں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ... الٰی... قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾

بھلا بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے کہ جو مصیبت زدہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دُور کرتا ہے بیماری اور تنگی کے دُور کرنے پر سوائے خدا کے کوئی قادر نہیں۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور بروبحر کے عجائب قدرت سے استدلال کیا اب اس آیت میں انسان کی ذاتی حاجت سے اپنی الوہیت پر استدلال کرتے ہیں کہ مصیبت اور بیقراری کی حالت میں انسان کا خدا کو پکارنا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کی معرفت انسان کی طبیعت میں راسخ ہے۔ مصیبت میں صرف خدا ہی کو پکارتا ہے کسی بت کو نہیں پکارتا اور مضطر اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو ایسی شدت اور مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نہ نکل سکتا ہے اور نہ اس پر صبر کر سکتا ہے۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مصداق ہے پس خدائے برحق وہ ہے۔ کہ جب اسباب ظاہری تم کو جواب دے دیتے ہیں اور تم بالکل عاجز ہو جاتے ہو اور اس وقت تم اپنی سختیوں میں اس کو پکارتے ہو اور وہ تمہاری پریشانی دُور کرتا ہے وہی تمہارا خدا ہے اور وہی خدا تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین بناتا ہے کہ ان کو موت دیتا ہے اور ان کے بعد زمین کو تمہارے تصرف میں لاتا ہے اسی طرح ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک قرن کے بعد دوسرا قرن پیدا کرتا رہتا ہے جیسی اس کی حکمت اور مشیت ہوتی ہے اسی کے موافق پیدا کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ جس کی شان یہ ہے اور کوئی معبود ہے مگر تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو کہ ایسے دلائل حقہ اور واضحہ پر بھی دھیان نہیں کرتے۔

## نوع چہارم۔ متعلق بہ حاجات مخصوصہ در اوقات مخصوصہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ الْبَحْرِ... الٰی... تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۳﴾

بھلا بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے جو تم کو بیابانوں میں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے یعنی اس نے تمہاری رہنمائی کے لیے ستارے پیدا کیے تاکہ اندھیروں میں ان کے ذریعہ راستہ معلوم کر سکو کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (الانعام: ۶۷) اور ان ستاروں کا پیدا کرنے والا سوائے خدا کے کون ہے یہ تو ظاہری ستارے ہیں اور معنوی ستارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے:

((اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم)).

"میرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نجوم ہدایت ہیں تم جس کی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے۔"

پس خدائے برحق تو وہ ہے جس کی شان یہ بیان ہوئی اور اس کی ایک شان یہ ہے کہ وہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے کہ وہ ہوائیں تم کو بارانِ رحمت کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔ بارانِ رحمت کے نزول سے پہلے ہواؤں کا چلانا سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے۔ ہرگز نہیں۔ اللہ بلند اور برتر ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو۔ ایک عاجز محض قادر برتر کا کہاں شریک ہوسکتا ہے۔

## نوعِ پنجم۔ متعلق بہ مبدأ و معاد و حشر و نشر اجساد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ... اِلٰی ... بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴾

بھلا بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے کہ جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے جو تمہیں بھی مسلّم ہے پھر وہی اپنی قدرت سے موت کے بعد قیامت کے دن ان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ پس خدا وہ ہے کہ جو وجود اور عدم کا مالک ہو اور جو لوگ قیامت کے منکر ہیں وہ بلا دلیل کفر کرتے ہیں کیونکہ جب پہلی مرتبہ کی پیدائش تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے تو دوبارہ پیدائش کو کیوں محال اور ناممکن بتلاتے ہو اور اس خدا کی شان یہ ہے کہ وہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے۔ آسمان سے بقدر معلوم پانی نازل کرتا ہے اور زمین سے قسم قسم کے نباتات اُگاتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے جو ان کاموں میں اس کا شریک ہے۔

اے نبی آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ تم اپنے شرک پر کوئی دلیل لاؤ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔ یہ تو اللہ کے کمال قدرت کا بیان تھا۔ اب آگے اس کے کمال علم کو بیان کرتے ہیں۔ اے نبی آپ ﷺ ان مشرکین سے جو بطور استہزاء اور تمسخر آپ ﷺ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی ان سے کہہ دیجیے کہ آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزوں کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا جس طرح آسمان و زمین کے ہزارہا بلکہ لکھوکھا چیزیں تم سے پوشیدہ ہیں اسی طرح قیامت کو بھی سمجھو کہ وہ بھی ہم سے پوشیدہ ہے اور اسی وجہ سے لوگوں کو اس کی خبر نہیں کہ مردے قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے مشرکین قیامت کے منکر تھے اور اس کو محال بتاتے تھے ان آیتوں میں اس کا جواب دے دیا گیا کہ خدا وہ ہے جو ہمارے مبدأ اور معاد یعنی وجود اور عدم اور موت اور حیات اور سامان حیات یعنی رزق کا پیدا کرنے والا ہے پس جو خدا پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ پس یہ لوگ کیوں آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ آخرت کے بارہ میں فقط لاعلم اور بے خبر نہیں بلکہ ان کا علم آخرت کے بارہ میں غائب اور گم ہو چکا ہے ان لوگوں کو تو نفسِ آخرت کی بھی خبر نہیں کہ وہ کیا چیز ہے گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ ان لوگوں کو آخرت کا وقت معلوم نہیں اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ ان کو نفس آخرت کا بھی علم نہیں کہ وہ کیا چیز ہے بلکہ آخرت کے بارہ میں شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ عظیم حیرت اور اضطراب میں ہیں ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کدھر جائیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ ﴾ (الفاطر: ۵۴) بلکہ آخرت سے اندھے ہیں۔ دل کی بینائی جاتی رہی کوئی دلیل اور کوئی حق بات ان کو نظر نہیں آتی۔ مطلب یہ ہے کہ فقط شک اور تردّد میں نہیں بلکہ اندھے بن گئے ہیں اور حق سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ دُنیاوی لذات و شہوات میں غرق ہیں حیوان ہو گئے ہیں سوائے شکم اور شرمگاہ کے اور کسی طرف توجہ نہیں۔

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں۔ (موضح القرآن)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَاۗؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور بولے وہ جو منکر ہیں، کیا جب ہم ہو گئے مٹی اور ہمارے باپ دادے کیا ہم کو زمین سے نکالنا ہے۔

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

وعدہ مل چکا ہے اس کا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو آگے سے۔ اور کچھ نہیں یہ نقلیں ہیں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اگلوں کی۔ تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا آخر

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا

گناہ گاروں کا۔ اور غم نہ کھا ان پر اور نہ رہ خفگی میں ان کے

يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾

داؤ بنانے سے۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ؟ اگر تم سچے ہو۔

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَ

تو کہہ شاید تمہاری پیٹھ پر پہنچی ہو بعضی چیز، جس کی شتابی کرتے ہو۔ اور

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر، پر ان میں بہت شکر نہیں کرتے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ

اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں اور جو کھولتے ہیں۔ اور کوئی چیز نہیں جو

غَاۗىِٕبَةٍ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾

غائب ہو آسمان و زمین میں، مگر ہے کھلی کتاب میں۔

# اثباتِ قیامت

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ... الیٰ ... اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں مبدأ اور معاد کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ کفار بعث یعنی دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں شک میں پڑے ہوئے ہیں اب ان آیات میں معاد کے متعلق ان کے شک اور شبہ کو نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں کفار قیامت کے قائل نہ تھے اور بطور مضحکہ یہ کہا کرتے تھے کہ بھلا آدمی مر کر بھی زندہ ہوتا ہے یہ سب محض اگلے لوگوں کے افسانے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھ لو! منکرین قیامت کا کیا انجام ہوا اور کیسے تباہ اور برباد ہوئے اور زمین ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دی گئی ان کی تباہی اور بربادی کے نشان موجود ہیں جو راستہ میں تم کو دکھائی دیتے ہیں۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت ﴿بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ﴾ میں ان کافروں کا ذکر تھا کہ جو آخرت سے اندھے بن گئے اور حیوانات کی طرح ان کو سوائے کھانے اور پینے اور سونے کے کسی طرف توجہ نہیں رہی اب آگے ان اندھوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جو آخرت کے بارہ میں شک اور تردد میں نہیں بلکہ سختی سے آخرت کے منکر ہیں اور حیوان سے بڑھ کر حیوان بن گئے۔ اس لیے آئندہ آیت میں ان کا قول حیوانی نقل کر کے جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یہ کافر یعنی منکرین قیامت چشم بصیرت کے اندھا ہو جانے کے سبب سے یہ کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد بالکل خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکالے جائیں گے البتہ تحقیق یہ حشر و نشر کا وعدہ ہم کو بھی دیا گیا اور ہم سے پہلے ہمارے آباء و اجداد کو بھی دیا گیا لیکن آج تک تو یہ وعدہ پورا نہیں ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں صرف اگلے لوگوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں یعنی حشر و نشر کی کوئی اصلیت نہیں۔ یوں ہی لوگوں نے افسانے بنائے ہیں۔ اے نبی آپ ﷺ ان مکذبین اور منکرین سے کہہ دیجیے کہ تم ملک کی سیر کرو پھر دیکھو کہ ان مجرمین اور منکرین آخرت کا انجام کیا ہوا کہ اس تکذیب اور انکار کے سبب کیسے تباہ اور برباد ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جن اُمتوں نے آخرت کو نہیں مانا وہ سب عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے اور اے نبی آپ ﷺ اپنی امت کے مشرکوں کی تکذیب اور انکار کی وجہ سے اور ان کے مکر و فریب کی وجہ سے تنگدل اور غمگین نہ ہو جایئے وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں تیرا نگہبان ہوں اور تیری حفاظت کا کفیل ہوں۔

**نظم**

غم مخور ز آنروز کہ غمخوارت منم و زہمہ برہا نگہدارت منم

از تو گر اغیار بردارند روی این جہان و آں جہاں یارت منم

اور کہتے ہیں یہ کافر کہ وہ وعدۂ عذاب کہاں ہے اور کب ہوگا اے مسلمانو! اگر تم سچے ہو اور عذاب سے ڈراتے ہو تو بتلاؤ کہ وہ عذاب کہاں ہے اگر تم سچے ہو تو اس وعدہ کو پورا کر کے دکھلاؤ اے نبی آپ کہہ دیجیے کہ شاید وہ عذاب جس کی تم جلدی مچا رہے ہو اس میں کچھ حصہ تمہارے پیچھے ہی پیچھے آ جائے۔ اشارہ بدر کے دن کے عذاب کی طرف ہے یا قحط اور گرانی کی مصیبت کی طرف ہے یا عذاب قبر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی جلدی آنے والا ہے اور اب تک جو عذاب میں دیر ہو رہی ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ تیرا پروردگار لوگوں پر فضل کرنے والا ہے کہ فوراً سزا نہیں دیتا و لیکن لوگوں میں بہتیرے ایسے ہیں کہ جو شکر نہیں کرتے اور تاخیر عذاب جو کہ ایک نعمت ہے اس کا حق نہیں پہچانتے اور بے شک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس عداوت کو جس کو وہ اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہیں اور خوب جانتا ہے

اس تکذیب اور انکار کو جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں عذاب میں تاخیر بے خبری کی وجہ سے نہیں اللہ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے بلکہ حکمت اور مصلحت کی بناء پر ہے اور وہ حلیم و کریم ہے وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا وہ اپنے دشمنوں کو مہلت دیتا ہے اور آسمان و زمین کی کوئی چھپی بات ایسی نہیں کہ جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی نہ ہو اور ان پر جو عذاب بالفعل ان کی نظروں سے پوشیدہ ہے وہ بھی لوح محفوظ میں مقدر اور مقرر ہے وہ اپنے وقت پر آئے گا۔

| |
|---|
| اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ |
| یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو اکثر چیز، جس میں وہ |
| يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِیْ |
| پھوٹ رہے ہیں۔ اور یہ سوجھ ہے اور مہر ہے ایمان والوں کو تیرا رب ان میں فیصلہ |
| بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ |
| کرے اپنی حکومت سے اور وہی ہے زبردست سب جانتا۔ سو تو بھروسا کر اللہ پر۔ بیشک تو ہے |
| عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ |
| صحیح کھلی راہ پر۔ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکار |
| الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَ مَاۤ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ |
| جب پھریں پیٹھ دے کر۔ اور نہ تو دکھا سکے اندھوں کو، جب |
| ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ |
| راہ سے بچلیں۔ تو تو سناتا ہے اس کو، جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر سو وہ حکم بردار ہیں۔ |

## اثبات رسالت محمدیہ ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الٰى ... فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾﴾

**ربط:** مبدأ اور معاد کے بیان کے بعد رسالت محمدیہ ﷺ کا اثبات فرماتے ہیں جس کی سب سے بڑی دلیل یہ قرآن حکیم ہے یعنی یہ قرآن حکم اور حاکم بن کر آیا ہے جو اہل کتاب کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے اور ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے بارہ میں جو اہل کتاب کا اختلاف ہے اس کا فیصلہ کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں اور نہ معاذ اللہ ساحر اور کاہن اور ولد الحرام تھے جیسا کہ یہود بے بہبود کہتے ہیں۔

نیز حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے بارہ میں یہود و نصاریٰ کا جو اختلاف تھا قرآن کریم نے اس کا بھی فیصلہ کر دیا اور بتمام و کمال حضرت مریم علیہا السلام کی عصمت اور نزاہت کو تفصیل کے ساتھ بتلا دیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو سحر کا اتہام تھا۔ قرآن نے اس کا بھی ازالہ کر دیا اور رجم اور حرمت لحم وغیرہ کے اختلاف کا بھی فیصلہ کر دیا۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ گزشتہ آیات میں دلائل الوہیت کو بیان کیا۔ اب اس کے بعد صدقِ رسالت اور دلیل نبوت کو بیان فرماتے ہیں۔ البتہ یہ قرآن پاک جو خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اس کے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ قرآن پاک بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں کھولتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں کئی فرقے تھے ہر فرقہ کا دین دوسرے فرقہ کے دین سے مختلف تھا مثلاً توحید اور تثلیث میں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کی الوہیت اور ابنیت میں اور جنت و جہنم کے جسمانی اور روحانی ہونے میں جو اختلاف تھا قرآن نے حق اور باطل کو واضح کر دیا اور بتلا دیا کہ یہ بات حق اور صحیح ہے اور ایک دلیل یہ ہے کہ یہ قرآن بلاشبہ ہدایت ہے جس سے حق کا راستہ معلوم ہوتا ہے اور ایمانداروں کے لیے سراسر رحمت اور موجب خیر و برکت ہے کہ اس پر ایمان لا کر عذاب سے نجات ملتی ہے اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان معاندین کی مخالفت اور عداوت سے رنجیدہ نہ ہوں۔ تحقیق تیرا پروردگار ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا اور وہی ہے زبردست اور جاننے والا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ پس آپ اللہ پر بھروسہ رکھیے اور ان کی عداوت اور مخالفت کی پروا نہ کیجیے بیشک آپ صریح اور واضح حق پر ہیں اور یہ صریح باطل پر ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مخالفت اور عداوت کی پروا نہ کیجیے اللہ آپ کا مددگار ہے اور ان کی ہدایت اور اصلاح کی امید دل سے نکال دیجیے۔ یہ لوگ مردہ دل ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے مردوں کو سنانا آپ کی قدرت میں نہیں اور اگر بالفرض یہ لوگ مردہ بھی نہ ہوں تو بہرے تو ضرور ہیں اور آپ بہروں کو بھی اپنی پکار نہیں سنا سکتے۔ خاص کر جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں۔ بہرا سنتا تو نہیں پر اشارہ سے سمجھ سکتا ہے مگر جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے تو اشارہ سے بھی نہیں سمجھ سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ اوّل تو ان کے دلوں کے کان بہرے ہیں اس لیے ان کو سنانا مشکل ہے اور جب بہرا پکارنے والے کی طرف سے منہ بھی پھیر لے اور بجائے منہ کے اس کی طرف پشت کر دے تو پھر اس کو سنانا بہت مشکل ہے اس لیے کہ جب وہ اشارہ اور کنایہ کو بھی نہ دیکھے گا تو کس طرح سمجھے گا اور اگر بالفرض یہ پشت بھی نہ پھیریں تو تب بھی انکا سمجھنا ناممکن نہیں اس لیے کہ یہ اندھے ہو چکے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ قدرت نہیں کہ آپ اندھوں کو راستہ دکھا دیں کہ وہ اپنی گمراہی سے باز آ جائیں۔ کفر سے آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ بینائی تو ایمان سے آتی ہے۔ لہٰذا آپ صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں پھر وہ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے ہیں اور ایمان اور اسلام لانے کی برکت سے وہ زندہ اور بینا اور شنوا ہو گئے ہیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو لے کر آئے ہیں وہ بلاشبہ صریح حق ہے لیکن اس کے قبول کے لیے کچھ شرائط ہیں محض حق کا واضح اور روشن ہونا کافی نہیں جب تک قبول کرنے والے میں شرائط قبول نہ پائے جائیں مثلاً یہ کہ وہ زندہ ہو مردہ نہ ہو۔ بینا ہو اور نابینا نہ ہو۔ شنوا ہو بہرا نہ ہو۔ ایمان لانے سے آدمی زندہ ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھیں بھی کھل جاتی ہیں۔

**فائدہ دربارہ سماع موتی:**

اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا کے مردے نہیں سنتے اس لیے کہ آیت میں موتی سے کفار مراد ہیں ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں مگر کفار کو موتی کے ساتھ تشبیہ دینا جب ہی درست ہو سکتا ہے کہ جب مردے نہ سنتے ہوں لیکن احادیث صحیحہ سے مردوں کا سننا اور قبر پر حاضر ہونے والے کے سلام کو سننا ثابت ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ یہ آیت احادیث کے معارض نہیں اس لیے کہ آیت میں سماع موتی کی نفی نہیں بلکہ اسماع موتی کی نفی کی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی یہ کفار بمنزلہ مردوں کے ہیں اور عالم اسباب میں مردوں کو سنانا بشری قدرت سے باہر ہے باقی حق تعالیٰ اگر اپنی قدرت سے کسی مردہ کو سنانا چاہیں تو یہ ممکن ہے جیسے ﴿وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہدایت بمعنی توفیق نبی کی قدرت اور اختیار میں نہیں جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (القصص:۵۶) نبی کا کام حق کا بتلا دینا اور اس کا سنا دینا ہے باقی حق کا دل میں اتار دینا یہ اللہ کا کام ہے اسی طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی یہ کافر دل کے مردہ ہیں۔ ان کو حق بات سنانا آپ کی قدرت میں نہیں ہے۔ نیز احادیث میں زیارت قبور کی تاکید اور مردوں کو بصیغۂ خطاب السلام علیکم۔ سلام کرنے کا حکم آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ مردے بحکم خداوندی سنتے ہیں اور قبر پر حاضر ہونے والے کو اگر زندگی میں پہچانتے تھے تو مرنے کے بعد بھی پہچانتے ہیں۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ

اور جب پڑ چکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور زمین سے، ان سے باتیں کرے گا

اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ع ۱۶

اس واسطے کہ لوگ ہماری نشانیاں یقین نہیں کرتے تھے۔ اور جس دن گھیر لاویں گے ہم ہر فرقے میں سے

فَوْجًا مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ

ایک دَل، جو جھٹلاتے تھے ہماری باتیں پھر ان کی مثل بنیٔ گی۔ یہاں تک کہ جب آپہنچے

قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ

فرمایا کیوں تم نے جھٹلائیں میری باتیں؟ اور آ نہ چکی تھیں تمہاری سمجھ میں یا کہو کیا

تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

کرتے تھے۔ اور پڑ چکی ان پر بات اس واسطے کہ انہوں نے شرارت کی، سو وہ کچھ نہیں بولتے۔

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ

کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی رات اس میں چین پکڑیں اور دن بنایا دیکھنے کا، البتہ

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین کرتے ہیں۔

## ذکر بعض اشراط ساعت یعنی علامات قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ ... الی ... لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں دلائل قاہرہ سے اپنے کمال قدرت اور کمال علم کو بیان کر کے امکان حشر اور امکان قیامت کو ثابت کیا پھر اس پر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو بطور تفریع ذکر کیا۔ اب ان آیات میں مقدمات قیامت یعنی قیامت کی بعض علامتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک دابہ (جانور) زمین سے نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا اور دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا قیامت کی نشانی ہوگی اور قیامت کی علامتوں کا بتلانا سوائے نبی کے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ قیامت کی علامتوں کا علم صرف نبی ہی کے بتلانے سے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب یہ منکرین قیامت عناد اور سرکشی میں اس حد تک پہنچ جائیں گے کہ کسی عالم اور واعظ کی نصیحت اور موعظت ان کے حق میں کارگر نہ ہوگی اور اللہ کا حکم ناطق ان پر آ پڑے گا یعنی ان پر حجت پوری ہو جائے گی اور ہر طرح غضب الٰہی کے مستحق ہو جائیں گے تو اس وقت ان کی فضیحت کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے انسان کی طرح کلام کرے گا اس لیے کہ وہ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔ جو بات پیغمبروں کے اور پیغمبروں کے وارثوں کے کہنے سے نہیں مانی تھی۔ اب وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑے گی۔ مگر اس وقت کا ماننا کچھ نفع نہیں دیگا ماننے کا وقت گزر گیا۔

دابۃ الارض سے ایک جانور مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد قیامت کے قریب مکہ مکرمہ کی سرزمین سے نکلے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے لیے پتھر سے ایک اونٹنی نکالی تھی اسی طرح قیامت کے قریب اللہ تعالیٰ مکہ کی زمین سے ایک دابہ (جانور) نکالے گا اور اس کے پاس ایک مہر ہوگی جس سے مؤمن اور کافر کی پیشانی پر داغ اور نشان لگائے گا۔ مؤمن کی پیشانی پر سفید نشان لگائے گا اور کافر کی پیشانی پر سیاہ داغ لگائے گا اس نشان کے بعد مؤمن اور کافر ظاہری طور پر پہچانا جائے گا کہ یہ مؤمن ہے اور یہ کافر ہے۔

دابۃ الارض کا قیامت کے قریب زمین سے نکلنا قرآن کریم کی اس آیت سے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔ رہا یہ امر کہ اس کی شکل کیسی ہوگی اور کہاں سے نکلے گا اور اس وقت کیا واقعات پیش آئیں گے سو اس بارہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ اخبار آحاد کے درجہ میں ہیں اور خروج دابۃ الارض کے متعلق جو احادیث آئی ہیں ان کی قدرے تفصیل تفسیر قرطبی ص ۲۳۴ ج ۱۳ اور تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۴ ج ۳۔ اور شرح عقیدہ سفارینیہ از ص ۱۳۷ ج ۲۔ تا ص ۱۴۲ میں مذکور ہیں۔

احادیث میں جن مشہور معروف علامات قیامت کا ذکر ہے ان میں سے ایک علامت خروج دابۃ الارض بھی ہے اور دابۃ الارض کا خروج اس وقت ہوگا کہ جب آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے گا۔ اور اس کے بعد لگاتار یکے بعد دیگرے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ سماوی آیات کے لحاظ سے قیامت کی پہلی نشانی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور آیات ارضیہ کے اعتبار

سے پہلی نشانی دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی قریبی نشانی کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں مجمل طریقہ سے روزحشر کے کچھ احوال واہوال کا ذکر فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ ہم جمع کریں گے ہر امت میں سے ایک جماعت اور ایک جتھہ کو ایسے لوگوں میں سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اس روز ہر جماعت اور ہر جتھہ الگ الگ ہوگا۔ ہر گناہ کرنے والوں کی جماعتیں اور جتھے الگ الگ ہوں گے پھر وہ جتھے روکے جاویں گے یعنی ایک جماعت کو دوسری جماعت کے آنے تک الگ جگہ کھڑا کیا جائے گا تاکہ سب جماعتیں ایک جگہ جمع ہوجائیں اور کوئی رہ نہ جائے یہاں تک کہ جب سب میدانِ حشر میں پہنچ جائیں گے تو حساب وکتاب شروع ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم ہی نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم نے میری آیتوں کو اچھی طرح سمجھا بوجھا ہی نہ تھا بغیر سوچے سمجھے ہی جھٹلانا شروع کردیا آخر بتلاؤ تو سہی کہ تم کرتے کیا تھے۔ بے سوچے سمجھے اعمال کفریہ میں مبتلا تھے یعنی سوائے تکذیب کے تمہارا کام ہی کیا تھا اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر عذاب کا حکم واقع ہوجائے گا اور وہ بول بھی نہیں سکیں گے جرم ثابت ہوجائے گا اور دم مارنے کی مجال نہ ہوگی کیا نہیں دیکھا ہے حشر سے انکار کرنے والوں نے کہ ہم نے رات کو بنایا تاکہ سو کر اس میں آرام کریں اور دن کو بنایا روشن تاکہ دیکھ بھال کر اپنے کاروبار کریں مطلب یہ ہے کہ رات کا سونا موت کا نمونہ ہے اور صبح کی بیداری دوبارہ زندگی کا نمونہ ہے روزانہ حشر ونشر کا نمونہ دیکھتے ہیں اور پھر بھی حشر کا انکار کرتے ہیں۔

پس جو خدا روشنی کے بعد اندھیرا اور اندھیرے کے بعد روشنی لانے پر قادر ہے وہ بلاشبہ مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے بیشک لیل ونہار کی اس طرح آمد ورفت میں حشر ونشر کی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین لاتے ہیں رات کا سونا ایک قسم کی موت ہے سونے کے بعد انسان کو اس جہان کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ پس خدا تعالیٰ جس وقت چاہتا ہے تم کو سلاتا ہے اور جب چاہتا ہے تو تم کو جگا دیتا ہے اسی طرح وہ جب چاہے گا تو تم کو موت کے بعد اٹھاوے گا لہٰذا تم اس دنیوی زندگی کو بمنزلہ خواب کے سمجھو اور قبر سے اٹھنے کو بیداری سمجھو کہ سب چیزیں تمہاری آنکھوں کے سامنے روشن ہوجائیں گی۔

| |
|---|
| وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ |
| اور جس دن پھونکا جاوے نرسنگا تو گھبرا جاوے جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں |
| اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۗ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا |
| مگر جس کو اللہ چاہے اور سب چلے آویں اس کے آگے عاجزی سے۔ اور تو دیکھتا ہے پہاڑ جانتا ہے |
| جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۗ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ |
| وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے چلے بدلی کاریگری اللہ کی جس نے سادھی ہے ہر |

| |
|---|
| شَیۡءٍ ؕ اِنَّہٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ |
| چیز اس کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ جو کوئی لایا بھلائی تو اس کو ملنا ہے |
| خَیۡرٌ مِّنۡہَا ۚ وَ ہُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ یَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ ﴿۸۹﴾ وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ |
| اس سے بہتر اور اُن کو گھبراہٹ سے اس دن چین ہے۔ اور جو کوئی لایا بُرائی |
| فَکُبَّتۡ وُجُوۡہُہُمۡ فِی النَّارِ ؕ ہَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۰﴾ |
| سو اوندھے ڈالے ہیں ان کے منہ آگ میں۔ وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ کرتے تھے۔ |

## بیان حال قیامت وجزاء آخرت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ ... الٰی ... اِلَّا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۰﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں اوّل قیامت کا امکان ثابت کیا پھر روز قیامت کے کچھ مبادی اور چند علامتوں کا ذکر کیا۔ اب ان آیات میں روزِ قیامت کا حال اور حشر کی کچھ مجمل کیفیت بیان کرتے ہیں کہ خروج دابۃ الارض اور طلوع الشمس من المغرب کے بعد قیامت کا آغاز اس طرح ہوگا کہ صور پھونکا جائے گا جس سے تمام کائنات درہم برہم ہوجائے گی اور توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔

اور چونکہ روزِ قیامت روز جزاء ہے اس لیے اخیر میں قانون جزا بیان کیا: ﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا ... اِلٰی آخر الاٰیات﴾ چنانچہ فرماتے ہیں اور ذکر کیجیے آپ ان سے اس دن کا جس میں قیامت کا آغاز اس طرح ہوگا کہ اوّل صور پھونکا جائے گا۔ پس اس کی ہیبت اور ہول سے سب گھبرا جائیں گے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے یہ دنیا کی عمر کا آخری دن ہوگا جس کا آغاز نفخ صور سے ہوگا جس کی شدت اور ہول سے آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے گھبرا جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے گا وہ اس گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ﴾ سے جبریل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل اور ارواح انبیاء علیہم السلام اور ارواح شہداء رحمۃ اللہ علیہم مراد ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس استثناء سے عام مؤمنین صالحین مراد ہیں جیسا کہ آئندہ آیت میں ہے: ﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا ۚ وَ ہُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ یَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ﴾ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۴۱ ج ۱۳)

مگر کچھ عرصہ بعد جبریل و میکائیل اور اسرافیل وعزرائیل علیہم السلام اور حاملانِ عرش بھی بدون اثر نفخۂ صور وفات پا جائیں گے۔ کما فی الدر المنثور فی تفسیر سورۃ الزمر اس سے مراد نفخۂ اولیٰ ہے جس کا اثر آسمان وزمین کی تمام مخلوق کو پہنچے گا جو زندہ ہیں۔ وہ گھبرا کے مر جائیں گے اور جو مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہوجائیں گی۔ البتہ جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام اور حاملان عرش اس سے محفوظ رہیں گے مگر بعد میں وہ بھی بحکم خداوندی وفات پا جائیں گے اور بجز واحد قہار کے کوئی باقی نہ رہے گا پھر نفخۂ ثانیہ پر سب زندہ ہو

جائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ایک بار صور پھونکے گا جس سے خلق مرجائے گی۔ دوسرا پھونکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھونکے گا تو گھبرا جائیں گے۔ پھر پھونکے گا تو بے ہوش ہوجائیں گے اور پھر پھونکے گا تو ہوشیار ہوں گے۔ صور پھونکنا کئی بار ہے۔ (موضح القرآن)

اور جمہور علماء کا قول ہے کہ نفخ صرف دو ہیں یعنی صور صرف دو مرتبہ پھونکے گا اور باقی سب احوال واہوال انہی دو نفخوں میں درج ہیں۔ پہلی بار جب صور پھونکا جائے گا تو ابتداء میں آہستہ ہوگا اس لیے اس کو نفخۂ فزع کہا جائے گا پھر یہ جب نفخہ دراز ہوگا تو ایسا سخت ہوجائے گا کہ صعقہ ہوجائے گا یعنی زندوں کے لیے موت ہوگا اور مُردوں کے ارواح کے لیے بیہوشی ہوگا تو اس اعتبار سے اس کو نفخۂ صعق کہا جائے گا اس نفخۂ صعق سے تمام مخلوق مُردہ ہوجائے گی۔ پھر چالیس [1] سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے تمام مردے زندہ ہوجائیں گے۔ (تفسیر قرطبی)

پہلے نفخہ کے بعد جب لوگ مردہ ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایک خفیف بارش نازل کریں گے جو اوس کے مشابہ ہوگی۔ جس سے اجسام میں اگنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی۔ اس بارش کے بعد جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو مردے زندہ ہو جائیں گے اور ایک ایک کر کے سب عاجز اور مطیع ہو کر خدا کے سامنے حاضر ہوجائیں گے۔ اور یہ حاضری حساب و کتاب کے لیے ہوگی۔ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور سروں سے خاک جھاڑتے ہوئے حساب و کتاب کے لیے میدان حشر میں جمع ہوجائیں گے اور پستی اور عاجزی کے ساتھ اللہ کی عظمت و کبریائی کے سامنے حاضر ہوں گے۔ انسان ضعیف البنیان کی حقیقت تو کیا ہے۔ اس عظمت اور کبریائی کے سامنے تو پہاڑ بھی اڑتے ہوئے نظر آئیں گے جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو اے مخاطب تو اس دن پہاڑوں کو اپنی آنکھ سے دیکھے گا۔ ظاہر نظر میں تو ان کو جامد یعنی ایک جگہ ٹھہرا ہوا خیال کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح رواں ہوں گے اور اے مخاطب تو اس پر تعجب نہ کر بلکہ خدا کی صنعت پر نظر [2] کر اور اس کی کاریگری کو دیکھ جس نے ہر چیز کو مضبوط اور مستحکم بنایا ہے۔ پس جو خدا پہاڑوں کے مضبوط بنانے پر قادر ہے وہ ان کے اکھیڑنے پر بھی قادر ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے پورا باخبر ہے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دی جائے گی یہ تو یوم حساب کا کچھ حال تھا۔ اب آگے جزا و سزا کا قانون اور ضابطہ بیان کرتے ہیں جو شخص اس دن نیکی لے کر آئے گا یعنی ایمان اور عمل صالح لے کر آئے گا تو اس کی نیکی سے بہتر اجر ملے گا اور ایسے ہی لوگ اس دن گھبراہٹ سے مامون اور محفوظ ہوں گے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ آیت میں نفخۂ فزع سے جو استثناء کیا گیا تھا وہ عام مؤمنین صالحین کو شامل ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے: ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾ (الانبیاء: ۱۰۳) اور عجب نہیں کہ یہ مطلب ہو کہ نفخ صور کا فزع صرف کافروں کو ہوگا۔ اہل ایمان اس سے محفوظ اور مامون رہیں گے اور اس روز جو لوگ بدی یعنی کفر اور شرک کو لے کر آویں گے تو وہ منہ کے بل آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نہیں سزا دیئے

---

[1] قد روی ابن المبارک عن الحسن قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین النفختین اربعون سنة الاولیٰ یمیت اللہ بہا کل حی والاخریٰ یحیی اللہ بہا کل میت. (تفسیر قرطبی ص ۲۴۰ ج ۱۳)

[2] فیہ اشارۃ الیٰ ان صنع اللہ منصوب علی الاغراء بمعنی انظر واصنع اللہ. (روح المعانی)

جارہے ہو مگر ان اعمال کی جو تم دُنیا میں کیا کرتے تھے اور اس کے بعد ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تا کہ ان کو معلوم ہو کہ اس جرم کی سزا میں ہم کو جہنم میں ڈال جارہا ہے۔

| |
|---|
| اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ |
| مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو رکھا ادب کا اور اسی کی ہے ہر |
| شَیْءٍ ؗ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ |
| چیز۔ اور حکم ہے کہ رہوں حکم برداروں میں۔ اور یہ کہ سنا دوں قرآن۔ |
| فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا |
| پھر جو کوئی راہ پر آیا سو راہ پر آوے گا اپنے بھلے کو۔ اور جو کوئی بہکا رہا تو کہہ دے میں یہی ہوں |
| مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَ مَا |
| ڈر سنانے والا۔ اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو آگے دکھادے گا تم کو اپنے نمونے تو ان کو پہچان لو گے اور |
| رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع |
| تیرا رب بے خبر نہیں ان کاموں سے، جو کرتے ہو۔ |

ع ۷/۱۱

## خاتمۂ سورت بر حکم عبادت وتلاوت قرآن

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ... الی... وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾

**ربط**: جب اللہ تعالیٰ مبدأ اور معاد اور قیامت اور علامات قیامت اور قانون جزا اور سزا کو بیان کر چکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم کرتے ہیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے۔

① ایک تو خدا کی عبادت۔ یعنی توحید خالص

② دوم دین اسلام پر استقامت۔

③ سوم قرآن مجید کی تلاوت جو تبلیغ احکام اور دعوتِ اسلام کا اوّلین ذریعہ ہے۔

اور بتلادیا کہ راہِ راست پر چلنے سے بندہ ہی کا فائدہ ہے۔ اور نہ چلنے سے بندہ ہی کا نقصان ہے اور اللہ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ لہٰذا اعمال صالحہ عبادت اور تلاوت میں لگے رہو تا کہ آخرت میں کام آویں۔

**ربط دیگر** کہ گزشتہ آیات میں مبدأ اور معاد کو اور ایمان اور ہدایت کو بیان کیا اب نبی اکرم ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ رسالت کر چکے اور حق دعوت ادا کر چکے۔ منکرین پر حجت پوری ہو گئی۔ لہٰذا آپ ﷺ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھیں اور ان مخالفین کی پروانہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبیؐ! آپ ان لوگوں سے یہ کہہ دیجیے کہ بس مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت اور بندگی میں لگا رہوں جس پروردگار نے اس کو حرم محرم ٹھہرایا ہے کہ اس نے اس شہر میں قتل وقتال کو اور شکار کرنے کو اور اس کے گھاس کاٹنے کو اور بغیر احرام کے اس میں داخل ہونے کو ممنوع قرار دیا ہے اور اس کی تحریم خدا کی طرف سے ہے بتوں کی طرف سے نہیں ہے اور ہر شئے اسی پروردگار کی مِلک ہے اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ کے فرنبرداروں میں سے رہوں یعنی توحید اور اخلاص اور عبودیت پر قائم اور ثابت قدم رہوں اور مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں یعنی خود بھی پڑھتا رہوں اور تم کو بھی پڑھ کر سناتا رہوں اس آیت میں تلاوت قرآن کے حکم سے تلاوت قرآن پر مواظبت اور مداومت مراد ہے خواہ وہ تلاوت بطریق عبادت ہو یا بطریق دعوت ہو یعنی مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں برابر قرآن کی تلاوت میں لگا رہوں اور مسلسل تم کو اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچاتا رہوں سو جو کوئی میری ہدایت سے راہ ہدایت پر آجاوے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے راہِ ہدایت پر آتا ہے اس کا نفع اسی کی ذات کو ہے اس نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا اور جو شخص راہ ہدایت بتلانے کے بعد بھی گمراہ رہا تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں اور بس۔ یعنی میرا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے میرا یہ کام نہیں کہ تم سے زبردستی منواؤں اور آپ کہہ دیجیے کہ شکر ہے خدا تعالیٰ کا جس نے مجھ کو منصبِ رسالت پر فائز کیا اور اپنے پیغام پہنچانے کی توفیق دی۔ اب نتیجہ اور انجام سب اس کے ہاتھ میں ہے سو وہ عنقریب تم کو اپنی قدرت کی اور میری نبوت کی نشانیاں دکھلائے گا جن کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ پھر تم ان کو پہچان لو گے جن کا تم اب انکار کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان پر حجت پوری نہ کر دے اس لیے وہ وقتاً فوقتاً تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں اور آخرت کی نشانیاں دکھلائے گا۔ آخرت کی آخری نشانیوں میں سے زمین سے دابۃ الارض کا خروج ہے مگر نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لانا چنداں مفید نہیں اب اگر ایمان لے آؤ تو نفع دے گا۔ اور اے نبی ﷺ! تیرا پروردگار بنی آدم کے اعمال سے غافل نہیں وہ ان کے اعمال سے خبردار ہے۔ اعمال کے مطابق ان کو سزا دے گا۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ آخرت پر ایمان لائیں اور اس کی تیاری کریں۔

براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تفسیر سورۂ قصص

اس سورت کا نام سورۂ قصص ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کے مختلف قصے مذکور ہیں۔ مزید برآں اس سورت میں قارون کا قصہ بھی مذکور ہے۔ قصص مصدر ہے جس کے معنی اخبار یعنی خبر دینے کے ہیں اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ موسیٰ علیہ السلام کس طرح اعداء اسلام کے ملک اور وطن سے نکل کر ایسی جگہ پہنچے (مدین) جہاں اللہ کے نبی اور اس نبی کے اصحاب آباد تھے اللہ نے دشمنوں سے نجات دی اور عزت وراحت کا سامان کیا اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں خدا کی طرف سے نبوت ورسالت کا خلعت ملا۔ لہٰذا سمجھ لو کہ جو شخص دشمنانِ خدا کے درمیان سے نکل کر بھاگتا ہے تو وہ اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں کا محل بنتا ہے۔

یہ سورت مکی ہے مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ بوقت ہجرت نازل ہوئی اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

**ربط:** گزشتہ سورت یعنی سورۂ نمل کا افتتاح حقانیت قرآن کے بیان سے ہوا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيۡنٍ﴾ (النمل:۱) اور پھر اس کا اختتام تلاوت قرآن کے حکم پر ہوا ﴿وَ اَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ﴾ اس مناسبت سے اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن کے بیان سے فرماتے ہیں یعنی ﴿طٰسٓمّٓ ○ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ﴾ سے فرمایا اور پہلی سورت کی طرح اس سورت کے شروع میں بھی موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اولاً اجمالاً ذکر اور ثانیاً اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جس سے مقصود رسالت محمدیہ کا اثبات اور منکرین نبوت اور اہل نخوت ورعونت کی تہدید ہے دور تک اسی طرح سلسلۂ کلام چلا گیا اور جس طرح سورۂ نمل میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصوں کے بعد دلائل توحید کا ذکر کیا فرمایا اور پھر اثبات معاد اور تذکیر آخرت پر سورت مذکورہ کو ختم فرمایا اسی طرح اس سورت میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مفصل قصہ کے بعد اول دلائل توحید کا ذکر فرمایا اور پھر تذکیر آخرت اور توحید الوہیت پر سورت کو ختم فرمایا نیز گزشتہ سورت میں بلقیس ملکہ سبا کا قصہ ذکر فرمایا اور اس سورت میں تفصیل کے ساتھ فرعون کا قصہ ذکر فرمایا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ملکہ سبا ایک عورت تھی اور اس کا ملک، ملک مصر سے زیادہ وسیع تھا۔ مگر وہ تو سلیمان علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آئی اور فرعون مرد تھا اور ایک صوبہ کا حکمران تھا مگر باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات قاہرہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لایا معلوم ہوا کہ ہدایت اور ضلالت منجانب اللہ ہے ﴿يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ﴾ (النحل:۹۳) فرعون حکومت کے نشہ میں تھا اور قارون دولت کے نشہ میں تھا اس لیے اس سورت کے اوّل میں فرعون کا قصہ اور اس سورت کے آخر میں قارون کا قصہ ذکر کیا تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔

آیاتہا ۸۸ (۲۸) سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ (۴۹) رکوعاتہا ۹

سورۂ قصص مکی ہے اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ

طٰسٓمّٓ ○ یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی۔ ہم سناتے ہیں تجھ کو کچھ احوال

مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳

موسیٰ اور فرعون کا تحقیق ایک لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں۔

## آغاز سورت بحقانیت قرآن وذکر اجمالی قصہ

### سیدنا موسیٰ علیہ السلام وفرعون برائے تہدید اہل نخوت ورعونت ومنکرین نبوت ورسالت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ . . . الی . . . مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳﴾

**ربط**: گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن سے فرمایا جو رسالت محمدیہ ﷺ کی سب سے واضح اور روشن دلیل ہے اور فرعون کا قصہ ذکر کیا جس سے اہل نخوت ورعونت کی تہدید مقصود ہے کہ متکبرین کو چاہیے کہ فرعون کے قصہ سے عبرت پکڑیں کہ جس نے بنی اسرائیل کو ضعیف اور کمزور سمجھ کر ظلم وستم میں کسر نہ اٹھا رکھی اور اپنی وقتی طاقت کے غرور میں خدا کے حکم اور اس کی تاخیر اور مہلت سے غافل رہا اور اس کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے اسی طرح قریش مکہ کو چاہیے کہ مسلمانوں کو ضعیف اور کمزور سمجھ کر خدا کی گرفت سے بے خوف نہ ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ انہی کمزور مسلمانوں کو ایسی قوت اور طاقت عطا کرے کہ انہی کو تم پر حکمران کر دے اللہ کی قضاء وقدر کی کسی کو خبر نہیں۔

نیز گزشتہ سورت کے آخر میں مضطر کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ﴾ (النمل: ۶۲) کہ اللہ تعالیٰ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے مظلوم کو ظالم پر حکمران بناتا ہے اس سورت میں بھی بنی اسرائیل کے اضطرار اور بے چینی کو دور کرنے کا ذکر فرماتے ہیں: ﴿طٰسٓمّٓ﴾ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں یہ آیتیں ہیں اس کتاب کی بین جو واضح اور جلی ہے اور حقائق ومعارف کی ظاہر کرنے والی ہے اے نبی ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کا کچھ حال ذکر کرتے ہیں۔ جو ٹھیک اور واقع کے مطابق ہے ان لوگوں کی بصیرت اور ہدایت کے لیے جو حق کے ماننے والے اور قبول کرنے

والے ہیں۔ طالبانِ حق کی ہدایت اور عبرت کے لیے اس قصہ کو بیان کرتے ہیں تا کہ ان واقعات کو سُن کر عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں اور اپنی اصلاح اور تربیت کا ذریعہ بنائیں۔ قرآن کریم میں جابجا جو قصے بیان کیے جاتے ہیں ان کو محض قصہ اور افسانہ نہ سمجھیں۔ بلکہ ان کو ہدایت نامہ اور نصیحت نامہ سمجھیں۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ

فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھے تھے وہاں کے لوگ کئی جتھے کمزور کر رکھا

طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَهُمْ ط إِنَّهٗ كَانَ

ایک فرقے کو ان میں ذبح کرتا ان کے بیٹے اور جیتی رکھتا ان کی عورتیں۔ وہ تھا

مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴ وَنُرِيْدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي

خرابی ڈالنے والا۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان پر جو کمزور پڑے تھے

الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ لا وَنُمَكِّنَ لَهُمْ

ملک میں، اور کر دیں ان کو سردار اور کردیں ان کو قائم مقام۔ اور جما دیں ان کو

فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا

ملک میں اور دکھا دیں فرعون اور ہامان کو اور ان کے لشکروں کو، ان کے ہاتھ سے جس چیز کا

يَحْذَرُوْنَ ۝۶ وَأَوْحَيْنَآ إِلٰٓى أُمِّ مُوْسٰٓى أَنْ أَرْضِعِيْهِ ج فَإِذَا خِفْتِ

خطرہ رکھتے تھے۔ اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلا۔ پھر جب تجھ کو ڈر ہو

عَلَيْهِ فَأَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ج إِنَّا رَآدُّوْهُ إِلَيْكِ وَ

اس کا تو ڈال دے اس کو پانی میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا۔ ہم پھر پہنچا دیں گے اس کو تیری طرف۔ اور

جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ

کریں گے اس کو رسولوں سے۔ پھر اٹھا لیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو ان کا

عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ⑧

دشمن اور کڑھانے والا۔ بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر چوکنے والے تھے۔

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤى

اور بولی فرعون کی عورت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے مجھ کو اور تجھ کو۔ اس کو نہ مارو۔ شاید

اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ

ہمارے کام آوے یا ہم اس کو کر لیں بیٹا اور ان کو خبر نہیں۔ اور صبح کو

اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا

موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا۔ نزدیک ہوئی کہ ظاہر کر دے بیقراری کو، اگر نہ ہم نے گرہ کر دی ہوتی اس کے دل پر،

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ

اس واسطے کہ رہے ایمان والوں میں۔ اور کہہ دیا اس کی بہن کو، اس کے پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی

بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑪ۙ وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ

اس کو اجنبی ہو کر اور ان کو خبر نہ ہوئی۔ اور روک رکھی تھی ہم نے اس سے دائیاں

قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ

پہلے سے، پھر بولی میں بتاؤں تم کو؟ ایک گھر والے وہ اس کو پال دیں تم کو اور وہ اس کے

نٰصِحُوْنَ ⑫ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ

بھلا چاہنے والے ہیں۔ پھر پہنچایا اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھاوے اور جانے

اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑬ ع

کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے۔

# تفصیل قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام با فرعون

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ... الٰی... وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾﴾

**ربط**: گزشتہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا نہایت اجمال کے ساتھ تذکرہ فرمایا۔ اب آئندہ رکوعات میں اس کی تفصیل فرماتے ہیں اور یہ قصہ اگرچہ سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں بھی گزر چکا ہے لیکن جس قدر تفصیل یہاں بیان کی گئی ہے وہ گزشتہ سورتوں میں نہیں گویا کہ سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں جو ایجاز اور اختصار تھا اس سورت میں اس کی شرح اور تفصیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق فرعون اللہ کی زمین میں تکبر اور تجبر اور طغیان اور سرکشی پر اتر آیا زمین کے باشندہ میں تو یہ قدرت نہیں کہ وہ بلندی میں ہوا کا مقابلہ کر سکے۔ چہ جائیکہ آسمان کی بلندی پر پہنچ سکے اس کی سرکشی نے تو حد ہی کر دی۔ زمین پر بیٹھ کر زمین والوں سے کہتا ہے ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى... اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ (النازعات: ۲۴) میں تم سب کا رب اعلیٰ ہوں زمین پر رہنے والا تو اپنا بھی رب نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ زمین کے ایک خطہ کے باشندوں کا رب بن سکے۔ کسی نے سچ کہا الجنون فنون جنون کی بہت سی قسمیں ہیں۔

غرض یہ کہ فرعون نے بڑا تکبر کیا اور وہی اس کو لے کر ڈوبا۔ دیکھ لو اور سوچ لو کہ حق سے تکبر کا کیا انجام ہوتا ہے اور اہل مصر کو اس نے گروہ گروہ کر دیا۔ قبطیوں کو معزز بنایا اور بنی اسرائیل کو ان کا خادم بنایا۔ وہاں کے باشندوں میں سے ایک گروہ کو یعنی بنی اسرائیل کو کمزور جانتا تھا اور ان سے بیگار لیتا تھا بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں یعنی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تاکہ ان سے خدمت لے نیز ان سے اس کو کوئی اندیشہ بھی نہ تھا۔

تحقیق یہ بدبخت بڑے ہی مفسدوں میں سے تھا۔ غرور کے نشہ میں جو دل میں آتا بے سوچے سمجھے کر گزرتا جھجکتا نہ تھا زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تعجب ہے فرعون کی حماقت پر۔ کیونکہ جس کاہن نے اس کو یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کے ایک مولود کے ہاتھ پر اس کا ملک جاتا رہے گا اگر وہ کاہن فرعون کے نزدیک سچا تھا تو یہ قتل اور یہ بے رحمی اور ایذا رسانی اس کو نفع نہ دے گی۔ اور اگر جھوٹا تھا تو یہ قتل اور ظلم بے معنی اور بیکار تھا۔

شیخ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم مع سارہ علیہما السلام کے ابتداء ہجرت میں ملک مصر میں داخل ہوئے تو شاہِ مصر نے حضرت سارہ علیہا السلام کو بدی کے خیال سے گرفتار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مرگی میں مبتلا کر دیا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں بیکار ہو گئے اس نے اپنے اس خیال بد سے توبہ کی اور حضرت سارہ علیہا السلام سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی دعا کی برکت سے اس سے یہ کیفیت دور ہوئی تو اس نے آپ کی خدمت کے لیے آپ کو ہاجرہ علیہا السلام دے کر رخصت کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہاجرہ علیہا السلام بعض ملوک قبط کی لونڈی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہاجرہ علیہا السلام فرعون مصر کی بیٹی تھیں۔ بطور اعزاز و اکرام ان کو ہدیۃً دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام کو بشارت دی کہ تیری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا کہ جس کے ذریعہ مصر کی بادشاہت ختم ہوگی اور مصر کا بادشاہ ہلاک ہوگا۔ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس پیشگوئی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ شدہ شدہ یہ خبر فرعون کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ یہ خبر سن کر فرعون ڈر گیا اور بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا حکم جاری کیا۔ احمق کو یہ خبر نہ تھی کہ حذر (احتیاط اور تدبیر) قضاء و قدر سے نہیں بچا سکتی جس سے اس کو ڈر تھا خدا تعالیٰ نے اس کی پرورش خود اس کے ہاتھ سے اسی کے گھر میں کرا دی۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۹ ج ۳)

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود — قصہ فرعون زیں افسانہ بود

غرض یہ کہ فرعون اسی فکر میں تھا کہ بنی اسرائیل کو فنا کر دے یہاں تک کہ ان کا نام ونشان بھی نہ رہے اور ہمارا ارادہ اور مشیت یہ تھی کہ ہم ان لوگوں پر اپنا فضل وکرم کریں کہ جو زمین مصر میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور ان کو پیشوائے دین بنائیں اور دُنیا میں ملک اور سلطنت کا وارث بنائیں اور زمین میں ان کو تمکین اور دسترسی بخشیں یعنی اپنی قدرت اور اختیار سے ملک مصر میں تصرف کریں اور حکم جاری کریں اور فرعون اور ہامان کو اور ان کے لشکروں کو انہی کمزوروں سے وہ چیز دکھلا دیں جس سے وہ ڈر رہے تھے اور بچ رہے تھے اور جس سے بچنے کے لیے بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد کو ذبح کر رہے تھے مگر قضاء وقدر کے سامنے اس کی یہ تدبیر کام نہ آئی۔ چنانچہ وہ مولود مسعود پیدا ہوا اور جس کے ڈر سے فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرا رہا تھا، خدا نے اسی بچہ کی تربیت اور سامان راحت کا انتظام فرعون ہی کے گھر میں کر دیا چنانچہ فرماتے ہیں اور انہی دنوں جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ پر خوف طاری ہوا کہ اب یہ بچہ مجھ سے لے کر ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت ہم نے ان کی والدہ کو الہام ﴿۱﴾ کیا کہ جب تک اخفاء ممکن ہو تو تم بے خوف وخطر اس بچہ کو دودھ پلاتی رہو تا کہ وہ تیرے مبارک دودھ سے ایسا مانوس ہو جائے کہ پھر کسی اور کا دودھ قبول ہی نہ کرے پھر جب تم کو اس کے متعلق کوئی اندیشہ لاحق ہو تو اس کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور نہ اس کے ڈوبنے کا اور نہ اس کے ضائع ہونے کا خوف کرو اور نہ اس کی جدائی سے حزیں اور غمگین ہو تو یقین رکھو کہ ہم بلاشبہ اس کو تمہاری طرف واپس کر دیں گے اور اسی پر بس نہ کریں گے بلکہ آئندہ چل کر اس کو اپنے پیغمبروں میں سے بنائیں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ ان کی والدہ نے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اس دریا کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی۔ صندوق بہتا بہتا اسی جگہ جا پہنچا جہاں فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام اور دیگر اہل خانہ کھڑے تھے۔ پس فرعون کے اہل خانہ نے اس صندوق کو اٹھا لیا اور کھولا۔ اس مولود مسعود کو جب دیکھا تو اس کے بے مثال حسن وجمال کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔ ﴿وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ﴾ (طٰہٰ: ۳۹) یعنی جو شخص موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا وہ بے اختیار آپ علیہ السلام سے محبت اور پیار کرنے لگتا اس لیے اس کے قتل سے باز رہے اور پالنے کی غرض سے اس کو اٹھا لیا تا کہ آئندہ چل کر فرعونیوں کے لیے دشمن ثابت ہو اور ان کے رنج وغم کا سامان ہو اس طرح خدا تعالیٰ نے فرعون کا دشمن خود اسی کے گھر میں پرورش کے لیے پہنچا دیا۔ بے شک فرعون اور اس کا وزیر ہامان اور ان کے لاؤ لشکر سب کے سب خطا کار تھے۔ ان کو خبر نہ تھی کہ اس کے ہاتھ سے ہماری تباہی مقدر ہو چکی ہے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ یہ مجرمین اپنی سزا کو پہنچیں۔ گھر والے چاہتے تھے کہ اس بچہ کو قتل کر دیں بایں خیال کہ یہ بچہ کہیں اسرائیلی نہ ہو اور کسی نے اس کی جان بچانے کے لیے اس کو دریا میں ڈال دیا ہو لیکن فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم علیہا السلام نے فرعون سے کہا اس بچہ کے قتل کے درپے نہ ہو دیکھو کیسا پیارا بچہ ہے خیر اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف کے مارے اپنے بچہ کو ڈالا ہے تو اگر یہ لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ میرا گمان ہے کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس پر تو نظر ٹھہر ﴿۲﴾ جاتی ہے اس بچہ کو مت قتل کرو معلوم نہیں کہ کس سرزمین سے آیا ہے اور کس طرح سے آیا ہے۔ مجھے اس سے ضرر کا اندیشہ نہیں۔ شاید یہ ہمارے کام آوے اور ہم اس سے خیر

---

﴿۱﴾ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی﴾ میں وحی سے وحی الہام مراد ہے کہ جو اولیاء اللہ کو بھی ہوتا ہے اس قسم کی وحی مراد نہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کو ہوتی ہے۔

﴿۲﴾ اشارہ اس طرف ہے کہ قرۃ۔ قرار سے مشتق ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

کو پہنچیں کیونکہ مجھے اس میں خیر اور نفع کے آثار معلوم ہوتے ہیں یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ یہ اس لیے کہا کہ اس کی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ فرعون بولا (لَكِ لَا لِيْ) تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا نہ کہ میری تقدیر ازلی نے یہ الفاظ اس کی زبان سے جبراً نکلوائے اگر آسیہ علیہا السلام کی طرح فرعون بھی لِیْ کہہ دیتا تو اس کو بھی ہدایت میں حصہ مل جاتا۔ بہر حال فرعون نے اور اہل خانہ نے اس بات کو مان لیا اور بچہ کو پالنے کے لیے اٹھالیا اور ان کو خبر نہ تھی کہ آئندہ چل کر کیا ہونے والا ہے اور ادھر یہ قصہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل صبر سے خالی ہوگیا اور قریب تھا کہ بے قراری کی وجہ سے بچہ کا حال ظاہر کردیں اور بے تابی کی وجہ سے راز فاش کردیں اگر ہم نے ان کے دل کو صبر کی رسی سے نہ باندھ دیا ہوتا تو راز کے فاش ہونے میں کچھ دیر نہ رہی تھی اور ہم نے اس کے دل پر صبر اور ہمت کی گرہ اس لیے لگائی کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے کہ اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوکر رہے گا اور اس کو وعدۂ الٰہی کا عین الیقین حاصل ہوجائے۔

فرعون کی محل سرائے میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو تمام شہر میں اس کی شہرت ہوگئی کہ صندوق میں سے ایک لڑکا برآمد ہوا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جن کا نام یوحانذ تھا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن یعنی اپنی بیٹی سے کہا جن کا نام مریم یا کلثوم تھا۔ کہ جا اپنے بھائی کو تلاش کر اور اس کی کھوج لگا دریا کے کنارے کنارے بھائی کے ساتھ چلی جا اور دیکھ کہ کیا پیش آتا ہے چنانچہ وہ نکل کھڑی ہوئیں اور دور سے دیکھتی چلیں اور فرعون کے دروازہ تک پہنچیں۔ پس اس نے بچہ کو دور سے دیکھا کہ وہ زندہ اور صحیح سالم ہے دور سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کو اس طرح سے دیکھا کہ گویا اس کو کچھ غرض نہیں اور وہ لوگ جانتے نہ تھے کہ یہ دیکھنے والی اس کی بہن ہے اور کس تاک میں ہے غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام اس طرح فرعون کے گھر میں پہنچے اور قتل سے بچ گئے اور ملکہ آسیہ علیہا السلام نے پیار سے اس کو گود میں اٹھالیا اور ان کے لیے اناؤں کی تلاش شروع ہوئی۔ اور جب انائیں ان کے واسطے آئیں تو ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اناؤں کا دودھ ان پر حرام کردیا یعنی دودھ پینے سے روک دیا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کسی انّا کا دودھ نہ پی سکیں۔ یہ دیکھ کر ملکہ آسیہ علیہا السلام اور سارے گھر والے پریشان ہوگئے اور شہر میں اناؤں کی تلاش شروع ہوئی۔ جو عورت بھی آتی تو موسیٰ علیہ السلام اس کا دودھ قبول نہ کرتے تکوینی اور تقدیری طور پر سب اناؤں کا دودھ ان پر حرام ہوچکا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن دُور سے کھڑی یہ ماجرا دیکھتی رہیں کچھ دیر کے بعد بولیں کیا میں تم کا ایسے گھر والوں کا پتہ نہ دوں جو تمہارے لیے اس کی پرورش کی کفالت کریں یعنی اس کی رضاعت اور تربیت کے ضامن ہوں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں یعنی اس پر مشفق اور مہربان بھی ہوں۔ یہاں خود اس کی جستجو تھی فوراً جاکر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلا لائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی گود میں پہنچتے ہی دودھ پینا شروع کردیا۔ فرعون یا ملکہ آسیہ علیہا السلام بولی تو کون عورت ہے کہ اس بچہ نے سوائے تیرے پستان کے کسی کو منہ نہ لگایا۔ فرعون کے گھر والوں کو شبہ ہوا کہ یہ عورت کہیں اس کی ماں نہ ہو۔ عورت نے جواب دیا کہ میں ایک پاکیزہ عورت ہوں مجھ میں سے ایک خوشبو آتی ہے اور دودھ نہایت لطیف اور شیریں ہے جو بچہ بھی میرے پاس آتا ہے وہ میرا دودھ بہت خوشی سے پی لیتا ہے۔ پس وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور ان سے یہ درخواست کی کہ یہیں رہا کریں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے عذر کردیا کہ میرا گھر ہے اور میرا شوہر ہے اور بچے ہیں اس لیے میں دن رات یہاں نہیں رہ سکتی لیکن اگر آپ پسند کریں تو اپنے گھر رکھ کر اس کو دودھ پلا سکتی ہوں۔ فرعون کے گھر والوں نے اس کو منظور کرلیا اور ایک دینار یومیہ اجرت مقرر ہوگئی۔ اور بچہ کو لے کر گھر واپس آگئیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۱ ج ۳)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں پس اس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی طرف واپس کردیا تا کہ ان کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور بیٹے کی

جدائی کا غم نہ رہے اور تا کہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اللہ نے جو بچہ کی واپسی کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ ولیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ اللہ کا وعدہ کس طرح پورا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا اور دین و دُنیا ہر دو اعتبار سے ان کی والدہ کو بلکہ سارے گھرانہ کو فکر معاش سے بے فکر کر دیا۔ گھر بیٹھے مال و زر بھی پہنچ رہا ہے اور دو وقت الوانِ نعمت کا خوان کلاں بھی پہنچ رہا ہے خدا اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں سے یہ فائدہ پہنچاتا ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى

اور جب پہنچا اپنے زور پر، اور سنبھلا۔ دیا ہم نے اس کو حکم اور سمجھ اور اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں

الْمُحْسِنِيْنَ ⑭ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ

نیکی والوں کو۔ اور آیا شہر کے اندر جس وقت بے خبر ہوتے تھے وہاں کے لوگ، پھر پائے

فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ

اس میں دو مرد لڑتے۔ یہ اس کے رفیقوں میں اور یہ اس کے دشمنوں میں۔ پھر فریاد کی

الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى

اس پاس اس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں، اس کی جو تھا اس کے دشمنوں میں، پھر مُکا مارا اس کو موسیٰ نے پھر اس کو

عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ⑮

تمام کیا۔ بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے۔ بیشک وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

بولا اے رب! میں نے بُرا کیا اپنی جان کا۔ سو بخش مجھ کو، پھر اس کو بخش دیا۔ بیشک وہی ہے

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑯ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا

بخشنے والا مہربان۔ بولا اے رب! جیسا تو نے فضل کیا مجھ پر۔ پھر میں کبھی نہ ہونگا مددگار

لِّلْمُجْرِمِيْنَ ⑰ فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى

گناہ گاروں کا۔ پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا راہ دیکھتا تبھی جس نے

اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ يَسۡتَصۡرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ

کل مدد مانگی تھی اُس سے فریاد کرتا ہے اس کو۔ کہا موسیٰ نے بے شک تو بے راہ

مُّبِيۡنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ يَّبۡطِشَ بِالَّذِىۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ

ہے صریح۔ پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اس پر جو دشمن تھا ان دونوں کا۔ بول اٹھا

يٰمُوۡسٰٓى اَتُرِيۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِىۡ كَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ۖ اِنۡ

اے موسیٰ کیا چاہتا ہے کہ خون کرے میرا؟ جیسے خون کر چکا ہے ایک جی کا کل کو۔

تُرِيۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ جَبَّارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا تُرِيۡدُ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ

تو یہی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے ملک میں ، اور نہیں چاہتا ہے کہ ہووے

الۡمُصۡلِحِيۡنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡعٰى ۫ قَالَ

ملاپ کر دینے والا۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا۔ کہا

يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ الۡمَلَاَ يَاۡتَمِرُوۡنَ بِكَ لِيَقۡتُلُوۡكَ فَاخۡرُجۡ اِنِّىۡ لَكَ مِنَ

اے موسیٰ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر، کہ تجھ کو مار ڈالیں سو نکل جا، میں تیرا

النّٰصِحِيۡنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ مِنَ

بھلا چاہنے والا ہوں۔ پھر نکلا وہاں سے ڈرتا راہ دیکھتا۔ بولا اے رب خلاص کر مجھ کو

الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۸ ۵

اس قوم بے انصاف سے۔

## موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ شباب کا واقعہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰٓى ... اِلٰى ... رَبِّ نَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۱﴾﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کی غیبی حفاظت اور دشمن کے گھر میں ان کی تربیت کا ذکر فرمایا۔ اب ان کے زمانہ شباب کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام پرورش پا کر اپنی پوری جوانی اور کمال قوت کو پہنچے اور قوتِ عقلیہ کے لحاظ سے بھی

کمال اور اعتدال کو پہنچ گئے تو ہم نے ان کو خاص حکمت اور خاص علم وفہم عطاء کیا اور آئندہ ٭ چل کر ان کے لیے نبوت ورسالت کو مقدر کیا اور اس کو بعید نہ سمجھو ہم اپنے نیکوکاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کی اور اپنے بچے کو سمندر میں ڈال دیا اور اللہ عزوجل کے وعدہ کو دل سے سچا جانا تو بچہ واپس مل گیا اور بچہ کو علم وحکمت عطا کر دیا گیا۔ نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا ملا کرتا ہے اور اسی زمانۂ شباب کا ایک واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شہر مصر کے اندر داخل ہوئے لوگوں کی غفلت اور بے خبری کے وقت میں شہر میں داخل ہوئے یعنی دوپہر کے وقت جو قیلولہ اور آرام کا وقت ہے یا رات کے وقت جو سونے کا وقت ہے یا مغرب وعشاء کے درمیان۔ تو شہر کے اندر دو شخصوں کو لڑتا ہوا پایا ایک تو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ سے تھا یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں کے گروہ سے تھا یعنی قبطیوں میں سے تھا۔ پس اس شخص نے جو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ سے تھا اس شخص کے مقابلہ میں فریاد کی جو ان کے دشمنوں میں سے تھا کہ مجھ سے اس فرعونی کا ظلم دفع کریں اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی مدد کریں غرض یہ کہ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر مدد اور اعانت چاہی کہ اس ظالم قبطی کے پنجۂ ظلم سے مجھ کو چھڑائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی سے کہا کہ اس کو چھوڑ دو اس نے نہ مانا پس موسیٰ علیہ السلام نے ظالم کو مظلوم سے دفع کرنے کے لیے اس ظالم کو ایک مُکا مارا پس اس کے مکے نے ظالم کا کام تمام کر دیا موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قبطی کے قتل کا نہ تھا صرف قبطی کے ظلم کو دفع کرنا تھا اور مظلوم ٭ کی اعانت اور امداد تمام ملتوں میں اور تمام حکومتوں میں عقلاً وشرعاً لازم ہے موسیٰ علیہ السلام نے بغرض تادیب وتنبیہ اس ظالم کے ایک گھونسا مارا۔ قضاء وقدر سے اتفاق ایسا ہوا کہ اسی گھونسے میں اس کی موت تھی گھونسا لگتے ہی اس کا وقت پورا ہوگیا موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ وہ ایک گھونسا لگنے سے یکایک مرگیا تو نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو شیطان کے کام سے معلوم ہوتا ہے بیشک شیطان کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے شیطان ہر وقت اس تاک میں رہتا ہے کہ انسان کسی غلطی میں مبتلا ہو جائے چونکہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے کہ وہ ابتداء سن شعور سے لے کر اخیر تک خلافِ اولیٰ اور ترک افضل پر بھی استغفار کرتے ہیں جو ان کے کمال تقویٰ اور کمال ورع کی دلیل ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس معمولی غفلت اور غیر اختیاری فعل پر بھی استغفار کی اور کہا: اے پروردگار! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ بغیر تیرے حکم نازل ہوئے میں نے ایک قبطی کو مار ڈالا۔ پس تو مجھے بخش دے مجھے اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ایک مکا مارنے سے وہ مر جائے گا۔ اُمید ہے کہ آپ میری اس بھول چوک کو معاف فرمادیں گے جس طرح آدم علیہ السلام نے اپنی بھول چوک پر ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ (الاعراف: ۲۳) کہا تھا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی ﴿رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ﴾ کہا۔

پس اللہ نے ان کی بھول چوک کو بخش دیا۔ بیشک وہی بڑا بخشنے والا مہربان۔ موسیٰ علیہ السلام نے گزشتہ کے متعلق تو توبہ استغفار کی اور آئندہ کے متعلق یہ کہا: کہ اے پروردگار! میں بحق انعام تجھ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی مجرموں کا مددگار اور پشت پناہ نہ بنوں گا۔ یعنی آئندہ کسی کی ایسی مدد نہ کرونگا کہ جو گناہ کا سبب بن جائے جیسا کہ اس وقت سبطی کی مدد کرنے سے قبطی قتل ہوگیا آئندہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرونگا جو مجرمین کی اعانت اور امداد کا سبب بن جائے۔ موسیٰ علیہ السلام اگرچہ اس وقت نبی اور رسول نہ تھے مگر اعلیٰ درجہ کے ولی تو ضرور تھے انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ نبوت سے پہلے نبی نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے ولی اور متقی ہوتے ہیں اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں۔ ادنیٰ سے سہو ونسیان اور معمولی سے معمولی لغزش پر توبہ اور استغفار کرتے ہیں اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اپنے آدمی کو ظالم کے

---

٭ قال القرطبی کان ہٰذا قبل النبوۃ ص ۲۵۸ ج ۱۳۔ ٭ تفسیر قرطبی ص ۲۶۰ ج ۱۳

پنجے سے چھڑانا تھا۔ ظالم کا شر دفع کرنے کے لیے مُکا مارا۔ اتفاقاً اس کا دم نکل گیا ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ مارنے کا بالکل نہ تھا۔ شاید مُکا مارنے سے کسی غفلت یا عجلت کا کوئی شائبہ آ گیا۔ اس لیے ﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ فرمایا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ ادنیٰ سے سہو وغفلت کو شیطان کی آمیزش خیال کرتے ہیں اور بصد گریہ وزاری اور بصد شرمساری خدا تعالیٰ سے اپنی غفلت کی معافی مانگنے لگتے ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ﴿رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾ مگر اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا۔ لہٰذا اگلے روز پھر ایسے ہی معاملہ میں مبتلا ہو گئے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کے قتل کی وجہ سے رات شہر میں گزاری تا کہ کسی کو اطلاع نہ ہو رات بھر یہی اندیشہ رہا۔ صبح کو اٹھے اور شہر میں داخل ہوئے درآنحالیکہ خوفزدہ تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے کل جو معاملہ پیش آیا تھا اس کا کیا ہوتا ہے آیا وہ دب گیا یا اس کی خبر منتشر ہو گئی پس ناگاہ اسی شخص کو پایا کہ جس نے کل آپ سے مدد چاہی تھی کہ آج پھر وہی شخص دوسرے قبطی کے مقابلہ میں فریاد کر رہا ہے اور آپ کو مدد کے لیے پکار رہا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تحقیق تو کھلا گمراہ ہے روز کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ قصد کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن ہے۔ مراد فرعونی ہے جو اسرائیلی اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کا مخالف تھا موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اٹھایا تا کہ قبطی کو ماریں اور اسرائیلی کو اس کے پنجۂ ظلم سے نکالیں چونکہ موسیٰ علیہ السلام قبطی پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے اسرائیلی پر غصہ ہو چکے تھے اور اسرائیلی آپ کی زبان سے سُن چکا تھا ﴿اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ﴾۔ اس لیے اسرائیلی نے یہ گمان کیا کہ موسیٰ علیہ السلام مجھے مارنا چاہتے ہیں اور میرے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہے اس لیے ان سے اپنی جان بچانے کے لیے گھبرا کر یہ کہا۔ اے موسیٰ (علیہ السلام)! کیا آج تو مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے جیسا کہ کل گذشتہ تو ایک جان مار چکا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ تیرا ارادہ یہ ہے کہ تو زمین میں زورآور بن کر رہے اور یہ نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ اسرائیلی کی زبان سے اس لفظ کا نکلنا تھا کہ سارے شہر میں مشہور ہو گیا کہ کل کا خون جو چھپا ہوا تھا وہ آشکارا ہو گیا۔ اس خون کی خبر فرعون کو بھی پہنچ گئی۔ فوراً مشورے شروع ہو گئے کہ اس شخص کو گرفتار کر کے لایا جائے اور قتل کر دیا جائے۔

اور اس مجمع میں ایک شخص موسیٰ علیہ السلام کا خیرخواہ اور محب بھی تھا وہ شہر کے اس کنارہ سے جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا گلیوں سے ہو کر دوڑتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ اہلِ دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں پس میں آپ کو محبانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ یہاں سے فوراً نکل جایئے بلاشبہ میں آپ کے خیرخواہوں میں سے ہوں پس موسیٰ علیہ السلام یہ سُن کر فوراً وہاں سے نکل گئے درآنحالیکہ وہ خوف زدہ اور دہشت زدہ تھے اور اس انتظار اور خیال میں تھے کہ شاید پیچھے پیچھے ان کے تعاقب میں کوئی آ رہا ہو۔ راستہ بھی معلوم نہ تھا۔ پریشان تھے کہ کدھر جائیں اس لیے دعا کی اے میرے پروردگار مجھ کو ظالموں کے گروہ سے نجات دے اور امن کی جگہ پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی کہ ان کی دعا کے مطابق ان کو مدین کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا جہاں پہنچ کر ان کو امن اور اطمینان نصیب ہوا اور ظالموں سے نجات ملی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خُدا تعالیٰ نے ان کو سیدھی سڑک پر ڈال دیا۔ کہا جاتا ہے کہ فرعون نے ان کے تعاقب کے لیے کچھ سوار بھی روانہ کیے لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ

اور جب منہ دھرا مدین کی سیدھ پر۔ بولا امید ہے کہ میرا رب لے جاوے مجھ کو سیدھی

السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ

راہ پر۔ اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پائے وہاں جمع ہو رہے لوگ

يَسْقُوْنَ ۫ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ

پانی پلاتے۔ اور پائیں ان کے سوا دو عورتیں روکے کھڑیں۔ بولا تم کو کیا کام ہے؟

قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

بولیاں ہم نہیں پلاتے پانی جب تک پھیر لے جاویں چرواہے اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ

پھر اس نے پلا دیئے ان کے جانور پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف۔ بولا اے رب! تو جو اتارے میری طرف

مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ

اچھی چیز، میں اس کا محتاج ہوں۔ پھر آئی اس پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی شرم سے۔ بولی

اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ

میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق اس کا کہ تو نے پلا دیئے ہمارے جانور۔ پھر جب پہنچا اس پاس اور بیان کیا

عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

اس سے احوال۔ کہا مت ڈر۔ بچ آیا تو اس قوم بے انصاف سے۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ

بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ! اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر جو تو رکھا چاہتا ہے۔ وہ جو زور آور ہو

الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ

امانت دار۔ کہا میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی، ان دونوں میں سے

عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِىْ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ

اس پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس پھر اگر تو پوری کرے دس، تو تیری طرف سے۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ

اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں۔ تو آگے پاوے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ

نیک بختوں سے۔ بولا یہ ہو چکا میرے تیرے بیچ۔ جونسی مدت ان دونوں میں پوری کر دوں۔

فَلَا عُدْوَانَ عَلَىَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

سو زیادتی نہ ہو مجھ پر۔ اور اللہ پر بھروسا اس کا ہے جو ہم کہتے ہیں۔

## موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی جانب سفر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ ... الىٰ ... وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ﴾

**ربط**: گزشتہ آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ایک خیر خواہ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ فوراً مصر سے نکل جائیے موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی ﴿ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ظالموں سے نجات کا ایک ذریعہ بنایا۔ چنانچہ وہ مصر سے نکل کھڑے ہوئے راہ سے واقف نہ تھے توکلاً علی اللہ ایک سمت پر چل پڑے اور جب بالقاء غیبی شہر مدین کی طرف متوجہ ہوئے اور قضاء وقدر نے وجہ (منہ) کو مدین کی طرف کر دیا اور مدین ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تو جب ادھر متوجہ ہوئے تو کہنے لگے مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھ کو سیدھے راستہ پر لے جائے گا اللہ نے ان کی اُمید کو پورا کیا اور دُنیا اور آخرت کے اعتبار سے ان کو سیدھا راستہ دکھایا اور اس پر چلایا اور منزل مقصود تک پہنچایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دُعا ایسی تھی جیسا [1] کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے شہر سے چلتے وقت کہا تھا ﴿ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴾ (الصافات: ۹۹) غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہوئے منہ مدین کی طرف تھا اور دل خداوند ذوالمنن کی طرف تھا اور جب چلتے چلتے شہر مدین کے پانی پر پہنچے یعنی اس کنویں پر پہنچے جو شہر کے کنارہ پر تھا تو اس کنویں پر ایک مجمع اور ہجوم دیکھا کہ لوگ وہاں جمع ہیں اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان لوگوں سے علیحدہ ایک طرف دو عورتیں پائیں کہ جو اپنی بکریوں کو ہانکتی اور روکتی تھیں کہ ان کی بکریاں دوسروں کی بکریوں میں نہ مل جائیں یہ دونوں شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں تھیں مگر چونکہ بالغہ تھیں اس لیے ان کو عورتیں کہا۔ حیا اور شرم کی وجہ سے ایک طرف کھڑی تھیں ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ مردوں

[1] دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۹ ج ۶

کی مزاحمت کرسکیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو ان کے حال پر رحم آیا تو کہا کہ تم دونوں کا کیا حال ہے ان دونوں نے جواب دیا ہم اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلائیں گے جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر نہ لے جائیں ہم کو اس ہجوم کی مزاحمت پسند نہیں اور ہم بحالت مجبوری یہاں آئی ہیں سوائے باپ کے ہمارا کوئی سہارا نہیں اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتا اس لیے مجبوراً ہم کو گھر سے نکل کر یہاں آنا پڑا اور ہم دو ضعیف عورتیں ہیں مردوں کی مزاحمت پر قادر نہیں اس لیے ان کے واپس ہونے کے بعد ہم اپنی بکریوں کو پانی پلا سکیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کی یہ بات سنی تو ان کے حال پر رحم آیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے پانی کھینچ کر ان کی بکریوں کو پلا دیا تاکہ لاچار کی اعانت اور امداد کا اجر اور ثواب ان کو ملے پھر وہاں سے مڑ کر کسی سایہ کی جگہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں جا کر بیٹھ گئے اور لڑکیوں کی طرف کوئی التفات نہ کیا پس ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو گئے اور یہ دعا کی اے میرے پروردگار! میں آپ کی نازل فرمودہ خیر و برکت اور رزق و نعمت کا محتاج ہوں۔ میں فقیر مطلق ہوں اور آپ کریم مطلق ہیں۔ آپ کے سامنے ہوں خزانہ غیب سے جو مل جائے اس کا اُمیدوار اور منتظر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کے لیے سامان کیا۔

دونوں لڑکیوں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ ایک جوان ہے اور ایسا توانا ہے کہ جس چٹان کو دس آدمی اٹھاتے ہیں اس نے اس کو تن تنہا ہٹا دیا اور اس کی امانت اور دیانت اور عفت اور پاکدامنی کا یہ حال ہے کہ اس نے ہماری مدد تو کر دی مگر ہماری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا بڑا ہی نیک بخت اور عفیف ہے اور اس کی عبودیت کا یہ حال ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعا اور التجا میں غرق ہے اس شخص کا حال اور قال اس کے باطن کی ترجمانی کر رہا ہے آخر وہ دونوں پیغمبر کی صاحبزادیاں تھیں اس قسم کی کیفیتوں اور حالتوں سے بے خبر نہ ہوں گی۔ دونوں لڑکیاں گھر واپس آ گئیں باپ نے دریافت کیا کہ آج خلاف معمول کیسے جلد واپس آ گئیں انہوں نے سارا ماجرا سنایا اور بتلایا کہ ایک نو وارد مسافر آیا ہے اور بڑا نیک اور قوی معلوم ہوتا ہے اس نے ہماری مدد کی اور اے باپ آپ کو اپنی خدمت کے لیے اور گھر اور کاروبار کے لیے ایک آدمی درکار ہے اس شخص کو ملازم رکھ لیجیے یہ سُن کر شعیب علیہ السلام کو اس کی سچائی میں کوئی تردد نہ ہوا اور شعیب علیہ السلام نے ایک لڑکی سے کہا کہ اچھا اس کو بلا لاؤ اور میرے پاس لے کر آؤ۔ پس ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہایت حیا اور شرم سے چلتی ہوئی آئی اس طرح سے آنا صاحبزادی کے کمال ایمان کی دلیل تھی۔ کیونکہ حیا ایمان کا عظیم اور درمیانی شعبہ ہے جس پر تمام اخلاق فاضلہ کا مدار ہے اور آ کر یہ کہا کہ میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے تاکہ تجھ کو اس چیز کا صلہ اور بدلہ دے کہ جو تو نے ہمارے لیے پانی کھینچا اور ہماری بکریوں کو پلایا۔ لڑکیوں نے یہ بات اپنے خیال سے کہی کہ باپ کا ارادہ اُجرت اور معاوضہ دینے کا ہے ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ ہمارے باپ کی عادت اور سرشت ہے۔ غالباً انہوں نے اسی احسان کے مکافات کے لیے بلایا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام نے مزدوری حاصل کرنے کے لیے پانی نہیں پلایا تھا اور عجب نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو دل سے یہ بات ناگوار گزری ہو کہ میں نے یہ کام محض اللہ کے لیے کیا تھا نہ کہ مزدوری کے لیے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوڑھے بزرگ کی دعوت کو موجب خیر و برکت سمجھ کر قبول کیا کہ ایک بوڑھا اور ناتواں شخص مجھے بلا رہا ہے اس لیے وہ اٹھے اور کہا کہ اچھا چلتا ہوں تم زبان سے مجھے راستہ بتاتی جاؤ۔ جب وہاں پہنچے تو شعیب علیہ السلام کھانا کھا رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہا آؤ کھانا کھاؤ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ کی پناہ۔ شعیب علیہ السلام نے کہا کیا تو بھوکا نہیں۔ کہا ہاں بھوکا ہوں لیکن اس بات سے ڈرتا ہوں کہ جانوروں کے پانی پلانے کا عوض لوں۔ میں اس خاندان کا ہوں کہ جو آخرت کے عمل کو روئے زمین کے برابر سونے کے عوض میں بھی نہیں بیچتے۔ شعیب علیہ السلام نے کہا: ﴿لَا وَاللّٰهِ﴾ خدا کی قسم یہ مطلب ہرگز نہیں ولیکن میرے آباؤ اجداد کی

عادت مہمانی ہے اس لیے ہم ہر مہمان کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۷۱ ج ۱۳)

یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام بیٹھ گئے اور کھانا کھایا۔ پھر اپنا سارا قصہ بیان کیا اس طرح سمجھو کہ موسیٰ علیہ السلام کا دعوت قبول کرنا حکم خداوندی اور سنت انبیاء علیہم السلام کے اتباع میں تھا کہ ایک بزرگ کی دعوت قبول کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے نہ کہ اپنے عمل پر اُجرت لینے کے لیے تھا اگرچہ فاقہ کی شدت اور عند الضرورت اُجرت لینا جائز ہے جیسا کہ خود موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے قصہ میں گزر چکا ہے: ﴿لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡهِ اَجۡرًا﴾ (الکہف: ۷۷)

غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام کی دعوت کی بناء پر ان کے پاس آئے اور ان سے اپنا سارا قصہ بیان کیا اور ابتداء ولادت سے لے کر اب تک کا سارا حال ان کو بتایا۔ شعیب علیہ السلام نے سن کر ان کو تسلی دی اور کہا کہ ڈرو مت تم نے ظالموں سے نجات پائی یعنی یہاں فرعون کی سلطنت نہیں بعد ازاں شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بولی جن کا نام صفوراء تھا اے والد بزرگوار اس کو اپنا نوکر رکھ لیجیے تاکہ ہماری بکریاں چرایا کرے۔ تحقیق بہترین وہ شخص جس کو اپنا اجیر اور نوکر رکھیں وہ شخص ہے جو مضبوط اور توانا ہو اور امانت دار ہو۔ قوت اور توانائی کا تو یہ حال ہے کہ جو پتھر دس آدمیوں سے نہیں اٹھ سکتا تھا۔ اس شخص نے تن تنہا اس کو نہایت سہولت سے اٹھا کر رکھ دیا اور امانت کا یہ حال ہے کہ اس شخص نے مجھ کو پیچھے چلنے کو کہا کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور زبان سے راستہ بتاتی چلو۔ اور جس میں یہ دو خصلتیں ہوں یعنی قوت اور امانت وہ خوب خدمت انجام دیگا۔ شعیب علیہ السلام نے بیٹی کے اس مشورہ کو قبول کیا بعد ازاں حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تحقیق میں یہ چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کو تیرے نکاح میں دے دوں اس شرط اور اس قول و قرار پر کہ آٹھ برس تو میری نوکری کرے اور یہی نوکری اس نکاح کا بدل اور مہر ہے حاصل یہ کہ آٹھ سال کی خدمت یہی اس نکاح کا مہر ہے لہٰذا آٹھ سال تک تو یہاں رہنا ضروری ہے پس اگر تو دس سال پورے کر دے تو یہ تیری طرف سے تبرع اور احسان ہوگا اور میں تجھ پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا۔ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ تو مجھے نیک بختوں میں سے پائے گا کہ میری صلاح اور نیکی کا اثر میری بیٹی میں دیکھے گا کہ وہ لڑکی بھی صالحات اور قانتات میں سے ہوگی اور میں تجھ سے کوئی ایسی خدمت نہ لوں گا کہ جو باعث مشقت اور گرانی ہو۔ شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیاں تھیں بڑی کا نام صفورا تھا اور چھوٹی کا نام لیا تھا۔ کما قالہ محمد بن اسحاق۔ (تفسیر کبیر ص ۲۰۷ ج ۶)

جب بیٹی نے باپ سے موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور امانت کی تعریف کی تو شعیب علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا کہ یہ نوجوان میری لڑکی کی نظر میں پسندیدہ ہے۔ پس اگر میں اپنی لڑکی کا اس سے نکاح کر دوں تو یہ اس پر راضی ہوگی اس لیے بیٹی کی بات کا تو جواب نہ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے ﴿اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ﴾ کہ میں ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی تیرے نکاح میں دینا چاہتا ہوں بشرطیکہ آٹھ سال تو میری نوکری کرے موسیٰ علیہ السلام نے اس معاملہ کو منظور کر لیا اور کہا کہ میرے اور تیرے درمیان یہ عہد قرار پا گیا اور بات پکی ہو گئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جس مدت کو بھی میں پورا کر دوں تو مجھ پر کوئی جبر او زیادتی نہ ہوگی اور جو ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے اور کارساز ہے اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد کو پورا کرنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ وہی سب کا کارساز ہے۔ اللہ کی شہادت اور اس کے توکل پر معاملہ ختم کیا۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس کی مدت پوری کی۔

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ہمارے حضرت ﷺ بھی وطن سے نکلے سو آٹھ برس پیچھے آ کر مکہ فتح کیا اگر چاہتے تو اسی وقت کافروں سے شہر خالی کرا لیتے لیکن اپنی خوشی سے دس برس پیچھے کافروں سے مکہ کو پاک کیا" اھ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو کسی مرد صالح پر پیش کرے جیسے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اپنی بیٹیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔

**مسئلہ** خدمت کو لڑکی کا مہر مقرر کرنا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ مہر کے لیے مال ہونا ضروری ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ (النساء:۲۴) اور حدیث میں ہے: ((لا مھر اقل من عشرۃ دراھم)) تفصیل کے لیے شروح ہدایہ دیکھیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ موسیٰ علیہ السلام مدین آنے سے پہلے قصرِ شاہی میں عیش وعشرت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اب خدا نے ان کو پیغمبر کے گھرانہ میں پہنچا دیا جہاں دن رات اللہ کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی تھیں اس طرح ایک نبی کی خانقاہ اور دار التربیت میں پہنچا دیئے گئے تاکہ دس سالہ نصابِ تربیت مکمل ہو جانے کے بعد ان کو محض اپنے فضل ورحمت سے نبوت ورسالت کے منصب پر فائز کریں اور فرعون اور فرعونیوں کو اپنی قدرت کے کرشمے اور اپنے نبی کے معجزے دکھلائیں اور جب مجرمین کا پیمانۂ جرم لبریز ہو جائے تو یکلخت سب کو ہلاکت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔

شعیب علیہ السلام نے بظاہر معاملہ اجارہ کا کیا لیکن درحقیقت ان کی قوت اور امانت کو دیکھ کر اپنی صاحبزادی دینے کا ارادہ فرمایا اور نورِ نبوت سے ان کی صلاحیت اور باطنی استعداد کا اندازہ لگا لیا اور آٹھ دس سال قیام کی شرط لگا کر اپنی تربیت میں رکھنا مقصود تھا کہ مقام ارادت سے ترقی کر کے کمال استقامت کو پہنچ جائیں۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت، اور لے کر چلا اپنے گھروالوں کو، دیکھی پہاڑ کی طرف سے ایک آگ۔

قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ

کہا اپنے گھروالوں کو ٹھہرو! میں نے دیکھی ہے ایک آگ۔ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر۔ یا

جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۲۹ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ

انگارہ آگ کا، شاید تم تاپو۔ پھر جب پہنچا اس پاس آواز ہوئی

شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ

میدان کے داہنے کنارے سے، برکت والے تختہ سے اس درخت سے، کہ

یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۳۰ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا

اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ جہان کا رب۔ اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی۔ پھر جب

رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ

دیکھا اس کو پھنپھناتے، جیسے سانپ کی سٹک ہے الٹا پھرا منہ موڑ کر، اور نہ پیچھے دیکھا اے موسیٰ آگے آ۔

وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ

اور نہ ڈر تجھ کو خطرہ نہیں۔ پیٹھا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکل آوے

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ؗ وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ

چٹا، نہ کچھ برائی سے، اور ملا اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے سو یہ

بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

دو سندیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں پر۔ بیشک وہ تھے لوگ بے حکم۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَ اَخِيْ

بولا اے رب! میں نے خون کیا ہے ان میں ایک جی کا۔ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں گے۔ اور میرا بھائی

هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ؗ اِنِّيْٓ

ہارون، اس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اس کو بھیج ساتھ میرے مددکو کہ مجھ کو سچا کرے میں

اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ

ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں۔ فرمایا، ہم زور دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور دیں گے

لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا

تم کو غلبہ، پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک۔ ہماری نشانیوں سے۔ تم اور جو تمہارے ساتھ ہو

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ

اوپر رہو گے۔ پھر جب پہنچا ان پاس موسیٰ لے کر ہماری نشانیاں کھلی بولے، اور کچھ نہیں

اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالَ

مگر یہ جادو ہے۔ جوڑ لیا، اور ہم نے سنا نہیں یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں۔ اور کہا

مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ
موسیٰ نے میرا رب بہتر جانتا ہے جو کوئی لایا ہے سوجھ کی بات اس کے پاس سے اور جس کو ملے گا

عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا
پچھلا گھر۔ بے شک بھلا نہ ہو گا۔ بے انصافوں کا۔ اور بولا فرعون اے

الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى
دربار والو! مجھ کو معلوم نہیں تمہارا کوئی حاکم میرے سوا۔ سو آگ دے اے ہامان!

الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ
میرے واسطے گارے کو، پھر بنا میرے واسطے ایک محل، شاید میں جھانک دیکھوں موسیٰ کا رب اور میری اٹکل میں تو

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وہ جھوٹا ہے۔ اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر، ملک میں ناحق۔

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ
اور اٹکلے کہ وہ ہماری طرف پھر نہ آویں گے۔ پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو

فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ
پانی میں سو دیکھ آخر کیسا ہوا گناہ گاروں کا۔ اور کیا ہم نے ان کو

اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾
سردار بلاتے دوزخ کی طرف۔ اور قیامت کے دن ان کو مدد نہیں۔

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ
اور پیچھے رکھی ان پر اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن ان پر

الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع
برائی ہے۔

ع ۴ ۱۴

# حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے مصر کی طرف واپسی

## اور اثناء سفر میں منصب نبوت ورسالت سے سرفرازی اور بغرض تبلیغ ودعوت فرعون کی طرف جانے کا حکم اور حفاظت اور غلبہ کا وعدہ

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ . . . الیٰ . . . وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۴۲﴾

الغرض جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہ کر پوری مدت گزار دی یعنی دس برس تک بکریاں چرائیں اور دس برس تک ایک نبی کی صحبت میں رہے اور مجاہدہ اور ریاضت اور باطنی تربیت کی منزلیں طے ہوگئیں اور چالیس سال کی سن کو پہنچے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی زوجہ اور اہل خانہ کو لے کر مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اہل قرابت سے جا کر ملیں اور طور کے آس پاس پہنچے۔ رات کا وقت تھا اندھیری چھائی ہوئی تھی اور سخت سردی تھی۔ اتفاق سے راہ بھٹک گئے ایسے وقت میں طبعاً آگ کی تلاش ہوتی ہے۔ کوہ طور کی جانب سے ایک آگ دیکھی جو حقیقت میں ایک نور تھا۔ شکل آگ کی تھی اس لیے کہ آدمی کی طبیعت اپنی مرغوب چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس وقت جاڑے کی شدت کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو آگ کی ضرورت تھی اس لیے یہ تجلی نور بلباس ناری واقع ہوئی اور وہ نور ایک آگ کی صورت میں نمودار ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے جو اس وقت ان کے ساتھ تھے کہا ذرا یہیں ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے اس کی طرف جاتا ہوں۔ شاید وہاں سے تمہارے واسطے راستہ کی کچھ خبر لے کر آؤں۔ شاید وہاں کوئی مل جائے تو اس سے راستہ دریافت کرلاؤں اور آگ بھی لے آؤں یا کم از کم آگ کا کوئی انگارا ہی لے آؤں تاکہ تم اس سے سینکو اور گرمی حاصل کرو یعنی اگر کوئی راستہ بتلانے والا نہ ملے تو یہی فائدہ حاصل ہوگا کہ ذرا سی آگ ہی مل جائے گی۔

سو جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کی داہنی جانب سے برکت والی جگہ میں درخت سے یہ آواز آئی اے موسیٰ! یہ آواز دینے والا میں ہی ہوں اللہ سارے جہانوں کا رب۔ یعنی اے موسیٰ یہ آگ جو تو دیکھ رہا ہے یہ درحقیقت میری ایک تجلی ہے اور میرے نور کا جلوہ ہے اور یہ آواز جو تو سن رہا ہے وہ میرے بے چون و بے چگون کلام کا ایک پردہ اور لباس ہے اور یہ درخت اور یہ مکان اور یہ چھت اور سمت جہاں سے تو یہ آواز سن رہا ہے وہ میری ذات مقدس کا محل اور مکان نہیں بلکہ ایک میری تجلی گاہ ہے میری ذات اور میرا کلام جہت اور سمت سے منزہ ہے اور جس مکان اور جہت سے تو میرا کلام سن رہا ہے وہ تیرے سماع کے لیے ہے نہ کہ میرے کلام کے لیے۔

اس لیے علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ کلام قدیم جو اللہ کی صفت ہے۔ اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ بے چون اور بے چگون ہے اس میں حرف اور آواز نہیں مگر بندہ چونکہ چونی اور چگونی کا گرفتار ہے اس لیے وہ بے چون اور بے چگون کو چون اور چگون کے پردہ ہی سے سن سکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک خاص صورت میں نمودار اور جلوہ افروز ہوگا ایک مرتبہ اہل ایمان اللہ کو نہیں پہچان سکیں گے۔ دوسری مرتبہ جب دوسری صورت میں نمودار ہوگا تب اہل ایمان پہچانیں گے کہ یہ ہمارا پروردگار ہے سو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو صورت اور شکل سے پاک اور منزہ ہے اور یہ صورت جس کو اہلِ ایمان دیکھ کر اپنے خدا کو پہچانیں گے یہ خداوند بے چون و چگون کا ایک جلوہ اور پردہ ہوگا اور یہ ظاہر ہونے والی صورت بمنزلہ آئینہ کے ہوگی جس کے ذریعہ اہل ایمان خدا

تعالیٰ کا جلوہ دیکھ سکیں گے اور یہ مطلب نہیں کہ وہ صورت بعینہٖ خدا تعالیٰ کی صورت ہوگی پس جس طرح ذاتِ خداوندی نہ جسم ہے اور نہ عرض ہے اور اس کے لیے نہ کوئی صورت ہے اور نہ کوئی شکل ہے مگر قیامت کے دن اور جنت میں اس کو دیکھا جائے گا لیکن اس کا دیدار کسی صورت کے پردہ سے ہوگا تاکہ بندہ اس کا تحمل کر سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھو کہ وہ بے چون و بے چگون ہے اور بغیر حرف اور بغیر آواز کے ہے۔ البتہ موسیٰ علیہ السلام نے جو درخت سے سنا وہ بے شک حرف اور آواز کو سنا لیکن وہ حرف اور آواز کلام قدیم کا ایک لباس تھے اور اس پر دلالت کرنے والے تھے۔ جیسا کہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ (دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم ج ۲)

جیسے موسیٰ علیہ السلام نے جب دُور سے آگ کو دیکھا تو درحقیقت وہ آگ نہ تھی بلکہ نور قدیم کی ایک تجلی تھی جو آگ کے لباس میں ظاہر ہوئی جس کے موسیٰ علیہ السلام طالب تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اس آواز کو سن کر جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو وحی رحمانی اور وحی شیطانی میں ذرہ برابر اشتباہ اور التباس نہیں ہوتا اور یہ بھی آواز آئی کہ اے موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ اول اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام اور پیغام سے سرفراز فرمایا اور منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا اب اس کے بعد ان کو دلائل نبوت اور براہینِ رسالت عطا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو دیکھو تو سہی کیا ہوتا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے وہ عصا زمین پر ڈال دیا پس جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عصا تو سانپ بن گیا اور سانپ کی طرح حرکت کرتا ہے تو خوف کے مارے پشت پھیر کر بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا تو آواز آئی کہ اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو مت تحقیق تو امن والوں میں سے ہے تمہیں اس اژدہا سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دشمن کو ڈرانے کے لیے یہ معجزہ تخویف عطاء کیا گیا جو بصورتِ قہر اور عذاب دیا گیا۔ تمہارے ڈرانے کے لیے نہیں دیا گیا بلکہ دشمن کو ڈرانے کے لیے ہے یہ سنتے ہی موسیٰ علیہ السلام کا طبعی اور بشری خوف یکلخت دُور ہو گیا اور دوسرا معجزہ۔ معجزۂ تنویر عطاء ہوا کہ جس سے نور ظاہر ہوتا تھا وہ یہ کہ اے موسیٰ! اپنا ہاتھ گریبان میں لے جا وہ بغیر کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا گویا کہ یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے قلبِ منور کی نورانیت کا ایک نمونہ ہوگا اور یہ دیکھ کر اگر تم پر خوف طاری ہونے لگے تو خوف کے رفع کرنے کے لیے اپنا ہاتھ سمیٹ لو یعنی گریبان میں ڈال لو۔ ہاتھ پھر بدستور اپنی صورت میں آجائے گا اور کوئی خوف باقی نہ رہے گا۔ پس یہ دونوں چیزیں یعنی عصا اور ید بیضا تیری نبوت و رسالت کی دو روشن دلیلیں ہیں اور دو نشانیاں ہیں جو تجھ کو تیرے رب کی طرف سے عطاء کی گئیں ہیں۔ عصا سے معصیت کی طرف اشارہ ہے اور یدِ بیضاء سے نور طاعت کی طرف اشارہ ہے اور ایسے نشان سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں دے سکتا۔ جس طرح یہ دونوں چیزیں بلاشبہ تیرے پروردگار کی طرف سے ہیں اسی طرح وہ کلام اور پیغام جو تو نے درخت کے اندر سے سنا وہ میرا ہی کلام اور پیام ہے اور جو آگ تو نے دیکھی وہ میرے ہی نور کی ایک تجلی تھی جو تجھ کو بصورت نار دکھلائی گئی چونکہ اس وقت تیرا مطلوب آگ تھی اس لیے آگ ہی کے لباس میں تجھ کو اپنا جلوہ دکھلایا۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس مقام پر دو معجزے عطاء ہوئے۔ پھر حکم ہوا کہ فرعون اور اس کے امراء کی طرف جاؤ اور ان کو عصا کے ذریعہ اللہ کی معصیت سے ڈراؤ اور ید بیضاء کے ذریعہ طاعت کی نورانیت کی طرف بلاؤ۔ تحقیق یہ بڑے ہی بدکار گروہ ہیں جو اوامر اور نواہی کی حدود سے باہر نکل گئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوں بمقتضائے بشریت ضعیف اور ناتواں ہوں تیری اعانت اور امداد کا محتاج ہوں اے پروردگار آپ کو معلوم ہے کہ فرعون ملک مصر پر قاہر اور غالب ہے اور بڑا ظالم اور جابر ہے میں نے ان میں کا ایک آدمی مار ڈالا تھا اسی خوف کے مارے میں وہاں سے بھاگ کر مدین آیا تھا اب مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے دیکھتے ہی نہ قتل کر ڈالیں تو ایسی صورت میں آپ کا پیغام اس کو کیسے پہنچا سکوں گا۔ دعوت اور تبلیغ سے پہلے ہی میرا کام

تمام ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کر دی کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں گزرا اور دوسری بات یہ ہے کہ میری زبان میں کچھ لکنت ہے شاید میں پیغام رسالت میں بات کو پوری طرح واضح نہ کر سکوں اور میرا بھائی ہارون فصاحتِ لسانی اور حسنِ تعبیر اور خوبی بیان میں مجھ سے بڑھ کر ہے پس اس کو میرا امدادگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجیے تاکہ وہ حسنِ تقریر اور خوبی تعبیر سے میری تصدیق اور تائید کرے تحقیق مجھ کو ڈر ہے کہ وہ لوگ یعنی فرعون اور اس کے درباری میری تکذیب کریں گے اس لیے ضرورت ہے کہ میری دلیل اور برہان کی تقریر اور تفصیل کے لیے ایک فصیح اللسان میرا معین اور مددگار ہو کہ جو فصاحت لسانی سے حق کو ایسا واضح کرے کہ اس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہ رہے اور وہ مُصدق ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ہیں معلوم ہوا کہ تصدیق سے یہ مراد نہیں کہ جو جو کچھ موسیٰ علیہ السلام کہیں ہارون علیہ السلام اس پر آمنا وصدقنا کہتے جائیں بلکہ تصدیق سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی طلاقت لسانی اور فصاحت بیانی سے حجت اور دلیل کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کی تائید اور توثیق کریں اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام ہم تیرے بھائی کے ذریعہ ضرور تیرا بازو قوی کریں گے یعنی اے موسیٰ! ہم نے تیری درخواست قبول کی تمہارے بھائی کو در بابِ تبلیغ تمہارا قوتِ بازو بنائیں گے اور تم دونوں کے لیے ہم ایک خاص غلبہ اور خاص عظمت و ہیبت عطا کریں گے۔ پس وہ فرعون والے تم تک نہیں پہنچ سکیں گے قتل تو بڑی بات ہے وہ تمہیں کوئی ایذا اور گزند بھی نہیں پہنچا سکیں گے اور بُرے ارادے سے تمہارے پاس بھی نہ آسکیں گے۔

پس تم بے فکر ہو کر ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو حق کی دعوت دو اور مطمئن رہو تم دونوں اور تمہارے پیرو ہی غالب رہیں گے اور وہ تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچا سکیں گے پس موسیٰ علیہ السلام ہماری کھلی نشانیاں لے کر فرعونیوں کے پاس آئے اور توحید کی دعوت دی تو فرعونیوں نے کہا یہ تو تراشیدہ جادو ہے جسے خواہ مخواہ خدا کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے یہ سب جادو کی باتیں ہیں جو خود اسی کی اختراع کردہ ہیں اور کہتا ہے کہ خُدا نے مجھ کو یہ معجزات دے کر بھیجا ہے اور ہم نے تو اپنے پچھلے باپ دادوں میں کبھی یہ بات نہیں سنی کہ آسمان و زمین کا اور اس دنیا کا کوئی خالق ہے اور آئندہ چل کر وہ اس جہان کو فنا کر دے گا اور دوبارہ زندہ کر کے حساب لے گا اور نہ کبھی یہ سنا کہ خدا نے کسی کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کے پاس سے ہدایت اور دینِ حق لے کر آیا ہے اور خوب جانتا ہے اس کو جس کا انجام آخرت اچھا ہے میرا یا تیرا مگر خوب یاد رکھو کہ بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے جو شخص اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے گا وہی ظالم ہوگا اور ذلیل و خوار ہوگا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر ہو اور تمہارا انجام خراب ہے۔ تم میرے مقابلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے عنقریب تم کو اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

اور فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب باصواب سن کر یہ اندیشہ ہوا کہ اہل دربار اور ارکانِ دولت اس شخص کی طرف مائل نہ ہو جائیں تو بغرض تلبیس و تدلیس فرعون بولا اے اشرافِ قوم یہ شخص یہ کہتا ہے کہ ایک خُدا ہے جس نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے میں تو تمہارے لیے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا مجھے معلوم نہیں کہ میرے سوا بھی کوئی خدا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرعون کی مراد یہ نہ تھی کہ وہ آسمان و زمین کا اور اس جہان کا خالق ہے کیونکہ یہ بات تو بداہۃً محال ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں اور نہ کوئی ادنیٰ عقل والا اس بات کو مان سکتا ہے کہ فرعون نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ فرعون سرے سے وجود خالق کا قائل نہ تھا وہ دہری تھا اور منکر خُدا تھا اس کا خیال یہ تھا کہ افلاک اور نجوم اور کواکب کی حرکات اس عالم سفلی

کے تغیرات اور تنوعات اور اختلاف احوال کی علت ہیں اس کے لیے کسی صانع کے اثبات کی حاجت نہیں اس لیے اس نے یہ کہا ﴿مَا عَلِمۡتُ لَكُمۡ مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرِي﴾ بہرحال دعوائے الوہیت سے فرعون کا یہ مطلب نہ تھا کہ میں آسمان و زمین کا خالق ہوں بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس عالم کا کوئی خالق اور خدا نہیں جس کی اطاعت واجب ہو۔ ہر خطہ کا فرمانروا ہی اس کا خدا اور معبود اور واجب الاطاعت ہے اور وہ میں ہوں جو تمہارے سامنے موجود ہوں اور موسیٰ علیہ السلام جو کہتا ہے کہ کوئی خُدا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے سو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۸۷ ج ۶)

وہ خدا کہاں ہے جو نہ محسوس بحواس ہے اور نہ میرے نزدیک ثابت بعقل ہے۔ فرعون دہری تھا۔ دہر ہی کو مسبب الکل اور علت العلل جانتا تھا اور خالق قدیر اور خدائے عظیم کا قائل نہ تھا اور کہتا تھا کہ خدا ہے ہی نہیں جس کی پرستش کی جائے ہر خطہ کا بادشاہ وہاں کے لوگوں کا خدا ہے اور وہی پرستش اور اطاعت کے لائق ہے اور وہ میں ہوں اور بس لہٰذا مجھ ہی کو اپنا خُدا سمجھو اور میری ہی اطاعت کرو۔

پھر اس نے لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے اور موسیٰ علیہ السلام کا کذب ظاہر کرنے کے لیے اور موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو ہنسی میں اڑانے کے لیے کہا: اے ہامان! تو میرے لیے گارے پر آگ جلا یعنی پکی اینٹیں بنا اور اس سے میرے لیے ایک محل اور بلند عمارت تیار کرتا کہ میں اس پر چڑھ کر اور آسمان کے قریب ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے معبود کی طرف جھانکوں کہ اس کا معبود کہاں ہے اور کیسا ہے زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی معبود دکھائی نہیں دیتا شاید آسمان کی طرف جھانکنے سے موسیٰ علیہ السلام کا خدا نظر آ جائے ذرا اس کی بھی تحقیق کرلوں تا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات کا جواب ہو جائے جو یہ کہتا ہے کہ اوپر سے مجھ پر وحی آتی ہے اس لعین کو یہ وہم ہوا کہ اگر آسمان میں کوئی معبود ہوگا تو جسم ہوگا اور اس کی طرف چڑھنا ممکن ہوگا اور بولا کہ تحقیق میں موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آسمان و زمین کا کوئی رب ہے جس نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے یہ سب غلط ہے وجود صانع پر کوئی دلیل نہیں اگر ہوتی تو مجھے معلوم ہوتی فرعون چونکہ دہری تھا۔ سرے سے صانع عالم کے وجود کا قائل نہ تھا اس لیے وہ موسیٰ علیہ السلام کے خدا کا رسول ہونے کا بھی قائل نہ تھا اس لیے اس نے یہ کہا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا خیال کرتا ہوں کہ خدا نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے اگر فی الواقع کوئی خدا ہوتا تو اس تک چڑھنا بھی ممکن ہوتا۔ بلند مکان بنانے سے فرعون کی غرض یہ تھی کہ لوگوں پر موسیٰ علیہ السلام کا کذب (جھوٹ) ظاہر ہو جائے کہ فرعون کے سوا زمین اور آسمان میں کوئی خدا نہیں جس نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (دیکھو [1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۰ ج ۳)

عجیب احمق تھا کہ جب ایک مختصر سی عمارت بلکہ ایک چھپر بھی بغیر کسی معمار اور بانی کے نہیں بن سکتی تو آسمان سے لے کر زمین تک یہ سارا کون و مکان بغیر کسی بانی اور صانع کے خود بخود کیسے بن کر تیار ہو گیا اور یہ کارخانۂ عالم خود بخود کیسے چل رہا ہے پھر یہ کہ فرعون طرح طرح کی حاجتوں میں اور قسم قسم کی آفتوں میں گھرا ہوا تھا وہ کیسے خُدا ہو سکتا ہے۔

---

[1] قال ابن کثیر قال اللہ تعالیٰ وقال فرعون یا ھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السمٰوٰت فاطلع الیٰ الٰہ موسیٰ و انی لاظنہ کاذبا وذالک ان فرعون بنی ھذا الصرح الذی لم یر فی الدنیا بناء اعلیٰ منہ وانما اراد بھذا ان یظھر لرعیتہ تکذیب موسیٰ فیما زعم من دعوٰی الٰہ غیر فرعون ولھذا قال وانی لاظنہ من الکاذبین ای فی قولہ ان ثم رباً غیرہ لانہ کذبہ فی ان اللہ ارسلہ لانہ لم یکن یعترف بوجود الصانع جل وعلا فانہ قال وما رب العالمین وقال لئن اتخذت الٰھا غیری لاجعلنک من المسجونین. وقال یٰاَیُّھا الملأ ما علمت لکم من الٰہ غیری وھذا قول ابن جریر۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۰ ج ۳)

اس احمق نے یہ گمان کیا کہ حق تعالیٰ جسم اور جسمانی ہے اور آسمان اس کا مکان ہے اور اس تک جانا اور پہنچنا ممکن ہے اور اسے یہ معلوم نہ تھا۔

با مکان آفرین مکان چہ کند      آسماں گر با آسماں چہ کند

نہ مکاں رو بردبرد نہ زماں      نہ بیاں زو خبر دہد نہ عیاں

فرعون کی ان بے سروپا باتوں سے صانع عالم کی نفی تو ثابت نہیں ہوئی البتہ اس کی غباوت اور حماقت اور جہالت خوب ثابت ہوگئی۔

غرض یہ کہ فرعون نے اس طرح ایک بلند عمارت بنوائی جب وہ محل بن چکا تو فرعون اس کی چھت پر چڑھا اس کے خیال میں یہ تھا کہ آسمان کے نزدیک پہنچ جائے گا جب اس نے دیکھا کہ آسمان تو اتنا ہی دور ہے جتنا پہلے دیکھا تھا تو شرمندہ ہو کر بولا کہ ایک تیر آسمان کی طرف مارو لوگوں نے تیر مارا اوپر سے وہ تیر خون میں بھرا ہوا واپس آیا تو فرعون بولا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو مار دیا۔ غضب الٰہی سے وہ عمارت تین ٹکڑے ہو کر گر پڑی جس سے بہت سے آدمی تباہ ہو گئے۔ (دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی ص ۲۲۳ ج ۶)

فرعون یہ باتیں دیکھ کر نا امید ہو گیا اور سمجھ گیا کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں مگر ظاہر داری اور بھرم بندی کے لیے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا۔

**نکتہ** سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے امتحان کے لیے اپنے محل میں شیشہ کا ایک حوض بنوایا اور اس میں طرح طرح کی مچھلیاں ڈال دیں اور اوپر سے شیشہ پاٹ دیا اور بلقیس کو کہا کہ اندر آجاؤ۔ بلقیس نے یہ سمجھ کر کہ یہ سب پانی بھرا ہوا ہے اپنے پائنچے اٹھا لیے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ شیشہ کا فرش ہے۔ پانی نہیں یہ دیکھ کر بلقیس ایمان لے آئی تو بلقیس کے لیے یہ ﴿صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ﴾ (النمل: ۴۴) موجب ہدایت ہو گیا اور فرعون نے جو ﴿صَرۡحٌ مِّنۡ طِيۡنٍ﴾ بنوایا تھا وہ اس کے لیے مزید گمراہی اور تکبر اور عناد کا سبب ہو گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور فرعون نے اور اس کے لشکروں نے بڑا ہی تکبر کیا اور دعویٰ الوہیت کا کیا۔ حالانکہ زمین میں رہتے تھے اور پستی اور ذلت و خواری میں گھرے ہوئے تھے اور ناحق سر اٹھایا اور بلاوجہ اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اور دعویٰ خدائی کا کیا اور یہ گمان کر بیٹھے کہ اب ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں۔ غرض یہ کہ فرعون نے تکبر کیا اور دعویٰ الوہیت کا کیا اور حشر و نشر اور قیامت کا بھی منکر ہوا۔ اور اس کی قوم نے بھی اس کو قبول کیا اور ہماری کوئی پرواہ نہ کی پس ہم نے پکڑا فرعون کو اور اس کے لشکروں کو اور اپنی قدرت کی مٹھی میں لے کر سب کو دریا میں پھینک دیا۔ سب غرق ہو گئے اور ان کا تکبر بھی غرق ہو گیا سو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا ظالموں کا اور دیکھ لو کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہا ہوا ﴿مَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾ کس طرح آنکھوں کے سامنے آگیا۔

اور ان لوگوں کو ہم نے اس جہان میں کفر اور ضلالت کا پیشوا بنایا کہ لوگوں کو آگ کی طرف بلاتے ہیں یعنی کفر اور معصیت کی طرف بلاتے ہیں اسی طرح اس جہان میں بھی ان کو دوزخیوں کا امام بنائیں گے کہ یہ آگے آگے ہوں گے اور دوسرے دوزخی ان کے پیچھے پیچھے ہوں گے ﴿يَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَاَوۡرَدَهُمُ النَّارَؕ وَبِئۡسَ الۡوِرۡدُ الۡمَوۡرُوۡدُ﴾ (ھود: ۹۸) اور قیامت کے دن کوئی مدد نہیں دیئے جائیں گے وہاں کوئی لشکر نہ ہوگا ہر ایک بے کس اور بے بس ہوگا اور کوئی ان کو عذاب سے نہیں بچا سکے گا اور ہم نے اس دُنیا میں ان کے پیچھے لگا دی ہے لعنت اور پھٹکار۔ قیامت تک فرعون اور اس کے رؤساء گرفتار لعنت رہیں گے اور قیامت کے دن تو وہ بہت ہی بروں میں سے ہوں گے جس برائی اور خرابی کی کوئی حد نہیں۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

**حاصل کلام** یہ کہ بارگاہ خداوندی میں بجائے سرافگندگی کے تکبر اور غرور اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب اور عداوت کا انجام عذاب اور لعنت ہے۔

---

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَہۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰی

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اس پیچھے کہ کھپا چکے اگلی سنگتیں

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لَّعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ وَ مَا

سُوجھاتے لوگوں کو اور راہ بتاتے اور مہر، شاید یاد رکھیں۔ اور تو نہ

کُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِیِّ اِذۡ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسَی الۡاَمۡرَ وَ مَا کُنۡتَ

تھا غرب کی طرف، جب ہم نے بھیجا موسیٰ کو حکم اور نہ تھا

مِنَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۴۴﴾ۙ وَ لٰکِنَّاۤ اَنۡشَاۡنَا قُرُوۡنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیۡہِمُ الۡعُمُرُ ۚ

تو دیکھتا۔ لیکن ہم نے اٹھائیں کتی سنگتیں۔ پھر لمبی گزری ان پر مدت۔

وَ مَا کُنۡتَ ثَاوِیًا فِیۡۤ اَہۡلِ مَدۡیَنَ تَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰکِنَّا

اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں، ان کو سناتا ہماری آیتیں۔ پر ہم رہے ہیں

کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ مَا کُنۡتَ بِجَانِبِ الطُّوۡرِ اِذۡ نَادَیۡنَا وَ لٰکِنۡ

رسول بھیجتے اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی، ولیکن

رَّحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ

یہ مہر سے تیرے رب کے۔ کہ تو ڈر سناوے ایک لوگوں کو جن پاس نہیں آیا کوئی ڈر سنانے والا تجھ سے پہلے

لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌۢ بِمَا

شاید وہ یاد رکھیں۔ اور اتنے واسطے، کہ کبھی پڑے ان پر آفت

قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ فَیَقُوۡلُوۡا رَبَّنَا لَوۡ لَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَیۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ

اپنے ہاتھوں کے بھیجے سے۔ تو کہنے لگیں اے رب ہمارے! کیوں نہ بھیج دیا ہم پاس کسی کو پیغام دے کر؟ تو ہم چلتے

اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا

تیری باتوں پر اور ہوتے یقین رکھنے والے۔ پھر جب پہنچی ان کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے،

قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

کہنے لگے کیوں نہ ملا اس کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو؟ کیا ابھی منکر نہیں ہو چکے موسیٰ سے

مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ

اس سے پہلے کہنے لگے دونوں جادو ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے ہم دونوں کو نہیں مانتے۔ تو کہہ

فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ

اب لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی، جو ان دونوں سے بہتر سوجھاتی ہو۔ میں اس پر چلوں اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ

سچے ہو۔ پھر اگر نہ لاویں تیرا کہا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں نری اپنی چاؤ پر۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اس سے بہکا کون؟ جو چلے اپنی چاؤ پر بن راہ بتائے اللہ کے۔ بیشک اللہ

۵۵۸ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع

راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔

## خاتمہ قصہ مذکورہ بر اعطاء کتاب ہدایت برائے بصیرت وعبرت واثبات رسالتِ محمدیہ ﷺ مع جوابات از شبہات واہیہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ... الٰى... مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾﴾

**ربط**: یہاں تک موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ختم ہوا۔ اب اخیر میں قوم کی ہدایت کے لئے نزولِ توراۃ کا ذکر فرمایا جو اصل مقصود تھا۔ اب آئندہ آیات میں اثبات رسالت محمدیہ ﷺ کا مضمون ذکر فرماتے ہیں اور اس کے ضمن میں بعض شبہات کا جواب بھی دیتے ہیں جو محض عناد پر مبنی تھے اور یہ بتلاتے ہیں کہ جس طرح توریت کتاب ہدایت ورحمت تھی اسی طرح یہ قرآن بھی کتاب ہدایت ورحمت ہے اور

آپ کی نبوت ورسالت کی دلیل اور حجت ہے جولوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے اور اس کتاب کا گزشتہ واقعات پر مشتمل ہونا یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نہ جانب غربی میں تھے جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور نہ مدین میں تھے۔ اور آپ ﷺ تو اُمّی تھے اگلی کتابوں کو پڑھ نہیں سکتے تھے ان تمام واقعات کا علم آپ کو بذریعہ وحی ہوا۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ اس واقعہ اور قصہ کا نہ تو آپ ﷺ نے مشاہدہ کیا ہے اور نہ کسی سے سنا ہے اور نہ کسی کتاب میں پڑھا ہے صرف ہماری وحی سے آپ کو اس کا علم ہوا ہے۔ لہٰذا یہ آپ کے مُرسل من اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور البتہ تحقیق ہم نے فرعون کو کفر کا امام اور پیشوا اور دوزخ کا داعی بنایا اور دریا میں اس کو غرق کیا اور دنیا اور آخرت میں اس کو موردِ لعنت بنایا اس کے بالمقابل ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حق اور ہدایت کا پیشوا اور جنت کا داعی اور دُنیا اور آخرت میں ان کو موردِ رحمت وکرامت بنایا اور پہلی قوموں یعنی قومِ نوح اور قومِ عاد اور قومِ ثمود کے ہلاک کرنے کے بعد اور فرعون کے غرق کرنے کے ایک* سال بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطاء کی جس کی آیتیں لوگوں کے لیے بصیرتیں تھیں۔ بصیرت کے معنی دل کے نور کے ہیں جس سے حق اور باطل کا فرق نظر آئے اور ہدایت اور رحمت تھیں شاید ان کو پڑھ کر نصیحت پکڑیں کہ اگر ہم نے اللہ کی ہدایتوں کو نہ مانا تو ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو پہلی قوموں کا ہوا اور اب عرصۂ دراز کے بعد آپ کی نبوت ورسالت کا دور آیا ہے اور آپ کے منکرین اور مکذبین فرعون اور ہامان کے نقشِ قدم پر جارہے ہیں ذرا اپنے انجام کو سوچ لیں اور توریت کی طرح آپ کو جو کتاب ہدایت ورحمت دی گئی ہے اس سے نصیحت پکڑیں اور اے نبی اس قرآن کے علاوہ آپ ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ آپ اس وقت طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام ہدایت دیئے اور ان کو توریت عطا کی اور نہ آپ اس وقت کے حاضرین میں سے تھے جس سے مشاہدہ اور معائنہ کا احتمال ہوسکے یعنی آپ ﷺ وہاں موجود نہ تھے جو یہ گمان کیا جاسکے کہ آپ ﷺ اپنی آنکھوں کا دیکھا حال بیان کررہے ہیں ولیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے قرن اور بہت سی نسلیں پیدا کیں پس ان کی عمر دراز ہوئی اور ان اُمتوں پر زمانۂ دراز گزر گیا اور سب باتوں کے نام ونشان مٹ گئے اور کوئی ذریعہ ان کے علم کا باقی نہ رہا تب ہم نے آپ کو ہادی اور رسول بنا کر بھیجا اور بذریعہ وحی کے ان واقعات اور حالات سے آگاہ کیا تا کہ لوگ جانیں کہ ایسی باتیں اور ایسی خبریں بغیر وحی خداوندی ممکن نہیں اور آپ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی طرح اہلِ مدین میں اقامت پذیر نہ تھے کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں جیسے آج مکہ والوں کو ہماری آیتوں کو پڑھ کر سنا رہے ہو ولیکن ہم ہیں آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والے اور بذریعہ وحی کے ان واقعات سے آپ کو خبر دینے والے ہیں۔

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ تو اہل مدین میں سکونت پذیر نہ تھا کہ یہ آیات تو نے ان سے پڑھ کر سیکھی ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسالت تجھ کو ان واقعات سے آگاہ کیا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ ﴾ میں ﴿ عَلَيْهِمْ ﴾ کی ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ تو مدین کے باشندوں میں سے نہیں جس نے ان واقعات کا معائنہ اور مشاہدہ کیا ہو اور اہلِ مکہ کو ان کی خبر دے رہا ہو بلکہ ہماری وحی سے تجھ کو ان باتوں کا علم ہوا جو تو اہلِ مکہ کو ان سے خبر دے رہا ہے۔

اور اسی طرح آپ کوہِ طور کی جانب غربی موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اور ان سے کلام کیا: ﴿ يٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا

---

* فرعون دسویں محرم کو عاشورہ کے دن ہلاک ہوا اور توریت دسویں ذی الحجہ کو عطا ہوئی۔

اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جوان کو نبوت عطا ہونے کا وقت ہے ولیکن تیرے پروردگار کی رحمت اور مہربانی سے تجھ کو ان چیزوں کا علم عطا ہوا تا کہ تو ان آیات کے ذریعہ اس گروہ کو ڈراوے جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی من جانب اللہ ڈرانے والا نہیں آیا شاید وہ نصیحت پکڑیں کیونکہ آپ کی بعثت سے ان پر حجت پوری ہوگئی خلاصۂ کلام یہ کہ یہ واقعات آپ ﷺ لوگوں کو سنا رہے ہیں حالانکہ آپ نہ ان کے ساتھ رہے ہیں اور نہ یہ واقعات آپ کو پڑھ کر سنائے گئے ہیں تو پھر ان امور کی اطلاع آپ کو کیسے ہوئی جواب یہ ہے کہ صرف ہماری رحمت سے ہوئی ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور بذریعہ وحی آپ کو ان سے مطلع کیا پس ایک اُمّی شخص کا بغیر دیکھے اور بغیر سنے اور بغیر پڑھے اس طرح واقعات کو صحیح صحیح بتلانا اس کی نبوت کی دلیل ہے۔ اللہ کی حجت ان پر پوری ہوگئی اب اپنے انجام کو سوچ لیں۔

## اتمام حجت وقطع معذرت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌ... الٰی... اِنَّ اللّٰہَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں بعثت رُسل اور نزول کتاب الٰہی کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں اسی مسئلہ کو مدلل اور مبرہن کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ بعثت رسل اللہ کی حجت بالغہ ہے جس سے بندوں پر حجت پوری ہو جاتی ہے اور اسی ذیل میں کافروں کے چند حیلوں اور بہانوں کا ذکر کر کے جواب دیتے ہیں کہ بعثت رسل کے بعد کافر یہ عذر نہیں کر سکیں گے کہ ہم کو بلاوجہ کیوں عذاب دیا جا رہا ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ کا عذاب حجت پوری ہو جانے کے بعد آتا ہے اور بعثت رسل اللہ کی حجت بالغہ ہے جس سے حجت پوری ہو جاتی ہے اور مجرم کے لیے عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بداعمالیوں کی وجہ سے مصیبت پہنچنے کے وقت شاید یہ لوگ یہ کہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے سو ان کی اس بات کا مقتضاء تو یہ تھا کہ رسول کے آنے کو نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ سمجھتے اور اللہ کے نازل کردہ دین کو فوراً قبول کر لیتے لیکن ان کی حالت تو اس کے برعکس ہوئی کہ جب ان کے پاس حق چل کر خود آ گیا تو اس میں حیلے اور بہانے اور قسم قسم کے شبہے نکالنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ آپ کو ویسے معجزات کیوں نہ دیئے گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے دیئے گئے شاید ان کی مراد یہ تھی کہ عصا اور ید بیضاء اور طوفان اور جراد اور قمل اور ضفادع جیسے معجزات آپ ﷺ کو کیوں نہ دیئے گئے اگر آپ ﷺ سے ایسے معجزات ظاہر ہوتے تو ہم آپ پر ایمان لے آتے یا آپ کے اُوپر بھی توریت کی طرح پورا قرآن ایک دم اترتا تو ہم ایمان لے آتے۔ یہ کیا بات ہے کہ دو دو اور چار چار آیتیں اترتی ہیں۔ کافروں کا یہ سوال جاہلانہ اور معاندانہ تھا اوّل تو یہ سوال سرے ہی سے غلط ہے اس لیے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا متحد اور مماثل ہونا ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر نبی کی کتاب اور اس کا صحیفہ پہلے نبی کی کتاب اور اس کے صحیفہ کے مماثل ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ دوسرے نبی کی کتاب کیفیت نزول میں پہلے نبی کی کتاب کے مماثل ہو کسی پر اللہ نے متفرقاً کتاب نازل کی اور کسی پر مجتمعاً اور دفعتاً حالانکہ یہ کتاب یعنی قرآن کریم شرف اور عظمت میں اور علم وحکمت میں اور علوم وہدایت میں توریت اور انجیل سب سے بڑھ کر ہے۔ (دیکھو [1] تفسیر کبیر ص ۸۳ ج ۶)

ایسی لاجواب کتاب پر ایمان لانے میں کیوں تردد کر رہے ہیں۔

---

[1] اعلم ان الذی اقترحوہ غیر لازم لانہ لا یجب فی معجزات الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ان تکون واحدۃ ولا فیما ینزل الیہم من الکتاب ==

اللہ تعالیٰ آئندہ آیت میں کافروں کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کیا یہ لوگ اس چیز کا انکار نہیں کر چکے جو سابق میں موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی یعنی یہ لوگ اب تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ مدعی رسالت واقعی خدا کا رسول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو اللہ نے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزے نہیں دیئے لیکن ذرا یہ بتائیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام یہی معجزات لے کر لوگوں کے پاس آئے جن کو اب سند رسالت کہا جارہا ہے تو کیا ان لوگوں نے ان معجزات کا انکار نہ کیا تھا اور ان کو جھوٹا اور جادوگر نہیں کہا تھا اور اب قریش مکہ یہ کہتے ہیں کہ توریت اور قرآن دونوں ہی جادو ہیں جو باہم ایک دوسرے کے موافق ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مکہ کے کافر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سُن کر کہنے لگے کہ اگر ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم اس کو مان لیتے جب یہود سے پوچھا اور توریت کی باتیں سنیں تو اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً کہ بت پرستی کفر ہے اور آخرت کا جینا حق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو وہ مردار ہے اور عرب میں ایک نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔ تو جوش میں آکر کہنے لگے کہ دونوں یعنی توریت اور قرآن دونوں ہی جادو ہیں اور موسیٰ اور محمد علیہما السلام دونوں ہی جادوگر ہیں۔ (العیاذ باللہ) ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (انتہیٰ)

اور ایک دوسرے کے دین کی باتیں ملتی جلتی ہیں اور یہ کہنے لگے کہ ہم ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کو اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ توریت کو اور نہ قرآن کو۔ کفار عرب کسی نبوت ورسالت کے قائل نہ تھے۔ اے نبی آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ اگر یہ دونوں کتابیں تمہارے نزدیک جادو ہیں تو تم ان کے علاوہ کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر اور بڑھ کر ہو تاکہ میں اس پر چلوں اور اس کی پیروی کروں اگر تم اس دعوے میں سچے ہو میں تمہاری طرح معاند نہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ قرآن کا مثل لانے سے عاجز ہیں پھر اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے پس اگر یہ لوگ آپ کی بات کو نہ مانیں اور اس جیسی نہ تو کوئی کتاب لاسکیں اور نہ توریت اور قرآن کو مانیں پس یقین کرلیجیے کہ یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں۔ حق واضح ہے مگر ان کا نفس نہیں مانتا اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش پر چلے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا جو شخص بغیر دلیل کے نفس کی خواہشوں پر چلنے لگے وہ کیسے راہ یاب ہوسکتا ہے۔ چنانچہ آئندہ آیت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرماتا اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے اور قسم قسم کے خیالات آتے ہیں اور وہ راہ حق پر نہ چلنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراشتا ہے۔

---

= ان تکون علی وجه واحد اذ الصلاح قد یکون فی انزاله مجموعا کالتوراة ومفرقا کالقراٰن ثم ان الله تعالیٰ اجاب عن هٰذه الشبهة بقوله اولم یکفروا بما اوتی موسٰی من قبل... الخ (تفسیر کبیر ص ۸۳ ج ٦)

وَلَقَدۡ وَصَّلۡنَا لَهُمُ الۡقَوۡلَ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ

اور ہم لگائے گئے ہیں ان سے بات شاید وہ دھیان میں لاویں۔ جن کو ہم نے دی ہے

الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ هُمۡ بِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ قَالُوۡۤا

کتاب اس سے پہلے وہ اس کو یقین کرتے ہیں۔ اور جب ان کو سنائیے کہیں

اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ

ہم یقین لائے اس پر یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہم ہیں اس سے پہلے حکم بردار۔ وہ لوگ

يُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا وَيَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

پاویں گے اپنا حق دوہرا اس پر کہ ٹھہرے رہے اور بھلائی دیتے ہیں برائی کے جواب میں

وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَ

اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اور جب سنیں نکمی باتیں، اس سے کنارہ پکڑیں اور

قَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ز سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ ز لَا نَبۡتَغِى

کہیں ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام۔ سلامت رہو۔ ہم کو نہیں چاہئیں

الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ

بے سمجھ۔ تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے۔ پر اللہ راہ پر لاوے

مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوۡۤا اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى

جس کو چاہے۔ اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آویں گے۔ اور کہنے لگے اگر ہم راہ پکڑیں

مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا ؕ اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰٓى

تیرے ساتھ، اچکے جاویں اپنے ملک سے، کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو ادب کے مکان میں پناہ کی کھچے آتے ہیں

اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۷﴾

اس طرف میوے ہر چیز کی، روزی ہماری طرف سے، پر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ

اور کتنی کھپا دیں ہم نے بستیاں، جو اترا چکی تھیں اپنی گزران میں اب یہ ہیں ان کے گھر،

تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا

بسے نہیں ان کے پیچھے مگر تھوڑے دنوں، اور ہم ہیں آخر سب لینے والے۔ اور

كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا

تیرا رب نہیں کھپانے والا بستیوں کو۔ جب تک نہ بھیج لے ان کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سناوے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

ان کو ہماری باتیں۔ اور ہم نہیں کھپانے والے بستیوں کو مگر جب کہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا

اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز، سو برتنا ہے دنیا کے جیتے، اور یہاں کی رونق۔ اور جو

عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶

اللہ کے پاس ہے۔ سو بہتر ہے اور رہنے والا۔ کیا تم کو بوجھ نہیں؟

## بیان حکمت در تکریر موعظت و مدح مؤمنین اہل کتاب و پیروان حق و صواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ... الٰی... اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں اس بات کا ذکر تھا کہ اللہ نے رسول بھیج کر اور کتاب ہدایت نازل کر کے لوگوں پر محبت پوری کر دی۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ ہم نے حق اور ہدایت کو خوب واضح کر دیا اور مفصل اور مکرر اور سہ کرر بیان کر کے بھی لوگوں پر حجت پوری کر دی ہے اور قرآن کریم کو ہم نے بتدریج نازل کیا ہے تا کہ لوگوں کو سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو اگر سارے قرآن کو یکبارگی نازل کر دیتے تو تذکر کا فائدہ حاصل نہ ہوتا نیز گزشتہ آیات میں ان ظالموں اور نفس پرستوں کی مذمت فرمائی کہ جو ہدایت خداوندی کے مقابلہ میں نفسانی خواہشوں کو مقدم رکھتے ہیں اب ان آیات میں گزشتہ کے مقابل انصاف پسند اور حق پسند اہل کتاب کی مدح فرماتے

ہیں کہ جنہوں نے حق اور ہدایت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جیسا کہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ستر علماء نصاریٰ جن کو نجاشی شاہ حبشہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سورۂ یٰسین پڑھی تو وہ لوگ سنتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی یعنی ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ .... الیٰ قولہٖ تعالیٰ... سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴾ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۳ ج ۳)

چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ان کے لیے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت و مصلحت ہدایت کی بات کو پے در پے اور بار بار اور لگاتار بیان کیا ایک آیت کے بعد دوسری آیت اور ایک سورت کے بعد دوسری سورت اور ایک نصیحت کے بعد دوسری نصیحت کہ ان پر حجت پوری کر دی تا کہ وہ نصیحت پکڑیں اور ہدایت کی بات کو مانیں۔

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ ہم نے ان کے لیے انواع و اقسام کی ہدایت کی باتیں بیان کر دیں جس سے ہر گمراہی کا ازالہ اور ہر گمراہ فرقہ کا رد ہو گیا تا کہ وہ ہدایت کو قبول کریں اور گمراہی سے باز آ جائیں یعنی لفظ ﴿ وَصَّلْنَا ﴾ اوصال بمعنی انواع و اقسام سے مشتق ہے۔

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ ہم نے حق بات کو نہایت واضح اور مفصل کر دیا جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ ہم نے قرآن میں جگہ جگہ اور بار بار ان امتوں کا ذکر کیا ہے کہ جو رسولوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں تا کہ ان کا حال سن کر ان سے عبرت پکڑیں۔

اس آیت میں مشرکین کے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا۔ جو یہ کہتے تھے کہ اگر قرآن مجید کلام الٰہی اور منزل من اللہ ہے تو توریت کی طرح دفعۃً کیوں نازل نہیں ہوا۔ جواب یہ ہوا کہ ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج اس لیے نازل کیا تا کہ لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور یاد رکھنے میں ان کو سہولت ہو اور اس تدریجی نزول سے وقتاً فوقتاً ان پر ایک نئی حکمت اور نئی موعظت منکشف ہوتی رہے اور گزشتہ امتوں کی ہلاکت کا حال سن کر عبرت پکڑیں کہ مبادا جو عذاب اگلوں پر نازل ہوا ہے وہ ہم پر بھی نازل نہ ہو جائے اس لیے ہم نے انبیاء علیہم السلام کے حالات اور کفار کی ہلاکت اور تباہی کے واقعات کو بار بار بن تکرار بیان کیا تا کہ حق اور حقیقت کو خوب سمجھ جائیں اور بار بار سُن کر قہر الٰہی سے ڈر جائیں اور نصیحت پکڑیں اور ایک فائدہ یہ ہے کہ بار بار کی فہمائش اور تذکیر سے حجت پوری ہو جاتی ہے اور کسی قسم کے عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور کیا یہ مشرکین عرب اس بات پر نظر نہیں کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت انبیاء سابقین علیہم السلام کی بشارت اور علماء اہل کتاب کی تصدیق اور اعتراف سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: جن لوگوں کو ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یا نزول قرآن سے پہلے کتاب توریت اور انجیل دی تھی وہ تو اس نبی پر یا اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے یقین کیا کہ یہ کلام الٰہی ہے بیشک اور بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کے پاس سے آیا ہے۔ تحقیق ہم تو اس کو پہلے ہی سے مانے ہوئے تھے کیونکہ توریت اور انجیل اور کتب سابقہ میں اس کی بابت پیشین گوئیاں مذکور ہیں۔ ہم انبیاء سابقین علیہم السلام کی بشارتوں کی وجہ سے پہلے ہی سے توحید کے اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کے قائل تھے اور اس کے منتظر تھے۔ علماء اہل کتاب کے ایمان کے ذکر سے اہل مکہ پر حجت قائم کرنا ہے کہ جو لوگ شریعت سابقہ کے علم سے واقف تھے انہوں نے تو اس قرآن کو سنتے ہی کہہ دیا کہ ہم اس پر ایمان لے آئے اور بیشک یہ برحق ہے اور خدا کی طرف سے ہے اور یہ وہی کتاب ہے جس کے نزول کی انبیاء سابقین علیہم السلام

نے خبر دی ہے اور یہ نبی وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کے ظہور کی انبیاء سابقین علیہم السلام خبر دیتے آئے۔ ہم تو اس کے مشتاق اور منتظر تھے جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزرا ﴿ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ﴾ (الاعراف:۱۵۷) اور سورۂ شعراء میں گزرا ﴿ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ (الشعرآء:۱۹۷)۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے منصف اور حق پرست اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا اس لیے کہ انہوں نے صبر کیا کہ حق کے قبول کرنے کی وجہ سے ان کو جو مشقتیں پیش آئیں ان کو برداشت کیا اور دنیاوی اغراض اور منافع کی وجہ سے قبولِ حق سے گریز نہیں کیا دُنیا پر لات ماری اور حق کے سامنے گردن جھکا دی اور اس راہ میں جو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر کیا جیسا کہ حدیث میں ہے:

((ثلاثة لهم اجران رجل من اهل الكتاب آمن بنبيه ثم آمن بي والعبد المملوك اذا ادى حق الله وحق مواليه ورجل كانت عنده امة فادبها فاحسن تاديبها وعلمها فاحسن تعليمها ثم اعتقها ثم تزوجها فله اجران)).

"تین شخصوں کو اپنے عمل کا دوہرا اجر ملے گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے کہ جو اہل کتاب میں سے ہے پہلے اپنے نبی یعنی موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لایا اور پھر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ... الخ"

**نکتہ** شیخ الاسلام عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے نبی پر دو مرتبہ ہوا۔ اوّل بالا استقلال دوبارہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور پُرنور ﷺ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے مصدق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں اور حضور پُرنور ﷺ پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا ایک بالذات و بالاستقلال۔ دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ ہر پیغمبر حضور کی بشارت دیتے اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لیے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں مؤمنین اہل کتاب کی مدح فرمائی اوّل ان کے اعتقاد اور ایمان کا ذکر فرمایا اس کے بعد ان کے اخلاق فاضلہ کو بیان کیا جس میں سب سے پہلے ان کی صفت صبر کو بیان کیا اور ﴿ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ کہا کیونکہ صبر ہی تمام اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے اب ان کی دوسری صفت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں کوئی ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء اگر مردی احسن الیٰ من اساء

اور تیسری صفت ان کی یہ ہے کہ ہم نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں سے میری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور چوتھی صفت ان کی یہ ہے کہ وہ جب کافروں اور منافقوں سے کوئی لغو اور بیہودہ بات سنتے ہیں یعنی ان کی طعن و تشنیع کو سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں یعنی اس سے اُلجھتے نہیں بلکہ کنارہ کشی کرتے ہیں اور سلامت روی کے طور پر یہ کہہ دیتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ ہر ایک کا عمل اس کے سامنے آجائے گا پس تم پر ہمارا سلام ہے ہم جاہلوں سے واسطہ رکھنا نہیں چاہتے۔ اس جگہ سلام سے سلام تحیت مراد نہیں بلکہ سلام متارکت اور سلام اعراض و مفارقت مراد ہے تم ہماری طرف سے امن اور سلامتی میں ہو اور ہم تمہاری طرف سے امن اور سلامتی میں ہیں۔ یعنی ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے اور تمہارے لغو کا لغو سے مقابلہ نہیں کرتے جاہلوں سے مقابلہ بے سود ہے خاص کر جو جہل مرکب اور جہالت عناد میں مبتلا ہو اس کی ہدایت اور اصلاح تو نہایت دشوار ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ تحقیق

اے نبی باوجود اس کے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو ہادی عالم اور رحمت مجسم بنا کر بھیجا ہے مگر ہدایت اور توفیق آپ کے قبضۂ قدرت میں نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت دیدیں ولیکن اللہ ہی اس بات پر قادر ہے کہ وہ جس کو چاہے راہ دکھادے اور راہ پر چلا دے اور منزل مقصود پر پہنچا دے اور وہی خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون ہدایت پائے گا۔ غیب کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اور تمام خزانے اسی کی دستِ قدرت میں ہیں۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع مفسرین ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے لیے بڑی کوشش کی کہ مرتے وقت ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے مگر اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اُتری۔ (موضح القرآن)

"نبی کے اختیار میں صرف اتنا ہے کہ یہ بتلادے کہ حق کی راہ یہ ہے باقی حق کا دل میں اتار دینا یہ اللہ کا کام ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہدایت پر مامور تھے مگر ہدایت دینے پر قادر نہ تھے۔"

ابراہیم علیہ السلام آزر کو ہدایت نہ دے سکے اور نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو ہدایت نہ دے سکے۔ اور لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو ہدایت نہ دے سکے، مطلب یہ ہے کہ ہدایتِ دعوت اور ہدایتِ بیان تو آپ ﷺ کی قدرت میں ہے۔ مگر ہدایت توفیق آپ ﷺ کی قدرت میں نہیں۔ (دیکھو ✽ تفسیر کبیر ص ۸۵ ج ٦)

**خلاصۂ کلام** یہ کہ اس آیت کے نازل کرنے سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے کہ آپ ﷺ رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں ہدایت اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اسی کو معلوم ہے کہ کس میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہے اور کس میں نہیں۔ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ میں قدرت اور اختیار کی نفی کی گئی کہ ہدایت کسی کے قدرت اور اختیار میں نہیں اور ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ میں علم کی نفی کی گئی کہ کسی کو اس کا علم بھی نہیں کہ کون راہ یاب ہوگا۔

## اتمامِ حجت وقطع معذرت

### یعنی قبول ہدایت کے بارہ میں کافروں کے ایک حیلہ اور بہانہ کا ذکر اور اس کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ... الی ... اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ آنحضرت ﷺ من جانب اللہ ہادی برحق ہیں۔ حق کا راستہ بتلانے والے ہیں مگر کسی کے دل میں حق کا اتار دینا یہ اللہ ہی کا کام ہے نبی کا کام ہدایت اور رہنمائی اور حق کی دعوت ہے اور بندوں کا کام اللہ کی راہ پر چلنا اور اس کی ہدایت اور دعوت کو قبول کرنا ہے۔ اب آئندہ آیات میں کافروں کے ایک حیلہ اور بہانہ کا ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور یہ جاہل ہدایت کے نہ قبول کرنے کے عذر میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کی پیروی کریں اور قبائل عرب کی

---

✽ قال الامام الرازی. قال اللہ تعالیٰ اِنَّكَ لاتهدی من احببت وقال تعالیٰ فی اٰیة اخریٰ وانك لتهدی الی صراط مستقیم ولا تنافی بینهما فان الذی اثبته واضافه الیه الدعوة والبیان والذی نفی هدایة التوفیق وشرح الصدر وهونور یقذف فی القلب فیحیابه القلب کما قال اللہ تعالیٰ اومن کان میتافاحییناه وجعلناله نورا یمشی به فی الناس۔ (تفسیر کبیر ص ۸۵ ج ٦)

مخالفت کریں تو ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں اور اپنے گھروں سے نکال دیئے جائیں۔ حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے اور وہ دُنیاوی زندگی میں ہماری دولت کا سبب ہے اور مرنے کے بعد ہماری سعادت کا ذریعہ ہے مگر ہم کو ڈر یہ ہے کہ آپ کی متابعت سے تمام قبائل عرب ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور ہم کو ہمارے گھروں سے نکال دیں گے اور ہم میں ان کے مقابلہ کی قوت نہیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں ان کے اس شبہ کے تین جواب دیئے گئے۔

## جواب اوّل:

﴿اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہم نے ان کو حرم میں آباد کیا ہے جو امن و امان کی جگہ ہے جہاں کوئی لڑائی کا نام بھی نہیں لیتا اور ان کو ایسی جگہ بسایا ہے جہاں ہر قسم کے پھل اور سامانِ رزق ہماری طرف سے کھچا چلا آتا ہے و لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے تو جس خدا نے تم کو اپنے حرم میں بسایا ہے جہاں کے رہنے والوں کو کوئی نہیں چھیڑتا اور باوجودیکہ یہ حرم خشک پہاڑوں کے درمیان واقع ہے تو جب کفر اور شرک اور بت پرستی کی حالت میں خدا کے حرم میں امن سے بیٹھے ہو تو کیا خدا پرستی اور حق اور ہدایت کے اتباع سے اس نعمت و کرامت سے محروم ہو جاؤ گے حاصل جواب یہ ہے کہ جب ہم نے ان کو کفر اور شرک کی حالت میں اپنے حرم محترم میں پناہ دی اور امن و امان دیا اور رزق دیا اور مقامِ محفوظ میں ان کو بسایا تو اگر اسلام لے آئیں۔ اور خدا پرست بن جائیں تو خدا کی رحمت سے پہلے سے زیادہ مامون اور محفوظ ہوں گے اور پہلے سے زیادہ رزق پاویں گے۔

## دوسرا جواب:

﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ... الٰى ... اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾

اور یہ نادان جو دُنیاوی فوائد اور منافع کے خیال سے ہدایت کے اتباع سے گریز کر رہے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ ہم نے ہدایت کا اتباع نہ کرنے کے جرم میں کتنی ہی بستیاں ہلاک کر ڈالیں جو اپنے سامانِ عیش و عشرت پر اتراتی تھیں اور دن رات عیش و عشرت میں غرق تھیں مگر ایمان نہ لانے اور ہدایت کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ان کی تمام نعمتوں پر پانی پھر گیا جس کی علت ان کا کفر تھا۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور قبولِ ہدایت زوالِ نعمت کا سبب نہیں بلکہ کفر اور ضلالت پر جمود اور اصرار زوالِ نعمت کا سبب ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۸۷ ج ۶)

وہمی اور خیالی اور احتمالی مصیبتوں اور آفتوں سے تو ڈرتے ہیں اور کفر کی ان دنیوی مصیبتوں سے نہیں ڈرتے کہ جو پیش آچکی ہیں اور ان کا انکار ممکن نہیں۔

پس یہ ان باغیوں اور طاغیوں کے مکانات ہیں جو تمام نظروں کے سامنے ہیں اور ان کے یہ مسکن خالی اور خراب پڑے ہیں جو ان کے ہلاک ہونے کے بعد آباد نہیں ہوئے مگر بہت تھوڑے کہ کوئی مسافر چلتا راہ وہاں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جاتا ہے اور دُنیا کی عیش و عشرت پر ناز کرنے والے اور اترانے والے چل بسے اور ان کی بستیاں تباہ اور برباد ہو گئیں اور آخر میں ہم ہی ان کے وارث ہوئے یعنی وہ بستیاں ایسی اجڑیں کہ کوئی ان کا نام لینے والا نہیں رہا معلوم ہوا کہ دولت و ثروت میں اترا کر اتباع ہدایت اور قبول حق سے گریز کا انجام تباہی اور بربادی ہے پس تم بزعم خود کفر و ضلالت پر اصرار اور ایمان و اسلام سے انکار کر کے اپنے ذرائع معاش اور وسائل دولت و ثروت

کی حفاظت کر رہے ہو۔ لیکن درحقیقت یہی باتیں تمہاری ہلاکت کا موجب ہیں۔ چشم عبرت سے کام لو اور دیکھو کہ ہم نے کتنی آبادیاں جو مال و دولت کے نشہ میں طغیان اور سرکشی کرنے لگی تھیں کس طرح ان کو تباہ اور برباد کر دیا کہ آج ان کا نام و نشان بھی نہیں رہا اور اے نبی تیرا پروردگار بستیوں اور آبادیوں کو تباہ کرنے والا نہیں یہاں تک کہ ان کے کسی بڑے شہر میں رسول بھیجے جو ان کو ہماری باتیں سنائے اور بتائے اور وہ ہمارے احکام کی پروانہ کریں تو ان پر ہمارا قہر نازل ہوتا ہے اور پھر ہم پیغمبر بھیجنے کے بعد بھی فوراً ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اُسی حالت کہ جب وہاں کے باشندے کھلم کھلا ظالم اور ستمگار ہو جائیں اعلانیہ طور پر حق سے انکار کرنے لگیں اور ظلم و ستم پر اتر آئیں اور حق کی دشمنی پر اور ظلم پر کمر ہی باندھ لیں اور یہی ٹھان لیں کہ اب حق کو نہیں مانیں گے تب اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے۔

## تیسرا جواب:

﴿ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ ... الی ... اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

اور اے بدنصیبو! خوب سمجھ لو جو کچھ تم دیئے گئے ہو سو اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ چند روزہ دُنیاوی زندگی کی بہرہ مندی ہے اور اس کی زینت اور آرائش ہے یعنی جس مال و متاع کی خاطر تم دین اسلام قبول نہیں کرتے وہ فقط چند روزہ زندگی کا سامان ہے اور فنا ہونے والا ہے اور ایمان لانے والوں اور ہدایت قبول کرنے والوں کے لیے جو خُدا کے نزدیک مہیا کیا گیا ہے وہ اس دُنیا کی زینت سے کہیں بہتر ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ باقی رہنے والا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے پس اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر ہم ایمان لائے تو ہمارا مال و متاع ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا پس اگر تمہارے اس خیال کو صحیح مان لیا جائے تو یہ سوچو کہ دُنیا کا تمام مال و متاع فانی ہے اور چند روزہ ہے۔ لہٰذا اگر یہ چند روزہ اور کھوٹی پونجی دے کر آخرت کی دائمی نعمت اور لازوال اور بے مثال دولت حاصل کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ دُنیا کی کوئی نعمت مضرت اور کدورت سے خالی نہیں اور ایک محدود اور معین وقت کے لیے ہے دائمی نہیں اور محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی نعمتیں مضرت اور کدورت سے بالکلیہ خالی ہیں اور باقی اور لازوال اور بے مثال ہیں اور غیر محدود اور غیر متناہی ہیں۔ پس ذرا خیال تو کرو اور اپنے دل میں انصاف کرو کہ فانی پر اکڑ رہے ہو اور باقی کو چھوڑ رہے ہو کیا فانی اور باقی برابر ہو سکتے ہیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دُنیا کی حقارت اور ذلت کو بتلایا کہ دُنیا کی حقیقت صرف ایک چند روزہ ظاہری زینت سے زیادہ نہیں۔ قابل رغبت دار آخرت ہے جس میں ایمان لانے والوں کو بے مثال اور لازوال نعمتیں ملیں گی لہٰذا فکر کرو۔

﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ﴾ (النحل: ۹۶) اور ﴿ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴾ (الرعد: ۲۶)۔

﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۞ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۞ ﴾ (الاعلیٰ: ۱۶، ۱۷)

---

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ

بھلا ایک شخص، جو ہم نے وعدہ دیا ہے اس کو اچھا وعدہ، سو وہ اس کو پانے والا ہے برابر ہے اس کے، جس کو ہم نے برتوایا برتنا

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۞ وَیَوْمَ

دنیا کے جیتے؟ پھر وہ قیامت کے دن پکڑا آیا۔ اور جس دن

يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ

ان کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک؟ جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ بولے

الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا ۚ أَغْوَيْنَاهُمْ

جن پر ثابت ہوئی بات اے رب! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا۔ ان کو بہکایا

كَمَا غَوَيْنَا ۖ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ

جیسے ہم آپ بہکے۔ ہم منکر ہوئے تیرے آگے، وہ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ اور کہیں گے،

ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ

پکارو اپنے شریکوں کو، پھر پکاریں گے، تو وہ جواب نہ دیں گے ان کو، اور دیکھیں گے عذاب۔

لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا

کسی طرح وہ راہ پائے ہوتے۔ اور جس دن ان کو پکارے گا۔ تو کہے گا، کیا

أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا

جواب کہا تم نے؟ پیغام پہنچانے والوں کو۔ پھر بند ہو گئیں ان پر باتیں اس دن سو آپس میں بھی نہیں

يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَن

پوچھتے۔ سو جس نے توبہ کی ہے اور یقین لایا اور کی بھلائی، سو امید ہے کہ

يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا

ہووے چھوٹنے والوں میں۔ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے۔ ان

كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ

کے ہاتھ نہیں پسند۔ اور نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتاتے ہیں۔ اور تیرا رب

يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ

جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں۔ اور جو جتاتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔

لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۷۰

اسی کی تعریف ہے پہلے میں اور پچھلے میں۔ اور اسی کے ہاتھ حکم ہے اور اسی پاس پھیرے جاؤ گے۔

## ظہور ثمرات ایمان وہدایت ونتائج کفر وضلالت درروز قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا ... الٰى ... وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

**ربط** : گزشتہ آیات میں ایمان وہدایت کی ترغیب اور کفر وضلالت سے ترہیب کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان اور ہدایت کے ثمرات اور کفر وضلالت کے نتائج کا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔ **اوّل**: ﴿ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا ﴾ کی آیت میں اجمالی طور پر اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت کے تفاوت کو بیان کیا بعد ازاں اس تفاوت کی تفصیل فرمائی کہ قیامت کے دن اہل ہدایت کو ان کے وعدوں کی چیزیں عطا ہوں گی اور اہلِ ضلالت سے قیامت کے دن بطور زجر وتوبیخ تین سوال ہوں گے۔

**پہلا سوال**: ﴿ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴾ یعنی بتلاؤ کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم نے میرا شریک سمجھ رکھا تھا۔ یعنی کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے تم کو گمراہ کیا۔

**دوسرا سوال**: ﴿ وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ ﴾ یعنی تم اپنے ان معبودوں کو بلاؤ جن کو تم اپنا معین اور مددگار سمجھتے تھے تاکہ وہ تمہاری فریاد رسی کریں۔

**تیسرا سوال**: ﴿ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ انبیاء کرام علیہم السلام کی اطاعت اور متابعت کے متعلق ہوگا۔

چنانچہ فرماتے ہیں: کیا اے بے عقلو! جو تم کفر وضلالت کو ایمان اور ہدایت پر اور دنیا کو آخرت پر فضیلت دیتے ہو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں سو جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا جس میں نہ ضرر کا احتمال ہے اور نہ غلط بیانی کا امکان ہے سو جس مؤمن سے ہم نے ایمان لانے اور ہدایت قبول کرنے پر دنیا اور آخرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور اس کو پانے والا ہے تو کیا ایسا شخص اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دُنیاوی زندگی کا چند روزہ سامان دیا اور ختم ہوا اور پھر قیامت کے دن وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو عذاب کے لیے حاضر کیے جائیں گے۔ ذرا عقل سے کام لو اور بتاؤ کہ کیا یہ دونوں شخص برابر ہوسکتے ہیں چند روز خوب مزے اڑائے اور قانونِ حکومت کی کوئی پروانہ کی بالآخر گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور پھانسی پر لٹکا دیا گیا کیا تم کو اتنی عقل نہیں کہ ان دونوں میں کون اچھا رہا اور تمہیں کس زمرہ میں شامل ہونا چاہیے اور ایسے مال ومتاع اور سامان عیش وعشرت سے کیا جسکے بعد تم کو مجرموں کی صف میں کھڑا کر کے تم سے باز پرس کی جائے اس لیے تم اس دِن کو یاد کرو یا اے نبی ان کو وہ دن یاد دلاؤ کہ جب یہ مجرمین آخرت میں عذاب کے لیے ہمارے حضور میں پکڑے ہوئے آئیں گے تو اس دن خُدا تعالیٰ ان کو پکارے گا پھر کہے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے جو ملتیں کفر اور شرک میں مبتلا ہیں وہ محض اپنے گمان اور خیال پر چلتی ہیں۔ دلیل عقلی کسی کے پاس بھی نہیں جو یہ ثابت کرسکے کہ یہ چیز الوہیت میں خدا کی شریک ہے اس جگہ شرکاء سے رؤساء ضلالت مراد ہیں جن کے کہنے سے ان لوگوں نے کفر اور شرک کیا کیونکہ بدون کسی دلیل شرعی اور بغیر حکم الٰہی کے کسی شخص کے کہنے کو بے چون وچرا مان لینا بھی شرک ہے اس طرح کسی کی اطاعت کرنا گویا کہ اس کو اپنا رب

بنانا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ (التوبہ: ۳۱)۔

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ہم نے تو احبار اور رہبان کو اپنا رب نہیں بنایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب احبار ورہبان جو تم کو حکم دیتے تھے کیا تم اس پر (بے چون چرا) نہیں چلتے تھے۔ عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس یہی شرک ہے۔ (رواہ الترمذی وغیرہ)

معلوم ہوا کہ بے چون چرا کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھنا اور کسی کو واجب الاطاعت جاننا یہی شرک کی حقیقت ہے۔

غرض یہ کہ قیامت کے دن مشرکین سے سوال کیا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کو تم نے میرا شریک سمجھ رکھا تھا۔ سوال تو مشرکین سے ہوگا مگر وہ رؤساء ضلالت اور ائمۃ الکفر جنہوں نے ان کو بہکایا تھا وہ سمجھ جائیں گے کہ یہ سوال زجر و توبیخ در حقیقت ہم سے ہے اس لیے وہ لوگ بولیں گے جن پر بوجہ اضلال یعنی دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہے اور مستوجب سزا ہو چکے ہیں بطور عذر یہ کہیں گے اے ہمارے رب یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے اغواء کیا اور دنیا میں ان کو راہِ حق سے گمراہ کیا جس طرح ہم باختیار خود غاوی اور گمراہ تھے ہم نے ان کو مجبور نہ کیا تھا اور نہ ہم کر سکتے تھے یہ لوگ باختیار خود اپنی خوشی اور رغبت سے غوایت اور گمراہی میں پڑے اپنی گمراہی کا الزام ہمارے سر لگانا غلط ہے کیونکہ اگر ایک طرف ہم نے ان کو بہکایا اور گمراہی کی طرف بلایا تو دوسری طرف تیرے احکام اور ہدایت موجود تھی ان کو اختیار تھا کہ دونوں طرف میں سے جس کو چاہتے اختیار کرتے ان لوگوں نے ہدایت کے مقابلہ میں بصد شوق ورغبت باختیار خود ہماری باتوں کو اختیار کیا اور ہدایت اور نصیحت سے اعراض کیا اور اب الزام ہمیں دیتے ہیں یہ کہنے والے گمراہوں کے رئیس اور ان کے پیشوا ہوں گے اور رؤساء ضلالت کا یہ جواب بالکلیہ ایسا ہی جواب ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی طرف سے حکایت کیا ہے۔

﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ﴾ (ابراہیم: ۲۲)

غرض یہ کہ رؤساء ضلالت اپنے کو الزام سے بری کرنے کے لیے یہ کہیں گے کہ ہم نے ان لوگوں کو گمراہی پر مجبور نہ کیا یہ لوگ اپنی خواہشوں کے بندے ہیں ہم ان کے فعل کے ذمہ دار نہیں ہم تیرے سامنے ان سے بری اور بیزار ہیں یہ لوگ فی الحقیقت ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور رؤساء ضلال کی اس بیزاری اور بے تعلقی کے بعد ان مشرکین سے بطور تہکم اور استہزائیہ یہ کہا جائے گا اپنے شرکاء کو اپنی مدد کے لیے پکارو یعنی جن کو تم ہمارا شریک قرار دیتے تھے ان کو بلاؤ کہ وہ تم سے عذاب کو دفع کریں سو وہ ان کو پکاریں گے پس وہ جواب بھی نہ دیں گے اس کے بعد عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے پھر جائے گا اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اور اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں راہ یاب ہوتے اور ایمان لانے والوں اور ہدایت قبول کرنے والوں میں سے ہوتے تو یہ روزِ بد ہم کو نہ دیکھنا پڑتا۔

اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ انہیں پکارے گا۔ پس کہے گا بتلاؤ کہ تم نے ہمارے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ جب انہوں نے تم کو حق کی طرف بلایا تھا پس اس روز ان پر تمام باتیں تاریک اور مشتبہ ہو جائیں گی پھر دہشت کی وجہ سے ایسے بدحواس ہو جائیں گے کہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہ سکیں گے کہ کیا جواب دیں یعنی دُنیا میں انبیاء علیہم السلام کی نورانی حجتوں کے مقابلہ میں اپنی ظلمانی اور

شیطانی اور نفسانی حجتیں بیان کیا کرتے تھے سو آج کے روز اس حالت میں ان پر حجتیں تاریک ہو جائیں گی۔ پس باہم ایک دوسرے سے کچھ سوال بھی نہ کر سکیں گے جو یہاں اندھا تھا وہاں بھی اندھا ہو جائے گا یہ تو ان گمراہوں کا حال ہے جو گمراہی میں حق سے اندھے بنے رہے یہاں تک کہ مر گئے۔ ہاں مگر وہ جس نے کفر اور شرک سے توبہ کی اور خدا اور رسول پر ایمان لایا۔ اور رسول کی ہدایت کے مطابق نیک کام کیا پس اُمید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں سے ہوا اور اس دِن کی باز پرس اور ذلت سے نجات پا جائے بغیر دین اسلام قبول کیے فلاح اور کامیابی ممکن نہیں۔

مزن بے رضائے محمد ﷺ نفس ۔۔۔۔ رہ رستگاری ہمین است وبس

اور تیرا پروردگار جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور برگزیدہ بناتا ہے اور ان لوگوں کو کوئی اختیار نہیں۔ خلق اور اختیار سب اللہ کے لیے مخصوص ہے کسی کے لیے اس میں شرکت اور منازعت ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک اور بلند اور برتر ہے ہر اس چیز سے جس کو مشرکین خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں یہ تو خُدا تعالیٰ کی قدرت اور اختیار کا حال ہے اور تیرے پروردگار کے علم کی شان یہ ہے کہ وہ ان کے سینہ کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اس کو بھی خوب جانتا ہے اور وہی اللہ اور خدائے برحق ہے جو عبادت کا مستحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو لائق عبادت ہو اسی کے لیے حمد و ثنا ہے دنیا اور آخرت میں۔ اس لیے کہ دنیوی اور اُخروی نعمتوں کا وہی مالک ہے وہی منعم حقیقی اور محسن حقیقی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسی کے لیے حکم قضاء اور فرمانروائی ہے حکومت اور قدرت اور اختیار سب اسی کے لیے ہے حاکم حقیقی وہی ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ تم اس جہان میں چند روز ہو۔ پھر قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ اسی کا حکم قضا نافذ ہو گا اور کسی کو کوئی اختیار نہ ہو گا۔ پس ایسے معبود برحق کی عبادت کرو تا کہ اس دن کی ذلت سے نجات پاؤ۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

تو کہہ، دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو قیامت کے دن تک،

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

کون حاکم ہے اللہ کے سوا۔ کہ لاوے تم کو کہیں روشنی پھر کیا تم سنتے نہیں؟ تو کہہ، دیکھو تو!

اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ

اگر رکھ دے اللہ تم پر دن ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ

اللہ کے سوا؟ کہ لاوے تم کو رات جس میں چین پکڑو، کیا تم نہیں دیکھتے؟ اور

رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ

اپنی مہر سے بنادیا تم کو رات اور دن کہ اس میں چین بھی پکڑو اور تلاش بھی کرو کچھ

فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ

اس کا فضل اور شاید تم شکر کرو۔ اور جس دن ان کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں

شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

میرے شریک؟ جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتانے والا،

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند، تب جانیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی گئیں ان سے جو

يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۱۰/۱۵

باتیں جوڑتے تھے۔

## تذکیر نعم مشتمل بر بیان دلائل توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا ... الى ... وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾﴾

**ربط**: گزشتہ آیت یعنی ﴿وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ﴾ میں اجمالاً اپنا مستحق حمد وثنا ہونا بیان کیا کہ اللہ ہی دنیوی اور اُخروی نعمتوں کا مالک ہے اس لیے وہی مستحق حمد وثنا ہے اب آئندہ آیات میں اپنی چند نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اس کے کمال قدرت کی بھی دلیل ہے وہ یہ کہ اللہ نے تمہارے لیے لیل ونہار کو مسخر کیا جن کے بغیر تمہارے نظامِ حیات کا قیام اور قوام ناممکن ہے اور یہ دن رات اس کی کمال قدرت واختیار کی دلیل ہیں جس کا ﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ میں ذکر تھا۔ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کسی کی قدرت اور اختیار میں نہیں اور جس کو قدرت اور اختیار نہ ہو وہ لائق عبادت نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! آپ ﷺ ان لوگوں سے یہ کہیے۔ ذرا بتلاؤ تو سہی اگر خدا تعالیٰ تم پر رات کو روز قیامت تک دائم [1] اور مستمر کردے کہ رات ہی رات رہے اور آفتاب زمین کے نیچے ہی رہے اور طلوع نہ کرے تو اللہ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہارے لیے روشنی لے آئے یعنی روز روشن لے آئے جس میں تم طلب معاش کرسکو کیا تم ہماری اس روشن دلیل کو عقل کے کان سے سنتے نہیں اور اے نبی آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہیے کہ بھلا بتلاؤ کہ اگر

---

[1] دائم اور مستمر لفظ سرمد کا ترجمہ ہے جو سرد سے ماخوذ ہے جس کے معنی متابعت اور اطراد کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کے برعکس دن کو روز قیامت تک ہمیشہ رہنے والا بنا دے کہ آفتاب اپنی جگہ قائم رہے اور غروب ہی نہ ہو تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آئے جس میں تم آرام کرسکو اور دن کے کاموں کی تھکن سے راحت حاصل کرسکو۔ کیا تم خدا کے ان آثار قدرت اور آثارِ رحمت کو اپنی چشم بصر اور چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے یعنی کیا تم کو ایسی روشن دلیلیں دکھلائی نہیں دیتیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تا کہ رات میں تم آرام کرو اور دن میں اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم اللہ کی ان نعمتوں یعنی رات اور دن کا شکر کرو۔ رات اور دن یہ دو نعمتیں ہیں جو یکے بعد دیگرے تم کو پہنچتی رہتی ہیں دن کسبِ معاش کے لیے ہے اور رات راحت اور آرام کے لیے ہے غور تو کرو کہ یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں اور کیسی زبردست قدرت کی نشانیاں ہیں۔ انسان کو کام کی بھی ضرورت ہے اور کام کے بعد آرام کی بھی ضرورت ہے۔ تمہارے فرضی خداؤں میں یہ قدرت نہیں کہ وہ دن اور رات میں ذرہ برابر تغیر وتبدل کرسکیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہی خدائے برحق مستحق حمد وثناء ہے جیسا کہ گزشتہ آیت میں بیان فرمایا:

﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ﴾

ان آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرمایا اور شرک کی قباحت اور شناعت کو بیان کیا۔ اب آئندہ آیت میں مشرکین کی توبیخ کا ذکر ہے اور اے نبی ان بت پرستوں کو وہ دن یاد دلاؤ جس دِن اللہ تعالیٰ ان کو ملائکہ قہر وغضب کی زبان سے آواز دے گا۔ پس کہے گا بتلاؤ کہاں ہیں میرے شریک جن کو تم میرا شریک گمان کرتے تھے اور ہر اُمت میں سے ہم ایک گواہ جُدا کریں گے یعنی ان کے پیغمبر کو سامنے لائیں گے جو ان کے قول اور فعل پر گواہی دے پھر ہم ان مشرکین سے اور کفر کرنے والی امتوں سے کہیں گے کہ تم اپنی دلیل لاؤ کہ کس دلیل سے تم نے میرے شرکاء ٹھہرائے اور کس بناء پر تم نے میرے پیغمبروں کی تکذیب کی۔

پس اس وقت جان لیں گے کہ حق یا عبادت یا توحید اللہ عزوجل ہی کے لیے ہے اور شرک بالکل غلط اور باطل ہے اور دُنیا میں جو جھوٹی باتیں بناتے تھے اور خدا پر افتراء کرتے تھے وہ اس دن ان سے سب غائب اور گم ہو جائے گا اور واضح ہو جائے گا کہ خدا تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ

قارون جو تھا، سو تھا موسیٰ کی قوم سے، پھر شرارت کرنے لگا ان پر اور ہم نے دیئے تھے اس کو

الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ

خزانے اتنے کہ اس کی کنجیوں سے تھکتے کئی مرد زور آور۔ جب کہا

لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ

اس کو اس کی قوم نے، اِترا مت، اللہ کو نہیں بھاتے اترانے والے۔ اور جو

اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ

تجھ کو اللہ نے دیا۔ اس سے پیدا کر پچھلا گھر اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے، اور بھلائی کر

كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے۔ اور نہ چاہ خرابی ڈالنی ملک میں۔ اللہ کو بھاتے نہیں

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ

خرابی ڈالنے والے۔ بولا، یہ تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے۔ جو میرے پاس ہے۔ کیا نہ جانا؟

اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ

کہ اللہ کھپا چکا اس سے پہلے کتی سنگتیں۔ جو اس سے زیادہ رکھتے تھے

قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

زور۔ اور زیادہ مال کی جمع۔ اور پوچھے نہ جائیں گناہگاروں سے ان کے گناہ۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنی تیاری سے۔ کہنے لگے جو طالب تھے دنیا کی زندگی کے۔

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ

اے کسی طرح ہم کو ملے، جیسا کچھ ملا ہے قارون کو۔ بیشک اس کی بڑی قسمت ہے۔ اور بولے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ

جن کو ملی تھی بوجھ ۔ اے خرابی تمہاری! اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے۔ ان کو جو یقین لائے اور کیا

صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ

بھلا کام ۔ اور یہ بات انہیں کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں۔ پھر دھنسایا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو

الْاَرْضَ ۖ قف فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا

زمین میں۔ پھر نہ ہوئی اس کی کوئی جماعت، جو مدد کرتی اس کی اللہ کے سوا۔ اور نہ

| |
|---|
| كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾ وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ |
| وہ مدد لاسکا۔ اور فجر کو لگے کہنے جو کل شام مناتے تھے۔ اس سا درجہ، |
| يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ |
| ارے یہ تو خرابی! اللہ کھولتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور |
| يَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ |
| روکتا ہے۔ اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ، تو ہم کو دھنسا دیتا۔ ارے خرابی یہ تو بھلا نہیں پاتے |
| الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع |
| منکر۔ |

## ذکر قصۂ قارون برائے عبرت مغروران مال و دولت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی... الٰی... وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٢﴾﴾

**ربط:** شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے تکبر اور فساد کا ذکر کیا۔ ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ اب اخیر سورت میں ایک دوسرے متکبر اور مفسد یعنی قارون کا ذکر کرتے ہیں کہ فرعون کی طرح قارون بھی تکبر اور فساد فی الارض کی وجہ سے تباہ اور برباد ہوا۔

**یا یوں کہو** کہ گزشتہ آیات میں اللہ نے یہ بتلایا کہ اللہ نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے دن رات کو پیدا کیا تاکہ تم کسب معاش کرو اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ اب یہ بتلاتے ہیں کہ قارون کی طرح کفران نعمت کر کے اپنی تباہی کا سامان نہ کرو۔

**یا یوں کہو** کہ گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ متاع دنیا ہیچ ہے اور چند روزہ ہے اور فانی ہے اور گزرگاہ ہے اور آرائش ہے اور اس کے شیدائی گمراہ ہیں اور بقول حافظ شیرازی ؎

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم  ❊  جرس فریاد می دارد کہ بربندید محمل ہا

دُنیا کی بے ثباتی کو دیکھ رہے ہیں اور پھر نہیں سمجھتے۔ اب ان آیات میں سرِ دفترِ اہلِ ضلال یعنی قارون کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ حیاتِ دنیوی کے مال ومنال کے نشہ میں کس درجہ مغرور تھا تاکہ اہلِ دنیا اس سے عبرت پکڑیں کہ دُنیا کے چند روزہ مال و دولت پر تفاخر اور تکبر کا اور دُنیاوی زندگی پر اطمینان کا انجام کیا ہوتا ہے۔

**یا یوں کہو** کہ جس طرح فرعون کا قصہ موسیٰ علیہ السلام کے دلائل نبوت اور براہین رسالت پر مشتمل تھا اسی طرح قارون کا قصہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے اس لیے کہ قارون کا مع گھر کے اور مع خزانوں کے زمین میں دھنسا موسیٰ علیہ السلام کی بد دُعا سے

ہوا جس کو تمام شہر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ معجزہ عصا کی طرح یہ معجزہ بھی سب کے سامنے ظاہر ہوا جس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام خدا کے دو برگزیدہ رسول اور درویش تھے جن کا مقابلہ فرعون اور قارون سے تھا اوّل الذکر صاحب اقتدار اور فرمانروائے سلطنت تھا او دوسرا دولت وثروت کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک تھا۔ خداوند عالم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے دُنیا کے سب سے بڑے دو متکبروں اور مفسدوں کو اپنی بارگاہ کے دو درویشوں کے ہاتھ سے ایسا تباہ اور برباد کیا کہ دُنیا نے دیکھ لیا کہ دُنیا کا جاہ وجلال اور دُنیا کا مال ومنال سب ہیچ ہے۔ اصل چیز آخرت کی لازوال نعمتیں ہیں۔ پہلا متکبر اور مغرور جو سلطنت کے نشہ میں چُور تھا یعنی فرعون۔ وہ قبطی تھا۔ اور دوسرا مغرور جو مال ودولت کے نشہ میں چُور تھا یعنی قارون۔ وہ سبطی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ پہلا مغرور دریا میں غرق ہوا اور دوسرا مغرور زمین میں دھنسایا گیا۔ فرعون کا غرق ہونا موسی علیہ السلام کا بحری معجزہ تھا اور قارون کا خسف موسیٰ علیہ السلام کا بری معجزہ تھا۔ فرعون نے سلطنت کے زعم میں قبولِ ہدایت سے انحراف کیا اور قارون نے مال ودولت کے نشہ میں اتباعِ ہدایت سے گریز کیا۔ دیکھ لو کہ دونوں کا کیا انجام ہوا۔ اللہ کے قہر اور عذاب سے نہ سلطنت بچا سکتی ہے اور نہ مال ودولت۔ لہٰذا اس کی حرص اور طمع میں پڑنا بڑا بُرا ہے اور دُنیاوی مال ودولت کو خوش نصیبی سمجھنا بھی غلط ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں اہل علم کی نصیحت سے واضح ہوتا ہے۔

قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ سامری کی طرح منافق تھا بڑا مالدار تھا۔ کثرت مال کی وجہ سے غرور اور تکبر میں مبتلا ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حسد کرنے لگا۔ ایک عورت کو رشوت دے کر اس پر آمادہ کیا کہ مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائے۔ چنانچہ اس عورت نے جب موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی۔ تو موسیٰ علیہ السلام کانپ گئے اور اس عورت کو خدا تعالیٰ کی قسم دے کر کہا کہ سچ بتا بات کیا ہے اس عورت نے سچ سچ کہہ دیا کہ قارون نے مجھے اس قدر مال دے کر اس پر آمادہ کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر پڑے اور قارون کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے زمین کو تیرے لیے مسخر کردیا ہے قارون کے بارہ میں جو تو زمین کو حکم دے گا وہ تیری فرمانبرداری کرے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اس کو نگل لے۔ لوگوں نے اس کو مضحکہ اور جادو سمجھا یہاں تک کہ زمین نے اس کو گھٹنوں تک نگل لیا تو قارون چلانے لگا اور قرابت کا واسطہ دینے لگا مگر موسیٰ علیہ السلام نے شدتِ غضب اور بغض فی اللہ کی وجہ سے کچھ التفات نہ کیا یہاں تک کہ پورا زمین میں دھنس گیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اسی طرح ساتویں زمین تک دھنستا چلا جائے گا۔ قارون موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا مگر قرابت کام نہ آئی۔ ایمان لاتا تو عزت پاتا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ہدایت اور ضلالت سب من جانبِ اللہ ہے قرابت اور اجنبیت پر موقوف نہیں۔

غرض یہ کہ آئندہ آیت میں ایک مغرور ودولت مند کا قصہ سناتے ہیں جو اپنے مال ودولت پر نازاں تھا بعض کفار مکہ جو اسلام کو حق جاننے کے باوجود صرف اس لیے اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے کہ ان کو یہ خوف تھا کہ اگر ہم نے اسلام اختیار کرلیا تو قوم ہم سے برسرِ پرخاش ہوجائے گی اور جو کچھ مال ومنال اور جاگیر وغیرہ اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے وہ سب چھین لیں گے اور ہم مفلس اور فقیر ہو جائیں گے گویا کہ ان کی دولت مندی ایمان لانے میں ان کی سدِ راہ بنی۔ قارون کا قصہ سنا کر یہ بتلا دیا کہ مال وزر کے لالچ میں حق کی دعوت کو رد کرنے کا انجام ایسا ہوتا ہے جیسا کہ قارون کا ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق قارون [1] موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا اور بقول

---

[1] قارون عجمی نام ہے علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے وزن اس کا فاعول ہے زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لفظ عربی ہوتا اور قرنت سے مشتق ہوتا تو منصرف ہوتا۔ ۱۲

ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔

اور توریت کو نہایت خوش آوازی سے پڑھتا تھا لیکن سامری کی طرح یہ کمبخت بھی منافق تھا پس کثرتِ مال کی وجہ سے بنی اسرائیل پر سرکشی کرنے لگا اور یہ چاہنے لگا کہ سب پر حاکم بن جائے۔ اور اس کی مال و دولت کا یہ حال تھا کہ ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک صاحب قوت جماعت پر بھاری ہوتی تھیں یعنی اس کے خزانوں کی کنجیاں اتنی کثیر تھیں کہ ایک جماعت کو ان کا اٹھانا گراں تھا اس لیے وہ اترایا پھرتا تھا اتنے میں اس کی قوم کے صالح اور نیک لوگوں نے کہا اِترا مت۔ اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بنی اسرائیل کے صالحین نے اس کو نصیحت کی کہ مال و دولت پر اترانا اچھا نہیں اور ان ناصحین نے یہ کہا کہ اللہ نے جو مال و دولت تجھ کو عطاء کیا ہے اس کے ذریعے دارِ آخرت کو طلب کر۔ یعنی اس دار فانی پر مطمئن نہ ہو اور نہ اس مال فانی پر نازاں ہو بلکہ اس کو دار آخرت کا ذریعہ بنا۔

بد نیا توانی کہ عقبیٰ خَری بخر جانِ من ورنہ حسرت بری

اور دُنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھول جا۔ یعنی دُنیا میں سے بقدر ضرورت و راحت اپنے اوپر خرچ کر اور باقی مال خدا کی راہ میں خرچ کر اور اس سے آخرت کما۔ کیونکہ دنیا سے آدمی کا حصہ وہی ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور جو چھوڑ دیا وہ دوسروں کا ہے۔ انسان کا دُنیا سے حصہ صرف اتنا ہے جو نیک کام کر کے اور خدا کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے خزانہ میں جمع کرا دے جو مرنے کے بعد اس کے کام آئے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

اگر گنج قاروں بچنگ آوری نماند مگر آنکہ بخشی بری

اور بعض علماء نے نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا کی تفسیر یہ کی ہے کہ انسان کا حصہ دنیا سے کفن ہے جب اس جہان سے جانے لگے گا تو اتنا ہی نصیب ہوگا لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے کہ میرا حصہ دنیا سے صرف کفن کی دو چادریں ہیں اسی خیال کو پیش نظر رکھے اور دنیا کے مال و منال پر گھمنڈ نہ کرے اسی بناء پر کسی شاعر کا قول ہے۔

نصیبک مما تجمع الدھر کلہ رداء ان تُلْوٰی فیھما وحنوط

یعنی جو کچھ تو ساری عمر جمع کرے گا۔ اس میں سے تیرا حصہ صرف کفن کی دو چادریں ہیں جن میں تو لپیٹا جائے گا۔ اور حنوط یعنی خوشبو ہے جو کفن پر لگائی جاتی ہے۔

## نظم

گر ملک تو شام تا یمن خواہد بود وز سر حد روم تا ختن خواہد بود

آنروز کزیں جہاں کنی عزم سفر ہمراہ تو چند گز کفن خواہد بود

اگر پہلوانی اگر تیغ زن!

نخواہی بدر بردن الا کفن (سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

اور بندگانِ خدا کے ساتھ احسان کر۔ جیسے خُدا نے تیرے ساتھ احسان کیا یہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ہے جس سے اللہ کی نعمتیں اور زیادہ ہوں گی۔

اور خدا کی نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلا اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اللہ کی معصیت اور اس کی

نافرمانی اور خُدا کے دیئے ہوئے مال و دولت کو خُدا کی نافرمانی میں خرچ کرنا بھی فساد ہے۔

بالجملہ جب نیک لوگوں نے قارون کو یہ نصیحتیں کیں جن کا ذکر ہوا تو قارون یہ سن کر جواب میں بولا کہ مجھ کو جو کچھ مال و دولت ملا ہے وہ میری علمی قابلیت اور فہم وفراست کا نتیجہ ہے خُدا کے نیک بندوں نے قارون کو یہ نصیحت کی کہ یہ مال و دولت خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے اس کو آخرت کا توشہ بنا۔ وہ مغرور بولا کہ یہ مال ومتاع تو مجھ کو اپنے علم و دانش اور حسن تدبیر سے ملا ہے۔ دن رات جدوجہد کر کے اپنے کاروبار سے کمایا ہے یہ مال میرا کمایا ہوا ہے۔ میں اس کا مالک ہوں جس طرح چاہوں خرچ کروں جو حاجت مند ہیں وہ آپ کمائیں۔ آج کل کے مغرور اور سنگدل دولت مند بھی اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

**یا یوں کہو** کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری لیاقت اور قابلیت اور صلاحیت دیکھ کر مجھ کو یہ دولت دی ہے اور میں اس کا مستحق ہوں فضیلت اور استحقاق کی بناء پر مجھ کو دولت وثروت ملی ہے اور پھر میں نے اس میں بڑی محنت کی ہے بلا مشقت اور بلا محنت کے یونہی نہیں مل گئی۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے حکم اور تمہارے مشورہ کے مطابق کس طرح خدا کے نام پر اس دولت کو خرچ کر ڈالوں۔

**(جی ہاں)** جس علم و دانش اور قابلیت اور صلاحیت پر اترا رہے ہو اور جس پر اکڑ رہے ہو وہ بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے اور جن اعضاء اور جوارح سے آپ نے اس مال و دولت کے کمانے میں دوڑ دھوپ کی ہے وہ بھی خدا ہی کی پیدا کردہ اور عطا فرمودہ ہیں اور محنت اور مشقت کی قدرت اور قوت بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے تم تو اپنے وجود کے بھی مالک اور مختار نہیں اور تمہاری تندرستی اور بیماری بھی تمہارے اختیار میں نہیں پھر خدا کے مقابلہ میں یہ تکبر اور غرور کیا اور جب خدا کا رسول (موسیٰ علیہ السلام) تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہے کہ ہماری عطاء فرمودہ نعمتوں کے یہ حقوق اور فرائض ہیں ان کو ادا کرو اور فقراء و مساکین پر صدقہ اور خیرات کرو تو حکم خداوندی سن کر یہ تمہارا سر ہلانا کیسا۔

غرض یہ کہ جب قارون نے ناصحین کی نصیحتیں سن کر یہ جواب دیا تو خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کیا اس نادان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے بہت سی گزشتہ اُمتوں کو غارت کر چکا ہے جو قوت وطاقت میں اور مال کے جمع کرنے میں اس سے کہیں زیادہ تھیں اور قوت اور مال و دولت ان کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ ان کے مقابلہ میں قارون کی کیا ہستی ہے۔ قارون کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑے کہ جس طرح پہلی امتیں مال و دولت کے نشہ میں منعم حقیقی کو بھول گئیں اور اس کے احکام سے سرتابی کے جرم میں ہلاک اور تباہ ہو چکی ہیں۔ اسی طرح مال و دولت کے غرہ میں منعم حقیقی کے حکم سے سرتابی میری ہلاکت اور تباہی کا بھی سبب بن سکتی ہے پہلی امتوں کی تباہی سے قارون کو سمجھ لینا چاہیے کہ قوت وطاقت اور مال و دولت اللہ کی رضا اور محبت کی دلیل نہیں ورنہ اللہ ان کو ہلاک نہ کرتا معلوم ہوا کہ اصل جرم کفر اور ناشکری اور ناسپاسی ہے اور قیامت کے دن اہلِ جرم سے ان کے جرائم کے متعلق تحقیق حال یعنی علم حاصل کرنے کے لیے سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مجرمین کے ذنوب کی کیفیت خوب معلوم ہے اس کو سوال کرنے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں البتہ توبیخ اور سرزنش کے لیے ان سے سوال اور باز پرس ہوگی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾ (الحجر: ۹۲، ۹۳)

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ قیامت کے دن فرشتے مجرموں سے سوال نہ کریں گے ان کی پیشانی کے نشان سے پہچان لیں گے کیونکہ یہ لوگ سیاہ رو اور نیلگوں چشم محشور ہوں گے اپنی علامت سے پہچانے جائیں گے۔ ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ﴾ (الرحمٰن: ۴۱)

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ قیامت کے دن اس قسم کے مجرموں سے کوئی سوال نہ ہوگا بغیر سوال اور بغیر حساب کے دوزخ میں ڈال

دیئے جائیں گے یعنی ان کے گناہ اور جرم اس قدر کثیر تعداد میں ہوں گے کہ پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ ہماری سنت جاریہ یہ ہے کہ ایسے مجرمین کو بغیر پوچھ گچھ کے ہی دنیا میں کیفر کردار کو پہنچا دیا جاتا ہے اور آخرت کے سوال اور وہاں کی پوچھ گچھ الگ رہی۔ فی الحال دُنیا میں ایسے مجرموں کو یکلخت عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور آخرت کا سوال اپنے وقت پر ہوگا۔

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ جب وقت آجاتا ہے تو مجرموں سے کچھ نہیں پوچھا جاتا یعنی ان کا کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے مختلف اقوال ہدیۂ ناظرین کر دیئے ہیں۔ تفصیل کے لیے روح المعانی ص ۱۰۵ ج ۲۰ وتفسیر قرطبی ص ۳۱۶ ج ۱۳ دیکھیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ قارون نے نہ تو گزشتہ اہل دولت وثروت کی تباہی اور ہلاکت سے عبرت پکڑی اور نہ اپنی قوم کے ناصحین کی نصیحت سنی اور اپنے غرور اور نخوت پر قائم رہا پس نوبت بایں جارسید کہ ایک روز قارون اپنی قوم بنی اسرائیل پر زیب وزینت کے ساتھ آراستہ ہو کر نکلا تا کہ لوگوں کے سامنے اپنی شان وشوکت کا مظاہرہ کرے چنانچہ جب وہ اس زیبائش اور آرائش کے ساتھ نکلا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں متحیر ہونے لگیں تو جو لوگ دُنیا کے طالب اور راغب تھے وہ اس شان وشوکت اور دبدبہ کو دیکھ کر کہنے لگے۔ کاش ہم کو بھی ایسا ہی مال ومنال اور جاہ وجلال ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے بے شک قارون بڑے نصیبہ والا ہے کہ اس کو یہ بخت اور دولت حاصل ہے ان لوگوں کی نظر آخرت کی نعمت سے چوک گئی اور اس دنیائے فانی کی ظاہری زینت کی تمنا کرنے لگے اور جن لوگوں کو صحیح علم اور فہم عطاء کیا گیا تھا اور صبر اور قناعت اور توکل وغیرہ کی حقیقت کو جانتے تھے جیسے حضرت یوشع علیہ السلام اور ان کے اصحاب انہوں نے ان جُہال تمنا کرنے والوں سے کہا۔ افسوس اور صد افسوس تم پر اے طالبانِ دنیا اور گرفتارانِ حرص وطمع اس دنیائے فانی پر کیا للچاتے اور رال ٹپکاتے ہو۔ خدا کا ثواب اس دنیا کے مال ودولت اور اس کی شان وشوکت اور زیب وزینت سے لاکھوں درجہ بہتر ہے اور یقین رکھو کہ اللہ کا ثواب اس شخص کے واسطے ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لائے اور نیک کام کرے ایمان اور عمل صالح کے مقابلہ میں دنیا کی کچھ ہستی نہیں اور قارون کے پاس جو ہے وہ تو ہیچ در ہیچ ہے ایمان اور عمل کا اجر قیاس اور گمان سے باہر ہے اور نہیں اترتا علماء کا یہ کلمۂ نصیحت کسی دل میں مگر صبر کرنے والوں کے دل میں جنہوں نے دُنیا کی حرص اور طمع سے صبر کیا۔

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ ایمان اور عمل صالح کی دولت صبر کرنے والوں ہی کو ملتی ہے **(یا یہ معنی ہیں)** کہ آخرت کی لازوال نعمتیں دنیا سے صبر کرنیوالوں ہی کو ملتی ہیں۔

اہل صبر از جملہ عالم برترند  صابراں از اوج گردوں بگذرند
ہر کہ کا ردتخم صبر اندر جہاں  بد رود محصول عیش صابراں

پس جب قارون دنیا سے صبر نہ کرسکا اور دل سے ایمان بھی نہ لایا اور علماء وصلحاء کی نصیحت بھی نہ سنی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے حسد میں گرفتار ہو گیا تو ہم نے قارون کو مع اس کے مکان کے جس میں اس کے تمام خزانے تھے زمین میں دھنسا دیا۔ ساری بڑائی یکلخت خاک میں مل گئی۔ قارون مع خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا اگر فقط قارون کو دھنسایا جاتا اور خزانے بطور مال غنیمت چھوڑ دیئے جاتے تو ممکن تھا کہ کوئی بدباطن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں مال کی حرص اور طمع کا گمان کر بیٹھتا۔

قصہ یہ ہوا کہ قارون کو موسیٰ علیہ السلام سے بڑا حسد تھا۔ درپے ایذاء رہتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر فرماتے جیسا کہ قرآن کریم میں اجمالاً اس ایذاء کا ذکر ہے۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى﴾ (الاحزاب:۶۹) یہاں تک کہ قارون جوش حسد میں اعلانیہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کی تحقیر وتذلیل پر اتر آیا۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر زکوٰۃ کا حکم نازل کیا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے زکوٰۃ لوں۔ قارون نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا کہ زکوٰۃ خواہ کتنی ہی قلیل ہو مگر پھر بھی مجموعہ مل کر ایک کثیر رقم ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ اے بنی اسرائیل یہ شخص (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نماز کا حکم لے کر آیا ہے اور اس کے علاوہ احکام لے کر آیا ہے تم نے برداشت کر لیا۔ اب یہ زکوٰۃ کا حکم لے کر آیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے مال ہضم کر جائے اور (اپنے خاص مجمع میں) بولا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کو قوم میں رسوا کروں کہ اس کی کوئی بات نہ سنے اور تدبیر یہ کی کہ ایک بدکار عورت کو ایک کثیر رقم دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بھرے مجمع میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائے یہ بات اندرونی طور پر طے پا گئی۔ دوسرے یا تیسرے دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو امر ونہی بیان فرما رہے تھے اسی میں یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جو شادی شدہ شخص زنا کرے گا اس کو رجم (سنگسار) کیا جائے تو قارون کا کوئی آدمی کھڑا ہوا اور بولا اگرچہ تو ہی ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ ہاں۔ اس پر قارون کے لوگوں نے اس عورت کو بلوایا۔ اس عورت نے بھرے مجمع میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت سے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ سچ سچ بتلا اس عورت پر ہیبت الٰہی غالب ہوئی اور بولی کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب تم نے مجھے اللہ کی قسم دی ہے تو میں سچ سچ بتلائے دیتی ہوں کہ قارون نے مجھ کو اتنی رقم دے کر اس پر آمادہ کیا ہے کہ میں تجھ پر تہمت لگاؤں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ تم اس سے بالکل بری ہو اور میں گواہی دیتی ہوں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ (اس طرح قارون کا سارا مکر بنی اسرائیل پر کھل گیا)۔

موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر سجدہ میں گر گئے اور زاروقطار رو کر دعا مانگنے لگے اور کہنے لگے کہ اے اللہ اگر میں تیرا رسول برحق ہوں تو میرے لیے اس پر اپنا قہر اور غضب نازل فرما۔ اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ ہم نے زمین کو حکم دیا ہے کہ قارون کے بارہ میں تم زمین کو جو حکم دو گے وہ اس کی اطاعت کرے گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو مع اس کے گھر کے نگل جائے۔ زمین نے فوراً اس کو پکڑ لیا اور وہ دھنسنا شروع ہو گیا یہاں تک کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

(دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۱۰۶ ج ۲۰ وتفسیر ابن کثیر ص ۴۰۱ ج ۳)

**نکتہ:** حدیث میں ہے کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین قارون کے جسم کو نہیں کھائے گی۔ پس ممکن ہے کہ اس سے ایک معمّٰی بنایا جائے اور یہ کہا جائے کہ بتلاؤ وہ کون سا کافر ہے کہ مرنے کے بعد جس کا جسم بوسیدہ نہ ہوگا اور وہ قارون ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قارون ملعون بقدر اپنے قد کے روزانہ زمین میں دھنستا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب قیامت کے لیے نفخ صور ہوگا۔ تب بالکل زمین کے نیچے پہنچ جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۱ ج ۳۔ وتفسیر قرطبی ص ۳۱۸ ج ۱۳)

جس طرح فرعون کی غرقابی موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اسی طرح قارون کا موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زمین میں دھنسنا بھی موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ تھا۔ پہلا معجزہ بحری تھا اور یہ معجزہ برّی تھا۔

ے گنج قاروں کہ فرومی ردد از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

پس جب قارون اس ذلت وخواری کے ساتھ زمین میں دھنسا تو کوئی ایسی جماعت اور پارٹی نہ ہوئی جو اس کی مدد کرتی اور اللہ کے عذاب سے اس کو بچاتی اور نہ وہ بذاتِ خود اپنے سے عذاب کو روکنے والوں میں سے ہوا خدا کے انتقام کو کون روک سکتا ہے یعنی وہ نہ خود اپنے سے عذاب کو روک سکا اور نہ اس کی پارٹی روک سکی اور اس ذلت وخواری کی ابتداء اس سے ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو قارون نے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ یہ خزانہ میں نے اپنی قابلیت اور صلاحیت اور جدوجہد سے حاصل کیا ہے میں کیوں اس کی زکوٰۃ دوں۔ انکارِ زکوٰۃ کے بعد تمرد اور سرکشی کا مادہ بڑھتا گیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ زمین میں مع خزانوں کے دھنسا دیا گیا۔ صدیق اکبرؓ نے جو منکرین زکوٰۃ کے ساتھ معاملہ فرمایا غالباً قارون کا واقعہ ہی ان کی نظروں کے سامنے ہوگا امتِ محمدیہ کو اس فتنہ اور وبال سے محفوظ رکھنے کے لیے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ مرتدین جیسا معاملہ فرمایا پورے دین سے ارتداد یا دین کے کسی جز سے ارتداد وکفر میں سب برابر ہے۔ ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾ (البقرہ:۸۵)

اور جب صبح ہوئی تو ان لوگوں کی بھی خوابِ غفلت سے آنکھ کھلی جو کل گزشتہ قارون کے مکان اور جاہ کے آرزومند تھے۔ قارون کے دھنستے ہی ہوش میں آ گئے اور آپس میں کہنے لگے وائے اور ہائے افسوس ہم نے جو سمجھا تھا وہ غلط تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رزق کو فراخ کرتا ہے جس کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم پہلے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ رزق کی وسعت اور فراخی کرامت اور بزرگی کی دلیل ہے اور تنگی اور تنگدستی ذلت اور خواری کا نشان ہے۔ قارون جیسے دولت مند کے خسف کو دیکھ کر ہماری سمجھ میں آ گیا کہ ہمارا خیال غلط تھا۔ صحیح حقیقت یہ ہے کہ رزق کی فراخی اور تنگی بمقتضائے مشیتِ الٰہی ہے اور اس بھید کو وہی خوب جانتا ہے۔ اس میں عزت وذلت کا کچھ لحاظ نہیں۔ سعادت اور شقاوت کا دارومدار ایمان اور کفر پر ہے۔ امیری اور فقیری پر نہیں۔ رزق کی فراخی اور تنگی اس کی مشیت کے کرشمے ہیں دنیاوی عزت ووجاہت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر لینا کہ یہ شخص اللہ کے نزدیک مقبول ہے غلط ہے اور ایک فقیر اور درویش کو دیکھ کر یہ رائے قائم کر لینا کہ یہ شخص ذلیل اور خوار ہے یہ بھی غلط ہے۔ دیکھ لو کہ موسیٰ علیہ السلام خدا کے ایک درویش تھے اور قارون اس زمانہ کا سب سے بڑا دولت مند تھا۔ ایک درویش کی دعا سے کس طرح ذلت وخواری کے ساتھ زمین میں دھنسایا گیا جس ذلت وخواری کا تماشہ دنیا نے دیکھا۔

جملہ قرآن ہست وقطع سبب عز درویش و ہلاک بولہب

غرض یہ کہ کل گزشتہ جو لوگ قارون کے مکان اور رتبہ جیسی آرزو کر رہے تھے۔ قارون کی اس ذلت وخواری کو دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلیں اور سمجھے کہ معاملہ تو برعکس ہے اور یہ ہماری تنگی اللہ کی نعمت ہے تو مال ودولت کی حسرت کو چھوڑ کر اپنی تنگی کے شکر میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ کا ہم پر احسان نہ ہوتا تو ہم کو بھی قارون کی طرح زمین میں دھنسا دیتا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم کو مال ودولت کے فتنہ سے بچایا کیونکہ مال کی کثرت تکبر اور غرور اور فسق وفجور کا ذریعہ ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں قارون کی طرح نہیں بنایا اور ہم نے اپنی نادانی سے جو اس جیسے مکان اور رتبہ کی تمنا کی تھی وہ اس نے پوری نہیں کی۔

ہائے خرابی اللہ ہم کو اس قسم کی تمنا اور آرزو سے پناہ میں رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ منکروں اور ناشکروں کے لیے فوز وفلاح

نہیں۔ الحمدللہ ہم اگرچہ مفلس ہیں مگر خوش نصیب ہیں اور قارون اگرچہ دولت مند تھا مگر بدنصیب تھا کیا بُرا انجام ہوا مال وزر کی ترقی سے حقیقی فلاح اور کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ حقیقی فلاح اور کامیابی ایمان اور عمل صالح سے حاصل ہوتی ہے۔

## فائدہ علمیہ ونحویہ دربارۂ تحقیق کلمۂ وَیْکَاَنَّ

کلمہ ﴿وَیْکَاَنَّ﴾ جو اس رکوع کے آخر میں دو مرتبہ آیا ہے اس کے بارہ میں ائمہ نحو کا اختلاف ہے بصریین اور خلیل بن احمد اور سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ لفظ وَیے مستقل کلمہ ہے اور اسم فعل ہے۔ بمعنی اِعْجَبْ اور یہ کلمہ تعجب اور ندامت اور حسرت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی بات پر نادم اور پشیمان ہوتا ہے تو اظہار ندامت وحسرت کے لیے یہ لفظ بولتا ہے اور لفظ کَاَنَّ تشبیہ کے لیے ہے یا تعلیل کے لیے ہے اور معنی یہ ہیں۔ ﴿اِعْجَبْ لِاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ اس صورت میں لفظ وَیے پر وقف ہوگا اور یہی قراءت کسائی رحمہ اللہ کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی زبان سے اتفاقاً جو یہ تمنا نکل گئی تھی ﴿یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ﴾ جب ان کو تنبہ ہوا تو اپنی اس تمنا اور آرزو پر نادم اور پشیمان ہوئے اور بصد حسرت وندامت کہنے لگے کہ ہائے افسوس ہم سے غلطی ہوئی ہم نے جو خیال کیا تھا وہ غلط تھا ہم نے قارون کی ظاہری شان وشوکت کو دیکھ کر یہ خیال کیا کہ رزق کی وسعت عزت وکرامت کی علامت ہے اور تنگی ذلت وخواری کی علامت ہے ہمارا یہ خیال غلط ہے بلکہ فراخی اور تنگی بمقتضائے مشیت الٰہی ہے جس کی حکمت سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور کوفیین (۲) یہ کہتے ہیں کہ وَیْكَ ایک کلمہ ہے جو اصل میں ویلک تھا۔ کثرتِ استعمال کی وجہ سے لام تخفیفاً حذف کر دیا گیا اس صورت میں اصل کلمہ وَیْل ہوگا اور کاف حرف خطاب کا ہوگا اور لفظ وَیْكَ پر وقف ہوگا جیسا کہ ابوعمرو رحمہ اللہ کی قراءت میں ہے اور یہ کلمہ بطور بددعا زجر اور توبیخ کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور لفظ ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بفتح ہمزہ ﴿اِعْلَمْ﴾ مقدر کا مفعول یہ ہے اور اس صورت میں آیت کا مطلب ان لوگوں کی زجر وتوبیخ ہوگی جنہوں نے اپنی جہالت سے مالی فراخی کو عزت اور تنگدستی کو ذلت سمجھا اور اس بات پر تنبیہ مقصود ہوگی کہ رزق کی وسعت اور تنگی محض اللہ کی مشیت اور حکمت کے تابع ہے عزت اور ذلت کی دلیل نہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ لفظ وَیْکَاَنَّ پورا ایک کلمۂ بسیط ہے دو حرفوں سے مل کر نہیں بنا بلکہ ایک مستقل کلمہ ہے جس کے معنی ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اور ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ کے ہیں یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا اور کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی کھولتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کی فراخی اور تنگی کسی بزرگی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔

حضرات اہل علم ﴿ویکاَنَّ﴾ کی تحقیق کے لیے حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۵۲۳ ج ۳۔ اور حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۲۸ ج ۳ دیکھیں۔

| |
|---|
| تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ |
| وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان کو جو نہیں چاہتے چڑھنا ملک میں۔ |
| وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ |
| اور نہ بگاڑ ڈالنا۔ اور آخر بھلا ہے ڈر والوں کا۔ جو کوئی لایا بھلائی اس کو مل |
| خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا |
| اس سے بہتر۔ اور جو کوئی لایا برائی سو برائیاں کرنے والے وہی |
| السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ |
| سزا پاویں گے جو کرتے تھے۔ |

## بیان مستحقین نعمائے دارِ آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ ... الٰی ... اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں قارون کا قصہ ذکر کیا جس کے ضمن میں اہل علم کی یہ نصیحت ذکر کی۔ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ یعنی آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے کہیں بہتر ہیں اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ دارِ آخرت کی لازوال نعمتوں کے مستحق کون لوگ ہیں اور دار آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ کیا ہے سو بتلایا کہ دار آخرت کی نعمتوں کے وہ لوگ مستحق ہیں جو دنیا میں علو اور رفعت کا اور کسی قسم کے فساد کا ارادہ نہیں رکھتے یعنی متواضع اور متقی اور پرہیز گار ہیں اور اعمالِ صالحہ بجا لانے والے ہیں۔ پھر ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ سے یہ بتلایا کہ آخری انجام پرہیز گاروں کا ہے اور حسنِ عاقبت کا دارومدار تقویٰ اور عمل صالح پر ہے اور تقویٰ میں ترک تکبر اور ترک فساد فی الارض سب داخل ہے اور بتلا دیا کہ تمام خرابیوں کی جڑ تکبر اور فساد فی الارض اور غفلت عن الآخرت ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں وہ دارِ آخرت جو مخلوق کی نظر سے پوشیدہ ہے وہ گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں علو اور سربلندی نہیں چاہتے اور فساد نہیں چاہتے ہیں جیسے قارون نے چاہا تھا اور انجام خیر متقی اور پرہیز گاروں کے لیے مخصوص ہے اور تعلّی اور تکبر اور فساد عمل اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو سراسر تقویٰ کے منافی ہے اس کا انجام بہت بُرا ہے جیسے فرعون نے اور قارون نے زمین میں علو اور بڑائی چاہی اور اعمال فاسدہ کے مرتکب ہوئے تو دیکھ لو کہ ان دونوں کا کیا انجام ہوا اور دارِ آخرت بہت بلند اور عالی شان ہے یہ عالی شان مقام ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں علو نہیں چاہتے۔ جاننا چاہیے کہ عمدہ لباس اور سامانِ راحت علو میں داخل نہیں۔ علو کے معنی اپنے کو دوسروں سے بالا اور برتر سمجھنا اور دوسروں کو حقیر اور کمتر سمجھنا یہ ناجائز اور حرام ہے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک وِسادہ (گدا) ڈالا۔ عدی بجائے گدے کے زمین پر بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو زمین میں علو اور بڑائی نہیں چاہتا ہے اور نہ فساد چاہتا ہے پس یہ (کلمۂ حکمت) سن کر عدی اسلام لے آئے۔ (راواہ بن مردویہ) تفسیر روح المعانی [1] ص ۲۰۹ ج ۲۰۔

جو شخص قیامت کے دن نیکی لے کر آئے گا اس کو بمقتضائے فضل اس سے کہیں بہتر بدلہ ملے گا جو اس کے وہم و گمان سے بڑھ کر ہوگا اور جو شخص بدی لے کر آئے گا سو ایسے لوگوں کو جنہوں نے بُرے اعمال کیے ہیں صرف ان کے کیے کی سزا ملے گے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا (دس گناہ) وہ یقیناً ملنا ہے اور برائی پر برائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ ضرور مل کر رہے گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرمایا کہ اپنے کیے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ

جس شخص نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ۔ تو کہہ، میرا رب خوب جانتا ہے

مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو

کون لایا راہ کی سوجھ؟ اور کون پڑا ہے صریح بہکاوے میں۔ اور تو تو توقع نہ رکھتا تھا

أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا

کہ اتاری جاوے تجھ پر کتاب مگر مہر ہو کر تیرے رب کی طرف سے۔ سو تو نہ ہو مددگار

لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ

کافروں کا۔ اور نہ ہو کہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے، جب اتر چکے تیری طرف

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ

اور بلا اپنے رب کی طرف۔ اور نہ ہو شریک والوں میں۔ اور مت پکار اللہ کے سوا

إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ

اور حاکم۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔ ہر چیز فنا ہے مگر اس کا منہ اسی کا

---

[1] اخرج ابن مردویہ عن عدی بن حاتم انہ لما دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القی الیہ وسادۃ فجلس علی الارض فقال علیہ الصلاۃ والسلام اشھد انک لا تبغی علوا فی الارض ولا فسادا فاسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تفسیر روح المعانی ص ۱۰۹ ج ۲۰)

ع ۹ ۱۲

﴿الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

حکم ہے، اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

## خاتمۂ سورت بر بشارت وہدایت ونصیحت در بارۂ تبلیغ ودعوت

### ذکر فناء عالم وتذکیر آخرت

**ربط:** یہ سورت کا خاتمہ ہے جس کو ایک بشارت پر اور چند نصائح اور ہدایات پر ختم کیا جارہا ہے آنحضرت ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ رنجیدہ اور غمگین تھے تو آپ ﷺ کی تسلی اور بشارت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ﷺ عنقریب پھر مکہ واپس آئیں گے اور آپ کا یہ دوبارہ آنا فاتحانہ اور حاکمانہ ہوگا۔ بعدازاں آپ کو ایک دوسری تسلی دیتے ہیں کہ یہ نبوت اور رسالت اور نزول قرآن سب اللہ کی رحمت ہے جو آپ کو بلا کسی اُمید اور بلا کسی توقع کے عطا کی گئی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ اس کی تبلیغ اور دعوت میں لگے رہیے اور کافروں کی مخالفت اور عداوت کی پروانہ کیجیے اور پھر توحید اور فناء عالم اور جزاء آخرت کے مضمون پر سورت کو ختم کیا اور یہی باتیں دین اور شریعت کا خلاصہ اور لب لباب ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق جس ذات نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا وہ تجھ کو پھر پہلی جگہ واپس لانے والا ہے معاد کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ معاد سے مکہ مکرمہ مراد ہے یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

اور مطلب یہ ہے کہ مکہ سے ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ مکہ واپس لائے گا یعنی دین حق بلند ہوگا اور مکہ دارالاسلام ہوجائے گا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ معاد سے مراد موت ہے اور بعض کہتے ہیں ہ معاد سے جنت مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عالم آخرت مراد ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ آپ عنقریب ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

اس قول کی بناء پر یہ مضمون گزشتہ آیت ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ کے ساتھ مربوط ہوگا۔ اور پہلے قول کی بناء پر جب کہ معاد سے مکہ مکرمہ کی طرف واپسی مراد ہو تو خاتمۂ سورت آغاز سورت کے ساتھ مربوط ہوجائے گا۔ اوّل سورت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا تھا کہ اس بچہ کو دریا میں ڈال دو اور وعدہ فرمایا تھا۔ ﴿إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ﴾ کہ ہم اس بچہ کو پھر تمہاری طرف واپس کردیں گے اسی قسم کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے کیا کہ تم اطمینان رکھو ہم تمہیں پھر مکہ واپس لائیں گے اور شان وشوکت کے ساتھ لائیں گے چنانچہ یہ وعدہ اسی طرح پورا ہوا جیسے وعدۂ اُم موسیٰ علیہا السلام پورا ہوا تھا۔ دوسری مشابہت اول سورت اور آخر سورت میں یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس کو اپنے معجزات دکھائے اور اس نے اس کو سحر اور افتراء بتلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا:

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِندِهِ وَمَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ○﴾

اسی طرح اخیر سورت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اسی بات کے کہنے کا حکم دیا: ﴿قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی کتابِ ہدایت میں کوئی تردّد کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ

میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس بندہ کو جو ہدایت لے کر آیا ہے اور اس کو بھی جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور میری مشعل ہدایت سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہو اور جو کتاب ہدایت آپ کو دی گئی وہ آپ پر اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت ہے آپ کو کوئی توقع اور اُمید نہ تھی کہ آپ پر ایسی کتاب مستطاب نازل کی جائے گی مگر تیرے پروردگار کی رحمت اور عنایت سے تجھ پر یہ کتاب ہدایت نازل کی گئی تا کہ لوگوں کو آخرت کا راستہ معلوم ہو۔ معلوم ہوا کہ نبوت امر وہبی ہے نہ کہ امر کسبی۔ ① پس ان کافروں کے ہرگز پشت و پناہ نہ بنیں جو لوگوں کو خدا کی راہ سے ہٹانے پر کمر بستہ ہیں آپ ﷺ نہ ان کی رعایت کیجیے اور نہ ان کی قرابت کا لحاظ کیجیے اور نہ ان کی طرف التفات کیجیے۔ ② اور ایسا نہ ہو کہ یہ کافر آپ کو اللہ کے احکام پہنچانے سے روک دیں جبکہ وہ احکام آپ کی طرف اتر چکے ہیں۔ یعنی کافروں کی مخالفت سے تبلیغ احکام میں سست نہ پڑیے جیسے کہ آپ اب تک رہے ہیں۔ ③ اور آپ بدستور اپنے پروردگار کی عبادت اور طاعت کی دعوت میں لگے رہیے۔ ④ اور ہرگز ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیے یعنی دعوت و تبلیغ میں نہ کوئی سستی کریں اور نہ ان کی رعایت کریں یعنی ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ جیسے آپ ﷺ اب تک ان سے بے تعلق رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریے۔ یعنی ہر قدم پر اخلاص اور توحید کو ملحوظ رکھیے ان آیات میں بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مگر مراد بندگان خدا ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے کہ سوائے ذات خداوندی کے ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے کسی شئے کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں خدا کو خدا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اس کو وجود ذاتی ہے اس کے سوا جو چیز بھی موجود کہلاتی ہے تو اس کا وجود خدا واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔

پناہ بلندی و پستی توئی    ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝ ﴾

(ع) اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نفخ صور کے وقت ہر چیز پر فنا طاری ہو جائے گی۔ مگر آٹھ چیزیں فنا اور ہلاکت سے مستثنیٰ ہوں گی۔

ثمانیة حکم البقاء یعمها    من الخلق والباقون فی حیز العدم
هی العرش والکرسی ونار وجنة    وَعجبٌ وَارواح کذا اللوح والقلم

وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں: ① عرش ② کرسی ③ دوزخ ④ بہشت ⑤ عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی) ⑥ ارواح ⑦ لوح ⑧ قلم۔

ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے کوئی چیز اپنی قدرت سے اپنے لیے بقاء کا تصور بھی نہیں کر سکتی یہ چیزیں قیامت کے دن محض اللہ کی قدرت سے فناء اور ہلاک سے بچ جائیں گی۔ کسی ممکن کا وجود اور اس کا عدم اور اس کی موت اور اس کی حیات اختیار میں نہیں۔

**تفسیر دیگر** اور بعض علماء نے اس آیت یعنی ﴿ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ﴾ کی ایک دوسری تفسیر کی ہے وہ یہ ہے کہ ہر عمل اور ہر کام فنا ہو جائے گا اور مٹ جائے گا مگر جو عمل خالصًا لوجہ اللہ کیا جائے وہ باقی رہے گا۔

اب آئندہ آیت میں معاد کا مضمون ذکر کرتے ہیں خاص اللہ ہی کے لیے ہے فرمانروائی اسی کی قضاء جاری اور نافذ ہوتی ہے وہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے اور اسی کا حکم اور تصرف چلتا ہے اور قیامت کے دن جزاء اور سزا کے لیے تم سب اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے نہ کسی اور کی طرف اور اس روز ظاہراً و باطناً صرف اللہ ہی کا حکم چلے گا اور اس روز نہ کسی کا حکم رہے گا اور نہ کسی کی حکومت رہے گی۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۰ ربیع الاول یوم سہ شنبہ بوقت چاشت سورۂ قصص کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قبول فرمائے اور باقی تفسیر کے لکھنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○
وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# تفسیر سورۂ عنکبوت

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ عنکبوت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس سورت میں انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں اس سورت کا نام سورۂ عنکبوت ہے اس لیے کہ اس سورت میں ابطالِ شرک کے لیے اللہ تعالیٰ نے عنکبوت (مکڑی) کی مثال ذکر کی ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ﴾۔

**ربط:** گزشتہ سورت کے خاتمہ پر ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ﴾ (القصص:۸۵) میں فتح مکہ کی بشارت کی طرف اشارہ تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ فلاح اور کامیابی کوئی آسان چیز نہیں اس سے پہلے بڑی جانفشانی کرنی پڑتی ہے اور طرح طرح کی سختیاں اٹھانی ہوتی ہیں جو اللہ کی طرف سے آزمائشیں ہوتی ہیں لہٰذا فتنوں (آزمائشوں) سے گھبرانا نہ چاہیے بلکہ صبر اور استقلال سے کام لینا چاہیے۔ بغیر اس کے ایمان کامل نہیں ہوتا محض زبان سے ایمان کا دعویٰ کافی نہیں۔ مصائب اور شدائد میں ابتلاء ایمان کے امتحان کے لیے ہے کہ دعوائے ایمان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

**ربط دیگر:** نیز اس سورت میں اہلِ ایمان کو تسلی ہے کہ کافروں کی ایذاؤں سے گھبرائیں نہیں آخر فرعون سے بنی اسرائیل کو کیا کیا ایذائیں نہیں پہنچیں مگر بالآخر اہل باطل اور ظالم لوگ خائب و خاسر ہوئے اسی طرح مکہ کے کافر و ظالم بالآخر خائب و خاسر ہوں گے۔

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ سورت میں فرعون کے فتنہ اور فساد کا ذکر تھا اور اس سورت میں قریش کی طرف سے فتنہ اور ابتلاء کا ذکر ہے جس سے مقصود اہل ایمان کو تسلی دینا ہے کہ ان وقتی ایذاؤں سے گھبرائیں نہیں۔

غرض یہ کہ اس سورت کا تمام مضمون امتحان اور ابتلاء کے بیان میں ہے اور فتنہ کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں جس سے اس سورت کا آغاز ہوا ہے اور مقصود یہ بتلانا ہے کہ تم نے فرعون اور قارون کا قصہ سن لیا سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی طرف سے فتنہ اور ابتلاء یعنی امتحان اور آزمائش تھی آئندہ چل کر مکہ فتح ہوگا اور اس کے بعد قیصر و کسریٰ کے خزانے تم کو مال غنیمت میں ملیں گے اور قیصر و کسریٰ کے تخت اور تاج کے تم مالک بنو گے جس کے سامنے فرعون کی حکومت کی اور قارون کی دولت کی کوئی حقیقت نہیں وہ وقت قریب آنے والا ہے وہ تمہاری آزمائش کا وقت ہوگا۔ اس وقت یہ سمجھنا کہ یہ سب فتنہ ہے اس وقت علو اور تکبر میں نہ پڑنا بلکہ شکر کرنا تاکہ اور مزید نعمتیں تم کو ملیں۔ دنیا میں رہو مگر مقصود دارِ آخرت کو جانو اور یقین رکھو کہ دارِ دنیا کی دارِ آخرت کے مقابلہ میں بیت عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں۔

## آیاتها ۶۹ سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ (۲۹) (۸۵) رکوعاتها ۷

سورۂ عنکبوت مکیہ ہے اس کی انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

الٓمّٓ ۞ ۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۞ ۲

الٓمّٓ ○ کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ؟ کہ چھوٹ جاویں گے اتنا کہہ کر، کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ

اور ہم نے جانچا ہے ان کو جو ان سے پہلے تھے۔ سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں اور

لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۞ ۳ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ

البتہ معلوم کرے گا جھوٹے۔ کیا یہ سمجھے ہیں جو لوگ کرتے ہیں برائیاں؟ کہ

يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞ ۴ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ

ہم سے چھپ جاویں۔ بری بات چکاتے ہیں۔ جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی، سو اللہ کا وعدہ

اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ ۵ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ

آتا ہے۔ اور وہ ہے سنتا جانتا۔ اور جو کوئی محنت اٹھاوے سو اٹھاتا ہے

لِنَفۡسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۶ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا
اپنے ہی واسطے۔ اللہ کو پرواہ نہیں جہاں والوں کی۔ اور جو لوگ یقین لائے اور کیے

الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَ لَنَجۡزِیَنَّهُمۡ اَحۡسَنَ الَّذِیۡ
بھلے کام، ہم اتار دیں گے ان سے برائیاں اُن کی۔ اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر سے بہتر

کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝۷ وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡهِ حُسۡنًا ؕ وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ
کاموں کا۔ اور ہم نے تقید کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلے رہنا۔ اور اگر وہ تجھ سے زور کریں

لِتُشۡرِكَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ
کہ تو شریک پکڑ میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں تو ان کا کہا نہ مان ۔ مجھی تک پھر آنا ہے تم کو،

فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۸ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
سو میں جتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کیے،

لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِی الصّٰلِحِیۡنَ ۝۹ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
ہم ان کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں۔ اور ایک لوگ ہیں کہ کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر۔

فَاِذَاۤ اُوۡذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ النَّاسِ کَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنۡ جَآءَ
پھر جب اس کو ایذا پہنچے اللہ کے واسطے ٹھہرا دے لوگوں کا ستانا برابر اللہ کی مار کے۔ اور اگر آپہنچے

نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكَ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّا کُنَّا مَعَکُمۡ ؕ اَوَ لَیۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِمَا
مدد تیرے رب کی طرف سے کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا یوں نہیں؟ کہ اللہ خوب خبردار ہے

فِیۡ صُدُوۡرِ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱۰ وَ لَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ
جو کچھ جیوں میں ہے جہان والوں کے۔ اور البتہ معلوم کرے گا اللہ جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا

الۡمُنٰفِقِیۡنَ ۝۱۱ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا سَبِیۡلَنَا
جو لوگ دغاباز ہیں۔ اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو، تم چلو ہماری راہ۔

وَ لۡنَحۡمِلۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ وَ مَا ہُمۡ بِحٰمِلِیۡنَ مِنۡ خَطٰیٰہُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ

اور ہم اٹھا لیں گے تمہارے گناہ۔ اور وہ کچھ نہ اٹھاویں گے ان کے گناہ۔

اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ⑫ وَ لَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَہُمۡ وَ اَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِہِمۡ ۫

وہ جھوٹے ہیں۔ اور البتہ اٹھاویں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے

وَ لَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ⑬ ع ۱۳/۱۳

اور البتہ ان سے پوچھ ہو گی قیامت کے دن، جو باتیں جھوٹ بناتے تھے۔

## تنبیہ اہل ایمان بر حکمت شدائد وآفات زمان کہ آں تمیز مخلص ومنافق است وتشجیع اہل ہدایت برصبر واستقامت وتشنیع اہل ضلالت وغوایت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا ... الٰی ... وَ لَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ⑬ ع﴾

### شان نزول:

ایک دن آنحضرت ﷺ کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے سایہ میں بیٹھے تھے تو بعض صحابہ نے مشرکین کی شکایت کی کہ وہ ہمیں طرح طرح سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں آپ ﷺ ہمارے لیے دعا کریں کہ کافروں کا یہ ظلم وستم ہم سے ٹل جائے یہ سن کر آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے گزشتہ دینداروں کے سر آروں سے چیرے گئے اور ان کے دو ٹکڑے کیے گئے مگر وہ اپنے دین سے نہیں ہٹے اور بعضوں کے سروں میں لوہے کے کنگھے کیے گئے کہ گوشت چیر کر ہڈیوں تک پہنچ گئے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرے اور قسم ہے خدا کی یہ دین اسلام مکمل اور پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار صفاء سے لے کر حضر موت تک امن وامان کے ساتھ چلا جائے گا اور اسے کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہوگا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔ (رواہ البخاری عن خباب بن الارت ؓ)

مطلب یہ ہے کہ عجلت نہ کرو۔ صبر اور استقامت سے کام لو اور اللہ کے وعدہ کا انتظار کرو اور کافروں کی طرف سے جو تم کو ایذائیں پہنچ رہی ہیں وہ من جانب اللہ آزمائش اور امتحان ہیں تاکہ مخلص اور منافق کا فرق ظاہر ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿الٓمّٓ﴾ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں گزرا۔

ع خرد عاجز وفہم دروے گم است

بعض مسلمان جب کافروں کی ایذاؤں سے گھبرائے اور آنحضرت ﷺ سے مشرکین کی شکایت کی تو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم محض آمنّا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کا کوئی امتحان نہ ہوگا یعنی کچھ لوگوں نے یہ خیال

کرلیا ہے کہ محض زبان سے یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے اور ہم مومن ہیں فقط یہ کہہ دینا ان کے لیے کافی ہوگا۔ اور ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا اور بلاؤں اور مصیبتوں سے ان کی کوئی آزمائش نہ ہوگی جس سے ان کے دعوائے ایمان کی حقیقت کھل جائے اور دل کا نفاق اور اخلاص ظاہر ہوجائے یہ گمان صحیح نہیں ضرور ان کا امتحان ہوگا۔

عاشقاں را در دِ دل بسیار می باید کشید
جورِ یار و قصۂ اغیار می باشید کشید

اور امتحان تین طرح ہوگا۔ ① احکام خداوندی کی پابندی سے۔ ② مصائب و امراض سے۔ ③ کافروں کی ایذاء رسانیوں اور تکلیفوں سے۔

اور البتہ تحقیق ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی مصیبتوں اور بلاؤں سے آزمایا ہے اور ان کے دعوائے ایمان کا امتحان لیا ہے پس اس آزمائش اور امتحان سے اللہ ظاہر کر دیتا ہے ان لوگوں کو جو دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور ظاہر کر دیتا ہے جھوٹے دعوے کرنے والوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان لوگوں کی غلطی پر متنبہ کیا جنہوں نے یہ گمان کر لیا کہ صرف ایمان و اسلام کا دعویٰ کافی ہے لیکن یہ خیال غلط ہے دعوائے ایمان و اسلام کے ساتھ ابتلاء اور امتحان بھی ضروری ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اگر ابتلاء نہ ہوتا تو جھوٹے اور سچے سب برابر ہو جاتے کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ سنگ و سیم دونوں ایک بھاؤ بکتے غرض یہ کہ امتحان اور ابتلاء سچ اور جھوٹ کے ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ علم خداوندی اور تقدیر الٰہی میں تو پہلے ہی سے دونوں فریق متمیز ہیں اور اللہ کو پہلے ہی معلوم تھا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ مگر دنیا کو معلوم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود اس امتحان سے اپنے علم ازلی کو ظاہر کرنا ہے کہ دنیا بھی دیکھ لے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ پس جس طرح امتحان دنیا میں کھرا کھوٹا ظاہر کرنے کے لیے ہے اسی طرح دعوائے ایمان میں امتحان صادق اور منافق کے صدق اور کذب ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ ایمان [1] کے معنی دعوائے محبت کے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ﴾ پس ﴿اٰمَنَّا﴾ (البقرہ:۱۶۵) کہنا در پردہ ﴿اَحْبَبْنَا﴾ اور ﴿عَشِقْنَا﴾ کہنے کے مترادف ہے اور دعوائے محبت کے لیے امتحان لازم ہے۔

در محبت ہر کہ او دعویٰ کند | صد ہزار امتحان بروے تند
گر بود صادق کشد بار جفا | ور بود کاذب گریزد از بلا

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ میں گھرے ہوئے تھے اور بخوف کفار ہجرت نہیں کر سکتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں لکھا کہ تمہارا اسلام مقبول نہیں ہوسکتا۔ جب تک تم ہجرت نہ کرو چنانچہ انہوں نے ہجرت کی مگر کفار ان کو واپس لے گئے پھر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا . . . الخ﴾ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں کہلا بھیجا کہ تمہارے بارہ میں آیت نازل ہوئی تو وہ اب ہجرت کے لیے نکلے اور کفار نے ان کا پیچھا کیا باوجود مقابلہ کرنے کے کچھ مسلمان مارے گئے اور کچھ بچ کر مدینہ پہنچے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ (النحل:۱۱۰)۔ (ازالۃ الخفاء)

---

[1] کذا فی استمرار التوبہ ص ۱۴ وعظ پنجم از سلسلۂ البلاغ۔

اس تفسیر کی بناء پر یہ آیت مدنی ہوگی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔ (واللہ اعلم)

یہ تو مسلمانوں کی تسلی کے لیے شدائد اور مصائب کی حکمت بیان کی اب آگے ان کافروں کو تہدید فرماتے ہیں جو مسلمانوں کو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں جیسے کفر اور گناہ اور اہل اسلام کو ستانا اور ایذاء پہنچانا اس گمان اور خیال میں ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے چھوٹ جائیں گے اور بچ نکلیں گے سوان کا یہ حکم لگانا بہت ہی بُرا ہے اور بالکل غلط ہے ہم عنقریب اپنے نبی کی مدد کریں گے اور سرکشوں کا سر توڑ ڈالیں گے۔ چنانچہ چند روز بعد ایسا ہی ہوا۔ خدا کی مہلت سے یہ سمجھ لینا کہ آئندہ چل کر عذاب نہ ہوگا یہ غلط خیال ہے دُنیا کی حکومت بھی اپنے مجرم کو فوراً نہیں پکڑتی بلکہ کچھ مہلت دیتی ہے دُنیاوی حکومت کی گرفت سے تو انسان چھوٹ بھی سکتا ہے مگر خدا کی گرفت سے کون چھوٹ سکتا ہے۔ لہٰذا اس سرکشوں کا یہ خیال کہ اگرچہ ہم کتنی ہی نافرمانی کرتے رہیں ہم پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہوگا یہ غلط حکم ہے جو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے یہ تو تکلیف دینے والوں کو تنبیہ اور تہدید تھی۔ اب آئندہ ان تکالیف کے برداشت کرنے والوں کی طرف روئے سخن کر کے فرماتے ہیں جس شخص کو خُدا سے ملنے کا اشتیاق اور اُمید ہو یا جس کو خدا سے ملنے کا خوف ہو یعنی اس کو ڈر ہو کہ ایک روز خدا کے سامنے پیشی ہوگی اور اس کے روبرو کھڑا ہونا ہوگا تو اس شخص کو دشمنوں کی ایذاء رسانی سے مغموم اور پریشان نہ ہونا چاہیے بلکہ اس کو آخرت کی فکر کرنی چاہیے جس دن اس کی امید پوری ہو جائے گی اس لیے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے جس میں اس کی اُمید پوری ہو جائے گی اور خدا کی راہ میں سختیاں اٹھانے کا صلہ اس کو مل جائے گا اور اس کے سارے غم غلط ہو جائیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ﴾ (فاطر: ۳۴) اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے اس سے بندوں کا کوئی قول اور فعل مخفی نہیں۔

**فائدہ:** جاننا چاہیے کہ ﴿یَرْجُوْا﴾ کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک اُمید اور دوسرے خوف۔ اس لیے تفسیر میں اُمید یا خوف کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اور ﴿فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾ اگرچہ بظاہر جزاء معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت جزاء محذوف کی علت ہے اور اصل کلام اس طرح سے ہے ﴿مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ﴾ فلیتھیأ له ولیستعدّ له جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کو خُدا سے ملنے کا اشتیاق ہو اس کو آخرت کی تیاری کرنی چاہیے اور اسی طرح جس کو خدا کا خوف ہو اس کو بھی تیاری لازم ہے اُمید ہو یا خوف ہر ایک کا مقتضی یہ ہے کہ آخرت کی تیاری کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ سوچا کرے کہ خُدا سے ملنے کا وقت ضرور آنے والا ہے اور جنت اور جہنم کے احوال کو دل سے سوچے اس سے طاعت میں رغبت اور معصیت سے نفرت پیدا ہوگی اور جوں جوں آخرت اور نعمائے آخرت کی رغبت بڑھے گی اسی قدر طاعت میں سستی اور غفلت اور کاہلی کم ہوتی جائے گی اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں بیان فرمائی ہیں ﴿مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا﴾ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے یعنی بندوں میں رغبت اور خوف پیدا کرنے والے۔ خوف سے معصیت کا تقاضا دور ہوگا اور بشارت دینے سے طاعات میں سستی اور کاہلی دُور ہوگی۔ (ملخص از رجاء اللقاء وعظ نمبر ۲۳ از سلسلۂ تبلیغ)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابتلاء اور تکلیفِ شرعی کی حکمت بیان کی اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اس ابتلاء اور تکلیف سے خدا کو خود کوئی فائدہ نہیں وہ تو اس سے غنی ہے فائدہ خود بندہ کا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ کے کام میں محنت اور مشقت اٹھاوے تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے مشقت اور محنت اٹھاتا ہے ورنہ حق تعالیٰ تو بلاشبہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے وہ کسی مخلوق کی طاعت کا محتاج نہیں بندوں کو جو اعمال صالحہ کا حکم دیتا ہے وہ انہیں کے نفع کے لیے دیتا ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کیے

ہیں ہم ان کی برائیوں کو دور کر دیں گے ایمان اور عمل صالح سے سیۂ کا اثر نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے اور البتہ تحقیق ہم ان کے اعمال کی بہترین جزاء عطاء کریں گے جو ان کے عمل سے کہیں زیادہ بہتر ہوگی ایک کے بدلہ میں دس سے لے کر سات سو گنا تک دیں گے اس لیے اہل ایمان کو چاہیے کہ کافروں کی ایذاء رسانی سے گھبرائیں نہیں اور دین اسلام پر قائم اور مستقیم رہیں حتیٰ کہ اگر ان کے والدین بھی کفر اور شرک پر مجبور کریں۔ چنانچہ آئندہ آیت میں اس بارہ میں ہدایت فرماتے ہیں کہ والدین کے ساتھ سلوک اور احسان ضروری ہے اگرچہ وہ کافر ہوں مگر کفر اور معصیت میں ان کی اطاعت جائز نہیں بے شک دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا حق نہیں مگر اللہ کا حق ان سے بھی زیادہ ہے ماں باپ کی خاطر خدا کو نہ چھوڑے۔

## سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اسلام پر ان کی والدہ کا مقاطعۂ جوعی

### (یعنی بھوک ہڑتال)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب اسلام لے آئے تو ان کی والدہ جو مشرکہ تھیں ان کو اس کی خبر پہنچی کہ ان کا بیٹا صابی ہو گیا ہے تو انہوں نے قسم کھائی کہ مجھ پر کھانا اور پینا اور چھت کے نیچے بیٹھنا حرام ہے جب تک سعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہ کرے اور اس کے دین سے علیحدہ اور بیزار نہ ہو جائے اس طرح سے ان کی ماں پر تین دن گزر گئے تب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ماں سے کہا کہ اے ماں اگر تو سو بار مرے اور زندہ ہو تو میں دین اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ سعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عرض حال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے انسان کو بحق تربیت والدین کے ساتھ عظیم احسان کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اگرچہ والدین کافر اور مشرک ہوں جب تک کہ والدین کفر اور شرک اور اللہ کی معصیت کا حکم نہ دیں تو اللہ کے حق سے بڑھ کر کسی کا حق نہیں اور اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت نہیں۔ ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیکی کرو اور اگر والدین تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی خبر اور دلیل نہیں تو تو ان کا کہنا نہ ماننا خالق کے مقابلہ میں مخلوق کی فرمانبرداری درست نہیں خوب سمجھ لو کہ تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے پس جزاء دینے کے وقت تم کو آگاہ کر دوں گا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے اور ایک ایک کر کے تمہارے اعمال تم کو جتا دوں گا خویش و اقارب کی پاسداری کا خیال نہ کرو ہمارے سامنے کی حاضری اور پیشی کو پیش نظر رکھو۔ بالآخر تم کو ہمارے ہی پاس آنا ہے اور ہمارے روبرو پیش ہونا ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ اسوقت ہم تم سے دور اور غائب ہیں اور تمہارے خویش و اقارب تمہارے سامنے حاضر ہیں اور تم کو چاہیے کہ ہمارے اس قانون اور ضابطہ کو یاد رکھو کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور اللہ کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت نہیں کی اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہے تو ہم ان کو ضرور بالضرور صالحین کے زمرہ میں داخل اور شامل کریں گے ایمان اور عمل صالح کی برکت سے ان کے گناہ معاف ہوں گے اور ان کے ساتھ صالحین جیسا معاملہ ہوگا اور بعضے لوگ جو منافق اور ضعیف الایمان ہیں اور زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں پس ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ایمان اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے راہِ خدا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی اس ایذاء کو وہ اللہ کے عذاب کی مانند عظیم سمجھتا ہے اور اس فتنہ سے ڈر کر جو در حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایمان سے منہ موڑنے لگتا ہے اور لوگوں کی معمولی تکلیف کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھنے لگتا ہے منافق کا عجب حال ہے زبان سے تو

اسلام کا دم بھرتا ہے مگر دل اس کا ہر دنیاوی مال ومنال کے گرد گھومتا رہتا ہے جدھر کوئی فائدہ نظر آتا ہے ادھر جھک جاتا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اے نبی اگر کسی وقت تیرے پروردگار کی طرف سے جہاد میں تجھے فتح ونصرت اور غنیمت آ جائے تو یہ منافق لوگ اس وقت مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ تحقیق ہم تمہارے ساتھ ہیں اور کلمہ گو ہیں اور مسلمان بھائی ہیں ہم کو بھی مال غنیمت میں شریک کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ خوب نہیں جانتا جو جہان والوں کے سینوں میں اخلاص اور نفاق چھپا ہوا ہے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے واقعات سے مؤمنین کے اخلاص کو اور منافقین کے نفاق کو ظاہر کرتا رہتا ہے تاکہ ظاہری طور پر مخلص اور منافق کا امتیاز ہو جائے اللہ کو تو پہلے ہی سے معلوم تھا لیکن اس قسم کے امتحانات سے دنیا کو بھی منافق اور مخلص کا علم ہو جاتا ہے۔

ان آیات میں کفار مذبین اور منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کے فتنہ کا ذکر تھا اب آئندہ آیت میں ان پختہ کافروں کے فتنہ کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مسلمانوں کو راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بڑے پکے کافر نہایت ڈھٹائی سے اور بیباکی سے مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ کی پیروی کرو اور باپ دادا کے طریقہ پر رہو اور آخرت کی فکر نہ کرو جنت اور دوزخ کوئی چیز نہیں۔ بالفرض اگر قیامت ہوئی تو ہم تمہارا گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے۔ تم بے فکر رہو تمہارے کفر اور شرک اور معصیت کے ہم ذمہ دار ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دعویٰ تو ان لوگوں کا یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم تمہارے بوجھ اٹھالیں گے۔ حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں کسی میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کا گناہ اٹھا سکے۔ اور یہ لوگ قطعاً جھوٹے ہیں محض ڈھٹائی اور بے باکی سے ایسی باتیں بناتے ہیں اور بلکہ اس کے برعکس ہوگا کہ یہ کفار قیامت کے دن اپنا بوجھ بھی اٹھاویں گے اور اپنے بھاری بوجھوں کے ساتھ دوسرے بوجھ بھی اٹھا کر لادیں گے یعنی جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا تھا ان کے گناہوں کا بوجھ بھی ان کے سر پر لدا ہوا ہوگا۔ یعنی یہ لوگ دوسروں کو کیا سبکدوش کر سکتے ہیں ان کو تو دوہرا بوجھ اٹھانا پڑے گا اور قیامت کے دن تابع اور متبوع سب سے باز پرس ہوگی اس چیز کے متعلق جو باطل باتیں افتراء کرتے تھے جس کے سبب مخلوق گمراہ ہوتی تھی اور پھر ان کو حسب جرم سزا دی جائے گی اب آئندہ آیات میں انبیاء سابقین علیہم السلام کے ابتلاء اور ان کے منکرین کے عبرتناک عذابوں کا ذکر کرتے ہیں۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم پاس، پھر رہا ان میں ہزار برس پچاس

عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ

برس کم۔ پھر پکڑا ان کو طوفان نے اور وہ گنہگار تھے۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جہاز والوں کو

السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور رکھا ہم نے جہاز نشانی جہان والوں کو۔

## قصہ اوّل۔نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ . . . الٰی . . . وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۱۵﴾

گزشتہ آیات میں ابتلاء اور آزمائش کا ذکر تھا۔اب اسی سلسلہ میں انبیاء سابقین علیہم السلام کے ابتلاء کے واقعات ذکر کرتے ہیں۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کے ابتلاء کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو تقریباً ایک ہزار سال تک ممتد رہا اتنا طویل ابتلاء اور اتنا طویل صبر سوائے نوح علیہ السلام کے کسی نبی کو پیش نہیں آیا۔اور باوجود اس قدر طویل وعریض اور شدید و مدید ابتلاء کے دعوت وتبلیغ میں سست نہیں پڑے جب کافروں کی سرکشی حد سے گزر گئی تو بحکم خداوندی مع اپنے اصحاب کے ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔بعد میں طوفان آیا سب ہلاک ہو گئے اور نوح علیہ السلام اور ان کے صحابہ غرقابی سے بچ گئے اور نوح علیہ السلام کا کشتی پر سوار ہونا یہ بھی ایک قسم کی ہجرت تھی اور ہجرت بھی ایک قسم کا ابتلاء ہے اس قصہ کے ذکر سے آنحضرت ﷺ کی اور مہاجرین کی تسلی مقصود ہے کہ آپ ﷺ کافروں کی ایذاء رسانی سے دلگیر نہ ہوں۔چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال تک ٹھہرے اور ان کو توحید کی طرف بلاتے رہے اور کفر اور شرک سے منع کرتے رہے مگر وہ کسی طرح راہ پر نہ آئے پس جب اس طویل وعریض فہمائش کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو طوفان نے ان کو آ پکڑا اور وہ بڑے ہی ظالم تھے کہ کفر وشرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور نوح علیہ السلام نے جب ان کو سمجھایا تو ان کو مجنون کہا اور جھڑکا اور مارا پس ہم نے نوح کو اور یارانِ کشتی کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے طوفان سے نجات دی اس لیے کہ یاران کشتی اس ظاہری سفینہ پر سوار ہونے سے پہلے سفینۂ نجات یعنی ایمان اور عمل صالح کی کشتی پر سوار ہو چکے تھے اور ہم نے اس واقعہ کو اہل عالم کے لیے نشانِ عبرت بنایا کہ دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ حق کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے۔اور عبرت پکڑیں یعنی دنیا فانی پر ایسے فریفتہ نہ ہوں کہ کسی ہادی کی نصیحت نہ سنیں بالآخر موت میں مبتلا ہو کر سب کو چھوڑ جائیں۔

**فائدہ:** عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی مدت میں نبوت ملی اور ساڑھے نو سو برس ان کو خدا کی طرف بلاتے رہے پھر طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے۔(اخرجہ ابن ابی شیبۃ والحاکم وصححہ)(روح المعانی ص ۱۲۳ ج ۲۰)

اس حساب سے نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار پچاس سال کی ہوئی۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نوح علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے تو یہ کہا کہ پیغمبروں میں سب سے دراز عمر آپ نے پائی آپ نے دنیا کو کیسا پایا تو کہا جیسے ایک شخص اس مکان میں داخل ہوا جس کے دو دروازے تھے ایک دروازہ سے داخل ہوا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر دوسرے دروازہ سے نکل گیا۔اخرجہ ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الدنیا عن انس رضی اللہ عنہ روح المعانی ص ۱۲۳ ج ۲۰۔اور حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سورۂ ہود میں مفصل گزر چکا ہے۔

| وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ |
|---|
| اور ابراہیم کو جب کہا اپنی قوم کو، بندگی کرو اللہ کی اور اس کا ڈر رکھو یہ بہتر ہے تم کو، |

اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّ

اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوا، یہی بتوں کے تھان اور

تَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ

بناتے ہو جھوٹی باتیں۔ بیشک جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوا، مالک نہیں

لَـكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ

تمہاری روزی کے، سو تم ڈھونڈو اللہ کے ہاں روزی۔ اور اس کی بندگی کرو، اور اس کا حق مانو۔ اسی کی طرف

تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنۡ تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ وَمَا عَلَى

پھر جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے، تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقے تم سے پہلے اور

الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ

رسول کا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا کھول کر۔ کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو

ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۱۹﴾ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ

پھر اس کو دہرا دے گا۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔ تو کہہ ملک میں پھرو

فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ

پھر دیکھو کیونکر شروع کی ہے پیدائش؟ پھر اللہ اٹھاوے گا پچھلا اٹھان۔ بیشک

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۚ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ

اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ مار دے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا جس پر چاہے۔

وَاِلَيۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫

اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔ اور تم تھکا دینے والے نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں

وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۲۲﴾ ع وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ع ۲ ۹ ۱۴

اور کوئی نہیں تمہارا اللہ سے ورے حمایتی اور نہ مددگار۔ اور جو لوگ منکر ہوئے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملنے سے وہ ناامید ہوئے میری مہر سے اور ان کو دکھ کی

اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ

مار ہے۔ پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا، مگر یہی کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلا دو۔

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

پھر اس کو بچا دیا اللہ نے آگ سے۔ اس میں بڑے پتے ہیں ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي

اور بولا، جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوا بتوں کے تھان۔ سو دوستی کر کر آپس میں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ

دنیا کی زندگی میں۔ پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور پھٹکارو گے

بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ڒ

ایک کو ایک۔ اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے، اور کوئی نہیں تمہارے مددگار۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ

پھر مانا اس کو لوط نے۔ اور وہ بولا میں وطن چھوڑتا ہوں اپنے رب کی طرف بیشک وہی ہے زبردست

الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ

حکمت والا۔ اور دیا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب اور رکھی اس کی اولاد میں

النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

پیغمبری اور کتاب، اور دیا ہم نے اس کو اس کا نیگ دنیا میں۔ اور وہ آخرت میں

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

نیکوں سے ہے۔

## قصہ دوم۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ... الی ... وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۲۷ ﴾

یہ دوسرا واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے کہ دشمنوں نے آگ میں ڈالا اور جلاوطن کیا اور اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کو طرح طرح کے ابتلاء اور امتحان پیش آئے۔ جن میں سے ذبح ولد کا واقعہ ابتلاء عظیم تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں ان میں اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان آٹھ واسطے ہیں۔ سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے لوگ بت پرستی میں بھی مبتلا تھے اور صابی مذہب رکھتے تھے یعنی عناصر اور کواکب اور روحانیات کے مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے اور ان کو دُنیاوی سامان حیات کا مالک اور متصرف جانتے تھے اور آخرت کے منکر تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اولاً دلائل اور براہین سے توحید کو سمجھایا اور خالص اللہ کی عبادت اور تقویٰ کا ان کو حکم دیا اور چونکہ یہ لوگ آخرت اور حشر ونشر کے بالکل منکر تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے یہ مسئلہ بھی ان کو دلیل سے سمجھایا اور ﴿ اَوَ لَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ﴾ سے مبدأ و معاد اور حشر ونشر کے مسئلہ کو واضح فرمایا کہ جو چیز خود بخود وجود میں نہیں آسکتی وہ خود بخود باقی نہیں رہ سکتی ہر حادث کے لیے فنا ضروری ہے اور ہر حادث کا وجود دو عدموں کے درمیان میں گھرا ہوا ہے ایک عدم سابق اور ایک عدم لاحق۔ انسان کا اور حیوان کا اور شجر وحجر کا ہر لحہ تغیر وتبدل اس کے حدوث کی دلیل ہے اور آنیوالی گھڑی فناء کی گھنٹی ہے عالم کے تغیرات اور انقلابات بزبان حال اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ہم وجود کی پتلیاں ہیں کوئی پوشیدہ دست قدرت ہم کو اپنی انگلیوں پر نچا رہا ہے اور ہمارا تماشہ دکھلا رہا ہے بڑا ہی نادان ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ان پتلیوں کا مادہ اور ایتھر ہی ان کو نچا رہا ہے اور دُنیا کو ان کا تماشہ دکھا رہا ہے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نوح علیہ السلام کے ابتلاء کا اور ان کی قوم کے غرق ہونے کا ذکر فرمایا۔ اب ابراہیم علیہ السلام کے ابتلاء کا ذکر فرماتے ہیں کہ پہلا ابتلاء ابتلاء غرق تھا اور یہ ابتلاء حَرق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یاد کرو ابراہیم علیہ السلام کو جن کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان کا امتحان کیا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا جو بابل کے رہنے والے تھے اے قوم ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے قہر اور عذاب سے ڈرو۔ حق جل شانہٗ کی اطاعت اور عبادت اور تقویٰ اور پرہیزگاری ہی سفینۂ نجات ہے اللہ کی عبادت کرو اور دریائے قہر کی غرقابی سے ڈرو۔ عبادت اور تقویٰ کی کشتی میں سوار ہو کر ہی غرقابی سے بچ سکتے ہو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں کچھ علم اور فہم ہے جس کے ذریعہ تم خیر وشر اور نفع اور ضرر کو سمجھ سکو لیکن تم علم اور عقل سے عاری نظر آتے ہو اس لیے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پرستش کرتے ہو جن کی دُونیت یعنی حقارت تمہارے سامنے ہے کہ تم نے ان کو بسولوں سے تراش کر بنایا ہے اور ظاہر ہے کہ خود تراشیدہ چیز اوّل تو غایت درجہ حقیر ہے اور پھر یہ کہ وہ تراشیدہ چیز اپنے تراشنے والے کے سامنے بالکل بے بس اور عاجز ہے اور اپنی تراشیدہ چیز کو اپنا معبود بنانا غایت درجہ کی حماقت ہے اور درحقیقت تم جھوٹ بناتے ہو کہ اپنی تراشیدہ چیز کا نام خدا رکھ لیا اور ان سے رزق مانگنا شروع کر دیا۔

تحقیق جن کو تم سوائے خدا کے معبود بنائے ہوئے ہو اور ان سے تم رزق مانگتے ہو وہ تمہیں رزق دینے پر قدرت نہیں رکھتے جو خود کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ دوسرے کو کیا دے دے گا پس رزق اللہ تعالیٰ کے پاس سے طلب کرو جو آسمان اور زمین کے خزانوں کا مالک ہے اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو جس نے تم کو یہ نعمتیں عطاء کیں مطلب یہ ہے کہ جو روزی دیتا ہے اسی کی بندگی کرو اور اسی کا حق

مانو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت ہر شخص کو اس کی عبادت کا اور اس کے شکر کا صلہ ملے گا۔ اور کفر اور شرک سے باز پرس ہوگی۔ روزی دینے والا تو اللہ ہے اور میں اس کا رسول ہوں اس کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں تم کو چاہیے کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور اگر تم میری تصدیق کرتے ہو تو تم کو سعادت دارین حاصل ہوگی اور اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو میرا کوئی ضرر نہیں۔ تحقیق تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں اپنے پیغمبروں کی تکذیب کر چکی ہیں اور ان کی تکذیب سے پیغمبروں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ بلکہ خود انہی کو ضرر پہنچا اور تباہ ہوئے اور نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر پیغام کو صاف طور پر پہنچا دینا۔ اب ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اول توحید کو واضح کیا جو دین کی پہلی اصل ہے اور پھر ﴿ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ سے رسالت کو بیان کیا جو دین کی دوسری اصل ہے اب آگے حشر و نشر کو بیان کرتے ہیں جو دین کی تیسری اصل ہے فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو خدا کی طرف کے منکر ہیں کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو بار اول پیدا کرتا ہے کہ نیست سے اس کو ہست کرتا ہے پھر وہی خدا ان کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا پہلی زندگی کو تو تم نے دیکھ لیا۔ اب دوسری زندگی کو اس پر قیاس کر لو۔ کیا دیکھتے نہیں کہ بدن پر دُمل پھوڑا پھنسی نمودار ہوتا ہے اور اس حصہ کا گوشت اور پوست زائل ہو جاتا ہے پھر چند روز کے بعد دوسرا گوشت اور پوست نمودار ہو جاتا ہے اسی طرح جسم روح کا لباس ہے جو مرنے کے بعد بوسیدہ ہو جاتا ہے قیامت کے دن اسی قسم کا دوسرا نیا لباس پہنا دیا جائے گا۔

دمبدم گر شود لباس بدل      شخص صاحب لباس راچہ خلل

بے شک یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے۔ ایک دلیل تو یہ ہوئی۔ اب آگے دوسری دلیل بیان ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ابراہیم علیہ السلام! آپ اپنی قوم سے کہہ دیجیے کہ اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو اور تم کو اگر دوبارہ زندگی میں کچھ تردد ہے تو زمین میں چلو پھرو۔ پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے زمین میں قسم قسم کی مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کیا ہے قسم قسم کے درخت فناء ہو جاتے ہیں اور پھر دوسری بار پیدا ہو جاتے ہیں جن کا شب و روز تم مشاہدہ کرتے ہو تو سمجھ لو کہ پھر پچھلی بار بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرے گا۔ دوسری زندگی کو پہلی زندگی پر قیاس کر لو بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار سب برابر ہے۔ بلاشبہ وہی اپنی قدرت کاملہ سے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا پھر جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحمت کرے گا وہ مالک اور مختار ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور موت اس کا نمونہ اور پیش خیمہ ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ موت کو ٹلا سکے اور تمہاری عاجزی اور درماندگی کا یہ حال ہے کہ تم آسمان میں ہو یا زمین میں ہو خدا تعالیٰ کو اپنے پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ تمام مخلوق اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس کے پیدا کردہ آسمان و زمین میں محصور ہے اس کے احاطہ سے نہیں نکل سکتی اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار ہے اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کے اور قیامت کے دن کی پیشی سے منکر ہوئے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو میری رحمت سے نا اُمید ہوئے اور ایسے ہی لوگوں کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

یہاں [1] تک ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کو نصیحت کا ذکر تھا جس میں انہوں نے دین کے تین اصول۔ توحید اور رسالت اور

[1] حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا کہ یہ تمام کلام از اول تا آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام ہے۔ کما قال ابن کثیر والظاهر من السياق ان كل هذا من كلام ابراهيم الخليل عليه الصلاة والسلام يحتج عليهم لاثبات المعاد لقوله بعد هٰذا كله فما كان جواب قومه الخ. والله اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۸ ج ۳)

قیامت کو دلائل اور براہین سے واضح کر دیا اور ان پر حجت قائم کر دی اب آگے ان کی قوم کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

قوم جب ابراہیم علیہ السلام کی ان معقول باتوں اور دلائل اور براہین کا جواب نہ دے سکی تو قوت اور طاقت کے استعمال پر اتر آئی کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے تا کہ قصہ ہی تمام ہو چنانچہ آئندہ آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

## قوم کا جواب:

پس جب ابراہیم علیہ السلام قوم کو نصیحت کر چکے سو قوم ابراہیم کا اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ یہ کہنے لگے کہ ابراہیم کو قتل کر دو یا اس کو آگ میں جلا دو اور دیکھو کہ اس کا معبود ہم کو جلانے سے کیسے عاجز کرتا ہے مقصد یہ تھا کہ اگر قتل کر ڈالو تو ہمیشہ کے لیے اس شخص سے بے فکری ہو جائے اور اگر آگ میں ڈالو تو ممکن ہے کہ آگ سے ڈر کر اپنی بات سے رجوع کرے۔

غرض یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت وموعظت کا اثر اس بدبخت قوم پر یہ ہوا کہ قتل کرنے اور جلانے کے مشورے کرنے لگے آخری مشورہ یہ ٹھہرا کہ ان کو جلا دیا جائے۔ بڑی عظیم آگ تیار کی اور منجنیق کے ذریعہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دی اور آگ کے ضرر سے ان کو محفوظ کر دیا کہ وہ آگ ان کے حق میں بردوسلام اور باغ و بہار ہو گئی۔ بے شک اس واقعہ میں خدا کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو خدا کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی قدرت سے آگ کو بجھایا اور اس کو بردوسلام اور گلزار اور باغ و بہار بنایا۔ معلوم ہوا کہ آگ بذات خود کسی کو جلانے والی نہیں جب تک خدا کا حکم نہ ہو جائے آگ میں حرارت اور پانی میں برودت کا جو اثر نظر آتا ہے وہ آگ اور پانی کی ذات اور طبیعت کا ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ وہ خدا کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے بحر قلزم اپنی ذات سے اور اپنی طبیعت سے حقیقت واحدہ اور ماہیت بسیطہ تھا مگر وہی بحر قلزم جب موسیٰ علیہ السلام گزرے تو رحمت بن گیا اور فرعون اور فرعونیوں کے لیے مصیبت اور ہلاکت بن گیا یہ کسی مادہ اور طبیعت اور ایتھر اور نیچر کا اقتضاء نہ تھا بلکہ قدرت خُداوندی کا کرشمہ تھا۔ اگر بتوں میں کچھ قدرت ہوتی تو آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر بردوسلام نہ بننے دیتے مگر وہ بدبخت ان آثارِ قدرت اور کرشمہ ہائے کرامت کو دیکھ کر ایمان نہ لائے اور یہ قصہ سورۂ انبیاء میں مفصل گزر چکا ہے۔

بالآخر جب ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے صحیح سالم نکل آئے تو پھر قوم کو نصیحت فرمائی اور کہا: اے قوم کے لوگو! تم نے خدا کے سوا ان بتوں کو اس لیے اختیار نہیں کیا کہ وہ حق چیز ہے بلکہ اس لیے اختیار کیا ہے تا کہ تمہارا یہ باہمی اتحاد اور اتفاق دنیاوی زندگانی میں محبت کا ذریعہ بنے اور اس اتفاق سے آپس میں میل ملاپ اور رشتۂ اخوت ومودت قائم رہے کیونکہ دنیا میں ایک ملت ومذہب والے اور ایک نظریہ رکھنے والے باہم متفق ہوتے ہیں لیکن یہ باہمی محبت دُنیاوی زندگی تک محدود رہتی ہے پھر قیامت کے دن یہ محبت مبدل بعداوت ہو جائے گی اس روز تم میں سے بعض بعض کا کافر اور منکر ہو گا یعنی اس روز ایک دوسرے سے بیزار ہو گا اور تم میں کا بعض بعض پر لعنت کرے گا اور پیروی کرنے والے اپنے سرداروں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور یہ مشرکین آج جن کے پیرو اور دوست بنے ہوئے ہیں قیامت کے دن ان سے پناہ مانگیں گے اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ان کے حال اور مآل سے آگاہ کر دیا دیکھ لو کہ تمام نصاریٰ تثلیث پر متفق ہیں اور تمام مشرکین بت پرستی پر متفق ہیں سو یہ اتفاق حق اور حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ آبائی رسم ورواج پر مبنی ہے تا کہ تمام قوم اس پر متفق اور متحد رہے اور بتلا دیا کہ تم سب کا ٹھکانہ آگ ہے اور کوئی بھی تمہارے لیے مددگار نہیں جن لوگوں کو تم مددگار سمجھے ہوئے ہو کوئی تمہارے کام نہ آئے گا۔

پس جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکلے اور قوم کو یہ نصیحت کی تو ان کی قوم میں سے صرف لوط علیہ السلام ایمان لائے یعنی سوائے لوط علیہ السلام کے کوئی مردان کی قوم میں ایمان نہ لایا اور عورتوں میں سے حضرت سارہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھیں اور بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام [1] نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اب میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا بلکہ اب میں تم سے ہجرت کر کے اپنے رب کی طرف جاتا ہوں جہاں جانے کا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے بیشک میرا پروردگار عزت والا اور حکمت والا ہے ہجرت کے بعد مجھ کو عزت دے گا اور دشمنوں سے میری حفاظت کرے گا اور اس نے جو مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے وہ عین حکمت ہے اس نے جو مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ دین خداوندی کو تمکین اور عزت اور غلبہ حاصل ہو۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے صحیح سالم نکلنا دیکھ لیا تو نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ درخواست کی کہ آپ یہ ملک چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں ابراہیم علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق اس کو منظور کر لیا اور بہ نیت ہجرت وہاں سے روانہ ہوئے۔ حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت لوط علیہ السلام سفر ہجرت میں آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور جب ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور اپنی قوم کو کفر کی وجہ سے چھوڑا اور تمام خویش واقارب سے مفارقت اختیار کی تو ہم نے اس کے صلہ میں ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے کی حالت میں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا اس کو عطاء کیا تاکہ اولاد صالح سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ وہ اس سفر ہجرت میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نہ تھے بلکہ بحکم خداوندی اس سے بہت پیشتر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے چودہ برس پہلے پیدا ہوئے۔

غرض یہ کہ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اولاد صالح عطاء کی اور مزید برآں یہ فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد میں نبوت اور آسمانی کتاب کو رکھ دیا کہ آئندہ جس کو نبوت اور کتاب ملے گی وہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا۔ چنانچہ نبوت ابتداء میں بنی اسرائیل میں رہی پھر آخر میں بنی اسرائیل میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی اور توریت اور انجیل اور زبور اور قرآن یہ تمام کتابیں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد پر اتریں۔

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کے صدق اور اخلاص کا صلہ دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں تو وہ بلاشبہ بڑے کامل نیک بندوں کے زمرہ میں ہوگا۔ اعلیٰ درجہ کے صالحین انبیاء اولوالعزم کی جماعت ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت کا صلہ تو آخرت میں ظاہر ہوگا باقی دنیا میں ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دی اور ظالم وجابر بادشاہ کو ذلیل وخوار کیا اور اولاد صالح عطاء کی اور نبوت کو ان کی اولاد کے ساتھ مخصوص کر دیا اور تمام اُمتوں میں ان کا ذکر خیر جاری فرمایا وغیرہ وغیرہ۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (الحدید:۲۱)

اور یہ مضمون وہی ہے جو سورۂ بقرہ میں گزرا۔

﴿وَ لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (البقرہ:۱۳۰)

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَ قَالَ﴾ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ز مَا سَبَقَكُمْ

اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو، تم آتے ہو بے حیائی کے کام پر تم سے پہلے نہیں کیا

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ

وہ کسی نے جہان میں۔ تم کیا دوڑتے ہو مردوں پر اور

تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ

راہ مارتے ہو؟ اور کرتے ہو اپنی مجلس میں برا کام۔ پھر کچھ جواب نہ تھا

قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے لے آ ہم پر آفت اللہ کی، اگر تو ہے سچا۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ ع وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ ع ۳ ۸ ۱۵

بولا اے رب! میری مدد کر ان شریر لوگوں پر۔ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے

اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ

ابراہیم پاس خوشخبری لے کر، بولے ہم کو کھپا دینی ہے یہ بستی۔ بیشک

اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ صلے قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ

اس کے لوگ ہو رہے ہیں گناہ گار۔ بولا اس میں لوط ہے۔ وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی

فِيْهَا ز وقفة لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ق كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس میں ہے ہم بچا لیں گے اس کو اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت رہی رہ جانے والوں میں۔

وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ

اور جب کہ پہنچے ہمارے بھیجے لوط پاس، ناخوش ہوا ان کو دیکھ کر۔ اور خفا ہوا دل سے اور

قَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ قف اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ

وہ بولے نہ ڈر اور نہ غم کھا۔ ہم بچاویں گے تجھ کو اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ

رہ گئی رہنے والوں میں۔ ہم کو اتارنی ہے اس بستی والوں پر

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ لَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةً

ایک آفت آسمان سے۔ اس پر کہ یہ بے حکم ہو رہے تھے۔ اور چھوڑ رکھا ہم نے اس کا نشان

بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

نظر آتا بوجھتے لوگوں کو۔

## قصہ سوم۔ لوط علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ... الٰی... وَ لَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾

یہ تیسرا قصہ لوط علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور اپنے چچا کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ مقامات پر مبعوث فرمایا تاکہ دونوں علاقے کے لوگ ہدایت پاویں حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ہجرت کر کے شام چلے آئے اور لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں شہر سدوم اور اس کے اطراف وجوانب کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے یہاں کے لوگ اوّل درجہ کے بدمعاش اور اوباش اور رہزن اور قزاق اور بے حیا اور مسخرے اور مرغ باز اور کبوتر باز تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو بہتیرا سمجھایا مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ بالآخر عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۱ ج ۳)

اور ہم نے لوط علیہ السلام کو اس کی قوم کا امتحان لینے کے لیے اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم ایسی بے حیائی (لواطت) کے مرتکب ہو کہ تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ کیا تم بقصدِ شہوت مردوں کے پاس آتے ہو اور ان سے مباشرت کرتے ہو اور اس کے علاوہ تم رہزنی بھی کرتے ہو۔ رہزنی اور قتل سے جان و مال لوٹتے ہو اور لواطت سے نسل قطع کرتے ہو اور پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ اپنی کھلی مجلس میں بھی تم ناپسندیدہ اور نازیبا اُمور کا ارتکاب کرتے ہو جو اہلِ عقل کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں جیسے گالی دینا اور فحش باتیں کرنا اور قہقہے لگانا اور شراب پینا اور تنبورے بجانا اور راہ چلنے والوں کو کنکریاں مارنا وغیرہ وغیرہ۔ تم اپنی مجالس میں ایسے اقوال وافعال قبیحہ وشنیعہ کا ارتکاب کرتے ہو جن کو ادنیٰ عقل والا بھی پسند نہیں کرتا۔

لوط علیہ السلام نے نہایت خیر خواہی سے ان کو بہتری کی راہ سمجھائی۔ پس نہ ہوا ان کی قوم کا جواب سوائے اس کے کہ یہ کہنے لگے کہ آپ ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیے اگر آپ سچوں میں سے ہیں کہ ان افعال شنیعہ کا ارتکاب موجب عذاب ہے لوط علیہ السلام نے اس جواب سے محسوس کر لیا کہ دلیری اور بے باکی حد کو پہنچ گئی ہے اور ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے تو جنابِ الٰہی میں متوجہ ہوئے اور عرض کیا: اے میرے پروردگار! اس مفسد قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما اور اس قوم پر اپنا غضب اور قہر نازل فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دُعا قبول کی اور ملائکہ عذاب کو حکم دیا کہ اس مفسد قوم کو تباہ اور برباد کر دیں اور حسب الحکم وہ فرشتے روانہ ہو گئے اور دو کام ان کے سپرد کیے گئے ایک تو یہ کہ قوم لوط پر عذاب نازل کریں اور دوسرا یہ کہ عذاب نازل کرنے سے پہلے لوط علیہ السلام کے چچا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی خبر دے دیں کہ ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے جا رہے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تولد فرزند کی بشارت بھی دے دیں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل تھے اور لوط علیہ السلام ان کے تابع تھے اس لیے وہ فرشتے اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ چنانچہ جب وہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے تولد فرزند کی بشارت لے کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو بصورت انسان اور بطور مہمان آئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمان سمجھ کر ان کے لیے کھانا تیار کرایا۔ جب دیکھا کہ یہ لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تو گھبرائے تو اس وقت فرشتوں نے کہا آپ گھبرائیے نہیں ہم فرشتے ہیں اور آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام کی مدد کے لیے آئے ہیں تحقیق ہم اس بستی والوں کو یعنی اہل سدوم کو ہلاک کرنے والے ہیں اس لیے کہ تحقیق اس بستی کے رہنے والے بڑے ہی ظالم ہیں۔ کفر کے علاوہ انواع واقسام کی برائیوں کے مرتکب ہیں۔ فرشتوں نے بشارت فرزند کے علاوہ یہ دوسری بشارت دی کہ ہم قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے جا رہے ہیں اور کافروں اور ظالموں کی ہلاکت کی خبر دینا یہ بھی عظیم بشارت ہے ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ خبر سنی تو گھبرا کر بولے کہ تحقیق اس بستی میں لوط بھی رہتے ہیں اور وہ تو ظالمین میں سے نہیں اس کا کیا ہو گا تو فرشتے بولے آپ علیہ السلام گھبرائیے نہیں ہم خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں رہتا ہے کون کافر و ظالم ہے۔ اور کون مؤمن صالح ہے۔ تحقیق ہم ضرور بالضرور لوط علیہ السلام کو اور اس کے خاص متعلقین کو عذاب سے بچا لیں گے اور عذاب سے پہلے ہی ان کو بستی سے نکال لے جائیں گے مگر ان کی زوجہ کہ وہ باقی ماندہ لوگوں میں سے ہو گی جن پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا وہ بھی ان کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہو گی اس لیے کہ یہ زوجہ اگرچہ ان افعال شنیعہ میں شامل نہ تھی مگر اپنی قوم سے محبت رکھتی تھی اور ان سے راضی تھی۔ لہٰذا وہ بھی انہی کے ساتھ باقی رہے گی پھر یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہو کر لڑکوں کی صورت میں لوط علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ہمارے یہ فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر حسین وجمیل لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو لوط علیہ السلام نے اول ان کو پہچانا نہیں اس لیے اس طرح سے آنے کی وجہ سے لوط علیہ السلام مغموم اور تنگ دل ہوئے کہ دیکھیے قوم کے اوباش ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں۔ فرشتے جب حسین وجمیل لڑکوں کی شکل میں پہنچے تو آناً فاناً اوباش جمع ہو گئے۔ لوط علیہ السلام یہ منظر دیکھ کر گھبرائے اور مہمانوں کی رسوائی اور اپنی شرمندگی سے خوف زدہ ہو گئے۔ فرشتوں نے جب رنج وغم اور پریشانی کے آثار لوط علیہ السلام کے چہرہ پر دیکھے تو ان کو تسلی دی اور بولے: اے لوط! نہ ڈرو اور نہ رنجیدہ اور غمگین ہو ہم انسان نہیں بلکہ ہم عذاب کے فرشتے ہیں۔ ﴿اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ﴾ (ھود: ۸۱) تحقیق ہم تمہاری دعا ﴿رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ کے مطابق تمہاری مدد کے لیے آئے ہیں ہم تجھ کو اور تیرے گھر والوں کو عذاب سے بچائیں گے مگر تمہاری بیوی کہ وہ پیچھے رہنے والوں اور ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گی تحقیق ہم اس بستی والوں پر بغیر اسباب طبعیہ و مادیہ آسمان سے ایک خاص قسم کا عذاب نازل کرنے والے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ برابر فسق وفجور کرتے رہے اس لیے یہ عذاب کے مستحق ہوئے اور فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا آپ رات ہی رات اس بستی سے اپنے متعلقین کو لے کر نکل جائیے۔ صبح کے قریب ان پر عذاب نازل ہو گا۔ چنانچہ لوط علیہ السلام کے نکل جانے کے بعد وہ بستی الٹ دی گئی اور اُوپر سے ان پر پتھر برسائے گئے اور ہلاک کر دیئے گئے اور البتہ تحقیق ہم نے اس بستی میں ایک واضح نشان بھی چھوڑ دیا ہے ان لوگوں کی عبرت کے لیے جو کچھ عقل اور سمجھ رکھتے ہیں جن کو عقل ہے وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اور عذاب الٰہی

سے ڈرتے ہیں اور جن کی عقل فلسفہ اور سائنس سے خراب ہو چکی ہے اور ان کا دائرۂ ادراک محسوسات سے متجاوز نہیں ان کا گمان یہ ہے کہ اس تختۂ زمین کے نیچے کوئلہ اور گندھک کی کان تھی باہمی رگڑ سے آتشی مادہ میں اشتعال پیدا ہوا اس لیے وہ بستی ہلاک اور تباہ ہوگئی۔

سبحان اللہ وہ خطۂ زمین تو نہایت سرسبز اور شاداب تھا ہر طرف پانی کے چشمے جاری تھے وہاں آتشی مادہ کہاں سے آیا اور کیا آگ اور پانی کا مادہ ایک جگہ جمع ہو سکتا ہے۔

مفصل قصہ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں گذر چکا ہے۔

| |
|---|
| وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا |
| اور بھیجا مدین پاس ان کا بھائی شعیب، پھر بولا اے قوم! بندگی کرو اللہ کی اور توقع رکھو |
| الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ |
| پچھلے دن کی، اور مت پھرو زمین میں خرابی مچاتے۔ پھر اس کو جھٹلایا، |
| فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾ |
| تو پکڑا ان کو بھونچال نے، پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے۔ |

## قصہ چہارم۔ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام با قوم اُو

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ... الٰی ... فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾

یہ چوتھا قصہ شعیب علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ مدین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا جو بی بی قتورا کے شکم سے تھے آپ دریائے قلزم کے ایک کنارہ پر بستے تھے اور آپ ہی کے نام سے اس بستی کو مدین کہنے لگے حضرت شعیب علیہ السلام انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ اس بستی میں نبی بنا کر بھیجے گئے یہ لوگ نہ صرف بت پرست اور منکر قیامت تھے بلکہ قزاقی کا پیشہ بھی کرتے تھے اور مفسد اور فتنہ پرداز تھے۔ شعیب علیہ السلام نے ہر چند ان کو سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا بالآخر قہر خداوندی نازل ہوا اور سب ہلاک اور برباد ہوئے گزشتہ رکوع میں قوم لوط کے صالحین اور فاسقین کا انجام بیان کیا اب ان آیات میں قوم شعیب علیہ السلام کا حال ذکر کرتے ہیں اور ہم نے مدین والوں کی طرح ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا پس شعیب علیہ السلام نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت اور اطاعت کرو اور اُمید رکھو دنیا کے آخری دن کی جس میں بداعمالیوں کی سزا ملے گی اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو پس انہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور فتنہ فساد سے باز نہ آئے پس ان کو ایک سخت زلزلہ نے آ پکڑا پس انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے تھے۔ جب زلزلہ آیا تو اوندھے منہ گر کر مر گئے۔ معلوم نہیں کہ فلاسفۂ عصر اس واقعہ کو کس مادہ کا اقتضاء اور اثر بتلائیں گے۔

وَعَادًا وَّثَمُودَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَٰكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ

اور عاد اور ثمود کو، اور تم پر کھل چکا ہے ان کے گھروں سے۔ اور رجھایا ان کو

الشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا۟ مُسْتَبْصِرِينَ ﴿۳۸﴾

شیطان نے ان کے کاموں پر، روک دیا ان کو راہ سے۔ اور تھے ہوشیار۔

وَقَٰرُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَٰمَٰنَ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَٰتِ

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو۔ اور ان پاس پہنچا موسیٰ کھلے نشان لے کر،

فَاسْتَكْبَرُوا۟ فِى الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا۟ سَٰبِقِينَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنۢبِهِۦ ۖ

پھر بڑائی کرنے لگے ملک میں۔ اور نہ تھے چھپ جانے والے۔ پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر۔

فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ

پھر کوئی تھا کہ اس پر بھیجا پتھراؤ باؤ سے۔ اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے۔

وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا

اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسایا ہم نے زمین میں۔ اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبو دیا اور

كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۰﴾

اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے۔ پر تھے وہ اپنا آپ برا کرتے۔

## قصہ پنجم۔ مشتمل بر ذکر اجمالی عاد و ثمود و قارون و فرعون و ہامان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَعَادًا وَّثَمُودَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَٰكِنِهِمْ ... الٰی ... وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۰﴾﴾

یہ پانچواں قصہ ہے جو اجمالی طور پر عاد اور ثمود اور قارون اور فرعون اور ہامان کے ذکر پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے ان پانچ سرکشوں کا ذکر کر کے ایک جملہ میں اجمالاً سب کی سزا کو بیان کر دیا ﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنۢبِهِۦ﴾ ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا ۔اور بتلا دیا کہ یہ ازلی بدنصیب تھے ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہی لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق سزا دی اور ہلاک کیا ان آیات میں ان سرکشوں کی سزاؤں کا اجمالاً ذکر کیا۔ تفصیل نہیں کی اس لیے کہ تفصیل دوسری جگہ گذر چکی ہے۔

اور ہم نے قوم عاد کو اور ثمود کو بھی اسی تکذیب اور عناد کے جرم میں ہلاک کیا اور ان کی یہ تباہی اور بربادی ان کے مکانوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ اجاڑ اور کھنڈر پڑے ہیں جن کو تم یمن آتے جاتے دیکھتے ہو اور ان کھنڈروں سے آثارِ عذاب محسوس کرتے ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان نے ان کے اعمال کو یعنی کفر اور تکذیب کو ان کی نظر میں آراستہ کر دیا تھا حالانکہ وہ لوگ دنیا کے کام میں بڑے ہوشیار تھے اور اپنے نزدیک بڑے عقل مند تھے مگر شیطان نے ان پر ایسا جادو کیا کہ پیغمبروں کی معقول باتیں تو ان کی سمجھ میں نہ آئیں اور شیطان کے جال اور فریب میں پھنس گئے۔

اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کیا اور یہ اسی کے مستحق تھے اس لیے کہ البتہ تحقیق موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس روشن دلائل اور واضح واضح حجتیں اور کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے جن میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہ تھی پس ان لوگوں نے زمین میں رہتے ہوئے بڑے بننے کی کوشش کی اور آسمانی حکم کا اپنی فانی اور مجازی قوت اور طاقت سے مقابلہ کیا اور چاہا کہ اللہ سے سبقت لے جائیں اور نہیں تھے یہ حکم الٰہی پر سبقت لے جانے والے بلکہ حکم الٰہی ان پر جاری ہوا پس ان میں سے ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ اور جرم کے سبب پکڑا اور کوئی ہماری گرفت سے نکل نہ سکا۔ پس ان میں سے بعض پر تو ہم نے پتھراؤ کیا جیسے قوم لوط۔ اور ان میں سے بعض کو سخت آواز سے پکڑا جیسے قومِ ثمود جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے جیسے کتوں کو سخت آواز سے زجر کیا جاتا ہے اسی طرح ان سنگدلوں کو سگانِ دُنیا کی طرح سخت آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور بعضوں کو زلزلہ سے ہلاک کیا گیا جن کو اپنی سنگین عمارتوں پر فخر تھا۔ اور بعضوں کو یعنی قوم عاد کو ہوا سے ہلاک اور ریزہ ریزہ کیا گیا جو ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۱۵) کا نعرہ لگاتے تھے کہ تم ہوا کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان میں سے بعض کو زمین میں دھنسا یا جیسے قارون جسے اپنے خزینوں اور دفینوں پر فخر تھا کہ اس کے خزینے زمین میں مدفون ہیں اور اس کو مع اس کے خزانوں کے زمین میں دفن کر دیا اور ان میں سے بعض کو غرق کیا۔ جیسے قوم نوح اور فرعون جو کفر میں غرق تھے۔ فرعون بطور فخر یہ کہا کرتا تھا ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ﴾ (الزخرف: ۵۱) اس کو اسی کی قابل فخر نہر میں غرق کر دیا گیا۔ پس ان قوموں کی دُنیا اور آخرت دونوں ہی تباہ اور برباد ہوئیں اور ممکن نہیں کہ اللہ کسی پر ظلم کرے ولیکن یہ لوگ خود ہی ایسے تھے کہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے اور کفر و معصیت کر کے خود ہی اپنے آپ کو تیر عذاب کا نشانہ بنا رہے تھے۔

## رباعی

اے کہ حکم شرع رارد میکنی — راہِ باطل میروی بد میکنی
چوں تو بد کردی بدی یابی جزاء — پس بد یہا جملہ باخود میکنی

| |
|---|
| مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ |
| کہاوت اُن کی جنھوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی، کہاوت مکڑی کی۔ |
| اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا |
| بنا لیا اس نے ایک گھر۔ اور سب گھروں میں بودا، سو مکڑی کا گھر۔ اگر ان کو |

| |
|---|
| يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ |
| سمجھ ہوتی۔ اللہ جانتا ہے جس کو پکارتے ہیں اس کے سوا کوئی چیز ہو۔ اور |
| هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا |
| وہ زبردست ہے حکمتوں والا۔ اور یہ کہاوتیں بٹھاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے۔ اور ان |
| يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ |
| کو بوجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے۔ اللہ نے بنائے آسمان و زمین جیسے چاہئیں۔ |
| اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ ع |
| اس میں پتہ ہے یقین لانے والوں کو۔ |

ع ۴ ۱۴ ۱۶

## ابطال شرک واثبات توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ... الی ... اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ ان ظالموں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور کفر اور شرک میں مبتلا ہوئے اور مورد عذاب الٰہی بنے۔ اب ان آیات میں ان کے ظلم کی تشریح کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی مثال جو بت پرستی کرتے ہیں مکڑی کی سی ہے جس کا گھر بہت بودا ہوتا ہے مکڑی کی طرح یہ بھی اپنے اعتقاد کا تانا بانا بنتے ہیں جو محض لغو ہے۔

**(یا یوں کہو)** کہ ان ظالموں نے جس دین کو اپنا قلعہ اور حصن حصین سمجھا ہوا ہے اس کی حقیقت مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: مثال ان لوگوں کی جنہوں نے خدا کے سوا اپنے کارساز اور حمایتی ٹھہرائے ہیں۔ اور ان کو اپنی مرادیں پوری کرنے والا سمجھتے ہیں مثل مکڑی کے ہے کہ جو ایک گھر بنا لیتی ہے اور وہ اس کو اپنا گھر سمجھتی ہے جس کی حقیقت ایک تنا ہوا جالا ہوتی ہے اور بلاشبہ تمام گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ اسی طرح جو لوگ بتوں کو اپنی پناہ گاہ سمجھے ہوئے ہیں اور اپنا محافظ اور نگہبان جانے ہوئے ہیں یہ پناہ مکڑی کے گھر کے مشابہ ہے کہ جو ذرا ہوا لگنے سے ہوا ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ مکڑی کا گھر غایت درجہ ضعیف ہے اور بے فائدہ اور بے کار ہے اسی طرح یہ بت نہ ان کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی پناہ اور سہارا دے سکتے ہیں مکڑی کا گھر نہ سردی سے بچا سکتا ہے اور نہ گرمی سے۔ ان بتوں کا سہارا ڈھونڈنا ایسا ہے جیسا کہ مکڑی کے گھر کا سہارا ڈھونڈنا۔ پس جس شخص نے بتوں پر اعتماد کیا اس کا حال اس مکڑی کے مشابہ ہے کہ جس نے اپنے تانے ہوئے جالے کے گھر پر اعتماد کیا۔

حکماء کا قول ہے کہ مکڑی کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں اور اس کے اندر ایک زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے اور زہر عنکبوت آدمی کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اسی طرح مشرکین ہر طرف دوڑتے ہیں اور ان کی نظریں چکا چوند رہتی ہیں اور اندر شرک کا زہریلا مادہ ہوتا ہے

جو ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

کاش یہ کافر جانتے کہ ان کا دین مکڑی کے جالے کے مشابہ ناپائیدار اور ذلیل وخوار ہے اور بے حقیقت اور بے مقدار ہے اگر مشرکین کو کچھ بھی سمجھ بُوجھ ہوتی اور یہ جان لیتے کہ ہمارا دین مکڑی کے گھر کی طرح بے بنیاد ہے تو کبھی اس دین کو اختیار نہ کرتے۔ غرض یہ کہ کچھ نہیں جانتے بے شک اللہ ہی خوب جانتا ہے ان چیزوں کی حقیقت کو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اور اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے اور کمال عزت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے۔ عزیز اور حکیم کو چھوڑ کر ضعیف اور ناتواں کو سہارا بنانا کمال ابلہی ہے۔

اور یہ مثالیں ہم ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے بیان کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ان مثالوں کو مگر علم والے اور سمجھ والے ان بت پرستوں کو چاہیے کہ ایک طرف تو اپنے بتوں کی کمزوری بلکہ مجبوری اور لاچاری پر نظر کریں اور دوسری طرف اللہ کی قدرت اور قوت پر نظر کریں کہ اللہ نے آسمان اور زمین بنائے نہایت حکمت کے ساتھ جو اس کی کمالِ قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔ بیشک اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی دلیل ہے اس لیے کہ آسمان وزمین کی پیدائش میں خدا کا کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا لائق پرستش وہی ذات ہے کہ جو آسمان وزمین کی خالق ہے پس تم کو جو حاجتیں مانگنی ہوں وہ آسمان وزمین کے خالق سے مانگو۔

**الحمد للہ** بیسویں سپارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى

تو پڑھ جو اُتری تیری طرف کتاب اور کھڑی رکھ نماز بے شک نماز روکتی ہے

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا

بے حیائی سے اور بری بات سے اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی اور اللہ کو خبر ہے جو

تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ

کرتے ہو اور جھگڑا نہ کرو کتاب والوں سے مگر اس طرح جو بہتر ہو

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ

مگر جو اُن میں بے انصاف ہیں اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اُترا ہم کو اور اُترا

اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ كَذٰلِكَ

تم کو اور بندگی ہماری تمہاری ایک کو ہے اور ہم اُسی کے حکم پر ہیں اور ویسے ہی

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ

ہم نے اُتاری تجھ پر کتاب سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو مانتے ہیں اور

مِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

ان لوگوں میں بھی بعضے ہیں کہ اس کو مانتے ہیں اور منکر وہی ہیں ہماری باتوں سے جو بے حکم ہیں

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا

اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تو البتہ

لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ

شبہ کھاتے یہ جھوٹے بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف سینے میں اُن کے جن کو

اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ

ملی ہے سمجھ اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں

عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ

اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب سے تو کہہ نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کے اور میں تو یہی سنا دینے والا ہوں

مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ

کھول کر کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر اُتاری کتاب کہ اُن پر پڑھی جاتی ہے؟

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ ۵ع۱

بیشک اس میں مہر ہے اور سمجھانا اُن لوگوں کو جو مانتے ہیں تو کہہ بس ہے اللہ

بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ

میرے تمہارے بیچ گواہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور جو لوگ

اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ

یقین لائے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے انہی کا بڑا ہونا ہے اور شتاب مانگتے ہیں تجھ سے

بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ

آفت اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہر رہا تو آ پہنچتی اُن پر آفت اور آوے گی اُن پر

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ

اچانک، اُن کو خبر نہ ہو گی۔ شتاب مانگتے ہیں تجھ سے عذاب اور دوزخ

لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ

گھیر رہی ہے منکروں کو جس دن گھیرے گا ان کو عذاب اوپر سے اور

تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

پاؤں کے نیچے سے اور کہے گا چکھو جیسا کچھ کرتے تھے۔

## اثبات رسالت محمدیہ وازالۂ شکوک وشبہات منکرین نبوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ... الٰی ... ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں توحید کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع کیا بالآخروہ منکرین ہلاک ہوئے۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور منکرین رسالت کے بعض شبہات کا جواب دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کیجیے جو توحید کے مضامین پر اور گذشتہ امتوں کے حال اور مآل پر مشتمل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عظیم معجزہ ہے عجب نہیں کہ آیاتِ خداوندی کے انوار و برکات سے ان کی ظلمتیں دور ہو جائیں اور نماز کو قائم کیجیے نماز ایک عجیب عبادت ہے جو فحشاء اور منکر کے دور کرنے میں تریاق کا حکم رکھتی ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تلاوتِ قرآن کا حکم دیا کہ بغیر اللہ کا حکم سنے کیسے راہ یاب ہو سکتے ہیں اور پھر نماز کا حکم دیا جو خشوع اور خضوع کی تصویر ہے بعد ازاں ذکرِ الٰہی کا حکم دیا جو نماز کی اور تمام اعمالِ صالحہ کی روح ہے بلکہ تمام عالم کی روح ہے جب تک دُنیا میں اللہ کا نام باقی ہے اس وقت تک دُنیا قائم ہے بعد ازاں اہل کتاب سے مناظرہ اور مجادلہ کا طریقہ بتایا کہ ان کو حسنِ اسلوب سے حق کی دعوت دیجیے اس لیے کہ علماء اہلِ کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی گذشتہ پیغمبروں نے خبر دی ہے اور جو کتابِ ہدایت و حکمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کافی اور شافی دلیل ہے یہ بات لوگوں کے سامنے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی ہیں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے مگر علم و حکمت کا چشمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جاری ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ علم من جانب اللہ ہے ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم: ۳، ۴) اس حجت واضحہ کے بعد بھی اگر معاندین ایمان نہ لائیں تو وہ اپنے انجام کو سوچ لیں۔

اس لیے اب آئندہ آیات میں اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ان منکرین کے عناد اور تکبر کی پروانہ کیجیے اور ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو جائیے جو کتابِ ہدایت اللہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس کی تلاوت کرتے رہیے خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی سنائیے اور اقامت صلوٰۃ میں لگے رہیے اور کسی وقت اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہوئیے خطابات تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہیں مگر مقصود امت کو سنانا ہے۔

**(یا یوں کہو)** کہ گذشتہ آیات میں کفار کے احوال کو بیان کیا۔ اب ان آیات میں مؤمنین کا بیان شروع ہوتا ہے اور ان کو ہدایتیں اور نصیحتیں کی جاتی ہیں کہ اے اہل ایمان تمہارے لیے تین چیزیں بہت ضروری ہیں۔

① تلاوت قرآن۔ ② اقامت صلوٰۃ۔ ③ ذکر اللہ۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان متکبرین اور ظالمین کے اعراض اور انکار کی پرواہ نہ کیجیے آپ برابر دعوت اور تبلیغ رسالت میں لگے رہیے اور جو کتاب بذریعہ وحی کے آپ کے پاس بھیجی گئی ہے اس کتاب کو آپ خود بھی پڑھیے تاکہ ① پیغام خداوندی کی مسلسل تبلیغ ہوتی رہے اور ② اس کی بار بار تلاوت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا مزید قرب حاصل ہو قرآن کریم تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور ③ آپ کے قلب کو قوت حاصل ہو اور ⑤ بار بار پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیش از بیش کلام الٰہی کے اسرار اور معارف منکشف

ہوں نیز ⑤ قرآن کریم میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی دعوت اور تبلیغ کا اور ان کی اُمتوں کی تکذیب اور ایذاء رسانیوں کا ذکر ہے ان کے بار بار پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہوگی اور دنیا کی بے ثباتی بار بار آپ کی نظروں کے سامنے آتی رہے گی اور علیٰ ہذا یہ کتاب دوسروں کو بھی پڑھ کر سنایئے تاکہ لوگ اس کو سن کر ہدایت پاویں اور نصیحت پکڑیں اور معاندین پر اللہ کی حجت پوری ہو کیونکہ یہ کتاب مستطاب اللہ کی نازل فرمودہ کتاب ہے جو دلائل توحید اور دلائلِ نبوت اور براہین پر مشتمل ہے اور اصولِ دین اور احکام شریعت اور مکارم اخلاق اور محاسنِ آداب کی حاوی اور ہادی ہے کیمیاء سعادت اور کلید ہدایت ہے اور اگر یہ متکبرین [1] اس کو نہیں سمجھتے تو اہل علم اور اہل فہم اس کو سمجھ لیں گے۔

غرض یہ کہ اس آیت میں ﴿اُتْلُ﴾ سے مطلق تلاوت مراد ہے جو خود پڑھنے کو اور دوسروں کے سامنے پڑھنے کو بھی شامل ہے اسی لیے اس آیت میں ﴿اُتْلُ عَلَيْهِمْ﴾ نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مطلق تلاوت کا حکم ہے خواہ خود تلاوت کریں یا دوسروں کے سامنے تلاوت کریں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان متکبرین اور معرضین سے اعراض فرمایئے اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جایئے اور نماز کو قائم کیجیے جو افضل ترین عبادت ہے اور تمام عبادات قولیہ اور فعلیہ کا لُبِ لباب اور عطر ہے اور تسبیح اور تحمید اور تلاوت قرآن اور آداب عبودیت قیام اور رکوع اور سجود پر مشتمل ہے ابتداء نماز میں بصد خشوع وخضوع خدا کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا ہے اور اخیر نماز میں دو زانو خدا کے سامنے بیٹھنا اور مانگنا ہے اور بلاشبہ نماز جیسی عظیم عبادت بشرطیکہ وہ اپنے شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کی جائے اور حقیقتاً وہ صحیح نماز ہو تو ایسی نماز بلاشبہ بے حیائی سے اور ہر ناپسندیدہ فعل سے روکتی اور باز رکھتی ہے جو شخص نماز پر مداومت کرے گا تو ایک نہ ایک دن نماز اس کو کھینچ کر ترک معاصی وسیأات کی طرف لے جائے گی جتنا نماز سے قریب ہوتا جائے گا اتنا ہی فحشاء اور منکر سے بعید ہوتا جائے گا کیونکہ نماز مقام مناجات ہے اور محل ادب ہے اور از اوّل تا آخر اللہ کی عظمت اور محبت اور عبودیت کے اقرار اور اعتراف پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ایسے اقرار واعتراف کے بعد فحشاء اور منکر کا ارتکاب اپنے سابق اقرار واعتراف کی تکذیب کے مترادف ہے اور علاوہ ازیں نماز کی حقیقت اور صورت از اول تا آخر ذکر الٰہی ہے۔

اور اللہ کا ذکر اور اس کی یاد سب سے برتر اور بڑھ کر ہے قلب کی ظلمتوں اور کدورتوں اور نجاستوں کے ازالہ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی دوا نہیں اور ذکر الٰہی نماز کا رکن اعظم ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾﴾ (الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵) بلکہ تمام اعمالِ صالحہ کی روح ہے اب آگے طاعت کی ترغیب اور معصیت سے ترہیب کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو جیسا کرو گے اس کے مطابق جزا ملے گی آیت ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ کی تفسیر میں جو تقریر کی گئی اس سے وہ شبہ دُور ہو گیا کہ جو لوگ کیا کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ باوجود یہ کہ نماز کے پابند ہیں مگر پھر بھی بُرے کاموں کے مرتکب ہیں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں نماز کی خاصیت بیان کی ہے جیسے اطباء بیان کرتے ہیں کہ فلاں دوا کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے بخار رک جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ دوا اپنے صحیح اور پورے اجزاء پر مشتمل ہو تو اس دوا کا استعمال بخار کے روکنے میں مؤثر ہوتا ہے بشرطیکہ ایک خاص مدت تک اس دوا کا استعمال جاری رکھا جائے اور اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز استعمال نہ کی

---

[1] یہ عبارت اس لیے لکھی گئی تاکہ اس آیت کا گذشتہ آیت ﴿وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ سے ربط ظاہر ہو جائے۔ ۱۲

جائے جس کی خاصیت اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایک خوراک پینے ہی سے بخار رک جائے گا۔

تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ دوا کی تاثیر جب ہوتی ہے کہ جب نسخہ کے تمام اجزاء اصلی ہوں نقلی نہ ہوں اور ایک خاص مقدار کے ساتھ خاص مدت تک پابندی کے ساتھ نسخہ کا استعمال کیا جائے تب دوا کا اثر ظاہر ہوگا اور اس کے ساتھ یہ بھی التزام رکھا جائے کہ کوئی چیز ایسی استعمال نہ کی جائے کہ جس کی خاصیت دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔

اسی طرح سمجھو کہ طبیب روحانی نے تمہاری روحانی بیماریوں کے لیے نماز کا نسخہ جو تجویز کیا ہے اس کو پورے اجزاء اور صحیح اجزاء یعنی خشوع اور خضوع اور آدابِ عبودیت کے ساتھ ایک مدت تک استعمال کرو اور جو چیزیں روح کے لیے سمِ قاتل کا حکم رکھتی ہیں ان سے پرہیز رکھو اور نماز میں فقط ظاہری طور پر قیام اور رکوع اور سجود کر لینا یہ نماز کی حقیقت نہیں بلکہ نماز کی ظاہری صورت ہے اور ظاہر ہے کہ دوا کا نام اور اس کی محض ظاہری صورت بیماری کو دُور نہیں کر سکتی اور نماز کی روح اللہ کا ذکر اور اس کی یاد ہے جب تک نماز میں اللہ کا جلال اور اس کی عظمت مستحضر نہ ہو وہ نماز بے جان ہے اس لیے امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ صلوٰۃ سے مطلق نماز مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ جو شرعاً صحیح ہو اور عند اللہ قابلِ قبول ہو اور نماز کے لیے شرط ہے کہ کپڑے پاک صاف ہوں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ (المدثر: ۴) اسی طرح ضروری ہے کہ نمازی کا باطنی لباس یعنی لباس تقویٰ بھی طاہر و مطہر اور نظیف ہو اور اس پر فحشاء و منکر کی نجاست اور گندگی لگی ہوئی نہ ہو اور جب اللہ اکبر کہہ کر نماز کے لیے کھڑا ہو تو دل سے یہ سمجھتا ہو کہ میں دربار خداوندی میں احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہوں معاذ اللہ میں بھنگی نہیں ہوں کہ جو بیت الخلاء کی نجاستوں کو اپنی بالٹی میں جمع کرتا ہے پس جو شخص نماز کی حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لے گا تو وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد فحشاء اور منکر کی جانب جانے سے ایسی ہی نفرت کرے گا جیسا کہ ایک عاقل شہنشاہ کے دربار سے نکلنے کے بعد بیت الخلاء اور کوڑی کے دیکھنے سے بھی نفرت کرتا ہے۔

غرض یہ کہ ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ میں صلاۃ سے مطلق صلاۃ مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ شرعاً صحیح ہو اور آدابِ عبودیت اور شروط ظاہری اور باطنی کی جامع ہو بلاشبہ ایسی نماز کا اثر یہ ہے کہ فی الحال یا فی المآل بدیر یا بسویر فحشاء اور منکر سے ضرور روک دے گی حق جل شانہٗ نے اس آیت میں تین باتوں کا ذکر فرمایا ایک تلاوت کتاب کا اور ایک اقامت صلاۃ کا اور پھر ذکر اللہ کا اور ذکر اللہ کی متعلق ارشاد فرمایا کہ ذکر الٰہی سب سے بڑھ کر ہے جس سے اللہ کی کمال عظمت اور کمال محبت کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ﴾ (البقرہ: ۲۰۰) یعنی جس طرح عظمت اور محبت کے ساتھ تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے ہو اسی طرح عظمت اور محبت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرو بلکہ اس سے بڑھ کر۔ (دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی ص ۵۳۲ ج ۵)

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص رات میں نماز پڑھتا ہے اور دن میں چوری کرتا ہے اور برے کام کرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب نماز اس کو اس چیز سے روک دے گی جو تو کہہ رہا ہے۔ چنانچہ کچھ روز نہ گذرے تھے کہ اس شخص نے توبہ کی اور اس کا حال درست ہوگیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۷ ۳۴ ج ۱۳)

مطلب یہ تھا کہ یہ ضروری نہیں کہ دوا پیتے ہی شفاء ہو جائے بعض مرتبہ کچھ عرصہ بعد بیماری کا ازالہ ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دوا کا استعمال نہ چھوڑے اگرچہ بد پرہیزی بھی کرتا رہے۔

**فائدہ:** جاننا چاہیے کہ ہر عمل کی ایک خاص خاصیت ہوتی ہے قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جو دل کو منور کرتا ہے اور دل سے جہالت کی ظلمت کو دُور کرتا ہے اور نماز دل میں اللہ کی محبت اور عظمت پیدا کرتی ہے اور معصیت سے تنفر اور بیزار کرتی ہے جس کا ثمرہ قربِ الٰہی ہے اور ذکرِ الٰہی دل سے اللہ کی غفلت کو دُور کرتا ہے اور دل کی اصل بیماری خدا تعالیٰ سے غفلت ہے۔

**ربط:** گذشتہ آیات میں اہلِ شرک سے مجادلہ کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں اہلِ کتاب سے مجادلہ کا ذکر فرماتے ہیں اور اصل قابلِ مجادلہ اہل کتاب ہیں جو اصل اور بنیاد تو رکھتے ہیں اور آسمانی کتاب اور پیغمبر برحق کے قائل ہیں برخلاف مشرکین اور مجوس کے کہ وہ اصل ہی سے باطل محض ہیں۔

اور اے مسلمانو! اگر اہل کتاب تمہاری کتاب کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کریں تو اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ اور مباحثہ نہ کرو مگر بطریق احسن یعنی اس طریقہ کے ساتھ کہ جو بہتر ہو دلائل اور براہین سے ان پر حق واضح کرو کیونکہ اہل کتاب فی الحال اگرچہ گمراہ ہیں مگر ایک اصل تو رکھتے ہیں آسمانی کتاب اور نبی برحق کے قائل ہیں بخلاف مشرکین اور مجوس کے کہ ان کی اصل بنیاد ہی غلط ہے وہ قابل مجادلہ اور مباحثہ نہیں۔ لہٰذا اہل کتاب سے مجادلہ میں نرمی برتو وہ اگر خشونت اور سختی کریں تو تم ان کے ساتھ نرمی کرو اور اگر وہ بدمزاجی کریں تو اس کے مقابلہ میں خوش خوئی کرو مطلب یہ ہے کہ گفتگو میں اہل کتاب کے ساتھ مشرکین کا سا معاملہ نہ کرو اس لیے کہ مشرکین کا دین اصل سے ہی غلط ہے اور اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا بعد میں بگڑا نیز اہل کتاب اہل علم ہیں کسی درجہ میں توحید کا اقرار کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے قائل ہیں مگر ان میں سے جو ضدی اور بے انصاف ہیں اور کھلے طور پر عناد پر اُترے ہوئے ہیں اگر ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرو اور ترکی بترکی اُن کو جواب دو تو ایسا کر سکتے ہو اور وہ طریقہ احسن یہ ہے کہ مثلاً تم ان سے یہ کہو کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائے کہ جو من جانب اللہ ہماری طرف اتاری گئی اور ہم ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو من جانب اللہ تم پر نازل کی گئیں کیونکہ مدار ایمان کا منزل من اللہ ہونا ہے پس جس طرح اللہ کی طرف سے توریت اور انجیل اور دیگر کتب سماویہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء سابقین علیہم السلام پر لوگوں کی ہدایت کے لیے اتریں اسی طرح سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ پر من جانب اللہ یہ قرآن نازل ہوا جو کتاب حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی وہ حرف بحرف حق تھی ان سب پر ہمارا ایمان ہے مگر وہ آسمانی کتابیں اب اپنی اصل صورت اور حقیقت پر باقی نہیں رہیں بکثرت ان میں تغیر و تبدل واقع ہوا اور بہت سی جھوٹی باتیں ان میں خلط ملط ہو گئیں جن کے معلوم ہونے کی اب کوئی صورت نہیں ہم موجودہ توریت و انجیل کی نہ تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب کرتے ہیں اور ہم صرف اس توریت و انجیل پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئی تھیں۔

پس جس دلیل سے تم توریت اور انجیل کو منزل من اللہ مانتے ہو اسی دلیل سے قرآن بھی منزل من اللہ ہے لہٰذا تم کو قرآن پر بھی ایمان لانا چاہیے اور اے مسلمانو! بوقت مباحثہ اہل کتاب سے یہ بھی کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان توحید الٰہی مسلم ہے اور تم تسلیم کرتے ہو کہ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے سو جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہے تو پھر تم حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہما السلام کو کیوں خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہو اور ہم تو اسی ایک خدائے برحق کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں جس کی وحدانیت تم کو بھی تسلیم ہے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ ایک ہی خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرو اور اپنی مسلمہ بات سے انحراف نہ کرو اور اے نبی جس طرح ہم نے آپ ﷺ سے پہلے رسولوں پر کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب (قرآن) اتاری جو تمام کتب سماویہ کا خلاصہ اور

لُبِ لباب اور تمام علوم ہدایت کا عطر ہے پس اس کتاب پر ایمان لانا درحقیقت تمام کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ہے اور اس کا انکار در پردہ تمام کتب الٰہیہ کا انکار ہے۔ پس جن لوگوں کو ہم نے توریت اور انجیل دی اور انہوں نے اپنی کتاب کو ٹھیک سمجھا اور ضدی اور عنادی نہیں وہ آپ والی کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ قرآن کریم علوم ہدایت میں توریت وانجیل سے بہت بلند ہے پس کیا وجہ ہے کہ ایسی لاجواب کتاب پر ایمان نہ لایا جائے۔

پس علماء اہل کتاب میں سے عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما جیسے تو فوراً اس قرآن پر ایمان لے آئے اور ان اہل عرب میں سے بھی بعضے ایسے ہیں جو اس کو مانتے ہیں اور ہماری اس کتاب کی آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ کہ جو بڑے سخت کافر ہیں اور ہٹ دھرمی پر اترے ہوتے ہیں جحود لغت میں اس انکار کو کہتے ہیں کہ جو ہٹ دھرمی کی بنا پر ہو اور اس کتاب کے کتاب الٰہی ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اے نبی آپ نزول قرآن سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے یعنی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا جانتے تھے اگر ایسا ہوتا تو ایسی صورت میں یہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے اور یہ کہتے کہ یہ تو لکھے پڑھے ہیں آسمانی کتابوں کو دیکھ کر یہ مضامین بیان کرتے ہیں اور جب سب کو معلوم ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی ہیں تو اب اس کے کہنے کی بھی گنجائش نہ رہی بجز اس کے کہ یہ کتاب وحی الٰہی اور منزل من السماء ہے کسی بندہ کی بنائی ہوئی اور لکھی ہوئی نہیں۔

غرض یہ کہ اس قرآن کے بارہ میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں بلکہ یہ قرآن تو کتاب الٰہی کی روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں بالفرض اگر دنیا کے تمام قرآن گم ہو جائیں تو ہر شہر میں حافظوں کے سینوں سے دوبارہ لکھا جا سکتا ہے اسی وجہ سے اس اُمت کے اوصاف میں یہ آیا ہے صدورھم اناجیلھم یعنی ان کے سینے ہی ان کی انجیل ہوں گے یعنی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوگی وہ اس امت کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور ہر حافظ کا سینہ ہی انجیل ہوگا۔ چنانچہ زمین کے ہر خطہ میں اس کے بے شمار حافظ موجود ہیں اور پورا قرآن لفظ بلفظ ان کے سینوں میں محفوظ ہے اور توریت وانجیل کے تو کسی ایک باب کا بھی آج تک روئے زمین پر کوئی کچا پکا حافظ بھی نہیں ہوا چودہ سو سال سے اب تک قرآن کے الفاظ اور معنی حفاظ اور قراء اور علماء کے سینوں میں محفوظ چلے آرہے ہیں جو چیز کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ پانی سے اس کے حروف دُھل جائیں یا مٹ جائیں یا آگ سے جل جائیں لیکن جو چیز ہزاروں اور لاکھوں سینوں میں محفوظ ہو اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں علماء اہل کتاب میں کچھ ہمت ہے تو روئے زمین پر توریت وانجیل کا ایک ہی کچا پکا حافظ دنیا کے سامنے پیش کریں قرآن تو حافظوں کے سینوں میں محفوظ ہے یہود اور نصاریٰ بتلائیں کہ توریت وانجیل کس کے سینہ میں محفوظ ہے بالفرض والتقدیر اگر صفحہ ہستی سے توریت کے تمام نسخے اور قرآن مجید کے تمام نسخے گم ہو جائیں تو مسلمان تو اپنا قرآن حافظوں کے سینوں سے دوبارہ کتابت کر کے شائع کر دیں گے اور یہود اور نصاریٰ کس سینہ سے توریت اور انجیل لکھوا کر شائع کریں گے۔

پس یہ قرآن بارگاہِ الٰہی سے نازل ہوا ہے معاذ اللہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا نہیں اور ہماری نازل کردہ آیتوں کا نہیں انکار کرتے مگر وہی لوگ کہ جو بڑے بے انصاف اور ہٹ دھرم ہیں یہاں تک اہل کتاب کے ساتھ بطریق احسن مجادلہ تھا اور ان کے ظلم اور عناد کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ یہ ظالم ہٹ دھرمی سے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے وہ نشان

کیوں نہیں اتارے گئے جو پہلے پیغمبروں پر اتارے گئے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء کا نشان دیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص کا معجزہ دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں جس نے اپنی حکمت سے ان کو انبیاء علیہم السلام میں تقسیم کیا جیسے رزق کو اپنی حکمت سے بندوں میں تقسیم کیا ہر نبی کو ایک خاص نشان دیا جو دوسرے نبی کو نہیں دیا ورنہ یہ باطل پرست یہ کہتے کہ ایک ہی سحر ہے جو بطور میراث مسلسل چلا آ رہا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے بہت سے معجزات مجھ کو عطا کیے کہ جو انبیاء سابقین علیہم السلام کو عطا نہیں ہوئے مثلاً شق قمر اور تسلیم شجر و حجر وغیرہ وغیرہ جن کی تفصیل کتب حدیث میں مذکور ہے۔

غرض یہ کہ اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان معاندین سے یہ کہہ دیجیے کہ معجزات اور نشانات میرے قبضۂ قدرت میں نہیں وہ سب کے سب اللہ کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا اور حق کو ظاہر کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی صداقت کے لیے نشان دکھلائے ہیں اور میری صداقت کے لیے بھی بہت سے نشان دکھلائے ہیں اور کیا منکرین کے لیے یہ نشان کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب مستطاب نازل کی جو دن رات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے جس کا اعجاز روز روشن کی طرح واضح ہے عرب اور عجم اس کی ایک آیت کا مثل لانے سے عاجز رہے اور یہ نشان تو قیامت تک باقی رہے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی یہ نشانی تو دائمی ہے کیا یہ نشان ان کے لیے کافی نہیں اس سے بڑھ کر اور کیا نشان ہوگا۔

بے شک اس کتابِ معجز میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب پر ایمان لائے ہیں جو اس کا اتباع کرے گا وہ اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں سے بہرہ ور ہوگا اور یہ کتاب سرتاپا نصیحت ہے بُری باتوں سے منع کرتی ہے اور اگر کسی بدبخت کو یہ کتابِ ہدایت سراپا نصیحت کافی نہ ہو تو پھر اس کے لیے کوئی معجزہ کافی نہیں ہوسکتا اور اے نبی اگر یہ منکرین نبوت اس کتاب معجز کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثابت کرنے کے لیے کافی نہ سمجھیں تو ان سے کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری رسالت کا گواہ ہونے کے لیے بس اللہ کافی ہے وہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے پس جس ذات نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اس پر میری رسالت پوشیدہ نہیں اس نے میری رسالت پر ہزارہا دلائل قائم کیے وہ سب من جانب اللہ میری نبوت کے گواہ ہیں اور وہ خوب جانتا ہے کہ تم حق بات کا انکار کرتے ہو اور باطل کا اقرار کرتے ہو اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ سے منکر ہوئے ایسے ہی لوگ خسارہ میں پڑنے والے ہیں کہ انہوں نے حق کے بدلہ میں باطل کو اختیار کیا اور اب ان کی بے باکی کا یہ عالم ہے کہ اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں تو یہ لوگ بطور تکذیب واستہزاء آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جس عذاب سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں وہ ابھی لے آؤ دیکھیں وہ کیسا عذاب ہے اور کہتے ہیں ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (الانفال: ۳۲) یعنی یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! اگر یہ دین اور یہ قرآن تیرے پاس سے ہے اور حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا اور کوئی دردناک عذاب نازل فرما۔ اس طرح اللہ کے عذاب کا استہزاء اور تمسخر یہ بھی ان کے خسران کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور اگر ان کے عذاب کی میعاد مقرر نہ ہوتی تو ابھی ان کو عذاب آ پہنچتا لیکن خدا تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت معین ہے وہ اپنے وقت پر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وقت موعود تک مہلت دیتا ہے اور گھبرائیں نہیں وہ عذاب ان پر اچانک آئے گا اور ان کو اس کی آمد کی خبر بھی نہ ہوگی اور یہ بے شعور اور بے عقل اپنی جہالت اور حماقت سے آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں تو اپنے منکرین پر فوراً عذاب لے آئیے اور اس میں شک نہیں کہ دوزخ کافروں کو

اپنے احاطہ اور گھیرے میں لیے ہوئے ہے دُنیا میں کفر کے اسباب ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور آخرت میں تو اس کا مشاہدہ ہو جائے گا کہ کافروں کو عذاب کس طرح اپنے گھیرے میں لیتا ہے جس دن وہ عذاب ان کے سروں کے اُوپر سے بھی ان کو گھیرے گا اور پیروں کے نیچے سے بھی گھیرے گا جو لوگ ملائکہ اور کواکب اور ارواح کی پرستش کرتے تھے ان پر اوپر سے عذاب آئے گا اور جو لوگ شجرو حجر کی پرستش کرتے تھے اور سفلی خواہشوں میں گرفتار تھے ان پر نیچے سے عذاب آئے گا اور اللہ تعالیٰ خود یا فرشتہ کے ذریعہ دوزخیوں سے کہے گا چکھو مزہ اس چیز کا جو تم دُنیا میں کرتے تھے دنیا میں تم نے جو کفر کیا تھا ابھی تک تم نے اس کا مزہ نہ چکھا تھا۔ اب چکھ لو کہ کفر ایسا ہوتا ہے اور یہ وہی عذاب ہے جس کو دنیا میں جلد طلب کر رہے تھے۔

## لطائف ومعارف

گزشتہ آیات میں یہ بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اُمی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اہلِ کتاب حضور پُرنور ﷺ کے اُمّی ہونے کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ تعلیم یافتہ اور لکھے اور پڑھے تھے۔

**جواب** یہ کہ اچھا اگر ایسا ہے تو آپ تاریخی حیثیت سے اس استاد اور معلّم کا نام بتلائیے کہ جس نے آپ ﷺ کو ان علوم و معارف کی تعلیم دی جن سے قرآن اور حدیث بھرا پڑا ہے۔

① عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ چار دانگ عالم میں محمد رسول اللہ ﷺ کے علم اور حکمت کا توڈنکا بج جائے اور جس فاضل اور کامل استاد نے آپ ﷺ کو یہ علوم سکھائے اس کو دُنیا تو کیا جانے وہ دشمن بھی نہ جان سکے جو آپ ﷺ کے ہمعصر تھے اور آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ پر یہ طعن کرتے تھے کہ آپ یہ باتیں کسی سے سیکھ کر آتے ہیں تعلیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ متعلم معلم کے پاس بار بار حاضر ہو اور پابندی کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے اور ظاہر ہے کہ اس کے لیے ایک مدت مدید چاہیے مقام حیرت ہے کہ اہلِ مکہ کو ساری عمر اس کا پتہ نہ چلا کہ آپ ﷺ کس سے یہ علم حاصل کر کے آتے ہیں اور مجلس میں آکر اپنی وحی کہہ کر سناتے رہتے ہیں آخر مکہ میں وہ کون سا پوشیدہ مکان یا تہ خانہ تھا جس میں آپ نے جا کر اور چھپ کر تعلیم پائی جس کا ساری عمر ابوجہل اور ابولہب اور امیہ بن خلف کو پتہ نہ چلا اور نہ اس راستہ کا کسی کو علم ہوا کہ آپ فلاں راستہ اور فلاں گلی کوچہ سے فلاں شخص کے پاس فلاں وقت علم سیکھنے جاتے ہیں اور نہ یہ پتہ چلا کہ اس زمین دوز تہ خانہ میں کون سا فاضل چھپا بیٹھا ہے جو آپ ﷺ کو تنہائی میں یہ عجیب وغریب علوم سکھا دیتا ہے اور خود اس تہ خانہ سے باہر قدم نہیں نکالتا اور نہ سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی کو اس تہ خانہ کے اندر قدم رکھنے کی اجازت دیتا ہے آخر وہ معلم کہاں چھپا ہوا تھا کہ ساری عمر کسی نے اس کی صورت نہ دیکھی۔

② اور اگر بالفرض اس فاضل معلم نے کسی مصلحت سے اپنے آپ کو مکہ کے کسی خانہ یا تہ خانہ میں رکھا تو اہلِ مکہ کو کیا ہوا کہ ہلّہ بول کر اس کے مکان میں گھس جاتے اور اس سے کہتے کہ آپ تشریف لائیے غرض یہ کہ ایسے فاضل استاد کا جس نے بزعم دشمنانِ اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کو تعلیم دی ہو تاریخ عالم میں نام ونشان نہ ملنا سراسر خلافِ عقل ہے۔

③ پھر یہ کہ جس معلم نے آپ ﷺ کو اوّلین اور آخرین کے علوم کی اور توریت اور انجیل کی باتیں اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعتوں کی تعلیم دی لامحالہ اس کے پاس بڑا اعظیم کتب خانہ بھی ہوگا نہ معلوم وہ کتب خانہ مکہ کے کس مکان میں چھپا ہوا تھا جس کا آج تک کسی کو

پتہ نہیں چلا۔

④ نیز اس معلم کو کیا داعی پیش آیا جس سے ساری عمر اس نے اپنی تعلیم کو مخفی رکھا اور کسی متنفس پر یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ محمد ﷺ مجھ سے تعلیم پاتے ہیں اور میرے شاگرد ہیں فضلاء ہمیشہ اس پر فخر کرتے آئے کہ فلاں اور فلاں نے مجھ سے علم حاصل کیا ہے اس معلم نے کبھی اس پر فخر نہ کیا کہ محمد صاحب میرے شاگرد ہیں اور کیا اس فاضل معلم کا کوئی اور شاگرد نہ تھا کہ جو برسر مجلس آپ سے یہ کہتا کہ آپ جو یہ کہتے ہیں کہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے غلط ہے یہ ساری باتیں آپ فلاں شخص سے سیکھ کر آئے ہیں۔

⑤ پھر یہ کہ وہ معلم اگر مشرکین میں سے تھا تو اس نے آپ ﷺ کو توحید کے علوم اور اس کے دلائل کی اور شرک کے ابطال اور اس کے دلائل کی اور مشرکین کی تحمیق اور تجہیل کی تعلیم کیسے دی جس سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے اور اگر وہ معلم یہود میں سے تھا تو اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی منقبت اور فضیلت کی اور ان کی والدہ مطہرہ مریم صدیقہ علیہا السلام کی براءت اور نزاہت اور طہارت کی کیسے تعلیم دی اور علماء یہود کو توریت کی تحریف پر کیسے ملامت کی اور ان کی غلط بیانیوں پر کیسے ان کو فضیحت کی اور اگر وہ معلم نصرانی تھا تو اس نے تثلیث اور حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کی الوہیت کے ابطال کی کیسے تعلیم دی اور حضرت مسیح کے قتل اور صلب کی تردید اور ان کے رفع الی السماء کی تعلیم کیسے دی۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ تاریخی حیثیت سے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمّی ہونا روزِ روشن کی طرح ایسا واضح ہے کہ جس میں ذرہ برابر انکار بلکہ تردّد کی بھی گنجائش نہیں۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

اے بندو میرے جو یقین لائے ہو میری زمین کشادہ ہے سو مجھی کو بندگی کرو

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

جو جی ہے سو چکھے گا موت پھر ہماری طرف پھر آؤ گے اور جو لوگ یقین لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کیے بھلے کام ان کو ہم جگہ دیں گے بہشت میں جھروکے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى

نہریں سدا رہیں ان میں خوب نیگ ملا کام والوں کا جو ٹھہرے رہے اور

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ

اپنے رب پر بھروسہ رکھا اور کتنے جانور ہیں جو اُٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی اللہ

يَرۡزُقُهَا وَ اِيَّاكُمۡ ۖ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۶۰﴾ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ

روزی دیتا ہے ان کو اور تم کو اور وہی ہے سننا جانتا اور جو تو لوگوں سے پوچھے کس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ۚ

بنائے آسمان و زمین اور کام لگائے سورج اور چاند تو کہیں اللہ نے

فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَ

پھر کہاں سے اُلٹ جاتے ہیں اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے بندوں میں اور

يَقۡدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۶۲﴾ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ

ماپ کر دیتا ہے جس کو چاہے بے شک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے اور جو تو پوچھے اُن سے کس نے

نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا لَيَقُوۡلُنَّ

اُتارا آسمان سے پانی پھر جلا دیا اُس سے زمین کو اس کے مرے پیچھے تو کہیں

اللّٰهُ ؕ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ع وَ مَا هٰذِهِ ع ۱۲/۶

اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں بوجھتے اور یہ

الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا لَهۡوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِىَ الۡحَيَوَانُ ۘ

دنیا کا جینا تو یہی ہے جی بہلانا اور کھیلنا اور پچھلا گھر جو ہے سو یہی ہے جینا

لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوۡا فِى الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ

اگر یہ سمجھ رکھتے پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو نرے

لَهُ الدِّيۡنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۵﴾ لا لِيَكۡفُرُوۡا

اسی پر رکھ کر نیت پھر جب بچا لایا ان کو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک پکڑنے مکرتے رہیں

بِمَآ اٰتَيۡنٰهُمۡ ۚۙ وَ لِيَتَمَتَّعُوۡا ۛ وقفة فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ اَوَ لَمۡ يَرَوۡا اَنَّا

ہمارے دیئے سے اور برتتے رہیں اب آگے جان لیں گے کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے

جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ اَفَبِالْبَاطِلِ

رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ اُچکے جاتے ہیں ان کے آس پاس سے کیا جھوٹ پر

يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا احسان نہیں مانتے اور اس سے بے انصاف کون جو باندھے

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۚ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

اللہ پر جھوٹ یا جھٹلا دے سچی بات کو جب اس تک پہنچے کیا دوزخ میں بسنے کی جگہ نہیں

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَ اِنَّ

منکروں کی اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سوجھاویں گے ان کو اپنی راہیں اور بے شک

اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے۔

ركوع ۷

## ترغیب ہجرت وذکر بقائے عالم آخرت وبیان حقارت دنیا وفناء وزوال او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ ... الٰى ... وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾﴾

**ربط:** جب کفار مکہ مسلمانوں کی ایذاء رسانی پر تل گئے اور مسلمانوں کو احکام اسلام بجالانا دشوار ہو گیا تو حکم نازل ہوا کہ مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائیں اور جہاں ارکان اسلام آزادی کے ساتھ ادا کر سکیں وہاں چلے جائیں کافروں کی زمین میں کافروں کے ساتھ رہنا درست نہیں۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اوّل حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر بعد چندے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس جگہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت نماز روزہ ممکن نہ ہو یا جس جگہ علی الاعلان اللہ تعالیٰ کی معصیت ہونے لگے اور اس کا متغیر کرنا ممکن نہ ہو وہاں سے ہجرت واجب ہے ورنہ مستحب ہے اور چونکہ ترک وطن اور ہجرت اور خویش واقارب سے مفارقت ابتلاء عظیم ہے اور بہت بھاری چیز ہے اس لیے مہاجرین کی تسلی کے لیے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں یہ دنیا فانی ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۚ﴾ ہر شخص کو ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے فرض کرو کہ آج ہجرت نہ کی تو ایک نہ ایک روز اس دنیا سے ہجرت کرنا ضروری ہے اور اس دنیا کو چھوڑنا ہے اگر خدا کے لیے تم وطن اور خویش واقارب کو چھوڑو گے وہ تم کو اس کے بدلہ میں اس سے بہتر عطا کرے گا رزق کسی مکان کے ساتھ مخصوص نہیں

چوپاؤں سے عبرت حاصل کرو کہ وہ بھی تو اپنی روزی ساتھ لیئے نہیں پھرتے مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزی پہنچاتا ہے۔

اے مسلمانو! اس دنیا کو لہو و لعب سمجھو اور آخرت کی جدو جہد میں لگے رہو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی لازوال نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو خدا کی راہ میں مجاہدہ کریں اور اس کے احکام کی تعمیل میں محنتیں اور مشقتیں اٹھائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے میرے ایمان والے بندو! اگر اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہو تو میرے دشمنوں سے الگ ہو جاؤ اور ان کے درمیان سے نکل جاؤ اور جس جگہ تم علانیہ میری عبادت نہیں کر سکتے وہاں سے ہجرت کر جاؤ البتہ میری زمین کشادہ ہے یہاں سے دوسری جگہ چلے جاؤ پس وہاں جا کر خالص میری ہی عبادت کرو وطنِ مالوف کی اقامت کو اللہ کی عبادت کے مقابلہ میں ترجیح نہ دو یعنی میرے بندوں کو چاہیے کہ عبادت الٰہی کو مقصود اصلی سمجھیں اور آخرت کو اپنا وطن اصلی جانیں جہاں عبادت میسر نہ آسکے وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جاویں جہاں اللہ کی عبادت میسر آسکے اور اگر اہل و عیال کی محبت کی وجہ سے اپنا شہر نہیں چھوڑ سکتے تو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے مفارقت ضروری ہے کیونکہ ہر نفس ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر بالآخر سب کو چھوڑ کر ہماری ہی طرف واپس آنا ہے تو بہتر یہ ہے کہ ابھی سے ہمارے پاس آنے کی فکر کر لو اور وطن اصلی کی تیاری کر لو اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا رخ کرو ان پر ایمان لاؤ اور ان کی ہدایت کے مطابق اعمال صالحہ بجالاؤ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو ضرور بالضرور جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے جو تمہارے متروکہ محلوں سے لاکھوں درجہ بہتر ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی دنیا کی منازل فانیہ کے بدلہ میں ان کو یہ منازل عالیہ اور باقیہ عطا کریں گے وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کیا ہی خوب ثواب ہے نیک کام کرنے والوں کا یعنی ہجرت کرنے والوں کا جنہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر اور ہجرت کے مصائب پر اور خویش و اقارب اور وطن کی مفارقت پر صبر کیا اور رزق کے بارہ میں وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہر جگہ رزق دینے والا ہے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وطن میں تو اسباب معیشت مہیا ہیں باہر جا کر کیا ہوگا تو خوب سمجھ لے کہ زمین پر چلنے والے کتنے جانور ہیں کہ اپنا رزق اپنے ساتھ اٹھائے اور لادے نہیں پھرتے اللہ ہی اپنے فضل سے رزق دیتا ہے ان کو بھی اور تم کو بھی اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے جو خدا چرند اور پرند کو روزی دے سکتا ہے وہ مہاجرین کو بھی روزی دے سکتا ہے لہٰذا ہجرت کے بارہ میں یہ اندیشہ نہ کرو کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں گے تو ہم روزی کہاں سے پائیں گے تم تو اہل ایمان ہو تمہارا درجہ جانوروں سے کہیں بلند ہے جب خدا تعالیٰ جانوروں کو روزی دیتا ہے تو اس کی راہ میں ہجرت کرنے والے اہلِ ایمان کو کیوں روزی نہ دے گا لہٰذا مہاجرین کو چاہیے کہ آسمان و زمین کے خالق پر بھروسہ رکھیں کیونکہ رزق کا اصل سرچشمہ زمین اور آسمان ہے اور خدا ہی ان سب کا خالق ہے جس میں کسی کو انکار نہیں چنانچہ اگر آپ مکہ کے کافروں سے دریافت کریں کہ بتاؤ کس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا کہ آسمان سے تمہارے لیے پانی برستا ہے اور زمین سے تمہارے لیے غلہ پیدا ہوتا ہے اور کس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا سورج کی روشنی سے پھل اور کھیتیاں پکتی ہیں اور چاند کی روشنی سے بڑھتی اور ابھرتی ہیں اگر چاند اور سورج ایک ہی جگہ پر ٹھہرے رہتے اور حرکت نہ کرتے تو نہ دن ہوتا اور نہ رات ہوتی اور نہ موسم بدلتا اور نہ گرمی اور سردی ہوتی لیل و نہار کا اختلاف اور موسم سرما اور گرما کا اختلاف شمس و قمر کی حرکت سے ہے جو اللہ کے حکم سے ہے تو جواب میں سب کے سب ضرور یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے تو پھر کہاں بہکے جاتے ہیں اور اس اقرار کے بعد کیوں شرک میں مبتلا ہیں اور غیر اللہ سے کیوں مرادیں مانگتے ہیں کیا یہ شمس و قمر کی حرکت ان کے مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے یا کسی قادر مختار کی قدرت کا کرشمہ ہے سب جانتے ہیں کہ اسباب رزق اسی کے پیدا کیئے ہوئے ہیں پھر بھی اس پر بھروسہ نہیں کرتے اور جس طرح

اصل رزق اور اصل روزی اس کے ہاتھ میں ہے اسی طرح رزق کی کمی اور زیادتی اور فراخی اور تنگی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے خدا تعالیٰ ہی فراخ اور کشادہ کرتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کی فراخی اور تنگی سب اللہ کی مشیّت اور حکمت پر ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے تنگی اور فراخی کی مصلحت اس پر پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہجرت سے رزق کی وسعت ختم ہو جائے گی خیالِ خام ہے حسب الحکم اور حسب الہدایت تدبیر میں لگے رہو مگر نظر اور بھروسہ ہماری تقدیر پر رکھو۔

اور اگر آپ مشرکین عرب سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا پھر کس نے اس پانی کے ذریعہ زمین کو مردہ اور افسردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ اور سرسبز وشاداب کیا تو جواب میں ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کہیے الحمد للہ یعنی شکر ہے خدا کا سب نے اس بات کا اقرار کیا کہ آسمان سے لے کر زمین تک رزق اور سامان رزق سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پس عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب اس کی خالقیت اور رزاقیت کا اقرار کرتے بلکہ معاملہ برعکس ہو گیا کہ اکثر کافر باوجود دنیا کے ہوشیار ہونے کے آخرت کے بے عقل ہو گئے اور آخرت کو چھوڑ کر دنیا کے شیدائی بن گئے اور دارِ بقاء کو چھوڑ کر دارِ فناء اور فانی حیات پر فریفتہ ہونا بھی بے عقلی کی دلیل ہے اور مادہ پرستوں کا عجب حال ہے کہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں اور نہیں سمجھتے دیکھتے ہیں اور نہیں دیکھتے ہر وقت ایتھر کے چکر اور بھنور میں ہیں اللہ ان کو عقل دے۔

## دارِ دُنیا کی حقارت اور دارِ آخرت کی فضیلت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ... الٰی ... وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۶۹﴾

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ یعنی اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے دُنیا کی ظاہری آرائش پر مفتون ہیں اگر عقل سے کام لیں تو سمجھ جائیں کہ دُنیا کا تمام کارخانہ فناء اور زوال اور ضعف اور اضمحلال پر مبنی ہے تو جان لیں کہ یہ دُنیا بالکل بے حقیقت ہے اور سرائے فانی ہے جس سے ایک دن کوچ قطعی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور نہیں ہے یہ دُنیاوی زندگانی جس پر یہ بے عقل فریفتہ ہیں مگر طفلانِ بے شعور کے دل بہلانے کا ایک مشغلہ جیسے بچے لاٹھی کو گھوڑا بنا کر اس پر سوار ہو جاتے ہیں اس کو بازی طفلاں کہتے ہیں اور محض ایک کھیل اور تماشا ہے جیسے گانا بجانا اور پتنگ بازی اور کبوتر بازی جس میں بسا اوقات جوان بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ یہاں حق تعالیٰ نے دُنیا کی حقارت بیان کرنے کے لیے دو لفظ اختیار فرمائے ایک لہو اور ایک لعب اور دونوں کے مفہوم میں لغت کے اعتبار سے کچھ فرق ہے لہو اس مشغلہ کو کہتے ہیں جس سے دل بہل جائے اور لعب کھیل تماشہ کو کہتے ہیں جو تھوڑی دیر رہ کر ختم ہو جائے مگر اس پر کوئی معتد بہ ثمرہ مرتب نہیں ہوتا یہی حال دُنیاوی زندگی کا ہے مقصود یہ ہے کہ دُنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے جو اس قابل نہیں کہ اس سے دل لگایا جائے اور تحقیق دارِ آخرت وہی حقیقی زندگی ہے جو ہر قسم کے تکدر سے پاک اور منزہ ہے اور ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے جہاں موت نہیں پس جس جگہ ہر وقت کوچ کا طبل بجتا رہتا ہو وہ جگہ جی لگانے کے قابل نہیں کاش کہ لوگ دنیا اور آخرت کے فرق کو سمجھتے تو دُنیا میں اس قدر محو نہ ہوتے اور سمجھ لیتے کہ قابل توجہ اور التفات دارِ آخرت ہے لہٰذا اگر کچھ عقل ہے تو اصل فکر آخرت کی کرو اور دُنیا کو اس کا وسیلہ اور ذریعہ بناؤ۔ پس یہ شیدایانِ حیوٰۃ دُنیا جب کبھی دریا کا سفر کرتے ہیں

اور کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور ان کو غرق ہونے کا ڈر ہوتا ہے تو اس وقت اس دنیائے لہو ولعب کو بھول جاتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھی بھول جاتے ہیں اور اللہ کو پکارتے ہیں درآنحالیکہ خالص اللہ کی عبادت کی نیت کرنے والے ہوتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں اور خوف اور اضطراب کو دفع کرنے کے لیے اللہ کو پکارتے ہیں اور اس کی پناہ ڈھونڈتے ہیں جب اللہ کا نبی توحید کی طرف بلاتا ہے تو صاف انکار کر دیتے ہیں اور جب سر پر مصیبت آپڑتی ہے تو توحید اور اخلاص کے نعرے لگانے لگتے ہیں پھر جب خدا ان کو اس مصیبت سے نجات دیتا ہے اور سلامتی کے ساتھ دریا سے خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو کشتی سے اترتے ہی حسب عادت پھر شرک کرنے لگتے ہیں جب آفت سر پر آ پہنچی تو اللہ کو پکارنے لگے پھر جب وہ آفت سر سے ٹلی تو پھر وہی کفر اور شرک اور بتوں کو پکارنا شروع کر دیا گویا ① کہ کفر وشرک سے ان کی غرض یہ ہوئی کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں اور دُنیا کے مزے اڑاتے رہیں خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں سو عنقریب جان لیں گے کہ ناشکری کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اب آئندہ آیت میں ان کے نامعقول حیلہ اور بہانہ کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہتے تھے ﴿اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا ؕ﴾ (القصص: ۵۷) یعنی اگر ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور آپ ﷺ کی ہدایت کا اتباع کریں تو لوگ ہم کو اُچک لیں اور مار ڈالیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس بہانہ کی لغویت مشاہدہ سے ثابت ہے کیا ان کفار نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو ان کے لیے مقام امن بنایا اور ان کے اردگرد کے لوگ اچک لیے جاتے ہیں یعنی لوٹ لیے جاتے ہیں اور مار دیئے جاتے ہیں اور حرم مکہ قتل وغارت سے بالکل مامون اور محفوظ ہے اور یہ لوگ اس میں بے خوف وخطر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لہٰذا ایمان سے تخلف کے لیے تخطف کو عذر قرار دینا غیر معقول ہونے کے علاوہ مشاہدہ کے بھی خلاف ہے اور یہ نعمت حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اس میں ان کے معبودوں کو ذرہ برابر دخل نہیں۔ پس کیا یہ لوگ اس درجہ ضد اور عناد پر اتر آئے ہیں کہ باطل اور جھوٹ بات کا تو یقین کرتے ہیں اور باطل معبودوں پر ایمان لاتے ہیں اپنے ہاتھ کے تراشیدہ بت کو تو خدا ماننے کے لیے تیار ہیں مگر خدا کے برگزیدہ بندہ کو خدا کا رسول ماننے پر تیار نہیں اور اللہ کے احسان کو نہیں مانتے کہ اس کی رحمت سے حرم میں امن کے ساتھ بے خوف وخطر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ اللہ نے بتوں کو اور دوسرے معبودوں کو کارخانہ کا مختار کار بنا دیا ہے یا اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا کہ جس کے پاس حق پہنچا اور اس نے اس کو جھٹلا دیا کیا ان کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں یعنی ضرور ہے یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جو اس سرائے فانی پر شیدا اور فریفتہ ہوں اور وہ لوگ جو دار آخرت کے دلدادہ اور شیدائی ہیں جنہوں نے ہماری راہ میں جان ومال سے جہاد کیا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور علم کے مطابق عمل کیا اور نفسانی خواہش کو شریعت کے تابع کر دیا ہم ان کو اپنے تک پہنچنے کی راہیں دکھاویں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے یعنی مجاہدوں کے ساتھ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور خدا جس کے ساتھ ہوا سے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور نہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے مجاہدہ یعنی ظاہری اور باطنی جہاد اور جدوجہد ضروری ہے اور ﴿لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا﴾ میں ﴿سُبُلَ﴾ سے خدا تعالیٰ کے قرب اور رضا کی راہیں مراد ہیں جس کا مآل بہشت ہے۔

① اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿لِيَكۡفُرُوۡا﴾ کا لام، لام عاقبت ہے اس لیے کہ کفار کا یہ قصد نہ تھا بلکہ ان کے فعل کا نتیجہ تھا جیسا کہ ﴿لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا﴾ میں لام۔ لام عاقبت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے کفران نعمت کا قصد نہیں کیا تھا مگر نجات کی نعمت کا انجام یہ ہوا کہ بجائے شکر کے کفر اور شرک کرنے لگے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

اگر در جستجوئے من شتابی
مُرادِ خود بزودی بازیابی

**الحمدللہ!** آج بتاریخ ۱۵ جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ بروز پنج شنبہ بعد از اذان عصر جامعہ اشرفیہ لاہور میں خدا تعالیٰ کی رحمت سے سورۂ عنکبوت کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی جس کے ختم سے بفضلہٖ تعالیٰ تفسیر کے دو ثُلُث اختتام کو پہنچے۔ وللہ الحمد والمنۃ اور اللہ کے فضل و کرم سے اور اس کی رحمت سے اُمید ہے کہ باقی ماندہ ایک ثلث کے اتمام اور اکمال کی توفیق عطا فرمائیں گے اور اپنے قبول سے نوازیں گے اور اپنی ہدایت اور معیت خاصہ دائمہ سے سرفراز فرمائیں گے۔ آمین یارب العالمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہُ تعالیٰ علی خیر خلقه سیّدنا و مولانا محمد وّ اٰلہٖ و اصحابه وازواجه وذریّتہٖ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین اِلیٰ یوم الدین○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تفسیر سورۃ الروم

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام سورت بالاتفاق مکی ہے اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

**ربط:** گزشتہ سورت کے اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کا ذکر تھا۔ اب اس آیت کے شروع بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک اور دلیل کا ذکر ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ روم کی پیش گوئی فرمائی اور پھر وہ اسی طرح ہو بہو ظاہر ہوئی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔

نیز گذشتہ سورت کے آخر میں حیوٰۃ دُنیا کا لہو ولعب ہونا بیان کیا اب اس سورت کے شروع میں یہ بتلاتے ہیں کہ حیات دنیا ہیچ ہے خدا تعالیٰ جب چاہتا ہے تو کسی کو غلبہ دیتا ہے اور پھر اسی غالب کو مغلوب کر دیتا ہے اور معلوم ہوا کہ دنیوی غلبہ حقانیت کی دلیل نہیں پھر یہ کہ جب دُنیا کی عزت اور ذلت سب خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو یہ نادان کیوں جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کی اس وقتی فقیری اور درویشی کو دیکھ کر مسلمانوں کو کیوں حقیر سمجھ رہے ہیں اہل اسلام اس وقت ابتلاء کی منزل سے گزر رہے ہیں عنقریب یہ متکبرین دیکھ لیں گے کہ یہی درویشانِ اسلام قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو مسجد نبوی کے کچے صحن میں بیٹھ کر تقسیم کریں گے۔

نیز گذشتہ سورت میں ہجرت کی ترغیب اور ہجرت کے مصائب پر صبر کی تلقین تھی کہ کربت غربت پر صبر کریں اب اس سورت میں اس کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ تغیرات عالم اور سلطنتوں کے انقلابات سب خدا کے ہاتھ میں ہیں۔

آیاتہا ۶۰ | سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ (۳۰) (۸۴) | رکوعاتہا ۶

یہ سورت مکی ہے اس میں ساٹھ آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ لا فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

الٓمّٓ ○ دب گئے ہیں روم لگتے ملک میں اور وہ اس دبنے پیچھے

سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ لا فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ

اب غالب ہوں گے کئی برس میں اللہ کے ہاتھ ہیں کام پہلے اور پچھلے

وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ لا بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے مدد کرے جس کی چاہے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ لا وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ

اور وہی ہے زبردست رحم والا اللہ کا وعدہ ہوا خلاف نہ کرے گا اللہ اپنا وعدہ لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ

بہت لوگ نہیں جانتے جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کا جینا

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

اور وہ لوگ آخرت سے خبر نہیں رکھتے۔

## پیشین گوئی غلبۂ روم برایران و بشارت فتح ونصرت وفرحت ومسرت برائے اہل ایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ... الی ... وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾﴾

## شانِ نزول:

ہجرت سے قبل حضور پُرنور ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے تو فارس اور روم میں جنگ ہوئی اور اہلِ فارس بمقابلہ اہل روم غالب آئے مشرکین مکہ اس بات کو محبوب رکھتے تھے کہ فارس روم پر غالب ہوں کیونکہ اہل فارس اہل مکہ کی طرح مشرک تھے اہل مکہ بت پرست تھے اور اہل فارس آتش پرست تھے اور مسلمان اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اہل روم فارس پر غالب ہوں اس لیے کہ اہل روم نصرانی تھے انبیاء علیہم السلام کے ماننے والے اور دین اسلام کے قریب تھے فارس کی فتح سے کفار قریش کو بہت خوشی ہوئی اور مسلمانوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ تم بھی اہل کتاب ہونے کے مدعی ہو اور رومی بھی اہل کتاب ہیں اور اہل فارس تمہارے نزدیک مشرک ہیں اور ہم بھی مشرک ہیں اور ہم دونوں اُمّی ہیں اس سے ہم یہ فال نکالتے ہیں کہ جس طرح آج ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آئے اسی طرح ہم بھی ایک دن تم پر غالب آئیں گے حق تعالیٰ نے کفار قریش کا منہ بند کرنے کے لیے اس سورت کی شروع کی آیتیں نازل فرمائیں اور دو پیشین گوئیاں فرمائیں۔

① پہلی پیشین گوئی تو فارس اور روم کی سلطنتوں کے متعلق فرمائی کہ رومی فی الحال اگرچہ مغلوب ہو گئے مگر چند سالوں میں یعنی نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ جائیں گے اس پیشین گوئی سے مسلمانوں کو ایک قسم کی ڈھارس بندھ گئی اور یہ پیشین گوئی کوئی معمولی پیشین گوئی نہ تھی اس کا تعلق دُنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں سے تھا پھر یہ کہ یہ پیشین گوئی ظاہر حالت کے بھی خلاف تھی اور جو کسی کی عقل میں نہیں آ سکتی تھی اس لیے کہ روم کی سلطنت فارس کی سلطنت کے مقابلہ میں چھوٹی تھی اور جدید اور حادث بھی تھی اور فارس کی سلطنت بہت بڑی تھی اور بہت قدیم تھی ہزارہا سال سے ایک ہی خاندان میں چلی آ رہی تھی خزانے معمور تھے اور فوج اور لشکر کی کوئی انتہا نہ تھی۔ لہٰذا ایسی عظیم الشان سلطنت کے متعلق یہ پیشین گوئی کرنا کہ ایک چھوٹی اور شکست خوردہ سلطنت سے یہ عظیم الشان سلطنت مغلوب ہو جائے گی کوئی معمولی پیشین گوئی نہیں بلکہ بہت بڑی پیشین گوئی ہے پھر پیشین گوئی بھی ایسی کہ جو بالکل واضح اور صاف ہے جس میں کسی قسم کا اجمال اور ابہام نہیں نجومیوں کی پیشین گوئی کی طرح گول مول نہیں پھر ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ پر سین داخل کر کے اس کے قرب کو بتلا دیا کہ عنقریب رومی غالب آ جائیں گے پھر ﴿بِضْعِ سِنِيْنَ﴾ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ نو سال کے اندر ایسا ہو جائے گا۔

② دوسری پیشین گوئی حق تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق فرمائی کہ چند سال میں مسلمان مظفر و منصور ہوں گے اور کافروں پر غالب آ جائیں گے اس طرح مسلمانوں کو فتح اور نصرت نصیب ہونے کی بشارت دے دی۔

پھر صاف طور پر یہ فرما دیا ﴿وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الروم:۶) یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ کر چکا ہے کہ چند روز میں مسلمانوں کو دونوں قوموں پر غالب کر دے گا لیکن اکثر لوگ ظاہری اسباب کے سوا کچھ نہیں جانتے یہ پیشین گوئی پہلی پیشین گوئی سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت اس درجہ کمزور اور پست تھی کہ کوئی عقل مند ان کے لیے معمولی ریاست کا بھی تصور نہیں کر سکتا تھا روم کی سلطنت اگرچہ فارس کی سلطنت کے اعتبار سے چھوٹی تھی مگر فی حد ذاتہ ایک سلطنت تو تھی بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اس وقت اس درجہ کمزور تھے کہ عقل ان کے لیے کسی معمولی عزت و وجاہت کا بھی تصور نہیں کر سکتی تھی ایسی قوم کے لیے پیشین گوئی کرنا کہ وہ قیصر و کسریٰ جیسی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی یہ تو خدائے توانا اور قادر مطلق ہی کا کام ہے اور

ایسی محیّر العقول پیشین گوئی خدا ہی کا کلام ہو سکتی ہے۔

چنانچہ خدائے علیم وحکیم اور قدیر وخبیر کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور دُنیا نے اس کی صداقت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر لیا اس سے بڑھ کر قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے اس قسم کا قطعی فیصلہ سنا دینا کسی بشر کا کام نہیں عالم الغیب ہی اس کی خبر دے سکتا ہے۔

حق جل شانہٗ نے مشرکین مکہ کی فال کا اور ان کے استدلال سراپا خیال وخبال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس دو پیشین گوئیاں فرمادیں اس لیے کہ ایک قوم کے دوسری قوم پر غالب آجانے سے عقلاً یہ ضروری نہیں کہ اس قوم کی نظیر بھی دوسری قوم کی نظیر پر غالب آجائے اور پھر ان دو پیشین گوئیوں کے ساتھ ایک بشارت اور خبر مسرت بھی سنا دی کہ جس دن تم اپنی فتح اور غلبہ کی خوشی اور مسرت میں مشغول ہو گے اسی دن تم کو یہ خوشی کی خبر بھی پہنچے گی کہ روم فارس پر غالب آگئے اور یہ دونوں مسرتیں تم کو ایک ہی دن میں حاصل ہوں گی چنانچہ مسلمان بدر کے میدان میں مشرکین مکہ پر فتح اور نصرت کی خوشیاں منا رہے تھے اسی دن یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل فارس پر غالب آگئے چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ﴾ یعنی ایک ہی دن میں دو مسرتیں حاصل ہوں گی ایک خوشی غلبہ روم کی فارس پر اور دوسری خوشی غلبہ اہل اسلام کی کفار مکہ پر اور مسلمانوں کو جو خوشی حاصل ہو گی وہ حقیقی خوشی ہو گی بخلاف کفار مکہ کے کہ وہ اس وقت جو کچھ خوشی منا رہے ہیں وہ سب خیالی ہے اور انجام اس کا ذلت اور ندامت ہے اور ان نادانوں کو انجام کی خبر نہیں چنانچہ ﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ (الروم: ۷) میں اس طرف اشارہ فرمایا جس کا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ دُنیا کی ظاہری آرائش اور زیبائش اور آسائش کو دیکھ کر مفتون ہو گئے اور اصل حقیقت کا ان کو علم نہیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ یہ پیشین گوئی حضور پُرنور ﷺ کا معجزہ تھی اور معجزہ کا فائدہ یہ ہے کہ معجزہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کا تعلق عالم غیب اور علام الغیوب سے ہے جس کے لیے یہ معجزات ظاہر کیے جا رہے ہیں اب اس تمہید کے بعد آیات کی تفسیر پڑھیے اور دیکھیے ﴿ الٓمّٓ ﴾ اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں اے رسول آج عرب کی قریبی سرزمین میں ایک موقع پر یعنی مقام اذرعات اور بصریٰ میں اہل روم فارس کے مقابلہ میں مغلوب ہو گئے اور اہل فارس ان پر غالب آگئے جس سے مشرکین مکہ خوش ہو گئے ولیکن ان کو اس فی الحال فتح سے خوش نہ ہونا چاہیے اہل روم کی یہ مغلوبی عارضی ہے اور وہ رومی اپنے اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال کے اندر یعنی تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر ضرور غالب آجائیں گے اور اس طرح مغلوب اور کمزور ہو جانے کے بعد پھر غالب آجانا مشرکین کے لیے اور زیادہ باعث رنج وغم ہو گا خصوصاً جب کہ قریبی مدت میں ایک شکست خوردہ ضعیف وکمزور ایک قوی اور فاتح پر غالب آجائے اور یہ غالب اور مغلوب ہو جانا سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے سب اختیار اللہ ہی کو ہے اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی جس کو چاہتا ہے وہ غالب کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے مغلوب کرتا ہے غالب کو مغلوب کر دینا اور مغلوب کو غالب کر دینا سب اسی کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جو شخص ایک مرتبہ مغلوب ہو گیا اور کمزور پڑ گیا وہ دوبارہ اپنے سے زیادہ قوی اور زور آور پر کیسے غالب آسکتا ہے۔

اور اس روز یعنی جب اہل روم اہل فارس پر غالب آئیں گے مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی امداد سے کہ اہل کتاب کو مشرکین کے مقابلہ میں فتح ہوئی اور خوشی کی ایک وجہ یہ ہو گی کہ اہل کتاب دین اسلام کے قریب ہیں اور نبوت اور رسالت اور حشر ونشر اور قیامت کے

قائل ہیں اور دوسری وجہ یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا صدق ظاہر ہوگا اور مشرکین ذلیل و خوار ہوں گے مسلمانوں نے مشرکین کو غلبہ روم کی خبر دی تھی تو اس کا صدق ظاہر ہونا یہ اللہ کی مدد ہے۔ چنانچہ جس روز بدر میں مسلمانوں کو کفار مکہ پر فتح نصیب ہوئی اسی روز جبریل امین علیہ السلام نے آ کر رومیوں کی فتح کی خبر دی تو مسلمانوں کی خوشی دو چند ہوگئی ایک خوشی تو جنگِ بدر میں اپنے مظفر و منصور ہونے کی تھی اور دوسری خوشی اس کے ساتھ یہ مل گئی کہ اہل کتاب (رومی) مجوس یعنی اہل فارس پر غالب آ گئے اور قرآن کریم نے جو پیشین گوئی کی تھی اس کا صدق ظاہر ہو گیا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی زبردست ہے اور رحم والا ہے جس کو چاہے عزت اور غلبہ دے اور جس پر چاہے مہربانی کرے حکومت اس کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے فتح دے اور جس کو چاہے شکست دے۔

زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منجملہ ان آیتوں کے ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ایسی بات کی خبر دی کہ جو آئندہ واقع ہوگی جس کا علم سوائے اللہ پاک کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔

**فائدہ:** علماء تفسیر کا کثیر گروہ یہ کہتا ہے کہ غلبہ روم کی خبر بدر کے دن آئی جیسا کہ ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خبر صلح حدیبیہ کے دن آئی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ مسلمان خوش ہوئے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۶ ج ۳ و تفسیر قرطبی ص ۳۰۲ ج ۱۴)

بہر حال اللہ نے وعدہ کیا ہے غلبہ روم کا یا مسلمانوں کی خوشی کا یا ان کی نصرت اور مدد کا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا ولیکن اکثر لوگ اللہ کے تصرفات کو جانتے اور سمجھتے نہیں اکثر لوگوں کی نظر ظاہری اسباب پر ہوتی ہے خدا پر ان کا بھروسہ نہیں ہوتا اور ایسے لوگ صرف دنیوی زندگی کی کچھ ظاہری سطح اور ظاہری زیبائش اور آرائش کو کچھ جانتے ہیں باقی دُنیا کی حقیقت اور اس کے باطن کو کچھ نہیں جانتے اور یہ لوگ آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر اور بے فکر ہیں دُنیا ان کے قریب ہے اور ان کی نظروں کے سامنے ہے اس لیے اس کے ظاہر سے کچھ واقف ہو گئے اور آخرت تو دور ہے اور ان کی نظروں سے اوجھل ہے اس میں تو کبھی غور و فکر بھی نہیں کرتے اس لیے آئندہ آیت ﴿اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ میں تفکر کی ترغیب دیتے ہیں کہ خیر اور کچھ نہیں تو اپنے اندر ہی غور کر لو تا کہ تم پر خدا کی قدرت واضح ہو۔

## لطائف و معارف

① اس آیت یعنی ﴿الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ﴿۲﴾ فِیْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ﴿۳﴾﴾ میں دو قراءتیں ہیں مشہور قراءت میں ﴿غُلِبَتْ﴾ بصیغہ مجہول اور ﴿سَیَغْلِبُوْنَ﴾ بصیغہ معروف ہے اور یہی جمہور کی قراءت ہے اور گذشتہ تمام تفسیر اسی مشہور قراءت کی بناء پر تھی۔

اور ایک قراءت شاذہ میں ﴿غَلَبَتْ﴾ بصیغہ معروف اور ﴿سَیُغْلَبُوْنَ﴾ بصیغہ مجہول وارد ہوا ہے اور یہ قراءت پہلی قراءت کے بالکل برعکس ہے اس لیے کہ مشہور قراءت میں رومیوں کے مغلوب ہونے کا ذکر ہے اور دوسری قراءت میں رومیوں کے غالب ہونے کا ذکر ہے بظاہر دونوں قراءتیں ایک دوسرے کا بالکل عکس ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں قراءتوں میں اختلاف اور تفاوت ضرور ہے لیکن تناقض اور تضاد نہیں ہر قراءت میں ایک نئی بشارت کا ذکر ہے جو اپنے اپنے وقت میں ظاہر ہوئی اور پوری ہوئی۔

مشہور قراءت (یعنی غُلِبَتْ بصیغۂ مجہول اور سَیَغْلِبُوْن بصیغۂ معروف) پر آیت کا مطلب یہ ہے کہ رومی قریبی زمین میں اگرچہ فی الحال مغلوب ہوگئے ہیں مگر چند سال بعد رومی اہل فارس پر غالب آئیں گے اور اس روز مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے اور ہماری گذشتہ تفسیر اسی قرات مشہورہ اور متواترہ کی بنا پر تھی۔

اور دوسری قراءت شاذہ (جس میں غَلَبَتْ بصیغۂ معروف اور سَیُغْلَبُوْن بصیغۂ مجہول پڑھا گیا ہے) کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ رومی غالب آ گئے مگر اس غالب آنے کے بعد رومی عنقریب مغلوب ہوں گے۔

پہلی قراءت میں رومیوں کے مغلوب ہونے کے بعد ان کے غالب ہونے کی خبر کا ذکر ہے اور دوسری قراءت میں رومیوں کے غالب ہونے کے بعد ان کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی ہے رومیوں کی یہ دوسری مغلوبی مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوگی جیسا کہ تفسیر ابو السعود ص ۷۰۷ ج ۶ اور تفسیر بیضاوی اور حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص ۱۱۲ ج ۷ میں ہے۔

سو ❁ جاننا چاہیے کہ ان دونوں قراتوں کے معنی اگرچہ مختلف ہیں لیکن ان دونوں معنی میں تناقض اور تضاد نہیں اس لیے کہ ہر قرات میں ایک نئی چیز کی خبر دی گئی ہے اور عقلاً اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک فریق ایک زمانہ میں مغلوب ہوا اور دوسرے زمانہ میں غالب ہوا مشہور قرات میں تو یہ خبر دی گئی ہے کہ رومی یعنی اہل کتاب اگرچہ ایرانیوں کے ہاتھ سے مغلوب ہوگئے ہیں مگر عنقریب چند سال میں رومی (اہل کتاب) ایرانیوں پر غالب آئیں گے اس خبر کا ظہور بدر کے دن ہوا جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی گذشتہ تمام تفسیر اسی مشہور قراءت کی بنا پر تھی یعنی جب کہ غُلِبَتْ بصیغۂ مجہول اور سَیَغْلِبُوْن بصیغۂ معروف پڑھا جاوے اور دوسری قراءت میں یعنی جب کہ غَلَبَتْ بصیغۂ معروف اور سَیُغْلَبُوْن بصیغۂ مجہول پڑھا جاوے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ رومی غالب آئے مگر اس غالب آنے کے بعد رومی مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب ہوں گے یعنی مسلمان ان پر غالب ہوں گے اس قرات میں مسلمانوں کا روم پر فتحیاب ہونے کا ذکر ہے کہ مسلمان عنقریب سلطنت روم کو فتح کرلیں گے اور اس پر غلبہ پاویں گے یہ دوسری بشارت ہے جس کا اسی قرات میں ذکر ہے اور یہ بشارت آنحضرت ﷺ کے زمانہ سعادت میں واقع اور ظاہر نہیں ہوئی بلکہ شیخین (صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما) کے زمانہ سعادت میں واقع اور ظاہر ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ خلیفہ دوم یعنی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر پورا ہوا مشہور قراءت میں جس پیشین گوئی کا ذکر تھا وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سعادت میں پوری ہوئی اور قراءت شاذہ میں جس پیشین گوئی کا ذکر ہے وہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پوری ہوئی۔

بہر حال آیت میں دو قراتیں ہیں اور ہر قراءت میں نئی بشارت کا ذکر ہے پہلی بشارت یعنی رومیوں کا اہل فارس پر غلبہ یہ بشارت بدر کے دن پوری ہوئی اور دوسری بشارت یعنی رومیوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہونا یہ بشارت فارق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پوری ہوئی کہ مسلمان رومیوں اور فارسیوں پر بیک وقت غالب آئے اور اللہ کی ہر خبر اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوئی غرض یہ کہ چند روز بعد دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں اور ہر پیشین گوئی آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل تھی کہ مسلمان بے سروسامان تھے مگر قیصر و کسریٰ جیسی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

**تنبیہ:** ان دو مختلف قراتوں میں یہ تطبیق و توفیق جو ہم نے ہدیہ ناظرین کی ہے وہ سب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ

---

❁ یہاں سے لے کر اخیر تک تمام کلام حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی ازالۃ الخفاء سے ماخوذ ہے۔

کے کلام کی تشریح ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں ذکر کی ہے۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ آیت میں دو قراتیں ہیں اور ہر قراءت میں ایک نئی پیشین گوئی کا ذکر ہے اور ہر پیشین گوئی قرآن کریم کے منجانب اللہ تعالیٰ ہونے کی بھی دلیل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بھی دلیل ہے کہ بغیر وحی الٰہی کے اس قسم کی پیشین گوئی ناممکن اور محال ہے۔

چنانچہ علاء بن زبیر کلابی اپنے باپ زبیر کلابی سے راوی ہیں کہ میرے باپ زبیر نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ یہ تینوں غلبے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اوّل بار فارس کا غلبہ روم پر دیکھا دوسری بار روم کا غلبہ فارس پر دیکھا تیسری بار مسلمانوں کا غلبہ روم اور فارس دونوں پر دیکھا اور یہ سب کچھ پندرہ سال کے اندر اندر ہوا رواہ ابن ابی حاتم دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۶ ج ۳۔

② ﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ کا مطلب [1] یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی ظاہری آرائش اور آسائش کو دیکھ کر مفتون ہو گئے اور اصل حقیقت کا ان کو علم نہیں یہ دُنیا ایک ایسی چڑیل بڑھیا کے مشابہ ہے جس کو ریشمی لباس پہنا کر بٹھا دیا گیا ہے اور منہ پر نقاب ڈال دیا گیا ہے جب نقاب اٹھا کر دیکھو گے تب حقیقت معلوم ہو گی۔

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد     چوں باز کنی مادرِ مادر باشد

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

عارفے خواب رفت در فکرے     دید دُنیا بصورت بکرے
کردازوے سوال کاے دلبر     بکر چونی بایں ہمہ شوہر
گفت یک حرف باتو گویم راست     کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست
وآنکہ نامرد بود خواست مرا     زان بکارت ہمیں بجاست مرا

③ اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ روم مغلوب ہونے کے بعد عنقریب پھر اہل فارس پر غالب آئیں گے لوگوں نے اس پیشین گوئی کو عجیب سمجھا اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ ان لوگوں کی نظر ظاہری اسباب پر ہے اور مسبب الاسباب سے غافل ہیں اس لیے جب وہ اس قسم کی پیشین گوئیاں سنتے ہیں تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ ہر چیز کا اصلی سبب حق تعالیٰ کا ارادہ ہے وہی فتح و نصرت کا مالک ہے اس لیے وعدہ میں تخلف ممکن نہیں اس لیے اخیر سورت تک دلائل قدرت کو بیان کیا تا کہ ان دلائل قدرت میں غور کریں اور ہوش میں آ جائیں کہ سب کچھ اللہ ہی کی قدرت اور اختیار میں ہے عزت اور غلبہ ذلت اور مغلوبی سب اس کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے اس وقت فقر اور درویشی کو دیکھ کر مسلمانوں کو حقیر نہ سمجھیں اہل اسلام کو اس وقت ابتلاء کی منزل سے گذارا جا رہا ہے جیسا کہ گذشتہ سورت میں گزرا ﴿ الٓمّٓ ۚ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② ﴾ (العنکبوت: ۱، ۲) عنقریب یہی درویشان اسلام قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو مسجد نبوی کے کچے صحن میں بیٹھ کر تقسیم کریں گے۔

---

[1] ماخوذ از ھمّ الآخرۃ ص ۳۰ وعظ دہم از سلسلۃ البلاغ۔

اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ قف مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ

کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں؟ اللہ نے جو بنائے آسمان و زمین اور

مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ

جو اُن کے بیچ ہے سو ٹھیک سادھ کر اور ٹھہرے وعدہ پر اور بہت لوگ

بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ لَکٰفِرُوۡنَ ⑧ اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا

اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے کیا پھرے نہیں ملک میں جو دیکھیں

کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً

آخر کیسا ہوا اُن سے اگلوں کا اُن سے زیادہ تھے زور میں

وَّ اَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَ عَمَرُوۡہَاۤ اَکۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡہَا وَ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ

اور زمین اُٹھائی اور بسائی اُن کے بسانے سے زیادہ اور پہنچے اُن پاس رسول اُن کے لے کر

بِالۡبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ؕ ⑨

کھلے حکم اور اللہ نہ تھا ان پر ظلم کرنے والا لیکن وہ اپنا آپ برا کرتے تھے

ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡٓاٰۤی اَنۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ

پھر ہوا آخر بُرا کرنے والوں کا بُرا اس پر کہ. جھٹلائیں باتیں اللہ کی اور

کَانُوۡا بِہَا یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ⑩ ع اَللّٰہُ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ ثُمَّ اِلَیۡہِ ع ۱۰/۴

اُن پر ٹھٹھے کرتے تھے اللہ بناتا ہے ہے پہلی بار پھر اس کو دہراوے گا پھر اسی کی طرف

تُرۡجَعُوۡنَ ⑪ وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ⑫ وَ لَمۡ یَکُنۡ

پھر جاؤ گے اور جس دن اُٹھے گی قیامت آس ٹوٹے رہ جاویں گے گنہگار اور نہ ہوں گے

لَّہُمۡ مِّنۡ شُرَکَآئِہِمۡ شُفَعٰٓؤُا وَ کَانُوۡا بِشُرَکَآئِہِمۡ کٰفِرِیۡنَ ⑬ وَ یَوۡمَ

ان کے شریکوں میں کوئی ان کی سفارش والے اور یہ ہو جاویں گے اپنے شریکوں سے منکر اور جس دن

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اُٹھے گی قیامت اس دن لوگ بھانت بھانت ہوں گے سو جو یقین لائے اور کیے

الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿١٥﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

بھلے کام سو باغ میں ہیں ان کی آؤ بھگت ہوتی ہے اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿١٦﴾ فَسُبْحٰنَ

ہماری باتیں اور ملنا پچھلے گھر کا سو شتاب میں پکڑے آئے ہیں سو پاک

اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿١٧﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ

اللہ کی یاد ہے جب شام کرو اور صبح کرو اور اسی کی خوبی ہے آسمان و

الْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿١٨﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

زمین میں اور پچھلے وقت اور جب دوپہر ہو نکالتا ہے جیتا مردے سے اور نکالتا ہے

ع ۲ ۹ ۵ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١٩﴾ ع

مردہ جیتے سے اور جلاتا ہے زمین کو اُس کے مرے پیچھے اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿٢٠﴾

اور اس کی نشانیوں سے کہ تم کو بنایا مٹی سے پھر اب تم انسان ہو پھیل پڑے

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا

اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ بنا دیئے تم کو تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین پکڑو ان کے پاس

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہر اس میں بہت پتے ہیں اُن کو جو

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ

دھیان کرتے ہیں اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور بھانت بھانت بولیاں تمہاری

وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝٢٢ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ

اور رنگ اس میں بہت پتے ہیں بوجھنے والوں کو اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا

بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

رات میں اور دن میں اور تلاش کرنی اس کے فضل سے اس میں بہت پتے ہیں

لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝٢٣ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ

اُن کو جو سنتے ہیں اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ دکھاتا ہے تم کو بجلی، ڈر اور اُمید اور

يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ

اُتارتا ہے آسمان سے پانی پھر جلاتا ہے اس سے زمین کو مرگئے پیچھے

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٢٤ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ

اس میں بہت پتے ہیں اُن کو جو بوجھتے ہیں اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ کھڑا ہے آسمان

وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ

و زمین اس کے علم سے پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین میں سے تبھی تم

تَخْرُجُوْنَ ۝٢٥ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝٢٦

نکل پڑو گے اور اسی کے ہیں جو کوئی ہیں آسمان اور زمین میں سب اس کے حکم کے تابع ہیں

وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ

اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے اور پھر اس کو دہراوے گا اور وہ آسان ہے اس پر اور اس کی

الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٢٧ ع ٣ ع ٨ ٦

کہاوت سب سے اوپر آسمان و زمین میں اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا۔

# ذکر دلائل قدرت وعظمت برائے اثبات الوہیت واثبات قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ... الی ... وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا کہ جو دنیا کی ظاہری زیبائش اور آرائش پر فریفتہ ہیں اور آخرت سے غافل ہیں اب آئندہ آیات میں غافلانِ آخرت کی تنبیہ کے لیے آیات قدرت کو ذکر کرتے ہیں جن کے ذکر سے الوہیت اور وحدانیت کا بھی ثابت کرنا ہے اور قیامت اور جزاء اور سزا کا بھی ثابت کرنا ہے تاکہ منکرین آخرت کو ایمان اور کفر کا مآل معلوم ہوجائے نیز ان دلائل قدرت میں غور کر کے سمجھ جائیں کہ یہ اسباب ظاہری اعتماد اور بھروسہ کے لائق نہیں۔

اخیر سورت تک آیات قدرت کا ذکر چلا گیا ہے اور ان دلائل قدرت میں چھ جگہ لفظ "آیت" استعمال کیا گیا ہے جس کا منتہٰی ﴿اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ﴾ (الروم:۲۵) ہے اور ان دلائل قدرت [1] کا آغاز انسان کی پیدائش سے کیا پھر عالم علوی اور عالم سفلی کی پیدائش کو بیان کیا اس لیے کہ کائنات عالم سے نفع اٹھانے والا وہ انسان ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان لوگوں نے جو دُنیا کے ظاہر پر فریفتہ ہیں اور آخرت سے غافل ہیں اپنے ضمیر میں اور دل میں یہ نہیں سوچا کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو نہیں پیدا کیا مگر حکمت کے ساتھ عالم کی ہر چیز حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے کوئی کھیل اور تماشا نہیں اور فقط ایک مدت معینہ اور وقت مقرر تک کے لیے یعنی آسمان و زمین ایک مدت معینہ کے لیے پیدا کیے گئے اس مدت کے گزرنے کے بعد ان کو فنا کر دیا جائے گا ان کا وجود دائمی نہیں۔ لہٰذا منکرینِ توحید اور منکرینِ نبوت اور منکرینِ قیامت کو ہوش میں آجانا چاہیے کہ وہ فنا سے بچ نہیں سکتے۔ (شیخ زادہ ص ۱۲ ج ۴)

اگر یہ لوگ خدا کی قدرت کی نشانیوں میں تفکر کرتے تو اسباب ظاہری پر اعتماد نہ کرتے بلکہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کرتے غرض یہ کہ ﴿اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ کے قید سے یہ بتلا دیا کہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں ازلی اور ابدی نہیں بلکہ ایک مدت معینہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اس کے بعد ان کو فنا کر دیا جائے گا۔ پس اب حشر و نشر میں اور خدا کے سامنے پیش ہونے میں کیا شبہ رہا اور تحقیق بہت سے لوگ جو دنیا کے علم کے مدعی ہیں وہ خدا کے سامنے پیش ہونے کے منکر ہیں اور ان کا یہ انکار غفلت عن الآخرۃ اور عدم تفکر پر مبنی ہے کیا یہ شیدایان آرائش دنیا اور غافلان آخرت زمین میں پھرے نہیں اور کیا اثنائے سفر میں عاد اور ثمود کی بستیوں پر سے نہیں گزرے پس دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان لوگوں سے پہلے گذر گئے کہ انکار نبوت اور انکار آخرت کی وجہ سے کیسے تباہ اور برباد ہوئے وہ لوگ ان لوگوں سے قوت میں بہت زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ جوتا یعنی ان سے زیادہ کھیتی باڑی کی اور ہل چلائے اور زراعت کو ترقی دی وہ لوگ زرعی ترقیات میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے اور ان لوگوں نے ان سے زیادہ زمین کو آباد کیا

---

[1] قال الصاوی فی حاشیتہ علی تفسیر الجلالین قولہ تعالی وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ... الخ شروع فی ذکر جملۃ من الآیات الدالۃ علی وحدانیتہ سبحانہ و تعالی وَذکر لفظ من ایات مستمرات تنتھی عند قولہ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ وابتداھا بذکر خلق الانسان ثم بخلق العالم علویا وسفلیا اشارۃ ان الانسان ھو المنتفع بھا والحکمۃ فی ذکر تلکَ الأیات یَهۡتَدِیۡ من اراد اللہ ھدایتہ و تقوم الحجۃ علی من لم یھتد۔ (حاشیہ الصاوی ص ۲۴۶ ج ۳)

جتنا کہ ان لوگوں نے آباد کیا ان گذشتہ کافروں نے دنیا کی آرائش اور زیبائش میں اور زرعی اور تعمیری ترقی میں ان موجودہ کافروں سے زیادہ کوششیں صرف کیں اور انہی لوگوں کے پاس اللہ کے رسول معجزات لے کر آئے اور ان کو آخرت کی دعوت دی مگر وہ لوگ دنیا کی ظاہری آرائش وزیبائش پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ رسول کے اور اہل ایمان کے دشمن ہو گئے بالآخر عذاب الٰہی سے تباہ اور برباد ہوئے۔ پس اس ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے کہ خدا کے رسولوں کا مقابلہ کیا اور اس پر قائم رہے اور اس جرم کی پاداش میں ہلاک ہوئے پھر ان بدکاروں کا انجام بھی بہت ہی بُرا ہوا بُروں کا انجام بھی بُرا ہی ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے استہزاء اور تمسخر کا درجہ تکذیب اور انکار سے بڑھ کر ہے اور یہ استہزاء ان کی عادت بن گئی تھی۔

## ذکر مبدأ ومعاد برائے تہدید اہل عناد

اب آیندہ آیات میں غافلان آخرت اور منکرینِ قیامت کی تہدید کے لیے مبدأ ومعاد کا ذکر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو ابتداء پیدا فرماتا ہے پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا پھر تم سب حساب وکتاب کے لیے اسی کی جانب لوٹائے جاؤ گے تا کہ اس روز اپنے برے انجام کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو اور تم کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے تمام اعمال محض جرم تھے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز یہ تمام مجرم نا امید اور حیرت زدہ رہ جائیں گے اس لیے کہ جرم ثابت ہو جائے گا اور انکار کی مجال نہ ہوگی اور حجت منقطع ہو جائے گی اور ان کے خود ساختہ شریکوں میں سے جن کو انہوں نے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا ان میں سے کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا یہ کافر دُنیا میں یہ کہا کرتے تھے کہ یہ شرکاء ہماری شفاعت کریں گے اس دن ظاہر ہو جائے گا کہ جن کو ہم نے شرکاء سمجھا تھا وہ مجبور محض ہیں الوہیت کا ان میں نام ونشان بھی نہیں اور بلکہ اس وقت یہ مشرکین خود اپنے شرکاء کے منکر ہو جائیں گے اور ان سے بَری اور بیزار ہو جائیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام: ۲۳) اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز متفرق ہو جائیں گے ہر فریق دوسرے فریق جیسا ہو جائے گا ایک گروہ اعلیٰ علیّین کی طرف جائے گا اور ایک گروہ اسفل السافلین کی طرف۔

یکے خنداں بصد عشرت یکے نالاں بصد عسرت
یکے در راحت وصلت یکے در شدت ہجراں

اہلِ جنت اہلِ جہنم سے جدا کر دیئے جائیں گے پس جو لوگ دنیا میں ایمان لائے اور انہوں نے اعمالِ صالحہ کیے تو وہ لوگ باغ جنت میں ایسے مسرور ہوں گے کہ سُرور کا اثر ان کے چہروں سے ظاہر ہوگا اور جن لوگوں نے دُنیا میں کفر کیا اور ہماری قدرت کی نشانیوں کو یا قرآن کی آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کی پیشی کا انکار کیا ایسے لوگ پابجولاں عذاب میں حاضر کیے جائیں گے اس طرح اہلِ سعادت اہلِ شقاوت سے جدا ہو جائیں گے اس امتیاز کا دارومدار ایمان اور کفر ہے۔

**فائدہ:** جمہور علماء تفسیر کے نزدیک ﴿فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ﴾ سے جنت کی خوش حالی مراد ہے۔

اور یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں: کہ اس سے خوش الحانی کے ساتھ تسبیح وتحمید اور تہلیل کا سماع مراد ہے جس کو سن کر اہلِ جنت مسرور ہوں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اہل جنت کو میری تسبیح وتحمید وتہلیل کا گیت سناؤ پس فرشتے

ایسی خوش الحانی کے ساتھ اللہ کی تسبیح وتحمید کا گیت سناویں گے کہ کسی سننے والے کے کان نے کبھی نہ سنا ہوگا اور فرشتوں کو یہ حکم ہوگا کہ میری تسبیح وتحمید کا گیت ان لوگوں کو سناؤ جنہوں نے دُنیا میں اپنے کانوں کو شیطانی باجوں سے محفوظ رکھا تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی ص ۱۲ ج ۱۴ اور تفسیر مظہری ص ۲۳۴ ج ۷ دیکھیں۔

**مسئلہ** کسی خوش الحان سے اللہ کی تسبیح وتحمید کا سماع یا کسی ایسے اشعار کا سماع جو یادِ آخرت میں ممد ہوں وہ جائز ہے بشرطیکہ وہ خوش الحان اور غزل خواں اجنبی عورت یا کم سن لڑکا نہ ہو اور بشرطیکہ طبلہ اور سارنگی نہ ہو اس لیے کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے غزل کا تو ذکر ہی کیا ہے اور طبلہ اور سارنگی اور اس قسم کے گانے بجانے کے آلات تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں حرام رہے ہیں البتہ اگر کسی کی بیوی خوش الحان ہو تو فقط اس کو اپنی بیوی کا سماع جائز ہے بشرطیکہ وہ خلوت اور تنہائی میں ہو اور کوئی نامحرم مرد اور نامحرم عورت وہاں موجود نہ ہو اور جو سماع قواعدِ شریعت کے تحت جائز ہو اس کے متعلق حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ ہے۔

زندہ دلاں مردہ تناں را رواست

مردہ دلاں زندہ تناں را خطاست

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بگویم سماع اے برادر کہ چیست — مگر مستمع را بدانم کہ کیست

گراں برج معنی بود طیر او — فرشتہ فرو ماند از سیر او

دگر مرد لہوت و بازی دلاغ — قوی ترشود لہوش اندر دماغ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سماع کی حقیقت جب بیان کروں کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ مستمع (سننے والا) کون ہے آیا وہ سماع کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں اگر بوقت سماع مستمع کا مرغ روح عالم بالا کی طرف ایسی پرواز کرے کہ جہاں تک پہنچنے سے فرشتہ بھی عاجز ہو جائے تو اس کا حکم دوسرا ہے یہ شخص سماع کا اہل ہے اور نااہل وہ ہے کہ سماع سے اس کے لہو ولعب اور نفسانیت میں اضافہ اور ترقی ہو جائے تو ایسا سماع بلاشبہ حرام ہے خاص کر جب کہ گانے والی کوئی خوبصورت عورت ہو یا کوئی حسین لڑکا ہو اور طبلہ اور سارنگی بھی ہو اور شیرینی اور مٹھائی کی ٹوکریاں بھی ہوں اور طبلہ بجانے والی چھوکریاں بھی ہوں تو اس کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ قیامت کے دن ہر فریق کو دوسرے فریق سے ممتاز اور جدا کر دیا جائے گا دُنیا میں اہل سعادت اور اہل شقاوت مخلوط تھے دنیا میں فریقین کا امتیاز ایمان اور کفر تھا مگر ظاہری طور پر مجتمع تھے آخرت میں بھی اوّل سب مجتمع ہوں گے پھر سب کو الگ الگ کر دیا جائے گا اہل سعادت منزل سعادت میں چلے جائیں گے اور اہل شقاوت منزل شقاوت میں چلے جاویں گے اور اہل سعادت کی صفت ایمان اور عمل صالح ہے اور منجملہ اعمالِ صالحہ کے محبوب ترین عمل اللہ کے نزدیک تسبیح وتحمید ہے اسی لیے جنت میں اہل سعادت کو تسبیح وتحمید کا گیت سنایا جائے گا اس لیے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کو بیان کرتے ہیں جب تم کو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور مبدأ ومعاد کا علم ہو گیا تو تم نعمت ایمان کے شکر میں اللہ کی تسبیح وتحمید میں لگے رہو یعنی اس کی تنزیہ وتقدیس بیان کرتے رہو کہ وہ خداوند قدوس جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور جس نے ہم کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق عطا کی وہ تمام عیبوں سے پاک اور منزہ ہے غرض یہ کہ تم ہر وقت اللہ کی تسبیح وتحمید میں لگے رہو خاص کر شام کے وقت میں اور صبح کے وقت میں یہ دونوں وقت اللہ کے خاص انوار وتجلیات کے ہیں اور

اللہ ہی کے لیے حمد وثنا ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اخیر دن میں اور جس وقت کہ تم (ظہیرہ) دوپہر کے وقت میں داخل ہوتے ہو ان اوقات میں خدا کا ذکر اور اس کی تسبیح وتحمید عذاب دوزخ سے رہائی کا ذریعہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم کو آسمان اور زمین کی پیدائش سے اللہ کی قدرت اور عظمت کا علم ہو گیا تو پھر صبح وشام اس کی تسبیح وتحمید اور تقدیس وتمجید میں لگے رہو ظاہری اسباب پر بھروسہ مت کرو حق عبودیت تو یہ ہے کہ بندہ کسی وقت بھی اللہ کی تسبیح وتحمید سے غافل نہ ہو لیکن صبح وشام اور دوپہر اور سہ پہر کے وقت خاص طور پر تسبیح وتحمید کا اہتمام ضروری ہے کہ ان اوقات میں خاص طور پر اللہ کی قدرت اور عظمت کے آثار خوب ظاہر ہوتے ہیں اس لیے ان اوقات میں خاص طور پر تسبیح کیا کرو نیز ان اوقات میں اللہ کی نعمتوں کا بھی خاص طور پر ظہور ہوتا ہے اس لیے ان اوقات میں بھی تسبیح وتحمید مناسب ہوئی پس اگر تم ان اوقات میں تسبیح وتحمید کرتے رہے تو تمہارا حشر اہل سعادت کے زمرہ میں ہوگا اور جنت کے باغوں میں تم کو حبور اور سرور نصیب ہوگا۔

جمہور علماء اسلام کے نزدیک یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئیں جب کہ پانچ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں اس لیے ان آیات میں مطلق تسبیح وتحمید مراد ہے کہ ان اوقات مذکور میں خاص طور پر اللہ کی تسبیح وتحمید کا اہتمام کریں اس وقت تک چونکہ پانچ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں اس لیے اوقات مذکورہ میں اللہ کی تسبیح وتحمید کافی تھی جس کی کوئی تعداد معین نہ تھی اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ان اوقات مذکورہ سے نماز پنجگانہ مراد ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (دیکھو قرطبی ص ۱۴ ج ۱۴ اور روح المعانی ص ۲۵ ج ۲۱)

﴿حِیْنَ تُمْسُوْنَ﴾ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور ﴿حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ سے صبح کی نماز مراد ہے اور ﴿عَشِیًّا﴾ سے نماز عصر مراد ہے اور ﴿حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ سے نماز ظہر مراد ہے غرض یہ کہ اس آیت میں نماز کے اوقات پنجگانہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿عَشِیًّا﴾ کا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آخر روز سے کیا ہے اور شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرے پہر سے اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے پچھلے وقت سے کیا ہے اس لیے ﴿عَشِیًّا﴾ سے عصر کی نماز مراد لینا صحیح اور درست ہے۔

اور ان تینوں ترجموں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ عصر کا وقت تیسرے مثل سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کیونکہ عرف میں آخر روز اور پچھلا وقت اور تیسرا پہر کا لفظ تو تیسرے ہی مثل پر صادق آتا ہے جو دن کا آخری حصہ ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے ﴿قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ﴾ (آل عمران: ۷۲) بظاہر اس آیت میں ﴿وَجْهَ النَّهَارِ﴾ سے صبح کی نماز کا وقت مراد ہے اور ﴿اٰخِرَ النَّهَارِ﴾ سے عصر کی نماز کا وقت مراد ہے جو دن کا آخری حصہ ہے۔

بہر حال اس آیت یعنی ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

**پہلا قول** یہ ہے کہ آیت میں عام اور مطلق تسبیح وتحمید کی تلقین وترغیب مراد ہے کہ اوقات مذکورہ میں تسبیح وتحمید کرنی چاہیے۔ اسی قول کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا اس لیے کہ اس سے پہلی آیت ﴿فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ﴾ میں نعمائے جنت کا ذکر ہے جو ہر لحہ تسبیح وتحمید سے معمور اور منور ہے اس لیے مناسب ہے کہ آیت کو مطلق تسبیح وتحمید کے حکم پر محمول کیا جائے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۲۵ ج ۲۱)

**اور دوسرا قول** یہ ہے کہ اس آیت میں نماز پنجگانہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (دیکھو تفسیر روح المانی ص ۲۵ ج ۲۱)

اور دوسرا قول پہلے قول کے منافی نہیں اس لیے کہ نماز کا افتتاح بھی تسبیح وتحمید سے ہوتا ہے۔ ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبٰرَكَ اسْمُكَ ... الی آخرہ﴾ لہٰذا نماز کی تسبیح وتحمید بھی عام تسبیح وتحمید میں داخل ہے اس لیے کہ عام میں خاص بھی داخل ہوتا ہے۔

## ذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

بہر حال اور بہر تقدیر حق تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول رہنا چاہیے اُخروی سعادت اور شقاوت کا دار ومدار اسی پر ہے اور وہ بلاشبہ اسی کا مستحق ہے اور خداوند قدوس کی قدرت کا عجیب حال ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے جیسے نطفہ سے انسان کو اور بیضہ سے چوزہ کو اور مردہ کو یعنی بے جان کو زندہ سے نکالتا ہے جیسے انسان سے نطفہ اور مرغی سے بیضہ اور ہزاروں حشرات الارض کا یکلخت زمین سے وجود میں آتے رہنا اور پھر انکا مٹی میں مل جانا اور خاک ہو جانا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اور زمین کو اس کے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے یعنی وہ نباتات سے ہری بھری ہو جاتی ہے۔ پس قیامت میں یہی ہوگا اور قیامت کے دن اسی طرح تم زندہ کر کے زمین سے نکالے جاؤ گے انسان صبح کے وقت نیند سے بیداری کی طرف نکلتا ہے حدیث میں ہے کہ ((النوم اخو الموت)) نیند موت کا بھائی ہے اور بیداری زندگی کے مشابہ ہے تو صبح کے وقت نیند سے بیداری کی طرف نکلنا گویا کہ موت سے حیات کی طرف نکلنا ہے اور عشاء کے بعد سو جانا یہ زندگی سے مردگی کی طرف نکلنا ہے۔ لہٰذا صبح کی بیداری اور عشاء کے بعد کی نیند یہ موت سے حیات کی طرف اور حیات سے موت کی طرف نکلنے کا نمونہ ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔ لہٰذا اس کے مماثل پیش آنے والے واقعہ کا کیوں انکار کرتے ہو اور کیوں اس کو محال بتاتے ہو لہٰذا اس انکار اور اصرار کو چھوڑ و اور خدا کی آیات قدرت پر نظر ڈالو صبح وشام اور دوپہر اور سہ پہر کے وقت میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا ظہور ہوتا ہے اور ان اوقات میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ لہٰذا ان وقتوں میں خاص طور پر تسبیح وتحمید کا اہتمام کرو تا کہ قیامت کے دن تم کو کام آئے اس لیے اب آئندہ آیات میں دوبارہ زندگی کے اثبات کے لیے دلائل قدرت بیان کرتے ہیں اور ان سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ تسبیح وتحمید کی وہی ذات مستحق ہے کہ جو کمال قدرت کے ساتھ موصوف ہے اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے چھ دلائل بیان کیے۔

### دلیل اوّل

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝۲۰﴾

اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک امر یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اچانک تم آدمی ہو کر زمین میں پھیل پڑے اور اسباب معاش کے مہیا کرنے کے لیے چلنے پھرنے لگے انسان کی جسمانی صورت اور اس کی روحانی حقیقت جس سے وہ اشیاء کا ادراک کرتا ہے حکمت کاملہ کا مخزن ہے کہ یہ جسم خاکی کس طرح عناصر اربعہ سے مرکب ہو کر علم وحکمت کا چشمہ بن گیا ظاہر ہے کہ نہ تو خود بخود ایسا ہو گیا اور نہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے بلکہ کسی قدیر وعلیم کے علم وقدرت کا کرشمہ ہے اسی طرح قیامت کے دن اجزاء منتشرہ کو جمع کر کے دوبارہ زندگی بخشی جائے گی۔

**فائدہ:** بنی آدم کی اصل اوّل حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو مٹی سے پیدا ہوئے اور انسان کی قریبی اصل نطفہ ہے جو غذا سے بنتا ہے اور غذائیں سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اس لیے قرآن مجید میں کہیں ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ آیا ہے اور کہیں ﴿خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا﴾ (الفرقان: ۵۴) اور

﴿مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ﴾ آیا ہے سب درست ہے کسی جگہ انسان کے مادۂ بعیدہ کی طرف اشارہ ہے اور کسی جگہ مادۂ قریبہ کی طرف اشارہ ہے انسان کی اصل اول مٹی ہے اور اصل ثانی پانی ہے۔

## دلیل دوم

﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝۲۱﴾

اور منجملہ اس کی آیات قدرت کے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ذاتوں سے یعنی تمہاری جنس سے جوڑے پیدا کیے یعنی عورتیں تا کہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے ان کی طرف میل کرو اور ان سے مل کر سکون حاصل کرو اور چین پکڑو اس لیے کہ ہم جنس ہونا میلان طبیعت اور رغبت کا سبب ہے اور خلاف جنس ہونا نفرت کا باعث ہے۔ نظم

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ ندارد ہیچ کس از جنس خود ننگ
بجنس خویش دارد میل ہر جنس فرشتہ بافرشتہ انس باانس

اور رکھ دیا تمہارے درمیان باہمی محبت والفت عقد تزویج ہوتے ہی آپس میں محبت اور الفت ہو جاتی ہے حالانکہ بسا اوقات پہلے سے کوئی جان پہچان ہی نہیں ہوتی اور تمہارے درمیان مہربانی رکھ دی کہ ایک دوسرے پر رحم کرتا ہے بے شک ان باتوں میں یعنی انسان کے مٹی سے پیدا کرنے میں اور پھر اس کی جنس سے ایک جوڑا پیدا کرنے میں اور پھر باہم محبت اور الفت پیدا کرنے میں خدا کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو فکر کرتے ہیں اور صنائع الٰہیہ میں غور کرتے ہیں غرض یہ کہ زن وشوہر کی محبت صرف خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ دو چیزوں کو جوڑ کر ایک بنا دیا اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے دن پراگندہ اجزاء کو جوڑ دے۔

## دلیل سوم

﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِكُمۡ وَاَلۡوَانِكُمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡعٰلِمِيۡنَ ۝۲۲﴾

اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے کہ آسمان تو غایت درجہ بلند اور زمین غایت درجہ پست اور زمین کے قطعات باہم مختلف اور من جملہ دلائل قدرت کے تمہاری زبانوں کا اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے ہر خطہ کی زبان الگ کوئی عربی کوئی فارسی اور کوئی ترکی اور کوئی ہندی وغیرہ وغیرہ اور ہر ایک کا لب ولہجہ مختلف اور کسی کا رنگ سرخ اور کسی کا سفید اور کسی کا کالا وغیرہ وغیرہ یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ خداوند عالم کی کاریگری ہے بے شک اس میں یعنی زبانوں اور لہجوں اور رنگتوں کے مختلف ہونے میں اس کی قدرت وحکمت کی بہت سی نشانیاں ہیں علم والوں کے لیے اور جس کو یہ دلائل قدرت نظر نہ آئیں وہ قطعاً جاہل ہے آسمان وزمین کی عظمت پر نظر ڈالو اور اپنی مختلف قسم کی بولی اور اپنی صورتوں اور شکلوں کی رنگا رنگی پر نظر ڈالو کیا یہ چیزیں خدا کی غیر متناہی قدرت پر دلالت نہیں کرتیں پس جس طرح دُنیا میں صفات اور حالات مختلف ہیں اسی طرح اگر آخرت میں بھی درجات مختلف ہوں تو کیا استبعاد ہے۔

## دلیل چہارم

﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَابۡتِغَآؤُكُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ۝۲۳﴾

اور من جملہ اس کی آیات قدرت کے تمہارا رات میں اور دن میں سونا ہے کہ سونے سے قوائے بدنیہ کو راحت اور سکون حاصل

ہوتا ہے اور منجملہ دلائل قدرت کے اللہ کے فضل کو یعنی رزق کو تلاش کرنا ہے کہ اس کی تلاش میں محنت اور مشقت اٹھاتے ہو اس میں یعنی سونے میں اور طلب معاش میں بہت سی آیات قدرت ہیں ان لوگوں کے لیے جو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور جو بدبخت نیچر کے سامنے گونگے اور بہرے بنے ہوئے ہیں وہ کچھ نہیں سنتے۔

یہاں تک دلائل انفس کا ذکر تھا اب آگے دلائل آفاق کا ذکر ہے۔

## دلیل پنجم

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾

اور منجملہ دلائل قدرت کی نشانیوں کے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے ڈر کے لیے اور اُمید کے لیے بجلی کے گرنے سے تم کو جان کا ڈر ہوتا ہے اور بارش کی طمع ہوتی ہے خدا کی قدرت کو دیکھو کہ اس نے ایک چیز میں بیک وقت دو متضاد صفتوں کو جمع کر دیا برق ایک ہے کوئی اس سے ڈر رہا ہے اور کوئی اس سے اُمید لگا رہا ہے اور آسمان کی طرف سے یا بادل سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس کے سبب سے زمین کو مردگی اور پژمردگی کے بعد زندہ کرتا ہے یعنی اس کو سرسبز اور شاداب کر دیتا ہے بے شک اس برق اور باراں میں قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب خدا کی قدرت کے کرشمے ہیں کسی نیچر اور ایتھر کا اثر نہیں اور اگر کسی کا گمان یہ ہے کہ یہ سب ایتھر اور نیچر کا اثر ہے تو بتلائے اور سمجھائے کہ کس طرح سے ہے محض زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ابر کو دیکھو کہ آب اور ہوا کا مجموعہ ہے یا خالص پانی ہے جو آگ کا دشمن ہے خدا کی قدرت کو دیکھو کہ وہ آب خالص میں سے ہوا اور پانی میں سے آگ نکال رہا ہے ضد میں سے ضد کا نکالنا اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

## دلیل ششم

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ﴾

اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں کے یہ ہے کہ آسمان بدون ستون کے قائم ہے اور زمین پانی پر ٹھہری ہوئی ہے اور یہ سب اللہ کے حکم سے ہے اس میں کسی ایتھر اور نیچر کو ذرہ برابر دخل نہیں۔

یہاں تک دلائل قدرت کا بیان ختم ہوا ظاہر میں یہ دلائل چھ ہیں لیکن درحقیقت دس سے زیادہ ہیں ایک ﴿مِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ کے ساتھ ایک دوسری دلیل بھی مذکور ہے ان سب دلائل کا حاصل یہ ہے کہ یہ تمام نظام عالم جس کا ان آیات قدرت میں ذکر ہوا وہ سب اللہ کی ارادہ اور مشیت سے چل رہا ہے اور ایک دن یہ سارا نظام درہم و برہم ہو جائے گا پھر اس وقت یہ ہوگا کہ وہ جب تم کو پکار کر زمین کے اندر سے بلاوے گا تو تم سب ایک بارگی زمین سے یعنی اپنی قبروں سے نکل پڑو گے تو اس وقت دوسرا نظام شروع ہو جائے گا اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ آیات قدرت تمہارے سمجھانے کے لیے بیان کی گئیں ورنہ بات یہ ہے کہ قیامت کے دن ایک خدائی ندا ہوگی جس کو سنتے ہی تم کھڑے ہو جاؤ گے اور قبروں سے نکل کر ہمارے سامنے حاضر ہو جاؤ گے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی اور اسی کے لیے مسخر ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے وہ سب کا خالق اور مالک اور رب ہے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں کسی کی مجال

نہیں کہ اس کے حکم سے سرکشی کر سکے اور وہی اللہ عزّ وجل ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر مار ڈالتا ہے پھر اس کو وہ دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ دوبارہ زندہ کرنا اس پر بہت آسان ہے تو پھر تم دوبارہ پیدا کرنے کے کیوں منکر ہو اور اسی کے لیے شان اور صفت سب سے اعلیٰ اور برتر ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی غالب ہے عاجز اور مغلوب نہیں اور وہی حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں جن کے دل زنگ آلودہ نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

بتائی تم کو ایک کہاوت تمہارے اندر سے تمہارے جو ہاتھ کے مال ہیں ان میں

مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ

کوئی ساجھی تمہارے؟ ہماری دی روزی میں کہ تم سب اس میں برابر رہو خطرہ رکھو اُن کا جیسے خطرہ رکھو

اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ

اپنوں کا یوں کھولتے ہیں ہم پتے اُن لوگوں کو جو بوجھتے ہیں بلکہ چلے ہیں

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ

یہ بے انصاف اپنے چاؤ پر بن سمجھے سو کون سوجھاوے جس کو اللہ نے بھکایا

اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ

اور کوئی نہیں ان کے مددگار سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ

وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں اللہ کے بنائے کو

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ

یہی ہے دین سیدھا لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے سب رجوع ہو کر

اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾

اس کی طرف اور اس سے ڈرتے رہو اور کھڑی رکھو نماز اور مت ہو شریک والوں میں

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ

جنہوں نے پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت جتھے ہر فرقہ جو اپنے پاس ہے اس پر

فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ

ریجھ رہے ہیں اور جب لگے لوگوں کو کچھ سختی پکاریں اپنے رب کو اس کی طرف رجوع ہو کر پھر

اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

جہاں چکھائی ان کو اپنی طرف سے کچھ مہر تبھی ایک لوگ ان میں اپنے رب کا شریک لگے بتانے

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا

کہ منکر ہو جاویں ہمارے دیئے سے سو کام چلا لو اب آگے جان لو گے کیا ہم نے اُن پر اتاری

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِذَآ اَذَقْنَا

ہے کوئی سند سو وہ بولتی ہے جو یہ شریک بتاتے ہیں اور جب چکھاویں ہم

النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

لوگوں کو کچھ مہر اس پر ریجھنے لگیں اور اگر آپڑے ان پر کوئی برائی اپنے

اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

ہاتھوں کے بھیجے پر تبھی آس توڑ دیویں کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی

لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَ يَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

جس پر چاہے اور ماپ کر دیتا ہے اس میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

سو تو دے ناتے والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان کو

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ

جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ اور وہی جن کا بھلا ہے اور جو دیتے ہو

رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ

بیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں وہ نہیں بڑھتا اللہ کے ہاں اور جو دیتے ہو

زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝٣٩ اَللّٰهُ الَّذِيْ

پاک دل سے چاہ کر منہ اللہ کا سو وہی ہیں جن کے دونے ہوئے اللہ وہی ہے جس نے

خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ

تم کو بنایا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو جلاوے گا کوئی ہے تمہارے شریکوں میں

مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٤٠ ع ۴

جو کر سکے ان کاموں میں ایک وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے جو شریک بتاتے ہیں۔

## بیان مثال برائے اظہارِ جہالت اہل شرک وضلال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ ... الی ... سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٤٠﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے وحدانیت کے دلائل ذکر کیے۔ اب مشرکین کی جہالت اور ضلالت ظاہر کرنے کے لیے خود انہی کے احوال میں سے ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خود تمہارے ہی احوال میں سے شرک کی برائی ظاہر کرنے کے لیے ایک مثال بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ کیا اے آزاد لوگو تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ جس چیز کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی تمہارے لونڈی غلام جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں اور محض ظاہری اور مجازی طور پر تم ان کے مالک ہو اور یہ ملک مجازی بھی دائمی اور مستقل نہیں بیع اور ہبہ کے ذریعہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہوسکتی ہے بخلاف ملک خداوندی کے کہ وہ حقیقی اور دائمی ہے خدا کا بندہ کسی طرف بھی خدا کی ملک سے نکل نہیں سکتا پس کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ ان مجازی غلاموں میں سے کوئی تمہارا اس مال و دولت میں شریک اور ساجھی اور حصہ دار بن جائے جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے یعنی وہ رزق جو تمہارے پاس ہے وہ ہمارا ہی عطا کردہ ہے تمہارا پیدا کردہ نہیں جیسے مشترک جائیداد میں کئی بھائی حصہ دار ہوتے ہیں پھر تم اور وہ سب اس میں مساوی اور برابر ہو جائیں یعنی اس مال و دولت کے تصرف میں سب یکساں ہو جائیں حاصل یہ کہ تم میں سے کوئی اس پر راضی نہیں کہ اس کا مجازی غلام اس کے مال و دولت میں برابر کا ساجھی اور شریک ہو جائے تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم اپنے مملوک غلاموں سے ایسا ڈرتے ہو جیسے تم اپنے جیسے آزاد بھائیوں اور خویش واقارب سے ڈرتے ہو۔ پس جب تم اپنے مجازی غلاموں کو ہمارے دیئے ہوئے رزق میں اپنا شریک بنانا پسند نہیں کرتے تو بندوں کا مالک حقیقی کے ساتھ شریک کرنا کیسے پسند کرتے ہو جس کی ملکیت ایسی دائم اور قائم ہے کہ کوئی کسی طرح بھی اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوسکتا۔ پس جب کہ مملوک مجازی مالک مجازی کے برابر نہیں ہوسکتا تو مملوک حقیقی مالک حقیقی کے کیسے برابر ہوسکتا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک

کی قباحت اور برائی ظاہر کرنے کے لیے ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے جو ان کے احوال کے مناسب ہے اور درحقیقت وہ وحدانیت کی دلیل ہے اور مسکت دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تم اپنے حال اور مآل کی خبر رکھتے ہو تو ذرا دیکھو تو سہی تم بھی بزعم خود غلاموں کے مالک ہو گو یہ ملکیت محض اضافی اور مجازی ہے اور چند روزہ ہے جس کو خدا کی ملکیت سے کوئی نسبت نہیں یہ غلام تمہارے پیدا کردہ نہیں اور یہ مال و دولت جو ہم نے تم کو دے رکھا ہے وہ بھی تمہارا پیدا کردہ نہیں تم سب اللہ ہی کی روزی کھاتے ہو۔ پس جب تم اپنے مجازی غلاموں کا اپنا شریک ہونا پسند نہیں کرتے تو خدا کے مخلوق کا خالق حقیقی اور مالک حقیقی کے ساتھ شریک گردانا کیسے پسند کرتے ہو اور جب تم اپنے مجازی غلاموں کی پرواہ نہیں کرتے جو تمہارے ہم جنس ہیں تو مالک حقیقی تمہاری کیا پرواہ کرے۔

اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں دلائل قدرت و وحدت کو اس گروہ کے واسطے جو عقل سے کام لیتے ہیں مگر ظالم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ ان مشرکوں نے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا بجائے عقل سے کام لینے کے بغیر جانے اور بغیر سمجھے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے اور گمراہ ہوئے پس اس شخص کو کون ہدایت دے جس کو اللہ نے گمراہ کیا ہو اور نہ ایسوں کا کوئی مددگار ہے کہ جو عذاب دوزخ سے ان کو بچا سکے۔

## دین فطرت پر قائم رہنے کی ہدایت

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ دین اسلام حق ہے اور عین عقل اور فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے تو اے طالب ہدایت سب ادیان باطلہ سے ہٹ کر اپنا چہرہ اور اپنا رخ سیدھا دین حق کی طرف کر دے اور ہر دین باطل سے منہ پھیر کر اور منہ موڑ کر دین اسلام کی طرف جھک جا جو دین توحید ہے اور دین فطرت ہے سب کو چھوڑ کر فطرتِ الٰہی کو لازم پکڑو اور اس پر قائم ہو جاؤ جس پر اللہ نے بنی آدم کو پیدا کیا ہے فطرت کے معنی خلقت کے ہیں اس جگہ فطرت سے مراد دین اسلام اور توحید ہے اور حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس لیے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جو بچہ خواہ وہ مسلمان کا یا کافر کا نابالغی کی حالت میں مر جائے تو وہ مسلمان مرا اس پر عذاب نہ ہوگا۔

اور علماء محققین یہ کہتے ہیں کہ فطرت سے عین اسلام مراد نہیں بلکہ استعداد اور صلاحیت اور قابلیت مراد ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ فطری اور طبعی طور پر اسلام کے طریقہ پر پیدا ہوتا ہے اور اس کی فطرت میں اسلام قبول کرنے کا مادہ رکھا جاتا ہے کہ اگر اس کو مانع پیش نہ آئے تو وہ بلاشبہ اسلام ہی کو قبول کرے لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں یعنی جس دین پر اس کے ماں باپ ہوتے ہیں اسی پر اس مولود کو کر لیتے ہیں لیکن اس سے اس کی اصل استعداد اور صلاحیت زائل نہیں ہو جاتی بلکہ وہ ہمیشہ اس کی طبیعت میں قائم رہتی ہے لیکن عوارض اور موانع کی وجہ سے مستور ہو جاتی ہے اور جب وہ مانع اور عارض دور ہو جاتا ہے تو وہ استعداد پھر ظاہر ہو جاتی ہے جیسا کہ آئندہ آیت یعنی ﴿لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ﴾ میں اس کی طرف اشارہ ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کی بنائی فطرت اور پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں اس آیت کی تفسیر میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ ﴿لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ﴾ جملہ خبریہ ہے کہ انسان کی اصل فطرت اور اصل طبیعت میں قبول حق کی صلاحیت اور استعداد رکھی گئی ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اللہ کی فطرت اور خلقت میں تغیر و تبدل کر سکے یہودی اور نصرانی ہو جانے کے بعد بھی قبول حق کی استعداد اور صلاحیت باقی رہتی ہے ورنہ اگر فرض کرو کہ

فرعون اور ہامان اور ابوجہل اور ابولہب میں قبول حق اور قبول اسلام کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہوتی تو وہ ایمان اور اسلام کے مکلّف ہی نہ ہوتے اینٹ اور پتھر یا جانور کی طرح ہوتے اور اتباع شریعت کے مکلّف نہ ہوتے۔

اور اس آیت یعنی ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ﴾ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جملہ انشائیہ ہے یعنی ﴿لَا تَبْدِيْلَ﴾ سے نفی کے معنی مراد نہیں بلکہ نہی کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک کر کے اللہ کی فطرت کو متغیر اور متبدل نہ کرو جس فطرت پر اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے وہ ایک تخم ہدایت ہے اس کو تم اپنے اختیار سے خراب نہ کرو اور بے توجہی سے اس کو ضائع نہ کرو یہ فطرت سلیمہ حق جل شانہ کا خاص عطیہ ہے اس کی پوری پوری حفاظت کرو اندیشہ ہے کہ شیاطین الانس والجن اس کو خراب نہ کر دیں یہی دین جس کی طرف تم کو منہ سیدھا کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہی سیدھا اور درست دین ہے جو عین خداداد فطرت کے مطابق ہے جس میں کجی کا نام و نشان نہیں سیدھا خدا تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اور اس کے سوا جو اور دین ہیں وہ سب ہواء و ہوس اور نفسانی خواہشوں کے پیدا کیے ہوئے ہیں ولیکن بہت سے لوگ جانتے اور سمجھتے نہیں کج طبعی کی وجہ سے سیدھی راہ کو چھوڑ کر ٹیڑھی راہ پر جا رہے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ میں فطرت سے عہد الست مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ عہد الست اور اقرار ربوبیت پر پیدا ہوتا ہے اور یہ اقرار ربوبیت ہر شخص کی فطرت میں راسخ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللهُ﴾ (لقمان: ۲۵) لیکن شریعت میں اس ایمان فطری کا اعتبار نہیں اس لیے کہ یہ امر محض اضطراری ہے اور شریعت میں اس ایمان کا اعتبار ہے جو اختیاری ہو یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے حق کو قبول کرے اور احکام خداوندی کی تصدیق کرے اور اس تحقیق سے پہلے قول والوں کا بھی جواب ہو گیا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ فطرت سے عین اسلام مراد ہے اس لیے کہ وہ ایمان فطری ہے جس میں شعور اور اختیار کو کوئی دخل نہیں اور نجات اخروی کا دارومدار ایمان اختیاری پر ہے۔ (شیخ زادہ حاشیہ تفسیر بیضاوی ص ۲۷ ج ۴)

**خلاصۂ کلام** یہ کہ اے لوگو! فطرتِ اسلامی کو مضبوط پکڑو اور عہدِ الست اور اقرار ربوبیت پر قائم رہو در آنحالیکہ تم سب سے منہ موڑ کر بالکلیہ اور ہمہ تن اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور متوجہ ہونے والے ہو جاؤ تاکہ تمہاری فطرت سلیمہ خراب نہ ہو اور اقرار ربوبیت کے بعد اپنے عہد اور اقرار سے رجوع نہ کرو اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو اور نماز کو قائم رکھو جو دین کا ستون ہے اور شرک کرنے والوں میں سے مت بنو ہر عمل خالص اللہ کے لیے کرو اعتقاداً اور عملاً کسی کو اس میں شریک نہ کرو کفر اور شرک سے عہدِ الست اور اقرار ٹوٹ جاتا ہے اور جس فطرتِ سلیمہ پر اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے وہ خراب یا ضائع ہو جاتی ہے خداداد فطرت کی اگر حفاظت مطلوب ہے تو ان باتوں کو ملحوظ رکھو۔ ① اخلاص اور ② تقویٰ اور ③ نماز۔

گزشتہ آیت یعنی ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ میں یہ ارشاد فرمایا کہ شرک کرنے والوں کی جماعت میں نہ داخل ہونا۔ اب آئندہ آیت میں اس جماعت کی تشریح فرماتے ہیں یعنی ان لوگوں کی جماعت میں سے نہ ہو جانا کہ جنہوں نے اپنے اصلی دین کے یعنی دین فطرت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور جس دین فطرت پر ان کو قائم رہنے کا حکم تھا اس پر تو قائم اور متفق نہ رہے بلکہ اپنی خواہشوں اور خیالات کی بنا پر گروہ گروہ بن گئے اور شیعہ ہو گئے اور ہر گروہ اور ہر فرقہ اس چیز پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے ہر فرقہ اپنے خیال پر ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اسے اپنی غلطی کے امکان کا تصور بھی نہیں اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ لوگوں نے دنیا میں نئے نئے مذہب نکال لیے ہیں لیکن دین اسلام اور دینِ توحید یہی دین، فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور دلیل اس کی کہ توحید

اسلام دین فطرت ہے یہ ہے کہ جب لوگوں کو کوئی سختی اور شدت اور مصیبت پہنچتی ہے اور ظاہری اسباب جواب دے دیتے ہیں تو اس وقت فطرت اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے اور فطرت کا جو ذاتی اقتضاء ہے وہ ظاہر ہونے لگتا ہے بایں طور کہ جب اس شدت اور سختی میں پھنس جاتے ہیں تو بے اختیار ہو کر اپنے اسی رب کو پکارتے ہیں جس کی ربوبیت کا عہدِ الست کے وقت اقرار کر چکے ہیں اور یہ اقرار ربوبیت اس درجہ طبیعت میں راسخ ہو چکا ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے تو بے قرار ہو کر اسی رب کی طرف رجوع کرنے والے ہو جاتے ہیں جس کی ربوبیت کا ازل میں اقرار کر چکے ہیں اس وقت خدا کے سوا جن کو مشکل کشا سمجھے ہوئے تھے ان کو بھول جاتے ہیں مصیبت کے وقت نفسانی خواہشیں دور ہو جاتی ہیں اور فطرت اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتی ہے۔

مثل مشہور ہے کہ مصیبت کے وقت خدا یاد آتا ہے مگر پھر قریب ہی میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے کسی مہربانی کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ پھر خدا کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے گویا کہ ان کے اس طرز عمل کا حاصل یہ ہے کہ تاکہ ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے ان کو عطا کی یعنی ہم نے تو ان کو اپنی رحمت سے بلا سے نجات دی مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے شکر اور اطاعت کے کفران نعمت اور معصیت کرنے لگے اچھا اے لوگو! چند روز مزے اڑا لو عنقریب جان لوگے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے کیا ہم نے ان لوگوں پر کوئی دلیل اور برہان اتاری ہے پس وہ دلیل بولتی ہو اس چیز کے متعلق جو یہ شرک کرتے ہیں یعنی وہ دلیل ان کو شرک کی تعلیم دیتی ہو یہ تو کھلے مشرکوں کے حال کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیت میں عام انسانی جبلت کا حال بیان کرتے ہیں خواہ وہ علانیہ طور پر مشرک ہوں یا نہ ہوں اس لیے کہ بعض ضعیف الایمان اور ناقص الایمان اللہ کے فضل ہونے سے خوش ہو جاتے ہیں اور اترانے لگتے ہیں اور سختی اور مصیبت کی حالت میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں چونکہ یہ مایوسی بھی ایک قسم کا کفر ہے اس لیے خاص مشرکین اور کافرین کے حال کے بعد عام لوگوں کا حال بیان فرمایا تاکہ اس ضمن میں اہل ایمان کو تنبیہ ہو جائے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان کے اعمالِ بد کے بدلہ میں جو ان کے ہاتھوں نے کئے ہیں انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بس وہ فوراً مایوس ہو جاتے ہیں بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ فراخی میں نہ اتراتے ہیں اور نہ تنگی میں نا اُمید ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ رزق کی وسعت اور تنگی سب اللہ کی تقدیر اور اس کی مشیت اور حکمت سے ہے کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے اس کے رزق میں وسعت دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں دونوں صورتیں اللہ کی حکمت اور مشیت سے ہیں رزق کی وسعت کا دارومدار کسی کے ذاتی استحقاق پر نہیں۔ لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ تنگی میں پریشان اور نا اُمید نہ ہوں اور فراخی میں مغرور اور مست ہو کر خدا کو نہ بھول جائیں۔ لہٰذا فطرت سلیمہ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ ہی کو رازق سمجھے اسباب ظاہری پر اعتماد نہ کرے پس مؤمن کو چاہیے کہ تنگی ہو یا فراخی ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہے اور اس کی رضا اور خوشنودی کا طلب گار رہے اپنے فائدہ پر نظر نہ رکھے پس اے انسان جب تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ اصل رزق دینے والا حق تعالیٰ ہے تو تجھ کو چاہیے کہ خدا کے دیئے ہوئے رزق کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔

لہٰذا صاحب قرابت کو حق قرابت دے اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کر اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق دے یعنی اگر اللہ تجھ کو فراخی دے تو یہ تین کام کر۔ شریعت نے اقرباء کے ساتھ جس طرح تم کو سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرو یعنی شریعت کے مطابق مالی حقوق ادا کرنا بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے

والے ہیں جو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں نہ کہ نام آوری اور کسی دُنیاوی غرض کے لیے اور خویش و اقارب اور فقراء و مساکین کی اعانت اور امداد محض اللہ کی رضامندی کے لیے یہی اعلیٰ ترین تمدن ہے۔

اہل زمانہ چونکہ سودی کاروبار میں مبتلا تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ سود سے مال میں زیادتی اور ترقی ہوتی ہے اور صدقہ و خیرات سے مال میں کمی آجاتی ہے اس لیے آئندہ آیات میں متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ مت سمجھنا کہ اقرباء اور فقراء کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے سے مال میں کمی آجائے گی سلوک اور احسان سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ سود سے کم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو تم سود دیتے ہوتا کہ لوگوں کے مال میں زیادتی ہوجائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا حرام کے ذریعہ سے جو مال آئے وہ ظاہر میں بڑھتا ہے مگر حقیقت میں گھٹتا ہے جیسے رشوت سے بظاہر مال بڑھتا نظر آتا ہے مگر درحقیقت وہ مال پیشاب اور پاخانہ کا سنڈاس ہے نجاست کے سنڈاس کو ترقی سمجھنا حماقت ہے فطرتِ سلیمہ اس حرص اور طمع کی اجازت نہیں دیتی اور سارا قرآن اور حدیث اسی سے بھرا پڑا ہے نجاست کے کیڑے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر سودی کاروبار بند ہوجائے تو ہم سب پر موت آجائیگی اس لیے کانفرنسیں کرتے ہیں اور علماء سے کہتے ہیں کہ سود کی حرمت ترقی کی راہ میں مزاحم ہے سبحان اللہ فطرتِ سلیمہ کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ پیشاب کو عرق گلاب کہنے لگے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں ربا سے سود بیاج مراد نہیں بلکہ ربا سے وہ ہدیہ اور ہبہ مراد ہے جو کسی کو اس نیت سے دیا جائے کہ وہ شخص اس سے بڑھ کر احسان کردے گا تو ایسا احسان اللہ کے نزدیک موجب خیر و برکت نہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ (المدثر:۶) ایسا مال اللہ کے نزدیک پھلتا اور پھولتا نہیں کسی شخص کو کوئی چیز اس نیت سے دینا کہ وہ مجھے اس سے زیادہ دیدے گا بظاہر اگرچہ یہ ربا حرام نہیں مگر نیت اور ارادہ کے اعتبار سے یہ بھی ایک قسم کا ربا ہے۔

آیت کی یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے خوب سمجھ لو شریعت کی نظر میں جس طرح ظاہری ربا حرام ہے اسی طرح باطنی اور پوشیدہ ربا بھی حرام ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ کسی کی حرمت اور نجاست ظاہر ہے اور کسی کی پوشیدہ ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ سود سے مال میں ترقی اور زیادتی نہیں ہوتی اب آگے اس کے بالمقابل زکوٰۃ اور صدقات کو بیان کرتے ہیں کہ خدا کی راہ میں خدا کی خوشنودی کے لیے خرچ کرنے سے مال میں برکت اور ترقی اور زیادتی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو تم زکوٰۃ اور خیرات دو جس سے تمہارا مقصود محض اللہ کی رضامندی اور خوشنودی ہو تو سمجھ لو کہ ایسے ہی لوگ اپنے مال کو اضعافًا مضاعفۃ "زیادہ درزیادہ" کرنے والے ہیں ایک کے کم از کم دس بنانے والے ہیں ترقی تو یہ ہے حدیث میں ہے کہ صدقہ اللہ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے اور پھر اللہ اس کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ اُحد پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے۔

اب آگے پھر مشرکین کی تنبیہ کے لیے توحید کو بیان کرتے ہیں خدائے برحق وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا تم کو روزی دی تاکہ تم اس کی روزی سے زندہ رہ سکو پھر تم کو موت دے گا پھر قیامت کے دن تم کو زندہ کرے گا بھلا تمہارے شرکاء میں سے بھی کوئی ایسا ہے کہ جو ان کاموں میں سے کوئی کام کرسکے یا مارسکے یا جلاسکے اور ظاہر ہے کہ کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ پس ثابت ہوگیا کہ وہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں کوئی اس کا شریک نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ

کھل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھایا چاہے اُن کو

بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ

کچھ مزہ ان کے کام کا کہ شاید یہ پھر آویں تو کہہ پھرو ملک میں

فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ

تو دیکھو آخر کیسا ہوا پہلوں کا بہت ان میں تھے

مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ

شریک والے سو تو سیدھا کر اپنا منہ سیدھی راہ پر اس سے پہلے کہ آ پہنچے

يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ

ایک دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کی طرف سے اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے جو منکر ہوا سو اس پر پڑے اس کا

كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ

منکر ہونا اور جو کرے بھلے کام سو اپنی راہ سنوارتے ہیں کہ وہ بدلہ دے ان کو جو

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾

یقین لائے اور بھلے کام کیے اپنے فضل سے بے شک اس کو نہیں بھاتے انکار والے

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ

اور اس کی نشانیوں میں ایک یہ کہ چلاتا ہے باویں خوشخبری لانے والی اور تا چکھاوے تم کو کچھ مزہ اپنی مہر کا

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٦﴾

اور تا چلیں جہاز اس کے حکم سے اور تلاش کرو اس کے فضل سے اور شاید تم حق مانو

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم پاس پھر آئے ان پاس پتے لے کر

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞۴۷

پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے جو گنہگار تھے اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔

## ذکر وبال ونحوست کفر ومعصیت دردارِ دُنیا

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۞۴۱ ... الٰی ... وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞۴۷﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں کفر اور شرک اور معصیت پر تہدید تھی۔ اب ان آیات میں کفر اور معصیت کی نحوست کو بیان کرتے ہیں کہ یہ ایسی منحوس چیزیں ہیں کہ بسا اوقاتِ دُنیا ہی میں بداعمالی کی وجہ سے طرح طرح کی بلائیں اور آفتیں اور مصیبتیں پیش آتی ہیں جیسے قحط اور سیلاب اور طاعون وغیرہ اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سزا کا کچھ مزا چکھا دیا جاتا ہے باقی پوری سزا تو آخرت میں ملے گی اور ان دُنیاوی مصائب وآفات کے نازل کرنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی بداعمالی پر متنبہ ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے دنیا میں چل پھر کر دیکھ لے کر دُنیا کی بڑی بڑی قومیں کفر اور معصیت کے جرم میں کیسی تباہ اور برباد ہوئیں کہ آج صفحہ ہستی پر کہیں ان کا نام ونشان نظر نہیں آتا چنانچہ فرماتے ہیں خشکی اور تری میں جنگل اور دریا میں یعنی تمام دُنیا میں لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے فساد اور تباہی ظاہر ہوگئی کہیں قحط اور وباء ہے اور بیماری ہے اور کہیں طوفان اور سیلاب ہے ہر طرف لوٹ مار ہے یہ ساری بلائیں لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ظاہر ہورہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا کچھ مزہ دُنیا ہی میں چکھا دے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی شاید وہ سزا کا کچھ مزہ چکھنے سے اپنے کفر اور معصیت سے باز آجائیں یعنی وباؤں اور بلاؤں کو دیکھ کر غفلت سے بیدار ہوں اور شرک اور بداعمالیوں کو چھوڑ دیں اور توحید اور طاعت کی طرف رجوع کریں۔

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے زمین میں اللہ کی نافرمانی کی اس نے زمین میں فساد پھیلایا اور جس نے طاعت کی اس نے زمین کو درست کیا۔

اے نبی ﷺ! اگر مشرکین کو اس بارہ میں کچھ تردد ہے تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ جاؤ اور زمین میں چلو پھرو پھر آنکھیں کھول کر دیکھو کہ پچھلے لوگوں کا کیسا بُرا انجام ہوا ان ہلاک ہونے والوں میں اکثر مشرک ہی تھے سوائے مخاطب تو اپنا رخ اسی دین راست یعنی توحید اسلام کی طرف کرلے قبل اس کے کہ خدا کی طرف سے وہ دن آئے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا جب وہ دن آئے گا تو لوگ الگ الگ ہوجائیں گے ہر فریق دوسرے فریق سے جدا ہوجائے گا ﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ (الشعرآء) بایں طور کہ جس نے دنیا میں کفر کیا تو اس پر کفر کا وبال ہوگا اور جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں وہ اپنی ہی راحت کا سامان کر رہے ہیں اور قیامت کے دن ہر فریق کا جدا ہونا اس لیے ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزاء خیر دے جو اول ایمان لائے اور پھر جنہوں نے نیک کام کئے اس لیے کہ بغیر ایمان کے کوئی عمل خیر معتبر نہیں بالیقین اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا اس لیے کافروں کو جدا کر کے دوزخ میں بھیجے گا وہ فضل کے

مستحق نہیں دن رات خدا کی قدرتوں کا اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتا رہا پھر بھی ایمان نہ لایا اور نہ خدا کی نعمتوں کی قدر کی چنانچہ فرماتے ہیں: اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ باران رحمت کی خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں تا کہ تم خوش ہو جاؤ اور تا کہ تم کو اپنی رحمت کا کچھ مزہ چکھائے تا کہ تمہاری کھیتیاں اور باغات سرسبز و شاداب ہوں اور تم ان کا پھل کھاؤ اور تا کہ ان ہواؤں کے ذریعہ کشتیاں اللہ کے حکم سے رواں ہوں اور تم بسہولت سفر کر سکو اور تا کہ تم دریا کا سفر کر کے اللہ کے فضل کی جستجو اور تلاش کر سکو یعنی کشتیوں کے ذریعہ تجارت کر سکو تا کہ سمجھ لو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا ظہور اسباب کے پردہ میں ہوتا ہے اور تا کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کا شکر کرو اور کفر اور معصیت کو چھوڑ و اللہ نے تمہارے لیے یہ سامان راحت مہیا کیے تا کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر کرو اور ہمارے رسول کی ہدایت کے مطابق ہماری اطاعت کرو اور اے نبی ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا پس وہ رسول اپنی قوموں کے پاس معجزات واضحہ لے کر آئے اور ان کو اللہ کا پیغام پہنچایا پس بعض ان میں سے ایمان لائے اور بعض نے کفر اور انکار کیا اور مجرم بنے اور رسول کی اور اہل ایمان کی عداوت اور ایذا رسانی پر تل گئے پس ہم نے مجرمین سے رسول کا اور اہل ایمان کا انتقام لے لیا مجرموں کو ہلاک کیا اور اہل ایمان کی مدد کی اور ہم پر اہل ایمان کی مدد کرنا حسب وعدہ لازم تھا مطلب یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کوئی نئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے آپ ﷺ سے پہلے جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام سے سرکشی کی ہم نے ان کو سزا دی ان آیات سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے آپ ﷺ ان کی تکذیب اور عداوت سے رنجیدہ نہ ہوں یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہم حسب سابق آپ کی اور اہل ایمان کی مدد کریں گے اور ان مجرموں سے آپ کا انتقام لیں گے اور اہل ایمان کی نصرت منجملہ آثارِ رحمت کے ہے اور سب چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اس لیے آیندہ آیات میں پھر اپنے آثار قدرت اور آثار رحمت کو ذکر کرتے ہیں کہ مختلف قسم کی ہوائیں اور مختلف قسم کے بادل اور مختلف قسم کی بارشیں سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ

اللہ ہے جو چلاتا ہے باویں پھر اُبھارتیاں ہیں بدلی پھر پھیلاتا ہے اس کو آسمان میں

كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ

جس طرح چاہے اور رکھتا ہے اس کو تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے

فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۚ ﴿۴۸﴾ وَ

پھر جب اس کو پہنچایا جس کو چاہے اپنے بندوں میں تبھی وہ لگے خوشیاں کرنے اور

اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾

پہلے ہو رہے تھے اس کے اترنے سے پہلے ہی ناامید

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ

سو دیکھ اللہ کی مہر کے نشان کیونکر جلاتا ہے زمین کو اس کے مرے پیچھے بے شک

ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا

وہ ہے مردے جلانے والا اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اگر ہم بھیجیں

رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

ایک باؤ پھر دیکھیں وہ کھیتی زرد پڑ گئی تو لگیں اس پیچھے ناشکری کرنے سو تو سنا نہیں سکتا

الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ

مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا جب پھریں پیٹھ دے کر اور نہ

اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا

تو راہ سو جھاوے اندھوں کو ان کے بھٹکنے سے تو تو سناوے اس کو جو یقین مانے ہماری باتیں

ع ۵ ۱۳ ۸ فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ

سو وہ مسلمان ہوتے ہیں اللہ ہے جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا

مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ

کمزوری پیچھے زور پھر دے گا زور پیچھے کمزوری اور سفید بال،

يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

بناتا ہے جو چاہے اور وہ ہے سب جانتا کر سکتا اور جس دن اٹھے گی قیامت

يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

قسمیں کھاویں گے گنہگار کہ ہم نہیں رہے ایک گھڑی سے زیادہ اس طرح تھے الٹے جاتے

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى

اور کہیں گے جن کو ملی سمجھ اور یقین تمہارا ٹھہراؤ تھا اللہ کے لکھے میں

يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

جی اٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اٹھنے کا دن پر تم نہ تھے جانتے

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

سو اس دن کام نہ آوے گی ان گنہگاروں کو تقصیر بخشوانی اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے۔

## ذکر بعض دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ . . . الٰى . . . وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾﴾

**ربط**: گذشتہ آیات میں زیادہ تر ایسے دلائل قدرت ذکر کیے جو الوہیت اور وحدانیت کے مثبت تھے۔ اب ایسے چند دلائل قدرت ذکر کرتے ہیں کہ جو قیامت اور فناء عالم اور بعث بعد الموت اور حیات ثانیہ کے لیے مثبت ہوں اور بعد ازاں کچھ احوال قیامت کو بیان کیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں: خدا برحق وہ ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں پھر اٹھاتی ہیں وہ ہوائیں ابر کو پھر پھیلاتا ہے اللہ اس ابر کو آسمان کی جانب میں جس طرح چاہے کہیں کم اور کہیں زیادہ اور کہیں سفید اور کہیں سیاہ پھر اس کو تہ برتہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش اس ابر کے درمیان سے نکلتی ہے اور جہاں جتنی بارش چاہتا ہے اتنی ہی بارش ہوتی ہے پھر جب خدا اس بارش کو اپنے بندوں میں سے جس کو پہنچاتا ہے تو ناگاہ وہ خوش ہو جاتے ہیں اور ان کو قحط کے دور ہونے کی اُمید ہو جاتی ہے اور تحقیق وہ اس بارش کے نازل ہونے سے پہلے نا اُمید تھے بارش کے نازل ہونے سے ان کی نا امیدی امید میں بدل گئی بارانِ رحمت کے نزول کا اصلی سبب اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہے اور فلاسفہ جو یہ کہتے ہیں کہ سمندر سے بخارات بذریعہ ہوا بلند ہو کر سحاب بن کر برستے ہیں اگر یہ امر کسی دلیل قطعی سے ثابت بھی ہو جائے تو یہ محض ایک ظاہری سبب ہے اور ظنی ہے قطعی نہیں یہ سب چیزیں اللہ کے فضل کے ظہور کے اسباب ہیں بالذات مؤثر نہیں ان میں سے بندہ کے اختیار میں کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ خدا کی قدرت کاملہ پر نظر رکھیں اور اسی پر اعتماد کریں بندوں کا کبھی خوش ہونا اور کبھی رنجیدہ ہونا یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کی نظر اسباب ظاہری پر ہے اللہ کی قدرت کاملہ پر نظر نہیں اور اس کی رحمت پر اعتماد نہیں۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے اہل وعیال بھوکے ہیں آپ ﷺ دُعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر باران رحمت نازل فرمائے آپ ﷺ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں واللہ اس وقت سوائے آفتاب کی تمازت کے آسمان میں ابر کا نام ونشان نہ تھا ادھر آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر بارش کی دُعا فرمائی کہ یکایک کوہ سلع کی طرف سے ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور پھیل کر آسمان کو محیط ہو گیا اور بارش شروع ہو گئی اور نماز سے فارغ ہو کر اسی بارش میں ہم اپنے گھروں کو واپس ہوئے اسی طرح وہ پانی آٹھ روز تک مسلسل برستا رہا یہاں تک کہ دوسرے جمعہ میں وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص اثناء خطبہ کھڑا ہوا جس نے پہلے جمعہ کو بارش کی التجاء کی تھی اس نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کثرت بارش سے راستے بند ہو گئے اور مکانات منہدم ہو گئے آپ ﷺ نے پھر ہاتھ اٹھا کر دُعا کی ((اللّٰھم حوالینا ولا علینا)) اے اللہ!

ہمارے اردگرد پہاڑوں اور ٹیلوں پر بارش ہو اور ہم پر نہ ہو اسی وقت بادل کھل گیا اور بارش بند ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ یہ اسباب ظاہری جن کے فلاسفہ مدعی ہیں اگر ثابت ہو جائیں تو کوئی مستقل اور قطعی چیز نہیں اصل سبب اللہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور مشیت ہے۔

پس اے ظاہر بین اللہ تعالیٰ کے آثار رحمت کی طرف نظر کر اور دیکھ کہ وہ خدا کس طرح زمین کو مردگی اور افسردگی کے بعد زندہ کر دیتا ہے تحقیق جو ذات پاک زمین کو مردگی کے بعد زندہ کرتی ہے وہی ذات قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گی اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت تمام مخلوقات کے ساتھ یکساں ہے اور بارش کا بہرہ مند اور سودمند ہونا اس کی طبیعت کا ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ ہماری مشیت کے تابع ہے اس لیے کہ اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں جو کھیتوں کو ہلاک کرنے والی ہو تو یہ اپنے کھیتوں کو زرد دیکھیں کہ وہ کھیتی خشک ہو جائے اور اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو اس کے بعد وہ ناشکری کرنے والے ہو جائیں اور کیا کیا باتیں منہ سے بکنے لگیں غرض یہ کہ اللہ کی قدرت طرح طرح کے رنگ دکھاتی ہے کبھی مبشرات کے رنگ میں اور کبھی آفات کے رنگ میں پس اے نبی ﷺ جس شخص نے ان واضح آیات قدرت اور صریح آثار رحمت کا انکار کیا اور مردہ زمین کے زندہ ہونے کا انکار کیا تو ایسا شخص خود مردہ ہے آپ ﷺ اس کے انکار سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو جیے تحقیق آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز اور پکار سنا سکتے ہیں خاص کر جب وہ پیٹھ پھر کر چل دیں بہرا اوّل تو کسی کی پکار نہیں سنتا اور اس پر مزید یہ کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے تو ایسی حالت میں اس کا سننا اور بھی ناممکن ہو جاتا ہے اس لیے کہ اگر بہرے کا منہ پکارنے والے کی طرف ہو تو ممکن ہے کہ لب و دہان کی یا سر کی حرکت سے یا ہاتھ کے اشارہ سے کچھ سمجھ لے لیکن جب بہرے نے بات کرنے والے کی طرف پشت کر دی تو اس سے بھی محروم ہو گیا۔ اے نبیؐ! آپ ﷺ میں یہ قدرت نہیں کہ آپ ان اندھوں کو راہ دکھا سکیں اور ان کی گمراہی سے ان کو ہٹا سکیں پس اگر ایسے مردے اور اندھے اور بہرے ان آیات قدرت پر ایمان نہ لائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں آپ ان ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں اور پھر وہ ہمارے مطیع اور فرمانبردار ہیں یعنی جن لوگوں کے دل زندہ ہیں وہ ہماری باتوں کو سنتے اور مانتے ہیں۔

**فائدہ ①:** اس آیت میں۔ الموتی سے کفار مراد ہیں مردہ دل ہونے کی وجہ سے ان پر موتی کا اطلاق کر دیا گیا یعنی جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں ان پر کلام ہدایت کچھ اثر نہیں کرتا باقی سماع موتی کی تحقیق سورۂ نمل کے آخری رکوع میں گذر چکی ہے سماع موتی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔

**فائدہ ②:** ظاہر اسباب میں مردہ کا سنانا محال ہے اور بہرے اور اندھے کا سنانا کسی درجہ میں ممکن ہے اشارہ اس طرف ہے کہ بعض کافر تو بالکل مردہ ہو چکے ہیں اور بعضے بمنزلہ اندھے اور بہرے کے ہیں اگر توجہ کریں تو ممکن ہے کہ راہ راست پر آ جائیں یہ لوگ اگر اپنے جسمانی اور بدنی تغیرات اور انقلاب میں غور کریں تو وحدانیت کے بھی قائل ہو جائیں اور حشر و نشر کے بھی قائل ہو جائیں آئندہ آیت میں یہی مضمون ہے خداوند مطلق اور معبود برحق وہ ہے جس نے تم کو ناتوانی اور کمزوری سے پیدا کیا نطفہ سے لے کر بچپن تک زمانہ کمزوری کا ہے پھر کمزوری کے بعد اللہ نے تم کو قوت دی یعنی جوانی دی پھر قوت اور توانائی کے بعد تم کو کمزوری اور بڑھاپا دیا جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے کبھی کمزوری اور کبھی توانائی کبھی تندرستی اور کبھی بیماری اسی طرح قوت اور ضعف کے بیابانوں میں تمہیں پلٹیاں دے رہا ہے اور وہ علم والا اور قدرت والا ہے ضعف اور قوت کی پلٹیاں دے کر تمہیں اپنی قدرت اور تمہاری لاچارگی کا تماشا دکھا رہا ہے اور علیم و قدیر وہ ہے

کہ جو صفتوں اور کیفیتوں کے بدلنے پر قادر ہو یہ مشرکین اور منکرین قیامت اگر اپنے جسمانی تغیرات میں ذرا غور کریں تو وحدانیت کے بھی قائل ہو جائیں اور قیامت کے بھی قائل ہو جائیں۔

یہ تو کافروں کی دُنیاوی حماقت اور جہالت کا بیان تھا کہ دنیا میں کفر اور شرک کیا اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو رد کیا اب آئندہ آیت میں ان کی اخروی جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرمین قسم کھائیں گے کہ وہ دُنیا میں یا عالم برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے اسی طرح دنیا میں جھوٹ بولا کرتے تھے یعنی انہوں نے اس وقت جھوٹ بولا جس طرح کہ اس سے پہلے دُنیا میں جھوٹ بولا کرتے تھے عالم آخرت میں پہنچنے کے بعد دنیا یا برزخ کا رہنا ایسا معلوم ہوگا کہ گویا کہ دُنیا میں ایک ساعت رہے آخرت کی عقوبات اور آفات دیکھنے کے بعد دُنیا خواب وخیال ہو جائے گی اور جن کو علم اور ایمان دیا گیا وہ ان مجرمین سے کہیں گے تم جھوٹ بولتے ہو۔

البتہ تحقیق تم دُنیا میں اللہ کے کہنے کے مطابق قیامت تک ٹھہرے ہو پس یہی وہ جی اٹھنے کا دن ہے جس کا پہلے تم انکار کیا کرتے تھے لیکن اب اس کا انکار ناممکن ہے اس لیے کہ وہ دن اب تمہارے سامنے آ گیا اور مشاہدہ کے بعد انکار محال ہے لیکن تم تو پہلے ہی جاہل نادان تھے ایسی واہی تباہی باتیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔

پس آج کے دن ان ظالموں کو ان کی معذرت یعنی عذر خواہی کوئی نفع نہ دے گی تا کہ عذر کریں کوئی عذر ان کو فائدہ نہ دے گا اور ان کو خدا کی رضا جوئی کا کوئی موقع نہ دیا جائے گا بلکہ صرف جزاء اور سزا کا دن ہوگا اس دن نہ کسی کا کوئی عذر مقبول ہوگا اور نہ توبہ وغیرہ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کا موقع ملے گا وہ اگر توبہ کریں اور آئندہ کے لیے ایمان اور اطاعت کا وعدہ کریں اور یہ درخوست کریں کہ ہم کو دُنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ درخواست قبول نہ ہوگی۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴾ (حٰمٓ سجدۃ: ۲۴)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ

اور ہم نے بٹھائی ہے آدمیوں کو اس قرآن میں ہر طرح کی کہاوت اور جو

جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

تو لاوے ان پاس کوئی آیت تو مقرر کہیں وہ منکر جھوٹ بناتے ہو

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ

یوں مہر کرتا ہے اللہ ان کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے سو تو ٹھیرا رہ بے شک

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶

اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور اچھال نہ دیں تجھ کو جو یقین نہیں لاتے۔

# خاتمۂ سورت بر اعجاز قرآن

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ۔۔۔ الی ۔۔۔ وَّ لَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾﴾

**ربط**: سورت کا آغاز ایک دلیل نبوت سے فرمایا۔ اب اس سورت کو پھر ایک دلیل نبوت پر ختم کرتے ہیں کہ یہ قرآن عجیب وغریب کتاب حکمت اور دستور ہدایت ہے اس کی خوبی پر نظر کرو تم پر واضح ہو جائے گا کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے جو قیامت تک باقی رہے گی انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات ختم ہو گئے مگر قرآن ایسا معجزہ ہے کہ قیامت تک باقی رہے گا اور ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ ﷺ ان مشرکین کے عناد اور جہالت پر صبر کیجیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اپنے وقت پر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور البتہ تحقیق ہم نے اتمام حجت کے لیے لوگوں کے واسطے اس قرآن میں جابجا ہر قسم کی مثال بیان کر دی جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہو جاتے اور غافلوں کو تنبیہ ہو جائے یہ قرآن ان کی ہدایت کے لیے کافی تھا مگر غایت عناد کی وجہ سے اس حجت واضحہ کو قبول نہ کیا اور اے نبی ﷺ اگر آپ ان کے پاس کیسی ہی واضح اور روشن نشانی لے کر آئیں تو یہ کافر غایت عناد اور عداوت اور سرکشی کے باعث یہی کہیں گے کہ نہیں ہو تم یعنی پیغمبر اور اہل ایمان مگر بے ہودہ گو اور جھوٹے دیکھ لو کہ اسی طرح اللہ مہر لگا تا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے اور بے عقلی اور بد عقلی سے انکار کرتے ہیں جن لوگوں کے دلوں پر خدا مہر لگا دیتا ہے وہ ایسے ہو جاتے ہیں پس اے نبی ان معاندین کی ایذا رسانی پر صبر کیجیے بے شک اللہ نے اظہار دین کا جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ حق ہے اللہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا اور جو لوگ خدا کے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے چاہیے کہ وہ آپ کو یقین اور اذعان سے جنبش نہ دے سکیں اللہ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق اور درست ہے یقیناً ضرور پورا ہوگا مبادا یہ بے یقین لوگ آپ ﷺ کو گھبراہٹ میں ڈال دیں اور آپ ﷺ کو ہلکا بنا دیں آپ بالکل مطمئن رہیں مبادا یہ بے یقین آپ کو اضطراب میں نہ ڈال دیں۔

الحمد للہ! آج بروز یکشنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۱۶ رجب الحرام ۱۳۹۲ھ حج سورۂ روم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ! اپنی رحمت سے اس کو قبول فرما اور باقی تفسیر کے اتمام کی توفیق عطا فرما۔ آمین یارب العالمین

الحمدللّٰہ الذی ھدانا لھٰذا و ما کنا لِنَھْتَدِیَ لو لا ان ھدانا اللّٰہ وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمّد و علٰی اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تفسیر سورۂ لقمان

سورۂ لقمان مکی ہے اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں تفصیل کے ساتھ لقمان حکیم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے اس لیے یہ سورت لقمان کے نام سے موسوم ہوئی جمہور علماء اسلام اور سلف صالحین کا متفقہ قول یہ ہے کہ لقمان حکیم اور دانا تھے مگر نبی نہ تھے صرف عکرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ وہ نبی تھے مگر سند اس کی ضعیف ہے سوڈان کے رہنے والے تھے نجاری ان کا پیشہ تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ خیاط (درزی) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ (واللہ اعلم)

بعض کہتے ہیں کہ وہ ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ان کے خالہ زاد بھائی تھے اور ایوب علیہ السلام سے علم حاصل کیا طویل عمر پائی یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل کے قاضی اور مفتی تھے جب داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے تو فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ نبی کا وجود باجود کافی ہے۔

**ربط** ① گذشتہ سورت کے اخیر میں یعنی ﴿وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ﴾ (الروم:۵۸) میں قرآن کے اعجاز اور حقانیت کی طرف اشارہ تھا۔ اب اس سورت کے شروع میں پھر قرآن کی حقانیت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ کتاب کتاب رحمت ہے اور کتاب ہدایت اور کتاب حکمت ہے اس کو قبول کرنا اور اس پر ایمان لانا باعث سعادت ہے اور اس کتاب حکمت کو چھوڑ کر لہو الحدیث یعنی گانے بجانے اور ناولوں اور قصے اور کہانیوں کی طرف مائل ہونا شقاوت کی علامت ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے سفہاء اور اشقیاء کا حال بیان کیا کہ جو لوگ قرآن کو چھوڑ کر گانے بجانے کی طرف مائل ہیں اور دین کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں یہ لوگ بدنصیب اور محروم ہیں اور پھر اس کے مقابلہ میں عقلاء اور سعداء کا حال بیان کیا جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

**ربط** ② حق جل شانہٗ نے اس سورت میں لقمان حکیم کی حکیمانہ اور عاقلانہ نصائح کا ذکر فرمایا جو توحید کی دعوت اور شرک کی مذمت پر اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی ترغیب پر اور اخلاق ذمیمہ اور افعال قبیحہ سے ترہیب پر مشتمل ہیں جن سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ توحید اور مکارم اخلاق تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک مستحسن ہیں اور یہ تمام امور فطری ہیں عقل سلیم اور فطرتِ سلیمہ ان کو قبول کرتی ہے اور شرک عقلاً قبیح ہے اور خلاف فطرت ہے اور گذشتہ سورت میں ﴿فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ﴾ (الروم:۳۰) میں جس دین قیم پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ یہی دین توحید ہے جس کی لقمان حکیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی لوگوں کو چاہیے کہ ان نصیحتوں کو حرز جان بنائیں۔

**ربط** ③ نیز گذشتہ سورت میں مبدأ اور معاد کا ذکر تھا اس سورت میں مبدأ اور معاد کا اور دلائل قدرت کا ذکر ہے۔

**ربط** ④ نیز گذشتہ سورت کے اوّل میں ان لوگوں کو مذمت تھی کہ جو اللہ کے وعدہ پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اسباب ظاہری پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس سورت کے شروع میں ان لوگوں کی مدح ہے جو آخرت پر اور اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔

**ربط** ⑤ نیز گذشتہ سورت کے اخیر میں قیامت کا ذکر تھا اور اس سورت کے اخیر میں یہ بتلایا کہ قیامت کا علم سوائے خدا کے

کسی کو نہیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ اس سورت کی شروع آیات میں اللہ تعالیٰ نے سعداء اور اشقیاء کے مراتب اور مقامات کا فرق بیان کیا اور چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لیے کہ نزول آیات کے وقت دونوں فریق موجود تھے لہٰذا سعداء کا مصداق اولین مہاجرین اوّلین ہوں گے اور وہی اس سے مراد ہوں گے۔ (ازالۃ الخفاء)

## سُورَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ

(۳۱) آیاتھا ۳۴ — (۵۷) رکوعاتھا ۴

سورۂ لقمان مکی ہے اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا

الٓمّٓ ۚ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ ② هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ ③

الٓمّٓ ○ یہ باتیں ہیں پکی کتاب کی سوجھ ہے اور مہر نیکی والوں کو

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ ④

جو کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت کو وہ یقین کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ وَ مِنَ

یہ ہیں سوجھ پر اپنے رب کی طرف سے اور وہ ہیں جن کا بھلا ہے اور ایک

النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ

لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تا بچلا دیں اللہ کی راہ سے بن

عِلْمٍ ۖۗ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥ وَ اِذَا تُتْلٰى

سمجھے اور ٹھہراویں اس کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کی مار ہے اور جب سنائیے

عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ

اس کو ہماری باتیں پیٹھ دے جاوے غرور سے گویا ان کو سنا ہی نہیں گویا اس کے دو کان بہرے ہیں

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

سو خوشخبری دے اس کو دکھ والی مار کی جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ہیں

جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ⑧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

نعمت کے باغ رہا کریں ان میں وعدہ ہو چکا اللہ کا سچا اور وہ زبردست ہے

الْحَكِيْمُ ⑨ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ

حکمتوں والا بنائے آسمان بن ٹیکے اسے دیکھتے ہو اور ڈالے زمین پر

رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

بوجھ کہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے اور بکھیرے اس میں سب طرح کے جانور اور اتارا ہم نے

السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑩ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ

آسمان سے پانی پھر اگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے یہ کچھ بنایا ہے اللہ کا

فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⑪ ع ۱۰/۱۱

اب دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اس کے سوا ہیں کوئی نہیں پر بے انصاف صریح بہکتے ہیں۔

## آغاز سورت بمدح کتاب ہدایت وحکمت وبیان حال ومآل سعداء مفلحین واشقیاء خاسرین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿الٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② ... الى ... بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⑪﴾

**ربط**: یہ سورت سورۂ لقمان کے نام سے موسوم ہے جس میں لقمان حکیم علیہ السلام کے کلمات حکمت وموعظت مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا ذکر ہے اس لیے سورت کا آغاز قرآن کریم کی مدح اور توصیف سے کیا گیا کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب حکمت وہدایت ہے جس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں گذشتہ سورت کے اخیر میں قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے مکذبین کا ذکر تھا اور اس سے ذرا پہلے اہل علم اور اہل ایمان کا ذکر تھا اس لیے اس سورت کے شروع میں اول قرآن کی مدح اور توصیف ذکر فرمائی اور اس کے بعد سعداء [1] مفلحین اور اشقیاء خاسرین کا حال

---

[1] یہ نکتہ ازالۃ الخفاء مصنفہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے لیا گیا ہے۔

اور مال اور ان کے مراتب اور مقامات کو بیان کیا تا کہ دونوں فریق میں کمال تباین ظاہر ہو جائے جیسا کہ گذشتہ سورت کی آیت ﴿وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ﴾ (الروم: ۱۴) میں ذکر تھا کہ قیامت کے دن نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔

اور چونکہ سورۂ لقمان مکیہ ہے لہٰذا ان سعداء مفلحین کا مصداق مہاجرین اوّلین ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ﴿الٓمّٓ﴾ اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یہ سورت آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی درآنحالیکہ وہ مشعل ہدایت اور عظیم رحمت ہیں نیکوکاروں کے لیے جو خدا کی اس طرح عبادت کرتے ہیں گویا کہ وہ اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہیں جو نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا قطعی یقین رکھتے ہیں آخرت ہر وقت ان کے پیش نظر رہتی ہے اور وہ دنیا کو سرائے فانی سمجھتے ہیں ہدایت اور صلاح اور فلاح کی اصل جڑ آخرت کا یقین ہے ورنہ سب ہیچ ہے ایسے ہی بندے اپنے رب کی طرف سے عظیم ہدایت پر ہیں اور ایسے ہی بندے فلاح پانے والے ہیں یعنی رضائے الٰہی اور نعمائے غیر متناہی سے سرفراز ہوں گے جو کسی بشر کے وہم و گمان میں نہیں آسکتیں یہاں تک سعداء یعنی محسنین مفلحین کا بیان تھا اب آگے ان کے بالمقابل اشقیاء کا حال بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان سعداء مفلحین کے بالمقابل کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن سے اعراض کر کے کھیل کی باتوں کے یعنی قصے کہانیوں اور خرافات اور گانے بجانے والی لونڈیوں کے خریدار ہیں تا کہ یہ قصے سنا کر محفل گرم کریں اور لوگوں کو خدا کی راہ سے یعنی اس کے دین سے بے سمجھے بوجھے یعنی بوجہ بے علمی اور جہالت کے گمراہ کریں خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں ہیں اور یہ گمراہ اس فکر میں ہے کہ اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑاوے یعنی بالکل جاہل ہے نیک و بد کو کچھ نہیں سمجھتا آیات الٰہی کا لہو الحدیث سے مقابلہ کرتا ہے اور راہ حق کا ٹھٹھا بناتا ہے اور اللہ کی باتوں کے ساتھ تمسخر کرتا ہے ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت اور رسوائی کا عذاب ہے آپ ان کو اسی عذاب کی خبر سنا دیجیے اور اس شخص کی حالت یہ ہے کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ شخص مغرور بن کر پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے گویا کہ اس نے آیات کو سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں سخت گرانی یعنی بہرہ پن ہے آیاتِ الٰہی کی عظمت کا حق تو یہ تھا کہ ان کے سامنے سر جھکاتا اور بصد تواضع و ادب ہدایت و معرفت کا خواستگار ہوتا لیکن اس نے بجائے توجہ کے بے التفاتی برتی اور بجائے عاجزی کے تکبر کیا اور بجائے مدح کے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا اور عین ہدایت و حکمت کے مقابلہ میں لہو الحدیث یعنی لغو اور باطل کو لایا پس آپ ایسے شخص کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجیے کیونکہ ایسا شخص خدا کا اور اس کے دین کا دشمن ہے اور دشمن ایسی ہی بشارت کا مستحق ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ تک نضر بن حارث کے بارہ میں نازل ہوئی جو تجارت کرتا تھا اور حیرہ وغیرہ سے قصص اور اخبار کی لغو کتابیں خرید کر لایا کرتا تھا جس میں اکاسرۂ ایران اور رستم اور اسفندیار کی داستانیں ہوتیں تھیں اور قریش اور اہل مکہ کو قرآن سے روکنے کے لیے یہ داستانیں سناتا اور کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار اور شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں اور کچھ گانے والی لونڈیاں بھی خرید لایا تھا جس کو اسلام کی طرف راغب دیکھتا تو اس کو بلا کر لاتا اور شراب پلاتا اور گانا سنواتا اور کہتا کہ بتلا یہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جس کی طرف تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو اور اس کے ساتھ ہو کر اپنی جان کھپاؤ یعنی جہاد کرو مقصود اس کا یہ تھا کہ لوگ قرآن چھوڑ کر یہ قصے سنیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے یہی منقول ہے کہ یہ آیت گانے بجانے اور لغو کہانیوں کے بارہ میں نازل ہوئی۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۵۱ ج ۱۴)

اور عکرمہ اور سعید بن جبیر اور مجاہد اور مکحول اور عمرو بن شعیب اور علی بن بذیمہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم (علماء تابعین) سے یہی منقول ہے کہ یہ آیت غنا مزامیر کے بارہ میں نازل ہوئی۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۲ ج ۳)

اور جو غنا تحریک اصوات اور تحسین نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔

غرض یہ کہ اس آیت میں لہو الحدیث سے قصے کہانیاں اور گانے بجانے کا سامان مراد ہے جیسے باجا اور بانسری اور موسیقی اور ستار اور سارنگی اور خرافات اور مضحکہ خیز باتیں اور ناول اور افسانہ جات اور گانے بجانے والی لڑکیاں یہ سب چیزیں لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہیں اور یہ سب چیزیں باجماع صحابہ و تابعین و باتفاق ائمہ مجتہدین حرام ہیں جن کے حرام ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں اور گانا بجانا تو تمام ملتوں اور دینوں میں حرام رہا ہے یہ نفسانی اور شہوانی چیزیں کسی دین میں کبھی بھی جائز نہیں ہوئیں اور غنا اور مزامیر کی حرمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کو علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزواجر میں ذکر کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس قسم کے ہفوات اور خرفات اور ناولوں اور افسانوں کا پڑھنا بلاشبہ حرام ہے اور جب کہ اس سے مقصود استماع حق اور سماعت قرآن سے روکنا ہو تو وہ بلاشبہ کفر ہے دشمنان حق کا طریقہ ہی یہ ہے کہ استماع حق سے باز رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی مشغلہ نکال کھڑا کرتے ہیں اور حق کا مذاق اڑاتے ہیں اور جب ان کو حق بات سنانے کی کوشش کی جاتی ہے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ گویا کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور مغرورانہ گردن ہلاتے ہوئے چلتے ہو جاتے ہیں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کے لوگوں کا حال بیان کیا اور وعید اور عذاب کی بشارت دی ہے۔

## اہل ایمان اور عاشقان قرآن کے لیے بشارت

اب آیندہ آیات میں اہل ایمان کا حال اور مآل کا ذکر کرتے ہیں کہ اہل ایمان کا حال ان کے برعکس ہے کہ وہ لوگ جب آیاتِ قرآنی کو سنتے ہیں تو گردن جھکا دیتے ہیں اور ہمہ تن گوش بن جاتے ہیں ان کا انجام وہ ہے جس کو آیندہ آیت میں بیان کرتے ہیں بالیقین جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے نعمتوں کے باغ ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ عزوجل نے ان سے پکا وعدہ کیا ہے جو پورا ہو کر رہے گا اور وہ خدا تعالیٰ عزت والا اور حکمت والا ہے اور اگر تم اس کی شان عزت و حکمت کو پہچاننا چاہتے ہو تو اس کے عجائب قدرت میں غور کرو تحقیق اسی نے آسمانوں کو بلا ستون کے پیدا کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ آسمان بلا عمود کے قائم ہیں یہ اس کی کمال صنعت کی دلیل ہے کہ اس نے اتنا بلند اور طویل و عریض جسم بغیر عمود کے پیدا کر دیا اور بلا ستون اور سہارے کے اسے قائم کر دیا جس کو تم ہر وقت اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہو دیکھ لو کہ یہ آسمان خود بخود باقتضاء طبیعت موجود نہیں ہو گئے بلکہ خدا کی قدرت سے وجود میں آئے ہیں اور فضاء اور خلاء میں بغیر کسی ستون کے قائم ہیں اور ان آسمانوں کا کوئی مکان بھی نہیں کہ جہاں یہ سات آسمان مستقر اور متمکن ہیں اگر ہر جسم اور ہر مکان کے لیے مکان لازم ہو تو تسلسل لازم آئے اور اس نے زمین میں بڑے بھاری پہاڑ ڈال دیئے کہ زمین تم کو لے کر جنبش نہ کرے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی پشت پر پہاڑوں کو اس لیے جما دیا تا کہ وہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے زمین پانی کی پشت پر قائم ہے اور اُوپر سے ہوائیں ہیں اگر اس کے اوپر پہاڑوں کا ثقل اور بوجھ نہ ہوتا تو مخلوق ارضی اس کی جنبش اور اضطراب سے تہ و بالا ہو جاتی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ثقل سے زمین کو ثابت اور مستقر کر دیا۔

زمین ازتپ ولرزہ آمد ستوہ

فرو کوفت بردامنش میخ کوہ

فلاسفہ عصر کہتے ہیں کہ زمین پہلے گیلی مٹی کی طرح دلدل تھی جب اس نے ذاتی قوت سے حرکت شروع کی تو سخت پڑ گئی یہ سب اٹکل کی باتیں ہیں جن پر دلیل کوئی نہیں پہاڑ تو گہرے سمندروں کے اندر بھی موجود ہیں جن سے بعض مرتبہ جہاز ٹکرا کر تباہ ہو جاتا ہے معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ کی صنعت ہے زمین کی حرکت اور اس کے اجزاء کی باہمی کشش کو اس میں دخل نہیں اور زمین کے لیے کشش ثابت کرنے کے لیے پہاڑ جیسی دلیل تو کہاں سے آئے ایک ڈھیلے کے برابر بھی فلاسفہ عصر کے پاس دلیل نہیں اور اس نے اپنی قدرت سے زمین میں ہر قسم کے جانور بکھیر دیئے جن کی صورتیں اور شکلیں مختلف ہیں اور ہر ایک کے اعضاء دوسرے سے متمیز ہوئے کوئی جانور کسی زمین میں پیدا ہوتا ہے اور کوئی کسی زمین میں، زمین ساکن ہے اور جانور اس پر چلتے پھرتے ہیں اگر زمین میں تزلزل اور اضطراب ہوتا تو اس پر ٹھہرنا اور چلنا مشکل ہو جاتا بقول فلاسفۂ عصر اگر زمین متحرک ہوتی تو ہندوستان کی زمین حرکت کر کے امریکہ کی جگہ اور امریکہ حرکت کر کے ہندوستان کی جگہ آ جاتا اور ہندوستان کا طلوع وغروب اور موسم امریکہ جیسا ہو جاتا۔

اور ہم نے اپنی قدرت سے آسمان سے پانی اتارا جو تمہاری زندگی کا اور نجاستوں کے دُور کرنے کا سامان ہے اور پھر ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ عمدہ نباتات اگائے جن کے فوائد اور منافع کو کوئی شمار نہیں کر سکتا زمین میں تخم ریزی ہوتی ہے اور آسمان سے پانی برستا ہے اگر بارش نہ ہوتی تو زمین سے پیداوار کس طرح ہوتی مطلب یہ ہے کہ آسمان سے زمین پر بارش ہوتی ہے اور اس علوی اور سفلی کے امتزاج سے قسم قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں دیکھ لو کہ یہ سب چیزیں اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں آسمان اور زمین اور پہاڑ اور حیوانات اور نباتات یہ سب اللہ ہی کی مخلوقات ہیں پس اے مشرکین مجھے دکھاؤ تو سہی کہ جن کو تم اللہ کے سوا معبود مانتے ہو انہوں نے خدا کے سوا کون سی چیز پیدا کی ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ چیز تمہارے معبودوں کی پیدا کی ہوئی ہے مگر یہ لوگ زینہار کوئی ایسی چیز پیش نہیں کر سکتے جو ان کے مزعوم معبودوں نے بنائی ہو بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں اور گمراہی کا ازالہ کلمات حکمت وہدایت ہی کے سننے سے ہو سکتا ہے اس لیے آیندہ آیات میں لقمان حکیم علیہ السلام کی نورانی حکمت کا نمونہ ذکر کرتے ہیں تا کہ ان ظالموں اور گمراہوں کو تنبیہ ہو۔

---

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا

اور ہم نے دی ہے لقمان کو عقلمندی، کہ حق مان اللہ کا اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو

يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫ وَاِذْ قَالَ

مانے گا اپنے بھلے کو اور جو کوئی منکر ہو گا تو اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا اور جب کہا

لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ڼ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ

لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا بے شک شریک بنانا

عَظِيمٌ ⑬ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ

بڑی بے انصافی ہے اور ہم نے تقید کیا انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تھک تھک کر

وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ⑭

اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا

اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس پر کہ شریک مان میرا جو تجھ کو معلوم نہیں تو

تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ

ان کا کہا نہ مان اور ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور سے اور راہ چل اس کی جو

أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑮

رجوع ہوا میری طرف پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتادوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ

اے بیٹے اگر کوئی چیز ہووے برابر رائی کے دانے کے پھر رہی ہو کسی پتھر میں

أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ⑯

یا آسمانوں میں یا زمین میں لا حاضر کرے اس کو اللہ بے شک اللہ چھپے جانتا ہے خبردار

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ

اے بیٹے کھڑی رکھ نماز اور سکھلا بھلی بات اور منع کر برائی سے اور سہار

مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ⑰ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ

جو تجھ پر پڑے بے شک یہ ہیں ہمت کے کام اور اپنے گال نہ پھلا

لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اتراتا بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ⑱ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ط

اتراتا برائیاں کرتا اور چل بیچ کی چال اور نیچی کر اپنی آواز

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⑲ ع

بے شک بری سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

## ذکر نصائح لقمان علیہ السلام سراپا حکمت وعرفان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ... الٰی ... اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⑲﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں مشرکین کے فساد اعتقاد کو بیان کیا اور بتلایا کہ جہالت اور عناد کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہیں اور یہ کتاب حکمت وہدایت لوگوں کو جہالت سے نکالنے کے لیے نازل ہوئی ہے جس کا حق یہ تھا کہ اس نعمت کا شکر ادا کرتے مگر کفر اور کفران میں مبتلا ہو گئے۔ اب آیندہ آیات میں لقمان حکیم علیہ السلام کے کلمات حکمت وموعظت کو ذکر کرتے ہیں کہ لقمان حکیم نے کس طرح اپنے بیٹے کو توحید اور اخلاص اور شکر اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی وصیت اور نصیحت کی اور یہی امور، امور حکمت ہیں اور مدار سعادت وفلاح ہیں اور بلاشبہ یہ وصیتیں اور نصیحتیں لوح قلب پر کندہ کرنے کے قابل ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اپنے بندہ لقمان کو علم وحکمت یعنی دانائی عطا کی جو تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے اور یہ نعمت ہمارا عطیہ ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ لقمان حکیم کی حکمتوں اور نصیحتوں کو یاد رکھیں اور ان پر عمل کریں وہ حکمتیں ہماری الہام کردہ ہیں۔

حکمت کی تفسیر میں بہت سے قول ہیں، حکمت اس علم صحیح اور فہم صحیح کا نام ہے جس کے ساتھ عمل بھی مقرون ہو اس مجموعہ کا نام حکمت ہے ورنہ علم خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو لیکن اگر عمل صحیح اس کے ساتھ نہ ہو تو وہ حکمت کا مصداق نہیں ہو سکتا اسی لیے اللہ تعالیٰ حکمت کی شان میں فرماتا ہے ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (البقرہ:۲۶۹) یعنی حکمت بڑی خیر کثیر ہے ورنہ علم بے عمل ہیچ ہے حکمت کا جزء اوّل علم صحیح اور فہم صحیح ہے اور جزء متمم عمل صحیح ہے اور جو حکمت کی باتیں لقمان کو عطاء کی گئیں وہ بطور الہام کے عطا کی گئیں لقمان نبی نہ تھے حکیم تھے اور ملہم من اللہ تھے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ ہم نے اپنی رحمت اور عنایت سے لقمان کو علم اور حکمت کی نعمت عطا کی اور اس کو حکم دیا کہ اے لقمان! اللہ کا شکر کر کہ جس نے تجھ کو علم وحکمت اور فہم وفراست جیسی عظیم نعمت عطا کی اس لیے مقتضائے حکمت یہ ہے کہ محسن اور منعم کا شکر ادا کیا جائے جس درجہ کی نعمت ہو اسی درجہ کا شکر بھی ہونا چاہیے۔ پس اے لقمان جب ہم نے تم کو حکمت جیسی نعمت سراپا کرامت عطا کی تو تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ جس نے تم کو یہ نعمت عطا کی اس کا شکر بجالاؤ کہ اس نے تم کو خیر کثیر عطا کی خوب سمجھ لو کہ جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ اور بھلے کے لیے کرتا ہے شکر سے نعمت باقی رہتی ہے اور اس میں زیادتی ہوتی ہے یہ نفع شکر کرنے والے کو پہنچتا ہے خدا کو کسی کے شکر کی ضرورت نہیں اور نہ بندوں کے شکر سے اسے کوئی فائدہ اور جو ناشکری کرتا ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے پس تحقیق اللہ تعالیٰ تو بالکل

بے نیاز ہے اور بذات خود ہر حال میں ستودہ ہے خواہ کوئی اس کی ستائش کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات و افعال میں بذاتِ خود حمید اور پسندیدہ ہے اس کا کمال و جمال کسی کی حمد اور ستائش کا محتاج نہیں۔

ع ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است

اور حکمت اور دانائی کا تقاضہ یہ ہے کہ اول خود اپنے منعم اور محسن کا شکر گذار بنے اور پھر اپنے اہل و عیال کو شکر کی تعلیم دے اور شرک سے منع کرے اس لیے آئندہ آیات میں لقمان حکیم کی ان نصیحتوں کو ذکر کرتے ہیں جو اس نے اپنے بیٹے کو کیں تا کہ لوگ ان سے ہدایت اور نصیحت پکڑیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ لقمان نے اپنے فرزند دلبند کو کہا در آنحالیکہ وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا اے میرے پیارے بیٹے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک بڑی بے انصافی ہے منعم اور غیر منعم کو اور حقیر اور کبیر کو اور ذلیل اور جلیل کو اور قادر اور عاجز کو اور مخلوق اور خالق کو برابر کرنا صریح ظلم ہے مطلب یہ ہے کہ یہ وہ نصیحت ہے کہ جو حکیم لقمان نے اپنے فرزند دلبند کو کی تھی کسی غیر کو نہیں کی تھی کہ جس میں کوئی وہم پرست یہ شبہ کر سکے کہ شاید کسی دوسرے کو بہکا دیا ہو معلوم نہیں کہ لقمان کا بیٹا مشرک تھا کہ اس کو سمجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا کہ اس کو توحید پر مستحکم اور مضبوط کرنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی دور تک لقمان حکیم کے کلمات حکمت کا ذکر چلا گیا ہے لقمان نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے جو وصیت اور نصیحت کی تو وہ اللہ کے حق کے متعلق تھی شرم کے مارے لقمان نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی وصیت اور نصیحت نہیں کی جس میں اپنی غرض کا احتمال تھا تو اللہ تعالیٰ نے وصایائے لقمان کے ضمن میں بطور جملہ معترضہ والدین کی شکر گذاری کا ذکر فرمایا تا کہ لقمان کی نصیحت مکمل ہو جائے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہم نے انسان کو وصیت کی ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کی کہ انسان کو لازم ہے کہ حق تعالیٰ کے بعد والدین کا حق جانے جنہوں نے اس کو پرورش کیا ہے والد کے احسانات ہوش اور شعور کے زمانہ میں ہوتے ہیں بخلاف ماں کے کہ اس کے احسانات بے خبری کے عالم میں ہوتے ہیں اس لیے ماں کے احسانات کو خاص طور پر یاد دلایا کہ ماں نے انسان کو پیٹ میں رکھا سستی پر سستی اور ناطاقتی پر ناطاقتی یعنی بچہ کے حمل میں ضعف پر ضعف کی حالت میں مشقت پر مشقت اٹھائی رہی اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا حمل سے تمہارے وجود کی ابتداء ہوئی اور دودھ پلانے سے تمہاری تربیت ہوئی اور تمہارے وجود کو بقا حاصل ہوئی اور ان تین سال کے عرصہ میں ماں نے جو تمہاری خدمت گذاری اور بیماری میں مشقتیں اٹھائیں جو طرح طرح کے دکھ اور درد اٹھائے وہ بیان سے باہر ہیں غرض یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ماں نے ضعف کی حالت میں اس کی پرورش میں بڑی مشقت اٹھائی اس لیے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ وصیت کی کہ اے انسان اول میرا شکر کر کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور پھر اپنے والدین کا شکر گذار بن جو تیرے پیدا ہونے کا ظاہری سبب بنے حقیقی مربی تو میں ہوں اور والدین کی تربیت میری تربیت کا نمونہ ہے ان کے سامنے اف بھی نہ کرنا یہ چند روزہ زندگی ہے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس دن شکر اور شرک کی جزا دوں گا یعنی میں تیرے اصل وجود کو مبدأ اور منتہیٰ ہوں اور ماں باپ محض تیرے وجود مجازی کے سبب ہیں بقدر نعمت ہر ایک کا شکر تجھ پر واجب ہے اور باوجود یہ کہ ہم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا اور ان کی خدمت اور اطاعت کا اور ان کے حق تربیت کے فکر کا تجھ کو تاکیدی حکم دیا ہے لیکن اگر تیرے والدین کوشش کر کے تجھے اس بات پر آمادہ کریں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی صحت اور حقیقت کا نہ تجھے کچھ علم ہے اور نہ تیرے پاس کوئی دلیل ہے تو ایسی صورت میں ماں باپ کی فرمانبرداری نہ کرنا خالق کے مقابلہ میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کو

ترجیح نہیں ہوسکتی اور البتہ دنیاوی زندگی میں والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو حتیٰ کہ اگر والدین کافر ہوں تو کھانے پینے کی ضرورت سے ان کی خبر گیری کرو اور ان کو کوئی جسمانی تکلیف نہ پہنچاؤ غرض یہ کہ دنیاوی زندگی میں ان کی خدمت اور راحت رسانی میں کمی نہ کرو۔ بہر حال دنیا میں والدین کے ساتھ ادب اور مروت کا برتاؤ ضروری ہے اور دین کے بارہ میں اس شخص کی راہ پر چلو جو ہمہ تن میری جانب جھکا ہوا ہے یعنی دین کے بارہ میں عباد صالحین اور ائمہ دین کی تقلید کرو جو خدا کے سامنے سرافگندہ ہیں ماں باپ کی تقلید اور اطاعت نہ کرو خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ﴿ اَلَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ ﴾ یعنی اہل انعام کی پیروی ہے والدین تیرے جسم کے مربی ہیں اور ائمہ دین تیری عقل کے مربی ہیں۔ لہٰذا جو شخص منیبین کے پیچھے پیچھے چلے گا وہ ہی ان شاء اللہ تعالیٰ خدا تک پہنچ جائے گا پھر اس دنیوی زندگی گذارنے کے بعد تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے پس اس وقت میں تم کو آگاہ کروں گا کہ تم کیا عمل کرتے تھے پس جس نے میرے حکم کی فرمانبرداری کی اور میرے حکم کے مقابلہ میں والدین کی اطاعت نہیں کہ اس کو جزاء جمیل عطا کروں گا اور والدین کے ساتھ سلوک اور احسان کا بھی بدلہ دوں گا یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں گذرا۔

**فائدہ:** والدین کے ساتھ احسان کرنے میں والدین کے لیے دعاء مغفرت کرنا بھی جائز ہے۔

**نکتہ:** ﴿ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِـوَالِدَيۡكَ ؕ ﴾ اللہ تعالیٰ نے والدین کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا کیونکہ والدین انسان کے وجود مجازی کے اصل ہیں جیسا کہ وجود حقیقی کی اصل اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے حقیقی شکر اللہ کے لیے ہے اور مجازی شکر غیر اللہ کے لیے ہے۔ (روح البیان ص ۸۷ ج ۷)

**تنبیہ:** سلسلہ کلام کا آغاز لقمان حکیم کی نصیحتوں اور وصیتوں سے ہوا پھر درمیان میں بطور جملہ معترضہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی نصیحت اور وصیت کا ذکر فرمایا جس کی ابتداء ﴿ وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسٰنَ بِوَالِدَيۡهِ ۚ ﴾ سے ہوئی ﴿ وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسٰنَ بِوَالِدَيۡهِ ۚ ﴾ سے لے کر یہاں تک اللہ تعالیٰ کا کلام تھا۔ اب اس کے بعد پھر لقمان کی وصیتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کو کی تھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں لقمان کی وصیتوں اور نصیحتوں کا اس لیے ذکر فرمایا کہ لوگ خود بھی ان پر عمل کریں اور اپنی اولاد کو بھی ان باتوں کی نصیحت اور وصیت کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ جب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تو اس نے اپنے باپ سے عرض کیا کہ اگر میں ایسے مقام پر گناہ کروں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو تو کیا اللہ اس کو جان لے گا اور اس پر مؤاخذہ کرے گا تو لقمان نے کہا بیٹا اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہو نیک ہو یا بد ہو اور پھر وہ عمل جو رائی کے دانہ کے برابر ہے کسی سخت پتھر کے اندر چھپا ہوا ہو اور وہ پتھر ایسا ہو کہ جس میں کوئی سوراخ بھی نہ ہو یا وہ عمل آسمانوں میں ہو جہاں عام طور پر کسی کی رسائی نہیں یا وہ عمل زمین کی تہ میں کہیں چھپا ہوا ہو آسمان سے زیادہ بلند کوئی چیز نہیں اور زمین سے زیادہ پست کوئی چیز نہیں اور اندرون صخرہ سے زیادہ کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں اس لیے ان تین چیزوں کا ذکر کیا اور رائی کے دانہ سے بڑھ کر کوئی چھوٹی چیز نہیں غرض یہ کہ عمل کتنا ہی چھوٹا اور پوشیدہ کیوں نہ ہو قیامت کے دن حساب و کتاب کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو لا حاضر کرے گا اور کرنے والے سے اس کا حساب لے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے اس کا علم دقیق اور غیر متناہی ہے اور ذرہ ذرہ کو محیط ہے چٹان ہو یا آسمان ہو یا زیر زمین کوئی تہ خانہ ہو باریک سے باریک چیز بھی اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت اور وصیت یہ کی کہ کفر اور شرک نہ کرنا جس کا حاصل توحید اور اخلاص تھا اور دوسری نصیحت

اور وصیت یہ کی کہ ہر عمل کے وقت خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ یقین رکھنا کہ بندہ کا کوئی عمل اللہ سے مخفی نہیں اور یہ تصور اور استحضار کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں گناہوں سے بچنے میں تریاق کا حکم رکھتا ہے بندہ پر پہلا فرض توحید اور اخلاص ہے اور دوسرا فرض اللہ کے علم وحکمت اور اللہ کی عظمت اور قدرت اور ہیبت کا استحضار ہے اور اس کے بعد درجہ ہے اطاعت اور عبودیت کا اس لیے لقمان حکیم نے اپنے فرزند کو اول دو بنیادی فرض بتلائے بعد ازاں اپنے فرزند کو طاعت اور عبودیت اور چند فضائل اعمال ادا کرنے اور چند رذائل افعال سے باز رہنے کی نصیحت کی اس لیے کہ اعتقاد بمنزلہ بنیاد کے ہے اور عمل بمنزلہ عمارت کے ہے اس لیے آیندہ آیات میں اعمال کے متعلق نصیحتوں کا بیان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ بیٹا! نماز کو ٹھیک ادا کرتے رہنا یعنی نماز کو اپنے حدود اور آداب اور اوقات کے ساتھ قائم رکھنا نماز دین کا ستون ہے اس کے قائم رہنے سے دین قائم رہتا ہے نماز کے قائم کرنے سے تو خود تمہاری تکمیل ہوگی اور اس کے بعد درجہ دوسروں کی تکمیل کا ہے وہ یہ ہے کہ دوسروں کو نیک باتوں اور پسندیدہ باتوں کا حکم کر اور بری اور ناپسندیدہ باتوں سے ان کو منع کر اور اس خصوص میں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارہ میں تجھ کو جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر بے شک ایذاؤں پر صبر کرنا بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے جو شخص صبر نہ کرے وہ اس لائق نہیں کہ اس کو امام اور پیشوا بنایا جائے اول شکر کی تعلیم دی جس کا تعلق نعمتوں سے ہے اور پھر اخیر میں صبر کی تعلیم دی جس کا تعلق مصیبتوں سے ہے خاص کر نصیحت کے وقت صبر کرنا بہت مشکل کام ہے صبر ایسا جامع اور کامل مقام ہے کہ جو تمام فضائل اور شمائل کو شامل ہے اور تمام اخلاق فاضلہ کا سرتاج ہے اب صبر کی تاکید کے بعد بعض اخلاق رذیلہ سے منع کیا جن کا تعلق حقوق عامہ سے ہے اور جن آنے والے رذائل سے اپنے بیٹے کو منع کیا ان سب کا اصل مادہ تکبر اور تفاخر ہے۔ چنانچہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی اور اے بیٹے جب تو لوگوں سے ملاقات کرے تو ان کو حقیر سمجھ کر ان سے اپنا رخسار نہ موڑنا جیسا کہ متکبرین کا طریقہ ہے کہ وہ منہ اور گردن موڑ کر بات کرتے ہیں ادب اور تواضع کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بات کرو اور اے بیٹے زمین پر اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے مت چلنا بے شک اللہ ہر تکبر کرنے والے اور شیخی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا زمین جو کہ نہایت پست جگہ ہے وہاں کے باشندہ کے لیے تو تواضع ہی مناسب ہے بڑائی اور شیخی اس کو زیب نہیں دیتی مختال کا لفظ ﴿لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ کے مقابلہ میں ہے اور فخور کا لفظ ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ کے مقابلہ میں ہے اور اے بیٹے اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر یعنی بیچ کی چال چل اور فروتنی سے قدم رکھ اور اے بیٹے جب بولے تو اپنی آواز کو نرم اور پست کر دے بے ضرورت آواز کو بلند کرنا برا ہے سخت اور کرخت آواز لوگوں پر گراں ہوتی ہے اور باعث ایذا ہے بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔ لہٰذا تجھ کو چاہیے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ آواز بلند کر کے گدھوں کے مشابہ نہ بنے۔

**نکتہ**: سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حیوانات میں گدھے کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ ہر حیوان کی آواز اللہ کی تسبیح ہے مگر گدھے کی آواز شیطان کے دیکھنے کے سبب سے ہوتی ہے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جب گدھے کی آواز سنو تو ﴿أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ پڑھو اس لیے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے (اس لیے وہ چیخ رہا ہے) اور بعض بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ گدھے کا چیخنا اور چلانا گھاس اور پانی کے لیے ہوتا ہے یا شہوت جھاڑنے کے لیے ہوتا ہے یا دوسرے گدھے سے لڑنے کے لیے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو آواز بہیمیت اور سبعیت کے سبب سے پیدا ہوگی وہ سب آوازوں سے بدتر ہوگی اور اسی وجہ سے حدیث میں گدھے کے

نمازی کے سامنے سے گذرنے کو قاطع صلوٰۃ قرار دیا ہے نیز قرآن کریم میں جہنمیوں کے چیخنے اور چلانے کے متعلق ﴿لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ﴾ (الانبیاء:۱۰۰) آیا ہے اور زفیر اور شہیق لغت میں گدھے کی باریک آواز اور بلند آواز کو کہتے ہیں اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ﴾ (الانبیاء:۱۰۰) کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

(ایشاں راآں جامانند زیر و بم خر باشد)

یہاں تک لقمان علیہ السلام کا کلام حکمت التئام ختم ہوا۔ اب آیندہ آیات میں حسب سابق پھر اپنی عظمت وجلال اور جود ونوال کا ذکر کر کے شکر اور توحید کی طرف متوجہ کرتے ہیں چنانچہ اس کے بعد کی آیتوں میں ﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ میں اپنی قدرت کی نشانیوں کو اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو ذکر کرتے ہیں تاکہ بندے اپنے منعم حقیقی کو پہچانیں اور اس کا شکر کریں اور تمام حکمتوں کا سر اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے سب چیزوں کو پہچان لیا مگر خدا کو نہ پہچانا تو وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں۔

## لطائف ومعارف

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں جن وصایاء لقمان علیہ السلام کا ذکر کیا ہے ان کا ثبوت تو لقمان سے قطعی اور یقینی ہے اور ان کے علاوہ جو دیگر کلمات حکمت ونصیحت لقمان سے روایت کیے گئے ہیں اگرچہ ان کا ثبوت قرآن کی طرح قطعی تو نہیں مگر ان میں سے بعض چیزیں احادیث میں مذکور ہیں اور بعض بزرگوں کے کلام میں مذکور ہیں اس لیے بطور نمونہ کچھ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں حق جل شانہٗ نے وصایائے لقمان میں ایک وصیت یہ ذکر فرمائی ہے ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ جس کا مقتضا یہ ہے کہ عباد صالحین اور ربانیین سے اگر کوئی کلمہ حکمت ونصیحت سنے تو اس کی پیروی کرنی چاہیے ناقص پر کامل اور غافل پر عاقل کی تقلید عقلاً وشرعاً واجب ہے۔

① عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان حکیم یہ کہا کرتا تھا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (رواہ احمد)

لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ اپنا ایمان اور اسلام اللہ کے پاس ودیعت رکھ دے تاکہ وہ شیطان کی دستبرد سے محفوظ ہو جائے۔

② قاسم بن مخیمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ اے بیٹے تقنّع سے بچنا (تقنع کے معنی سر کے اوپر اس طرح چادر لپیٹنا کہ گھونگٹ کی طرح ہو جائے) اس لیے کہ تقنع سے رات میں ٹھوکر کھا جانے کا ڈر ہے اور دن میں مذمت کا ڈر ہے کہ لوگ اس ہیئت کو برا سمجھیں گے اور برا کہیں گے۔

(اخراجہ ابن ابی حاتم ورجالہ ثقات ولکنہ مرسل)

③ عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تو کسی مجلس میں جائے تو ان پر سلام کا تیر چلا یعنی ان پر سلام کر پھر ایک گوشہ میں خاموش بیٹھ جا اور ان کو دیکھتا رہ پس جب وہ بولیں تو اگر ذکر الٰہی کی باتیں شروع کریں تو تو بھی ان میں حصہ لے اور اگر ادھر ادھر کی باتیں کریں تو وہاں سے نکل کر اور اٹھ کر کہیں اور چلا جا۔ (ابن ابی حاتم)

یہ تینوں روایتیں تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۷ ج ۳ سے لی گئی ہیں۔

## امام خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا:

امام نحو یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اجعلنی عندك من ارفع خلقك واجعلنی فی نفسی من اوضع خلقك و عند النّاس من اوسط خلقك)). (تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۸ ج ۳)

**ترجمہ:** "اے اللہ مجھ کو اپنے نزدیک بلندترین مخلوق میں سے بنا اور میرے نفس میں مجھ کو کمترین مخلوق میں سے بنا کہ میں اپنے دل میں اپنے آپ کو حقیقۃً سب سے حقیر اور کمتر جانوں (نہ یہ کہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ اور ناچیز کہوں) اور اے اللہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک متوسط درجہ کی مخلوق میں سے بنا۔" آمین

خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر سراج منیر میں مختصر طریق پر بلا سند کے ان نصائح کو ذکر کیا ہے کہ جو لقمان حکیم کی طرف منسوب ہیں جو بلاشبہ خزینہ حکمت اور گنجینہ معرفت ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطیب شربینی کی طرح ہم بھی ان نصائح کا ترجمہ اپنی تفسیر میں ذکر کریں۔

① اے پسر! اللہ کے تقویٰ کو اپنی تجارت بنا بغیر سرمایہ مال کے تجھ کو نفع حاصل ہوگا۔

② اے پسر! جنازوں پر حاضر ہوا کر اور شادیوں کی محفل میں مت جایا کر کیونکہ جنازے تجھ کو آخرت یاد دلائیں گے اور شادی کی محفلیں تجھ کو دُنیا یاد دلائیں گی کہ دنیا ایسی ہوتی ہے۔

③ اے پسر! پیٹ بھر کر نہ کھانا کتے کے سامنے ڈال دینا زیادہ کھانے سے بہتر ہے۔

④ اے پسر! مرغ کو دیکھ کہ صبح کو اٹھ کر اذان دیتا ہے اور تو بستر پر سویا ہوا ہوتا ہے لہٰذا مرغ سے زیادہ عاجز نہ بن۔

⑤ اے پسر! توبہ میں تاخیر نہ کر کیونکہ موت اچانک آتی ہے خبر کر کے نہیں آتی۔

⑥ اے پسر! تو مرد جاہل سے دوستی کرنے کی طرف راغب نہ ہو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ تو بھی اس کے عمل اور طریقہ سے راضی ہے تو تیری وجہ سے لوگ دھوکہ میں پڑیں گے۔

⑦ اے پسر! اللہ سے ڈرتا رہ اور اس کے تقویٰ کو لازم پکڑ مگر اس طرح رہ کہ لوگوں پر تیرا تقویٰ ظاہر نہ ہو اور لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس لیے تیرا اکرام کریں اور حالانکہ اندر سے تیرا دل بدکار ہو۔

⑧ اے پسر! خاموشی کو لازم پکڑ خاموشی پر کبھی تجھ کو ندامت نہ ہوگی کیونکہ اگر تیرا کلام چاندی کا ہے تو تیری خاموشی خالص سونا ہے۔

⑨ اے پسر! شر سے علیحدہ اور دور رہ ایک شر دوسرے شر کا خلیفہ ہوتا ہے۔

⑩ اے پسر! شدت غضب سے پرہیز کرنا شدت غضب دل کو خراب کر دیتا ہے اور شدت غضب سے حکیم کے دل کا نور مٹ جاتا ہے۔

⑪ اے پسر! علماء کی مجلس کو لازم پکڑ اور حکماء کا کلام سنا کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نور حکمت سے مردہ دل کو زندہ کر دیتا ہے جیسا کہ مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اور جو جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور بد خلق آدمی کو غم بہت لاحق ہو جاتا ہے اور پہاڑ سے پتھر لانا آسان ہے بہ نسبت نادان اور بے عقل کے سمجھانے کے۔

⑫ اے پسر! کسی نادان اور بے عقل کو ایلچی بنا کر نہ بھیج اور اگر تجھ کو کوئی دانا میسر نہ آوے تو خود چلا جا۔

⑬ اے پسر! کسی کی باندی سے نکاح نہ کرنا کہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کی غلامی کے غم میں ڈال دے۔

⑭ اے پسر! لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں علم اور حلم والے کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہوگی۔

⑮ اے پسر! وہ مجلس اختیار کر جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہو کیونکہ ان پر جو اللہ کی رحمت آوے گی اس میں سے تو بھی حصہ پاوے گا اور اس مجلس میں نہ بیٹھنا جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو کیونکہ اگر ان پر کوئی غضبِ الٰہی آیا تو تُو بھی ان کے ساتھ اس میں پس جائے گا۔

⑯ اے پسر! چاہیے کہ تیرا کھانا صرف متقی اور پرہیز گار لوگ کھائیں برے لوگوں کو کھانا نہ کھلا۔

⑰ اہل علم اور اہل فہم سے مشورہ کر۔

⑱ اے پسر! دُنیا بحرِ عمیق ہے یعنی بڑا گہرا دریا ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہو گئے پس اگر تو نجات چاہتا ہے تو اللہ کے تقویٰ کو اپنی کشتی بنا اور اس کو ایمان کے سامان سے بھر لے اور اللہ پر توکل اس کا لنگر بنادے تو اُمید ہے کہ تو ڈوبنے سے بچ جائے گا۔

⑲ اے پسر! میں نے بڑے بڑے پتھر اور بڑے بڑے لوہے اٹھائے ہیں مگر بُرے پڑوسی سے زیادہ کسی کو ثقیل اور بوجھل نہیں پایا۔

⑳ اور میں نے بڑی بڑی تلخیاں چکھی ہیں مگر فقیری اور محتاجی سے بڑھ کر کوئی تلخ چیز نہیں دیکھی۔

㉑ اے پسر! علم اور حکمت نے فقراء اور مساکین کو ملوک اور سلاطین کی جگہ پر بٹھلا دیا۔

㉒ اے پسر! تُو ان لوگوں میں سے نہ ہونا کہ جو اپنی تعریف کے طلب گار رہتے ہیں۔

㉓ اے پسر! جب علم حاصل کرو تو اس پر عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کرو (علم بغیر عمل کے ہیچ ہے)۔

㉔ اے پسر! علماء اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑ اور دوزانو ان کے سامنے بیٹھا کر۔

㉕ اے پسر! جب کسی سے دوستی کرنا مقصود ہو تو اس کا امتحان کرلو اس کو غضب ناک کرو اور دیکھو کہ وہ اس غصہ کی حالت میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے اگر وہ انصاف کرتا ہے تو وہ دوستی کے لائق ہے ورنہ اس سے پرہیز کرنا۔

㉖ اے پسر! قرضہ سے بچنا قرضہ دن میں ذلت ہے اور رات میں فکر اور غم ہے۔

㉗ اے پسر! جب سے تو دنیا میں اترا ہے تو تیری پشت دنیا کی طرف ہے اور منہ تیرا آخرت کی طرف ہے۔ پس جس گھر کی طرف تو جارہا ہے وہ اس گھر سے کہیں زیادہ قریب ہے جس سے تو دُور ہوتا جارہا ہے۔

㉘ اے پسر! اپنی زبان کو ((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ)) کا عادی اور خوگر بنالے کیونکہ دن رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں دُعا ردّ نہیں ہوتی۔

㉙ اے پسر! اللہ تعالیٰ سے اُمید لگائے رکھ مگر ایسی اُمید نہ ہو کہ جو تجھے گناہوں پر جری اور دلیر بنادے اور اللہ سے ڈرتا رہ مگر وہ خوف ایسا نہ ہو کہ جو تجھ کو اللہ کی رحمت سے نا اُمید بنادے۔

لقمان حکیم کی حکمتوں اور نصیحتوں کی تو کوئی شمار نہیں یہ چند نصائح میں نے تفسیر السراج المنیر للخطیب الشرابینی ص ۱۵۰ ج ۳ اور حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۵۵ ج ۲ سے نقل کر دی ہیں اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو اور ناظرین کو ان سے نفع دے۔ آمین یارب العالمین۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کام لگائے تمہارے جو کچھ ہیں آسمان و زمین میں اور بھر دیں

عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ
تم کو اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی اور ایک آدمی وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑳ وَاِذَا قِيْلَ
اللہ کی بات میں نہ سمجھ رکھیں نہ سوجھ نہ کتاب چمکتی اور جب ان کو کہیے

لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ
چلو اس حکم پر جو اتارا اللہ نے کہیں نہیں! ہم تو چلیں گے اس پر جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو

اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ㉑ وَمَنْ يُّسْلِمْ
بھلا اور جو شیطان بلاتا ہو ان کو دوزخ کی مار کو تو بھی؟ اور جو کوئی تابع کرے

وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ
اپنا منہ اللہ کی طرف اور وہ ہو نیکی پر سو اس نے پکڑا محکم کڑا اور

اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ㉒ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا
اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا اور جو کوئی منکر ہو تو تو غم نہ کھا اس کے انکار سے ہماری طرف

مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ㉓
پھر آنا ہے ان کو پھر ہم جتاویں گے ان کو جو انہوں نے کیا ہے مقرر اللہ جانتا ہے جو بات ہے جیوں میں

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ㉔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ
کام چلاویں گے ہم ان کا تھوڑے دنوں پھر پکڑ بلاویں گے ان کو گاڑھی مار میں اور جو تو پوچھے ان سے

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ
کس نے بنائے آسمان و زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں بے شک اللہ ہی ہے

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾ وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ

بے پروا سب خوبیوں سراہا اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور

الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ

سمندر ہو اس کی سیاہی اس کے پیچھے سات سمندر نہ نبڑیں باتیں اللہ کی

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٧﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ

بے شک اللہ زبردست ہے حکمتوں والا تم سب کا بنانا اور مرے پر جلانا وہی جیسا ایک جی کا

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٨﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

بے شک اللہ سنتا ہے دیکھتا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ پیٹھاتا ہے رات کو دن میں

وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۫ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ

اور پیٹھاتا ہے دن کو رات میں اور کام لگائے ہیں سورج اور چاند ہر ایک چلتا ہے

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

ایک ٹھہرے ہوئے وعدہ تک اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے جو کرتے ہو یہ اس پر کہے

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ

کہ اللہ وہی ٹھیک ہے اور جو پکارتے ہیں اس کے سوا وہی جھوٹ ہے اور اللہ وہی ہے

الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٣٠﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ ع ۱۱ ۱۲ ۳

سب سے اوپر بڑا تو نے نہ دیکھا کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں اللہ کی نعمت لے کر

اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣١﴾

کہ دکھاوے تم کو کچھ اپنی قدرتیں البتہ اس میں پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے حق بوجھنے والے کو

وَ اِذَا غَشِيَهُمۡ مَّوۡجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ

اور جب سر پر آوے ان کے لہر جیسے بدلیاں پکاریں اللہ کو نری کر کر اسی کو بندگی

فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ فَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ؕ وَ مَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا

پھر جب بچا دیا ان کو جنگل کی طرف تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر اور منکر ہوئے ہیں ہماری قدرتوں سے جو قول کے جھوٹے ہیں

كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوۡرٍ ﴿۳۲﴾

حق نہ بوجھنے والے۔

## تہدید مجادلین بر انکارِ توحید مع مشاہدۂ آثارِ قدرت وانواع واقسام نعمت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ ... الی ... اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوۡرٍ ﴿۳۲﴾﴾

**ربط**: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتداء سورت میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد تھا اور دلائل توحید کے ذکر ﴿فَاَرُوۡنِيۡ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوۡنَ فِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ﴾ میں مشرکین کی توبیخ اور سرزنش تھی اور بعد ازاں وصایائے لقمان کو ذکر کیا جس میں سب سے اہم اور مقدم توحید کی وصیت تھی اس لیے اب ان آیات میں پھر توحید کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور منکرین توحید پر تہدید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کے آثار تمہارے سامنے ہیں۔ لہٰذا تم کو خدا سے ڈرنا چاہیے اس لیے تقویٰ کا حکم دیا اور دن رات تم اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں میں پلٹیاں کھا رہے ہو پھر بھی اپنے خالق کو نہیں پہچانتے اور اپنے منعم اور محسن کے شکر گزار نہیں بنتے کہ ان نعمتوں کا پیدا کرنے والا اور دینے والا کون ہے ذرا سوچو تو سہی اپنے خالق اور مربی کی معرفت اپنے منعم اور محسن کی شکر گزاری عین عقل اور عین حکمت اور عین فطرت ہے یہ باتیں عقل سے بھی سمجھ میں آسکتی ہیں ان کا جاننا نبوت اور بعثت پر موقوف نہیں توحید باری اور شکر خداوندی کو عقل سلیم اور فطرتِ سلیمہ قبول کرتی ہے اور شرک اور ناشکری عقلاً قبیح ہے اور خلاف فطرت ہے انبیاء کرام علیہم السلام تم کو انہی عقل وحکمت اور امور فطرت کی دعوت دیتے ہیں پھر اعراض کی کیا وجہ۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اشارہ اس طرف ہے کہ الوہیت اور وحدانیت کی معرفت نبوت اور بعثت پر موقوف نہیں انسان اگر ذرا غور کرے اور عقل سے کام لے تو اپنے خالق اور منعم کو پہچان سکتا ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۷۶ ج ۶)۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۸ ج ۴)

نعمت کو دیکھ کر فقط نعمت میں مشغول نہ ہو جائے بلکہ منعم جس کی طرف سے یہ نعمت آئی ہے اس کی معرفت اور اس کی اطاعت کی فکر کرے اور ہر وقت اپنے منعم سے ڈرتا رہے کہ مبادا منعم میری نافرمانی سے ناراض ہو کر اپنی نعمتیں واپس نہ لے لے حکمت اور عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے منعم اور محسن سے غافل نہ ہو حماقت اور بے فائدہ شور وشغب گدھوں کی خاصیت ہے انسان کو چاہیے کہ عقل سے کام

لے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں جیسے چاند اور سورج اور ستارے اور بادل کہ ان سے نفع اٹھاتے ہو اور مسخر کر دیا تمہارے لیے ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں حیوانات اور نباتات اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی ظاہری نعمت صورت ظاہرہ کی درستی کا سبب ہے اور باطنی نعمت، سیرت کی درستی کا سبب ہے ظاہر نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں کہ جو حواس ظاہری سے محسوس اور مدرک ہیں جیسے کھانا اور پینا اور پہننا اور باطنی نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جو عقل سے دریافت ہوں جیسے ایمان اور علم دین اس طرح ظاہری اور باطنی اور آسمان اور زمین کی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور باوجود اس کے بعضے آدمی ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ کی شان توحید میں جھگڑتے ہیں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے، علم سے مراد دلیل عقلی ہے اور ہدیٰ سے دلیل کشفی اور الہامی مراد ہے جو کسی ہادی نبی یا ولی کے ذریعہ سے بذریعہ وحی اور الہام معلوم ہوئی ہے اور کتاب منیر سے کتاب آسمانی مراد ہے مطلب یہ کہ اس بارہ میں ان لوگوں کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی ہے محض آباء واجداد کی تقلید کی بناء پر شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہیں۔ پس جب ان کے پاس کسی قسم کا علم نہیں تو اہل علم سے مجادلہ کیوں کرتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے اور اس پر ایمان لاؤ جو عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی روش پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو چلتے پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو تب بھی یہ لوگ انہی کی پیروی کیے جائیں گے اور جہاں جا کر وہ گریں گے وہیں یہ بھی گریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے آباء واجداد کا راستہ درحقیقت شیطان کا راستہ ہے شیطان ان پر غالب تھا اس نے ان کو مشرک اور گمراہ بنایا اور ایسی گمراہی کی ان کو دعوت دی جس کا انجام عذاب دوزخ ہے۔ پس یہ لوگ درحقیقت اس شیطان کی پیروی کر رہے ہیں کہ جس نے ان کے آباء واجداد کو دوزخ کے عذاب کی طرف دعوت دی ہے۔

**مسئلہ** اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کا اتباع بلاشبہ فرض ہے لیکن اس کے اتباع کی دو صورتیں ہیں ایک بالذات اور ایک بالغیر جو شخص خود عالم اور فاہم ہو اور قواعد عربیت اور قواعد شریعت سے واقف ہو وہ بذات خود کتاب الٰہی کا اتباع کرے اور جو شخص خود عالم نہ ہو اور نہ وہ عربی زبان جانتا ہو تو وہ اہل علم سے پوچھ کر حکم خداوندی کا اتباع کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۷) اور یہ اتباع درحقیقت اس عالم کا اتباع نہیں بلکہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کا اتباع ہے مگر عالم کے واسطہ سے ہے تو یہ بھی ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کا اتباع ہے لیکن بالغیر ہے یعنی خود نہیں بلکہ بواسطہ عالم شریعت کے ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کی تقلید کے یہی معنی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی ان علماء ربانیین کے علم اور فہم کے مطابق کی جائے معاذ اللہ معاذ اللہ کسی حنفی اور شافعی نے ابو حنیفہ اور شافعی رحمہما اللہ کو اپنا رب قرار نہیں دیا جو یہ کہا جائے کہ مقلدین ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ: ۳۱) کے مصداق ہیں منکرین تقلید کا عجب حال ہے کہ تقلید کے معنی تو سمجھتے نہیں اور بے سوچے سمجھے مشرکین کی آیاتِ مقلدین پر چسپاں کرتے ہیں سب کو معلوم ہے کہ ہر شخص عربی زبان نہیں جانتا اور اگر کچھ جانتا بھی ہے تو مرتبہ اجتہاد کی اس میں صلاحیت نہیں تو پھر وہ بذات خود کتاب وسنت کو سمجھ کر کیسے اللہ اور اس کے رسول کا اتباع کر سکتا ہے لامحالہ کسی عالم دین سے پوچھ کر ہی کرے گا اور ظاہر ہے کہ وہ عالم دین اس جاہل کو یہ نہیں بتلا سکتا کہ یہ آیت قطعی الدلالت یا ظنی الدلالت ہے اور یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے یا غریب ہے یا شاذ ہے یا منکر ہے لامحالہ وہ جاہل بغیر دلیل معلوم کئے ہی اس عالم کا اتباع کرے گا اور اسی کا نام تقلید ہے عجب

نہیں کہ منکرین تقلید کی اس قسم کی بے سروپا باتیں ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ میں داخل ہوں۔

یہ تو مجادلین اور شیطان کے متبعین کا ذکر تھا۔ اب آگے اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار بندوں کا ذکر ہے اور جو شخص اپنا منہ اللہ کی طرف متوجہ کر دے اور اپنے تمام امور اللہ کے سپرد کر دے اور دین اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑ لے درآنحالیکہ وہ مخلص ہو تو سمجھو کہ اس نے بڑا مضبوط حلقہ پکڑ لیا اور ایسا سہارا پالیا جس کے ذریعہ وہ بالا سے بالاتر ہوتا چلا جائے گا اور وہ حلقہ اور رسی نہایت مضبوط ہے جس کے ٹوٹ جانے کا امکان نہیں البتہ ہاتھ سے چھوٹ جانے کا امکان ہے برخلاف جھوٹے معبودوں کے کہ ان کا رشتہ تار عنکبوت ہے اور سب کاموں کا اخیر انجام اللہ ہی کی طرف ہے اور جو شخص کافر اور منکر ہوا اور عروۂ وثقیٰ کو اس نے ہاتھ بھی نہ لگایا تو اے نبی اس کا انکار آپ کو رنج اور غم میں نہ ڈالے آپ اپنے کام میں لگے رہیے اور ان کو ہم پر چھوڑ دیجیے انہیں ہم خود سمجھ لیں گے ہماری ہی جانب سب کو لوٹ کر آنا ہے پس ہم ان کو آگاہ کر دیں گے۔ اس چیز سے جو انہوں نے کیا بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کے بھیدوں کو جانتا ہے ظاہری اعمال کا تو کیا ذکر اور اگر یہ لوگ اپنی اس دُنیاوی عیش پر پھول رہے ہیں تو یہ ان کی نادانی ہے ہم چند روز ان کو فائدہ پہنچاویں گے پھر ان کو مجبور کر کے سخت عذاب کی طرف لے جاویں گے جس میں کبھی تخفیف نہ ہو گی بلکہ دن بدن اس میں ترقی ہوتی رہے گی اور اگر آپ ان منکرین توحید سے سوال کریں کہ بتلاؤ، ان آسمانوں کو اور اس زمین کو کس نے پیدا کیا تو جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے معلوم ہوا کہ انکار عدم علم کی بنا پر نہیں بلکہ عناد کی بنا پر ہے اس اقرار پر آپ یہ کہیے کہ الحمد للہ کہ ان پر الزام قائم ہو گیا اور خود اقرار کر لیا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں بلکہ ان میں کے اکثر بے علم اور بے عقل ہیں کہ سمجھتے نہیں کہ ہمارے اس اقرار کا مقتضا یہ ہے کہ ہم شرک سے باز آ جائیں اور جان لیں کہ جب وہی تمام اشیاء کا خالق ہے تو وہی عبادت کا مستحق ہے اس کے سوا کوئی کسی چیز کا مالک نہیں اللہ ہی کی ملک ہے جو چیز بھی آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے غیر سے بے نیاز ہے اور وہی اپنی ذات اور صفات میں ستودہ ہے خواہ کوئی حمد کرے یا نہ کرے اس لیے کہ وہ بذات خود بخود صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آسمان اور زمین اگرچہ محدود اور متناہی ہیں مگر اللہ کا علم اور اس کی قدرت غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اگر بالفرض زمین کے درخت قلم ہو جائیں اور بحر محیط سیاہی ہو جائے اور بعد ازاں سات سمندر اور اس کی مدد کریں اور وہ بھی مداد یعنی سیاہی بن جائیں اور پھر ان سے اللہ کی باتیں لکھی جائیں تو یہ تمام قلم اور روشنائی سب ختم ہو جائیں اور اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں سات سمندروں کا ذکر بطور حصر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ علم الٰہی کے مقابلہ میں سات سمندر بلکہ سات ہزار سمندر بھی بمنزلہ ایک قطرہ کے ہیں کسی مخلوق کی مجال نہیں کہ وہ کلمات الٰہیہ کا اندازہ کر سکے دنیا کے تمام درخت اور تمام سمندر محدود اور متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کلمات علم و حکمت یا اس کے عجائب قدرت و صنعت یا اس کی معلومات غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اللہ کی معلومات اور اس کی مقدورات کی کوئی حد نہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کلمات اللہ سے وہ کلمات قدسیہ مراد ہیں جو اللہ کی ذات مقدس کے ساتھ قائم ہیں وہ حصر اور شمار سے باہر ہیں اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔

**فائدہ:** مفسرین نے لکھا ہے کہ سات سمندر یہ ہیں: ① دریائے حبشہ ② دریائے روم ③ دریائے ہند ④ دریائے قلزم جدہ جس کے کنارے پر ہے ⑤ دریائے چین ⑥ دریائے فارس تا بہ بصرہ ⑦ بحیرۂ طبریہ۔

بے شک غالب ہے اور حکمت والا ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور کمال قدرت کو بیان کیا کہ نہ اس کے علم کی کوئی حد اور نہایت ہے اور نہ اس کی قدرت کی کوئی حد اور غایت ہے اب آئندہ آیات میں منکرین قیامت کے استبعاد کا رد فرماتے ہیں کہ

جو یہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد حشر ونشر کیسے ہوگا نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا اور نہیں ہے موت کے بعد تمہارا اٹھانا مگر مثل ایک جان کے پیدا کرنے اور جلانے کے اس کی قدرت کے اعتبار سے سب لوگوں کا پیدا کرنا اور ایک جان کا پیدا کرنا سب برابر ہے اس کی قدرت ازلیہ میں قلیل وکثیر سب برابر ہیں ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (یٰسین: ۸۲) بے شک اللہ تعالیٰ بیک وقت تمام عالم کی آوازیں سننے والا ہے اور بیک وقت تمام کائنات کو دیکھنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے قادر مطلق کی قدرت کاملہ میں عجز کا دخل نہیں ایسی ذات کو سارے عالم کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس طرح سمع اور بصر سے اشیاء کا ادراک دفعتاً ہوتا ہے اسی طرح خدا کے لیے سارے عالم کا دفعتاً اِحیاء (دوبارہ زندہ کرنا) بھی ممکن ہے۔

اے منکر قدرت کیا تو نے دیکھا نہیں اور کیا تو نے جانا نہیں کہ اللہ ہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں گرمیوں میں رات کا حصہ دونوں طرف سے کم ہو کر دن میں داخل ہو جاتا ہے اور جاڑوں میں دن دونوں طرف سے کم ہو کر رات میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک کی ایک مدت مقرر ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اس عالم کی بھی ایک مدت مقرر ہے اور اللہ ہی نے سورج اور چاند کو مسخر کیا کہ ہر وقت اس کے حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں ہر ایک وقت مقرر تک یعنی قیامت تک اسی طرح چلتا رہے گا اس دن اس کا چلنا بند ہو جائے گا کسی کی مجال نہیں کہ اس میں تغیر وتبدل کر سکے یہ سب اللہ کی قدرت کی رنگارنگی ہے نہ بالذات ہے اور نہ آفتاب اور زمین کی گردش کا نتیجہ ہے اور بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے یہ سب نظام عالم اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی موجود برحق اور واجب الوجود اور موجود بالذات ہے جس کے اشارہ سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے اور اس کے سوا جس چیز کو یہ پکارتے ہیں وہ سب بے اصل اور بے حقیقت ہے کسی کا وجود بالذات اور خود بخود نہیں اور بے شک اللہ ہی عالیشان اور سب سے بڑا ہے اس سے بڑا کوئی نہیں اے مخاطب کیا نہیں دیکھا تو نے یا نہیں جانا تو نے کہ یہ کشتیاں دریا میں چلتی ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے کہ نیچے پانی ہے اور اوپر ہوا ہے یا یہ معنی ہیں کہ کشتیاں سامان نعمت کو لے کر چلتی ہیں تاکہ وہ تم کو اپنی قدرت اور نعمت کی کچھ نشانیاں دکھاوے کہ پانی میں اس نے یہ قوت رکھی کہ وہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکے کی طرح اٹھائے پھرتا ہے بے شک اس کشتی اور دریا میں اس کے کمال قدرت اور کمال حکمت اور کمال نعمت کی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے دریا کے سفر میں محنت اور مشقت بھی ہے اور بہت سے فوائد اور منافع بھی ہیں مؤمن کے لیے یہ سفر باعث صبر بھی ہے اور موجب شکر بھی ہے اور صبر اور شکر کے جمع ہو جانے سے ایمان کامل ہو جاتا ہے اور من جملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ جب ان کشتی والوں کو دریا کی کوئی موج مثل سائبانوں کے ڈھانک لیتی ہے تو اللہ کو پکارتے ہیں ایسی حالت میں کہ خالص اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہوتے ہیں یعنی ایسی حالت میں خالص اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو اس ہولناک موج کی غرقابی سے نجات دے اور سارا شرک بھول جاتے ہیں جب موت سامنے آتی ہے تب توحید نظر آنے لگتی ہے پھر حق تعالیٰ ان کو غرق سے نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو بعض تو ان میں سے بیچ کی راہ پر چلتے ہیں اور اکثر منکر ہو جاتے ہیں اور نہیں منکر ہوتا ہماری آیتوں کا مگر ہر بدعہد اور ناشکرا ختار کے معنی غدار اور مکار کے ہیں جو عہد کر کے توڑ دیتا ہے اور کفور اس کو کہتے ہیں کہ جو جان بوجھ کر ناشکری کرتا ہو مُقْتَصِدٌ کے معنی متوسط اور معتدل کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب طوفان سے نجات پا کر خشکی پر آ گئے تو جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا باقی نہ رہا البتہ بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ اس حالت پر نہ رہے مگر بالکل بھول بھی نہیں جاتے ایسے کم ہیں کہ نجات پانے کے بعد ان کے شر میں ذرا کمی آ جاتی ہے اور اکثر تو ایسے ہوتے ہیں کہ دریا سے نکلتے ہی شرارتیں شروع

کر دیتے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مقتصد کے معنی یہ ہیں کہ نجات پانے کے بعد سیدھی راہ پر آ جاتا ہے اور کفر اور شرک کو چھوڑ دیتا ہے اور اس حالت میں جو دعا کی تھی اور خدا سے جو توحید کا عہد کیا تھا نجات پانے کے بعد اس پر قائم رہتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں اور اکثر وہ ہیں جو نجات پانے کے بعد پھر مشرک اور منکر ہو جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ مقتصد کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ نجات پانے کے بعد اس کے کفر اور شرک میں کمی آ گئی اور ایک معنی یہ ہیں کہ نجات پانے کے بعد سیدھی راہ پر تو آ گیا مگر اخلاص اور اعمال صالحہ میں کچھ کمی رہی ایسا شخص مقتصد ہے اور جو شخص ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ میں برق رفتار ہو جائے وہ سابق بالخیرات ہے اور جو شخص نجات پانے کے بعد حسب سابق پھر کفر و شرک پر اُتر آئے وہ ظالم لنفسہ اور ختار اور کفور ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمْ وَٱخْشَوْاْ يَوْمًا لَّا يَجْزِى وَالِدٌ عَن

لوگو! بچتے رہو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آوے کوئی باپ

وَلَدِهِۦ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِۦ شَيْـًٔا ۚ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ

اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو جو کام آوے اپنے باپ کی جگہ کچھ بے شک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِٱللَّهِ ٱلْغَرُورُ ﴿۳۳﴾

سو تم کو نہ بہکاوے دنیا کا جینا اور نہ دھوکا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغا باز

إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى

اللہ جو ہے اس پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو ہے

ٱلْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِى

ماں کے پیٹ میں اور کوئی جی نہیں جانتا کیا کرے گا کل اور کوئی جی نہیں جانتا

نَفْسٌۢ بِأَىِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌۢ ﴿۳۴﴾ ع

کس زمین میں مرے گا تحقیق اللہ ہی سب جانتا ہے خبردار۔

ع ۴ ۱۳

# خاتمہ سورت بر حکم تقویٰ وتذکیر آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ . . . الیٰ . . . اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں دلائل قدرت اور مبدأ اور معاد کی تفصیل تھی۔ اب سورت کو تقویٰ کی نصیحت اور وصیت پر ختم کرتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ (النساء:۱۳۱) یعنی صرف ایک خدا سے ڈرو اور قیامت کے دن سے ڈرو کہ جس دن سوائے تقویٰ کے کوئی قرابت اور مودت کام نہ آئے گی تقویٰ کی وصیت اور نصیحت سے بڑھ کر کوئی وصیت اور نصیحت نہیں اور آخرت کے لیے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی توشہ نہیں۔

بعد ازاں یہ بتلایا کہ روز جزاء کا کسی کو علم نہیں اور کسی کو خبر نہیں کہ میری موت کب آئے گی خوب سمجھ لو کہ جس طرح کسی کو مبدأ کا علم نہیں اسی طرح کسی کو معاد کا بھی علم نہیں۔

اور اس آخری آیت میں یہود اور نصاریٰ کے عقائد باطلہ کے رد کی طرف بھی اشارہ فرما دیا یہود اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اس لیے ہم پر کوئی عذاب نہ ہوگا اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام سب کی طرف سے کفارہ ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نجات کا دارومدار ایمان اور تقویٰ اور عمل صالح پر ہے نہ کہ ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے انسانو! خواہ تم کشتی میں ہو یا خشکی میں اپنے پروردگار کے قہر سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو وہ بر اور بحر سب کا مالک ہے اس کی قدرت سب جگہ یکساں ہے اور اس دن سے ڈرو کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا اس دن تو نفسی نفسی ہوگی بے شک اللہ نے جو یوم حساب کے آنے کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل سچا اور پکا ہے اور یقیناً تمہارے سامنے آنے والا ہے اللہ کے وعدہ پر بھروسہ کرو جنات اور شیاطین اور نجومیوں اور کاہنوں کے وعدوں کے چکر میں نہ پڑو سو یہ دُنیاوی زندگی اور اس کی آرائش ونمائش تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور یہ شیطان تم کو اللہ کے بارہ میں دھوکہ نہ دے دے کہ تم کو لمبی لمبی اُمیدوں اور آرزؤں میں مبتلا کرے اور کہے کہ جو کچھ مزہ اڑانا ہے وہ یہیں اڑا لو اس دُنیا کے سوا اور کوئی جہان نہیں اور اگر مسلمان ہو تو شیطان اسے یہ دھوکہ دیتا ہے کہ خوب مزے اڑاؤ اللہ بڑا غفور رحیم ہے یہ سب دھوکہ ہے کسی کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کب پکڑ لے دن رات مصیبتیں اور آفتیں آتی رہتی ہیں مگر پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور دن رات موت اور بیماری کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ یکایک آ جاتی ہے اور پہلے سے کسی کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اس طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو یوم حساب کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق اور صدق ہے مگر تم کو اس کا وقت نہیں بتلایا وہ ایسا امر غیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کسی چیز کا وقت نہ معلوم ہونے سے اس کے وقوع کا انکار کر دینا سراسر خلافِ عقل ہے اس لیے کہ دُنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں واقعات ایسے ہیں کہ واقع ہو رہے ہیں مگر پہلے سے ان کا وقت معلوم نہیں، معلوم ہوا کہ وقت کے نہ معلوم ہونے سے کسی چیز کے وقوع کا انکار جہالت اور حماقت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے کہ کب قائم ہوگی قیامت قائم ہونے کا وقت نہ کسی پیغمبر کو معلوم ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کو البتہ قیامت کی کچھ علامتیں جو احادیث سے ثابت اور معلوم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ بارش نازل کرتا ہے جو لوگوں کے رزق کا سامان ہے اور جس پر لوگوں کی حیات اور بقاء موقوف ہے بارش نازل

ہونے کا وقت بھی پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور بادل دیکھنے کے بعد بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ بادل کہاں برسے گا اور کتنا پانی برسائے گا اور کس طرح برسائے گا اور اس بادل میں کتنے ٹن پانی ہے بارش تیز ہوگی یا ہلکی ہوگی اور کتنی دیر تک بارش ہوگی اور رات کو ہوگی یا دن کو ہوگی اور کس وقت پر ہوگی ٹھیک وقت کوئی بھی نہیں بتلا سکتا اور اگر کسی فلسفی صاحب کو کچھ بخارات زمین سے یا پہاڑ سے اُٹھتے ہوئے نظر آ گئے تو فلسفی صاحب کو ان بخارات کی نہ کمیت معلوم اور نہ کیفیت معلوم اور نہ وقت اور ساعت معلوم فلسفی صاحب جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب ان کے قیاسات ہیں جن کو علم قطعی اور یقینی ہرگز نہیں کہا جا سکتا دوسروں کو تو کیا یقین آئے خود فلسفی صاحب کو بھی اپنے قیاسات پر یقین نہیں ہوتا۔

اور اللہ ہی کو معلوم ہے جو رحم مادر میں ہے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی ہے ناقص ہے یا پورا ہے کالا ہے یا گورا ہے نیک ہے یا بد ہے عاقل ہے یا غافل ہے آیندہ چل کر وہ وزیر ہوگا یا فقیر ہوگا بڑا ہو کر امیری کرے گا یا مزدوری اور اس کی عمر کیا ہوگی جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے تو اللہ کو اس کے تمام احوال کا بتمام وکمال علم ہوتا ہے یہ علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں انسان کو جب اپنے محل ولادت اور مکان خلقت کا علم نہیں تو قیامت کا علم اس کے لیے کیسے ممکن ہے۔

اور کسی نفس کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کل کو کیا کام کرے گا بھلائی کرے گا یا بُرائی اور اگر بالفرض کمائی کی کوئی خاص عادت تھی تو معلوم نہیں کہ صبح کو اٹھ کر تندرست ہوگا یا بیمار ہوگا اور تندرست ہوا تو معلوم نہیں کیا مزدوری کرے گا اور کس کی اور کس قسم کی نوکری یا چاکری کرے گا بندہ کو تو اپنے افعال واعمال کا بھی علم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کون سا کام کس وقت کرے گا حالانکہ بندہ جو کماتا ہے اس میں اس کی قدرت اور اختیار کو دخل ہوتا ہے تو پھر قیامت کا علم اس کو کیسے ہو سکتا ہے جس میں اس کے علم اور قدرت کو بھی دخل نہیں۔

اور کسی نفس کو تو اپنی صفات اور اپنی موت وحیات کا بھی علم نہیں اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کس زمین میں مرے گا اور کس وقت مرے گا اور کس حالت میں مرے گا بسا اوقات ایسی جگہ جا کر مرتا ہے کہ جہاں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ پس جب تجھے اپنے بچہ کی ولادت کا زمانہ معلوم نہیں اور نہ تجھے اپنی موت کا زمانہ معلوم ہے اور نہ تجھے اپنے آیندہ کے امور معاش کا علم ہے کہ کل کو کیا کرے گا اور کیا کماوے گا تو سارے عالم کی موت وحیات کا زمانہ تو کیسے جان سکتا ہے بندہ تو مخلوق اور محدود ہے تو لامحالہ اس کا علم بھی محدود ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب چیزوں کا جاننے والا ہے اور خبردار ہے ہر چیز کا ظاہر وباطن اس کی نظروں کے سامنے ہے ان پانچ چیزوں کو جن کا ذکر آیت میں ہے ان کو مفاتیح الغیب کہتے ہیں یعنی غیب کی کنجیاں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ پانچ باتیں ایسی ہیں کہ جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا پھر یہ آیت یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ اخیر تک پڑھی رواہ احمد باسناد صحیح اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا پھر یہی آیت پڑھی۔ (رواہ البخاری باسنادین واحمد باسانید)

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک اعرابی کے بارہ میں نازل ہوئی جس کا نام وارث بن عمرو بن حارثہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی حاملہ ہے مجھے خبر دیجیے کہ وہ کیا جنے گی اور ہمارے بلاد قحط زدہ ہیں مجھے خبر دیجیے کہ بارش کب ہوگی مجھے معلوم ہے کہ میں کب پیدا ہوا مجھے خبر دیجیے کہ میں کب مروں گا مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کام کیا مجھے خبر دیجیے کہ کل آیندہ میں کیا کام کروں گا اور مجھے خبر دیجیے کہ قیامت کب قائم ہوگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸۳ ج ۱۴ اور

تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۴ ج ۳ مگر تفسیر ابن کثیر میں بجائے مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے۔

**نکتہ**: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا اوّل کی تین چیزیں نہایت عظیم تھیں (یعنی قیام قیامت اور نزول غیث اور مافی الارحام) اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کی اسناد اور نسبت اپنی طرف فرمائی اور اخیر کی دو چیزیں بندہ کی صفات اور افعال سے متعلق تھیں یعنی کسب اور موت اس لیے ان دو چیزوں کی نسبت بندوں کی طرف فرمائی۔ (صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۶۱ ج ۳)

**فائدہ**: آیت میں پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا مگر مقصود حصر نہیں غالباً چونکہ سوال انہی پانچ چیزوں کے متعلق تھا اس لیے آیت میں انہی پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا۔

**(یا یوں کہو)** کہ ﴿يَعۡلَمُ مَا فِي الۡاَرۡحَامِ﴾ سے انسان کے مبداء حیات کی طرف اشارہ ہے اور ﴿يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ﴾ سے انسان اور حیوان کے سامان حیات کی طرف اشارہ ہے اور ﴿وَمَا تَدۡرِيۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا﴾ سے انسان کے امور معیشت کی طرف اشارہ ہے اور ﴿وَمَا تَدۡرِيۡ نَفۡسٌۢ بِاَيِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ﴾ سے انسان کے منتہائے حیات کی طرف اشارہ ہے اور ﴿عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ﴾ سے تمام عالم کے معاد کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کل عالم کے مبدأ اور معاد اور معاش کا علم کلی اور تفصیلی اور بہمہ وجوہ محیط اور قطعی اور یقینی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں اکوان غیبیہ کا علم کلی اور تفصیلی اور محیط اللہ رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر کسی نبی کو بذریعہ وحی کے اور کسی ولی کو بذریعہ الہام کے اور کسی مرد صالح کو بذریعہ خواب کے کسی کی موت اور حیات کا کچھ علم ہو جائے تو وہ ایک علم جزئی اور نا تمام ہے جس کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہو اور بعض اوقات کافروں کو بھی بذریعہ خواب یا کشف کچھ امور دکھلا دیئے جاتے ہیں جو واقع کے مطابق ہوتے ہیں جیسا کہ دجال کی حدیث میں اس قسم کے امور کا ذکر آیا ہے تو وہ بطور استدراج ہے نہ کہ بطریق کرامت۔

**حکایت**: شاہ منصور خلیفہ عباسی نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ میری عمر کتنی ہے تو ملک الموت نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کر دیا بادشاہ جب خواب سے بیدار ہوا تو معبرین سے اس کی تفسیر پوچھی کسی نے پانچ برس اور کسی نے پانچ مہینہ اور کسی نے پانچ دن اس کی تعبیر دی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ پانچ انگلیوں کے اشارہ سے اس آیت یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ... اِلٰی آخرہ﴾ کی طرف اشارہ ہے جس میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ (تفسیر مظہری ص ۲۸۰ ج ۷)

---

**الحمد للہ** آج بروز شنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۶ رجب الحرام ۱۳۹۲ھ بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور، سورۂ لقمان کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ وللہ الحمد اولا و اٰخرا و ظاھرًا وباطنا۔ اے اللہ اپنی رحمت اور توفیق اور عنایت سے باقی قرآن کریم کی تفسیر بھی اس حقیر سراپا تقصیر کے ہاتھ مکمل فرما۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝۱۲۷ وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۝۱۲۸﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۂ سجدہ

سورۂ سجدہ مکی ہے اس میں تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سونے سے پہلے ﴿الٓمٓ ۝ تَنْزِيْلُ﴾ السجدہ اور ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ پڑھ لیا کرتے تھے۔ (اخرجہ الامام احمد والترمذی والنسائی وغیرھم عن جابر رضی اللہ عنہ)

**ربط:** گذشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید اور دلائل حشر ونشر ذکر کیے اس سورت کا آغاز بھی قرآن کی حقانیت سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید و دلائل حشر ونشر ذکر کرکے پہلی سورت کی طرح سعداء اور اشقیاء کا حال اور مآل ذکر کیا اور پھر حسب سابق ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ سے ادلۂ توحید کا ذکر شروع کیا اسی طرح سلسلۂ کلام اخیر سورت تک چلا گیا۔

**(یا یوں کہو)** کہ سورۂ لقمان میں آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر تھا اور اس سورت میں تدبیر عالم اور انتظام خلائق کا ذکر ہے۔

| آیاتُھا ۳۰ | سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲) (۷۵) | رُکُوعَاتُھَا ۳ |
|---|---|---|

سورۂ سجدہ مکی ہے اس میں تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

اتارا کتاب کا ہے اس میں کچھ دھوکا نہیں جہان کے صاحب سے کیا کہتے ہیں یہ

افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ

باندھ لایا؟ کوئی نہیں! وہ ٹھیک ہے تیرے رب کی طرف سے کہ تو ڈر سناوے ایک لوگوں کو جن کو نہیں آیا کوئی

نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾

ڈرانے والا تجھ سے پہلے شاید وہ راہ پر آویں۔

## آغاز سورت بحقانیت قرآن برائے اثبات رسالت محمدیہ ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿الٓمّٓ ۚ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ... الی ... قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ③﴾

﴿الٓمّٓ ۚ ①﴾ اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یہ نازل کردہ کتاب ہے جس میں ذرہ برابر کوئی شک نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے جس کا ظاہری اور معنوی اعجاز اس کی دلیل ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتری ہے بتائیں کہ کیا وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اس کو خود بنالیا ہے اور خدا کی طرف اس کو منسوب کر دیا ہے یہ قول بالکل غلط ہے بلکہ وہ سچی کتاب ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے تاکہ آپ اس کتاب حکمت کے ذریعہ ایسی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہ راست پر آجائیں آپ سے پہلے جس قدر نبی گذرے اگرچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے مگر وہ بنی اسحاق اور بنی اسرائیل میں سے تھے جو قریش کے بنی الاعمام تھے اور آپ ﷺ بنی اسماعیل میں پیدا ہوئے آپ ﷺ سے پہلے اس قوم میں کوئی نبی نہ آیا تھا اس لیے آپ ﷺ کو بھیجا تاکہ اللہ کی حجت اور ہدایت ان پر پوری ہوجائے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

اللہ ہے جس نے بنائے آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ ہے چھ دن میں

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ

پھر قائم ہوا عرش پر کوئی نہیں تمہارا اس کے سوا حمایتی نہ سفارشی

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ

پھر تم کیا سوچ نہیں کرتے تدبیر سے اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے

اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤ ذٰلِكَ

اس کی طرف ایک دن میں جس کا میانا ہزار برس ہیں تمہاری گنتی میں یہ ہے

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ ⑥ الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ

جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست رحم والا جس نے خوب بنائی جو

شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ

چیز بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش ایک گارے سے پھر بنائی اس کی اولاد

مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ۚ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ

نچڑے پانی بے قدر سے پھر اس کو برابر کیا اور پھونکی اس میں اپنی جان میں سے

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ⑨

اور بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تم تھوڑا شکر کرتے ہو۔

## دلائل توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ... الى ... قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ⑨ ﴾

**ربط**: اب اثبات رسالت کے بعد دلائل توحید بیان کرتے ہیں اللہ ہی ہے وہ جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے دُنیا کے دنوں کے اعتبار سے چھ دن کی مقدار میں پھر وہ قائم اور جلوہ افروز ہوا عرش پر جو اس کی شان الوہیت ہے اُمت محمدیہ کے تمام سلف اور خلف کا اس پر اجماع ہے کہ عرش اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے نہیں کیونکہ اللہ رب العزت ازلی ہے اور وہ عرش کے پیدا کرنے سے پہلے سے موجود ہے اور عرش اللہ کا مخلوق ہے عقلاً یہ محال ہے کہ کوئی عرش اور تخت اللہ کو اپنے اوپر اٹھا سکے اور تھام سکے اللہ تعالیٰ کون و مکان سے بے نیاز ہے اور بے مثل اور بے چون وچگون ﴿ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱) پس جس طرح خدا تعالیٰ کا سمیع اور بصیر ہونا اس کی شان کے لائق ہے جس شان بے چونی وچگونی پر وہ عرش کے پیدا کرنے سے پہلے تھا اسی شان پر عرش کے پیدا کرنے کے بعد بھی ہے وہ مخلوق کے خیال سے بالا اور برتر ہے مخلوق کا خیال بھی مخلوق ہے۔

ہر چہ اندیشی پذیرائے فناست     وآنکہ در اندیشہ ناید آں خداست

عرش لغت میں سریر الملک یعنی بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں اور شریعت میں عرش ایک جسم نورانی ہے جو تمام عالم کو محیط ہے قرآن کریم میں سات جگہ استواء علی العرش کا ذکر آیا ہے اس پر تو اجماع ہے کہ استواء علی العرش سے ظاہری اور حسی معنی یعنی تمکن استقرار کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ اللہ مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہے جیسا کہ مجسمہ اور مشبہہ کہتے ہیں سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش بلا کیف اور بلا مکان اور بلا جہت کے حق اور ثابت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور یہ اعتقاد رکھنا فرض ہے کہ وہ بے چون وچگون ہے جیسا کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا قول سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم نقل کر چکے ہیں باقی تفصیل وہاں دیکھ لی جائے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش تدبیر الٰہی کا مظہر ہے یعنی وہ ایسا مقام ہے کہ جہاں سے تدابیر الٰہیہ اور احکام خداوندی جاری ہوتے ہیں غرض یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کو بیان کیا کہ عرش سے لے کر فرش تک سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہے اور اوپر سے لے کر نیچے تک ہر کون ومکان اور ہر زمین وزمان میں اسی کا حکم جاری ہے۔ پس اپنی قدرت کاملہ کے بیان کرنے کے بعد آئندہ آیت میں مشرکین کو تہدید فرماتے ہیں کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ خدا کی یہ شان ہے تو سمجھ لو کہ تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ

کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی سفارشی پس کیا تم سوچتے بھی نہیں اور ان کلمات حکمت کے سننے اور دیکھنے سے اندھے اور بہرے بن گئے ہو سب کو چھوڑو اور خدائے برحق کی طرف رجوع کرو یہاں تک آسمان اور زمین کی خلقت کو بیان کیا اب آئندہ ان کی تدبیر کو بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور کی تدبیر کرتا ہے یعنی اپنی حکمت تقدیر کے موافق حکم قضاء جاری کرتا ہے کوئی ذرہ اس کے حکم قضاء سے باہر نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تم دوسروں کی عبادت کرتے ہو اور ان پر بھروسہ کرتے ہو ذرا اپنی جہالت پر غور تو کرو پھر وہ امر الٰہی جو اللہ کی طرف سے اترا تھا لوٹ کر پھر اللہ ہی کی طرف چڑھ جاتا ہے ایک ہی دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے حساب سے ایک ہزار سال ہے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم عرش سے اترتا ہے اور ساتویں زمین تک پہنچتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ﴾ (الطلاق: ۱۲) اور پھر وہ متعلقہ کارروائی مکمل ہونے کے بعد دفتر اعمال میں درج ہونے کے لیے زمین سے آسمان دُنیا پر جاتی ہے اور جو فرشتہ اس کام کے لیے معین تھا بجالانے کے بعد آسمان کی طرف چڑھ جاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اس کو پیش کرتا ہے اور آسمان سے لے کر زمین تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار کے لحاظ سے پانچ سو برس کا ہے اور آمدورفت اور اترنے اور چڑھنے کے لحاظ سے ایک ہزار سال کی مسافت ہے جس کو آدمی ایک ہزار سال سے کم عرصہ میں قطع نہیں کرسکتا اگرچہ فرشتے اس مسافت کو چشم زدن سے بھی کم وقت میں طے کر لیتے ہیں اس لیے ایک ہزار سال حق تعالیٰ کے یہاں ایک دن قرار دیا گیا بہرحال مسافت تو اتنی ہے اگرچہ فرشتہ اس کو چند منٹ ہی میں طے کرلے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: "یعنی اگر مردمان نزول تدبیر وعروج او تصور کنند در کم از ہزار سال خیال نتمایند و ایں ہمہ پیش خدا تعالیٰ در یک روز تمام می شود غرض آنست کہ او ہام ایشاں بقدرت او نمی رسند"۔ واللہ اعلم (فتح الرحمٰن)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم سے یوم قیامت مراد ہے جس دن تمام اُمور خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ﴾ (ھود: ۱۲۳) اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ گو تم اس وقت نہ ہمارا شکر کرتے ہو اور نہ ہماری طرف رجوع کرتے ہو لیکن قیامت کے دن تم اور تمہاری ہر بات ہمارے حضور میں پیش ہونے والی ہے خوب سمجھ لو کہ عرش سے لے کر فرش تک اس کی تدبیر جاری ہے پھر ایک وقت آئے گا کہ دُنیا کا یہ سارا کارخانہ ختم ہو جائے گا اور سارا معاملہ اس کے حضور میں پیش ہوگا اور وہی اس کا فیصلہ کرے گا اور وہ قیامت کا دن ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اپنی سرکشی سے باز آجاؤ اور اس دن کے آنے سے ڈرو۔

**ایک شبہ:** اس آیت میں تو یہ آیا ہے ﴿ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴾ کہ اس دن کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے اور دوسری آیت ﴿ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ (المعارج: ۴) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے علماء نے اس شبہ کے کئی جواب دیئے ہیں۔

**جواب:** ایک جواب یہ ہے کہ روز قیامت کی مقدار دُنیا کے دنوں کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہوگی لیکن صعوبت اور شدت اور سختی اور مصیبت کے اعتبار سے مثل پچاس ہزار سال کے ہوگی۔

**جواب دیگر:** قیامت کے دن کا طول لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوگا کسی کے حق میں پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا اور کسی کے حق میں ایک ہزار سال کے برابر ہوگا اور کسی کے حق میں دُنیا کے دن کے برابر ہوگا اور حدیث میں ہے کہ وہ دن مؤمن کے حق

میں فرض نماز کے وقت کے برابر ہوگا۔ کما اخرجه ابویعلیٰ و ابن حبان و البیهقی بسند حسن عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر مظھری ص ۲۸۴ ج ۷

**جواب دیگر:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ﴿فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ یہ دُنیا میں ہے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ (المعارج: ۴) یہ آخرت میں ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۲۸۵ ج ۷)

**تفسیر دیگر:** اس آیت کی دو تفسیریں ہو چکی ہیں اس آیت کی ایک تیسری تفسیر یہ بھی ہے جو مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور اس کو حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ایک ہزار سال کے لیے دنیا کے انتظامات اور تدبیرات کی بابت احکام عطا کرتا ہے اور یہ ایک ہزار سال اللہ کے نزدیک بمنزلہ ایک دن کے ہیں جب یہ ایک ہزار سال گذر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے ہزار سال کے لیے دوسرے احکام عطا کر دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح سلسلہ جاری رہتا ہے۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۱۰۸ ج ۲۱ و زاد المسیر لابن الجوزی ص ۳۳۴ ج ۶ اور دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۵ ج ۴ و تفسیر قرطبی ✽ ص ۸۷ ج ۱۴)

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بڑے بڑے کام کا حکم عرش سے مقرر ہو کر نیچے اترتا ہے سب اسباب اس کے آسمان و زمین سے جمع ہو کر بن جاتا ہے پھر ایک مدت تک جاری رہتا ہے پھر اٹھ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں تک رہا یا بڑی قوم میں سرداری جو عمروں چلی وہ ہزار برس اللہ کے یہاں اک دن ہے۔ (موضح القرآن)

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار فرمایا۔

یہی ذات والا صفات جس کا حکم اور جس کی تدبیر عرش سے لے کر فرش تک جاری ہے وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے اور غالب ہے اور مہربان جس کی پیدائش فقط آسمان و زمین تک محدود نہیں بلکہ جس نے ہر چیز کو خوب بنایا جو چیز بھی اس نے پیدا کی وہ نہایت خوب ہے اور انسان کی پیدائش کو گارے مٹی سے شروع کیا اس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے خلاصہ سے یعنی نطفہ سے بنایا نطفہ کو سلالہ اس لیے کہا کہ وہ سارے بدن سے کھینچا جاتا ہے پھر رحم مادر میں اس کا قالب درست کیا اور اس کے اعضاء میں خاص تناسب رکھا پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے فائدہ کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ کانوں سے سن سکو اور آنکھوں سے دیکھ سکو اور دل سے سمجھ سکو اللہ نے اپنی رحمت سے یہ نعمتیں تم میں جمع کر دیں افسوس کہ تم ایسی عظیم نعمتوں کی بھی برائے نام قدر کرتے ہو بجائے منعم حقیقی کے ایتھر اور نیچر کا نام لیتے ہو کیا یہ کان اور آنکھ اور دل کسی ایتھر اور نیچر کا عطیہ ہیں فلاسفۂ عصر کا اقرار ہے کہ ایتھر اور نیچر کے نہ کان ہیں اور نہ آنکھ ہے اور نہ دل ہے پس سوال یہ ہے کہ اس اندھے اور بہرے اور بے شعور مادہ اور ایتھر نے اس فلسفی کو کہاں سے کان اور آنکھ اور دل عطا کر دیئے جو خود فقیر اور ننگوڑا ہے وہ دوسرے کو کیا دے گا۔

---

✽ قال القرطبی المعنی انه یقضی امر کل شیء لالف سنة فی یوم واحد ثم یلقیه الی ملائکته فاذا مضت قضی لالف سنة اخری ثم کذالك ابدا قاله مجاهد رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر قرطبی ص ۸۷ ج ۱۴)

پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے کہ جو کمال قدرت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور کان اور آنکھ اور دل جیسی نعمتیں تم کو عطا کیں مگر تم اپنی جہالت سے خدا کی نعمتوں میں غور نہیں کرتے اور خدا کو ناقص سمجھ کر مادہ اور ایتھر کا محتاج بتاتے ہو عنقریب مرنے کے بعد جان لو گے کہ حقیقت کیا ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ

اور کہتے ہیں کیا جب ہم رُل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بننا ہے؟ کوئی نہیں! وہ

بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ

اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں تو کہہ بھر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم

وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ ع ۱۱/۱۴

پر تعین ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے اور کبھی تو دیکھے جس وقت منکر

نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا

سر ڈالے ہوں گے اپنے رب کے پاس اے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو پھر بھیج

نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا

ہم کریں گے بھلائی ہم کو یقین آیا اور اگر ہم چاہتے تو دیتے ہر جی کو سوجھ اپنی راہ کی

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

لیکن ٹھیک پڑی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے

اَجْمَعِيْنَ ⑬ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ

اکٹھے سو اب چکھو مزہ، جیسے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کا ملنا ہم نے بھلا دیا تم کو

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑭ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا

اور چکھو مار سدا کی بدلہ اپنے کیے کا ہماری باتوں کو مانتے

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ

وہ ہیں کہ جب ان کو سمجھائیے ان سے، گر پڑیں سجدہ کر کر اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں سے اور وہ

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

بڑائی نہیں کرتے الگ رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے پکارتے ہیں اپنے رب کو

خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ

ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے

لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ

ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلہ اس کا جو کرتے تھے بھلا ایک جو ہے

مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

ایمان پر برابر اس کے جو بے حکم ہے نہیں برابر ہوتے وہ جو یقین لائے اور کیے کام

الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ اَمَّا

بھلے تو ان کو باغ ہیں رہنے کے مہمانی اس پر جو کرتے ہیں اور

الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ

وہ جو بے حکم ہوئے سو ان کا گھر ہے آگ جب چاہیں کہ نکل پڑیں اس میں سے

اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ قِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

الٹے جاویں پھر اس میں اور کہیے ان کو چکھو آگ کی مار جس کو تم

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ

جھٹلاتے تھے اور البتہ چکھاویں گے ہم ان کو تھوڑا سا عذاب ورے اس

الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

بڑے عذاب سے کہ شاید وہ پھر آویں اور کون بے انصاف اس سے جس کو سمجھایا اس کے رب کی باتوں سے

ع ۱۱/۲ ۱۵

ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ع

پھر ان سے منہ موڑ گیا؟ مقرر ہم کو ان گناہگاروں سے بدلہ لینا ہے۔

## منکرین قیامت کا رد اور مجرمین کی ذلت اور رسوائی کا اجمالی حال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ قَالُوۡۤا ءَ اِذَا ضَلَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ ءَ اِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ... الی ... اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ع﴾

**ربط**: گذشتہ آیات میں منکرین وحدانیت اور منکرین رسالت کا ردّ تھا۔ اب ان آیات میں منکرین بعث وجزا وسزا کا رد ہے جو احیاء موتی کے منکر تھے اور دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یہ اہل شقاوت کا گروہ ہے پھر اس کے بالمقابل اہل ایمان اور اہل سعادت کا حال اور مآل ذکر کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ مؤمن اور فاسق برابر نہیں ہوسکتے ﴿اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسۡتَوٗنَ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر زمین میں رل مل گئے اور اس میں غائب اور گم ہو گئے اور ہمارے اعضاء اور زمین کے اجزاء میں کوئی تمیز نہ رہی تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ منکرین بعث کا یہ قول محض تعجب کی بنا پر نہیں بلکہ یہ لوگ از راہ عناد خدا کے سامنے پیش ہونے کے بالکل منکر ہیں آپ ان منکرین آخرت کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تم لوگ محض اس جسم خاکی کو آدمی سمجھتے ہو کہ جب وہ مر گیا تو مٹی میں رل مل کر نیست و نابود ہو گیا بلکہ تم جسم اور روح سے مل کر بنے ہو اور اصل حقیقت تمہاری وہ روح یعنی جان ہے اور یہ پیکر جسمانی روح انسانی کا لباس ہے اصل انسان وہ جان ہے مرنے کے وقت موت کا فرشتہ تمہاری روح اور جان کو تمام اعضاء بدن سے پوری طرح قبض کر کے اور اس جسم خاکی سے نکال کر دوسرے عالم میں لے جاتا ہے اور یہ موت کا فرشتہ وہ ہے جو تمہاری جان نکالنے ہی کے لیے تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہاری جان نکال کر لے جاتا ہے اور جسم کو یہاں چھوڑ جاتا ہے موت سے بظاہر جسم اور روح الگ الگ ہو گئے جسم یہاں رہ گیا اور مٹی بن گیا اور روح دوسرے عالم میں چلی گئی پھر جب قیامت آئے گی تو تمہاری اس مٹی میں پھر روح پھونک دی جائے گی اور تم دوبارہ زندہ ہو جاؤ گے اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اس کے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے جس خدا نے تم کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا اور تم میں روح ڈالی وہی خدا پھر تمہارے خاکی اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ ان میں روح ڈال دے گا خلاصہ کلام یہ کہ موت سے انسان بالکل فنا اور نیست نہیں ہو جاتا بلکہ انسان کی روح کو فرشتہ لے جاتا ہے اور جسم خاکی یہاں رہ جاتا ہے اور حسب سابق مٹی بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان خاکی اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے پھر ان میں روح ڈال دے گا۔

اب آئندہ آیات میں کافروں کا وہ حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ جو قیامت کے دن خدا کی طرف رجوع ہونے کے بعد ظاہر ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مجرمین کے دیکھنے والے اگر تو اس وقت کو دیکھے کہ جب یہ مجرمین حشر [1] کے منکر اپنے پروردگار کے سامنے کمال خجالت و ندامت کے ساتھ سر جھکائے ہوئے ہوں گے تو اس وقت عجیب خوفناک کیفیت دیکھے گا جس کی شدت کا اندازہ نہیں

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ مجرمین سے ﴿ءَ اِذَا ضَلَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ ءَ اِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ﴾ کہنے والے لوگ مراد ہیں۔

ہوسکتا اس وقت یہ مجرمین نہایت ذلت وخواری اور غایت شرمساری سے یہ کہیں گے اے پروردگار ہم نے دیکھ لیا کہ تیری لقاء اور جزاء حق ہے اور ان کا حشر پر تیری توبیخ اور ملامت کو اپنے کانوں سے سن لیا اور معلوم ہوگیا کہ تیرے پیغمبروں نے جو کہا تھا وہ حق تھا پس اب ہماری درخواست یہ ہے کہ ہم کو دُنیا میں پھر واپس بھیج دے ہم وہاں جا کر تیری ہدایت کے مطابق نیک عمل کریں گے ہم اب خوب یقین کیے ہوئے ہیں اور اب ہمیں کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور دُنیا میں ہم کو جو شکوک وشبہات تھے وہ سب زائل ہوگئے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اگر ہم اس طرح تم کو ہدایت دینا چاہتے تو پہلے ہی سے دُنیا میں ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے یعنی اگر ہم کو اس طرح بِرأیِ العین ہدایت دینی منظور ہوتی تو ہم پہلے ہی سے یہ سب کچھ بِرأیِ العین دکھلا دیتے اور سب کے سب راہ یاب ہوجاتے پھر کوئی ان میں سے کافر نہ رہتا ولیکن ہمیں یہ منظور نہ تھا کہ مشاہدۂ حقیقت کے بعد مجبور ہوکر ہدایت کو قبول کریں بلکہ ہم نے بندہ کو قدرت واختیار دیا کہ وہ اپنے اختیار سے ہدایت کو قبول کرے میری بارگاہ میں جزاء وسزا کا دارومدار اختیاری ایمان اور عمل صالح پر ہے نہ کہ اضطراری ایمان پر مگر میں نے اپنے علم ازلی سے جان لیا تھا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں گے اور بعض اپنے اختیار سے کفر اور انکار کریں گے اور میری طرف سے یہ فیصلہ ہوچکا تھا کہ میں دوزخ کو کافروں سے بھروں گا خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ہوں سب سے دوزخ کو بھر دوں گا یعنی میری قضاء وقدر میں یہ طے ہوچکا ہے کہ بعضوں کو ہدایت دوں گا اور ان کو جنت میں داخل کروں گا اور بعضوں کو گمراہ کروں گا اور ان کو جہنم میں داخل کروں گا اور جنت اور جہنم دونوں سے میرا وعدہ ہے کہ میں تم کو رزق دوں گا میں سب کا رزاق ہوں اور سب کا مالک ہوں بلاوجہ بھی دوزخ میں ڈال سکتا ہوں۔ پس اے کافرو! تم سب جہنم کا ایندھن ہو اس میں جاؤ اور عذاب کا مزہ چکھو بوجہ اس کے کہ تم مجرم ہو اس لیے کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا پس ہم نے بھی تم کو فراموش کر دیا یعنی آج ہم تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو فراموش کے ساتھ ہوتا ہے اور چکھو دائمی عذاب کو بوجہ اس کے کہ جو عمل تم کرتے تھے کہ بجائے پیغمبروں کے تم نے شیطان کی پیروی اختیار کی یہ تو ان لوگوں کا حال بیان کیا کہ جنہوں نے دنیا میں رہ کر دار آخرت کو بھلا دیا اور اپنے اصل گھر کو یاد نہ کیا اب آئندہ آیات میں ان لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں جو دنیا میں رہ کر بھی دار آخرت کی فکر میں اور مولائے برحق کی طاعت میں لگے رہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ اہل ہدایت کا حال اہل ضلالت کے برعکس ہے کہ کفار فجار اپنے رب سے منحرف اور برگشتہ ہیں اور اہل ایمان دن رات اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں جس طرح دنیا میں فریقین کا حال مختلف ہے اسی طرح آخرت میں دونوں کا مآل مختلف ہے چنانچہ فرماتے ہیں جز ایں نیست ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کو سچا سمجھتے ہیں کہ جب ان کو ہماری آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد وتسبیح کرنے لگتے ہیں اور وہ ایمان لانے سے تکبر نہیں کرتے اور طاعت سے سرکشی نہیں کرتے اور ان کے کمال ایمان کی صفات میں ایک صفت یہ ہے کہ ان کے پہلو ان کی خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں خواہ فرض عشاء کے لیے یا تہجد کے لیے یا مغرب اور عشاء کے درمیان صلوٰۃ الاوّابین کے لیے اس حالت میں خوف اور اُمید کے ساتھ اپنے رب سے دُعائیں مانگتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہیں خدا تعالیٰ کے کامل الایمان بندے جو اُمید وبیم کی حالت میں اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جان ومال سے اس کی فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں پس کوئی نہیں جانتا کہ ان مؤمنین کاملین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان پوشیدہ رکھا گیا ہے بمقابلہ اس مخلصانہ بندگی کے جو یہ لوگ عمل میں لاتے ہیں قُرَّةُ اَعْيُنٍ سے وہ انعامات مراد ہیں جن کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اللہ تعالیٰ

نے ان انعامات کو لوگوں کی نظر سے مخفی رکھا ہے اس لیے کہ یہ عباد مخلصین اپنے اعمال کو لوگوں سے مخفی رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی جزاء کو مخفی رکھا کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی بشر کے قلب پر اس کا خطرہ گذرا بھلا بتلاؤ تو سہی کہ جو شخص ایمان رکھتا ہے کیا وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے کہ جو نافرمان ہے مؤمن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے ضدین اور نقیضین کا برابر ہونا عقلاً محال ہے جس طرح دنیا میں مختلف تھے آخرت میں بھی مختلف رہیں گے ایمان نور ہے اور کفر ظلمت ہے پس مؤمن اور کافر کیسے برابر ہو سکتے ہیں سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے بطریق مہمانی ان کے لیے دائمی باغات ہوں گے جہاں وہ ٹھکانہ پکڑیں گے بعوض ان اعمال کے جو وہ دنیا میں کرتے رہے نُزلاً کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ پیش کش ہوگی وہ بطور ماحضر ہوگی جیسا کہ مہمانوں کے سامنے لائی جاتی ہے اور کلی نعمتیں تو جنت میں داخل ہونے کے بعد عطا ہوں گی اور یہ لوگ ایمان اور عمل صالح کی بنا پر اس عزت و کرامت کے مستحق ہوں گے اور جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا دائمی ٹھکانہ دوزخ ہے اور جب کبھی دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر ذلت و خواری کے ساتھ زبردستی اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا ان سے کہ چکھو مزہ اس عذاب نار کا جس کو تم جھٹلاتے تھے یہ عذاب تو آخرت میں ہوگا اور البتہ تحقیق ہم ان اہلِ مکہ کو دُنیا ہی میں قریبی عذاب چکھائیں گے یعنی قتل اور قحط کا اور دُنیاوی آفات اور مصائب کا عذاب ان کو چکھائیں گے جو بڑے عذاب سے کم ہوگا یعنی عذاب دوزخ سے کم ہوگا شاید یہ لوگ اس قریبی اور ہلکے عذاب کو دیکھ کر راہ حق کی طرف پھر جاویں اور کفر سے باز آجاویں مگر یہ ظالم باز آنے والے نہیں اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جسے اپنے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے یعنی بطریق وعظ و نصیحت اس کو اللہ کی آیتیں سنائی جائیں پھر وہ ان سے منہ پھیر لے اور ان کی طرف التفات بھی نہ کرے تو ایسے شخص کے مجرم ہونے میں کیا شبہ ہے بے شک ہم مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے اور ان کے جرم کی ضرور ان کو سزا دیں گے جس درجہ کا جرم ہوگا اسی درجہ کا انتقام ہوگا۔

| |
|---|
| وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ |
| اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب، سو تو مت رہ دھوکے میں اس کے ملنے سے اور وہ کی ہم نے |
| هُدًى لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا |
| سوجھ بنی اسرائیل کو اور کئے ہم نے ان میں سردار جو راہ چلاتے ہمارے حکم سے |
| لَمَّا صَبَرُوْا ؕۛ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ |
| جب وہ ٹھہرے رہے اور رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے تیرا رب جو ہے وہی چکاوے گا ان میں |
| يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ |
| دن قیامت کے جس بات میں کہ وہ پھوٹ رہے تھے کیا ان کو سوجھ نہ آئی اس سے کہ |

اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ

کتنی کھپا دیں ہم نے ان سے پہلے سنگتیں، پھرتے ہیں ان کے گھروں میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ㉖ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى

اس میں بہت پتے ہیں کیا سنتے نہیں کیا دیکھا نہیں انہوں نے؟ کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی ایک

الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ

زمین چٹیل کو پھر نکالتے ہیں اس سے کھیتی کہ کھاتے ہیں اس میں سے ان کے چوپائے اور آپ

اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ㉗ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ

پھر کیا دیکھتے نہیں! اور کہتے ہیں کب ہے یہ فیصلہ؟ اگر تم

صٰدِقِيْنَ ㉘ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ

سچے ہو تو کہہ دن فیصلہ کے کام نہ آوے گا منکروں کو ان کا ایمان لانا

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ㉙ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ㉚ ع

اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی سو تو خیال چھوڑ ان کا اور راہ دیکھ وہ بھی راہ دیکھتے ہیں۔

## رجوع بہ مضمون رسالت محمدیہ ﷺ وتہدید مکذبین ومعاندین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ... الٰى... وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۳۰﴾

**ربط:** شروع سورت میں رسالت اور توحید اور بعث بعد الموت کا ذکر تھا اب اخیر سورت میں پھر مضمون رسالت کی طرف رجوع فرماتے ہیں جس کا شروع سورت ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ میں ذکر تھا اور آپ ﷺ کی تسلی کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہدایت کا ذکر کرتے ہیں کہ باوجود واضح اور روشن کتاب ہونے کے مجرمین نے کس طرح اس سے اعراض کیا اور کس کس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایذائیں پہنچائیں اور موسیٰ علیہ السلام نے ان پر صبر کیا آپ ﷺ کا حال ان کے مشابہ ہے آپ ﷺ صبر کیجیے اور ان کے ظلم اور اعراض سے دلگیر نہ ہوں آپ ﷺ ان معاندین اور مجرمین سے اعراض کیجیے اور اللہ کی فتح کا انتظار کیجیے۔

توریت کی طرح آپ ﷺ کی کتاب بھی کتاب ہدایت وحکمت ہے اور جس طرح ہم نے بنی اسرائیل میں ائمۂ ہدایت بنائے اسی طرح ہم آپ کے اصحاب اور آپ کے متبعین میں ائمۂ ہدیٰ اور نجوم ہدایت بنائیں گے اور ساتھ ساتھ اس پر متنبہ کردیا کہ مقام

امامت صبر اور استقامت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اصحاب کے لیے مقدور کیا ہے اور اس تمام مضمون سے آپ کی تسلی اور آپ کے منکرین کی تہدید و وعید مقصود ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور تحقیق ہم نے اپنے بندہ اور رسول موسیٰ علیہ السلام کو توریت جیسی عظیم کتاب دی جیسے آپ کو قرآن عظیم جیسی کتاب حکیم دی۔ پس آپ اس کے ملنے سے کسی شک اور شبہ میں نہ رہیے یعنی آپ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملنے کے بارہ میں کوئی شک اور تردد نہ کریں یہ معنی مجاہد [1] اور زجاج رحمہ اللہ سے منقول ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۰۸ ج ۱۴) یعنی موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اللہ نے ان پر ایک کتاب اُتاری اسی طرح تم بھی خدا کے پیغمبر ہو۔ لہٰذا تم پر کتاب کا اتارا جانا کوئی امر جدید اور عجیب نہیں۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ اس آیت میں بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے کہ آپ ﷺ شک میں نہ پڑیں لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ وہ ان کی نبوت میں شک نہ کریں معاذ اللہ نبی کریم کو کوئی شبہ نہ تھا لوگوں کے سنانے کے لیے کہا گیا کہ شبہ مت کرو۔ (دیکھو حاشیہ قنوی علی تفسیر البیضاوی ص ۱۰۴ ج ۶)

**یا مطلب** یہ ہے کہ آپ ﷺ نے آسمان اور زمین میں شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اس سے آپ ﷺ شک میں نہ پڑھیے وہ ایک حقیقت تھی کوئی دھوکہ اور فریب نہ تھا اشارہ اس طرف تھا کہ آپ ﷺ کی اُمت میں بھی موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کی طرح ائمۂ ہدایت ہوں گے جیسے خلفاء راشدین سرخیل ائمۂ ہدایت تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد طبقۂ تابعین میں ائمۂ اجتہاد اور ائمۂ حدیث اور ائمۂ علم کلام پیدا ہوئے۔

**یا مطلب** یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اپنی زندگی میں موسیٰ علیہ السلام سے ضرور ملاقات کریں گے مگر سیاق آیت کے ساتھ زیادہ مربوط پہلے ہی معنی ہیں۔

اور کر دیا ہم نے اس کتاب کو جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی تھی بنی اسرائیل کے لیے ذریعہ ہدایت اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کی کتاب کو لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا اور پھر ہم نے بنی اسرائیل میں سے مقتداء اور پیشوا بنائے کہ جو لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا اور خدا کی راہ میں ان کو جو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچیں ان کو برداشت کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے اس آیت میں حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے حال کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے تشبیہ دیتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے پیغمبر جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی اسی طرح ہم نے تم کو قرآن دیا اور امت مرحومہ کے لیے ذریعہ ہدایت ٹھہرایا اور جس طرح ان کے اصحاب کو ائمۂ ہدایت بنایا اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کے اصحاب کو ائمۂ ہدایت بنایا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم رواه الدار قطنی وابن عبدالبر من حدیث ابن عمر و قدروی بمعناه من حدیث انس و فی اسانیده مقال لکن یشد بعضها بعضا کذافی ظفر الامانی)).

(بشرح مختصر الجرجانی للشیخ عبدالحی الکھنوی رحمہ اللہ ص ۱۸۰)

**فائدہ:** خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ائمۂ مجتہدین بلاشبہ ﴿اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ کا مصداق تھے ان کا اتباع

---

[1] قال القرطبی فلا تکن فی شک من لقاء موسیٰ الکتاب بالقبول قاله مجاهد والزجاج۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۰۸ ج ۱۴)

موجب رشد و ہدایت ہے اور خود رائی تو رائی کے دانہ کے برابر بھی مہلک ہے نیز اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ امامت کے استحقاق کے لیے صبر کامل اور یقین کامل ضروری ہے بغیر اس کے پیشوائی کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔

غرض یہ کہ ائمۂ ہدایت لوگوں کو حق کی طرف بلائیں گے کوئی سنے گا اور کوئی نہیں سنے گا قیامت تک اختلاف کا سلسلہ جاری رہے گا البتہ تیرا رب ہی قیامت کے دن ان کے اختلاف کا فیصلہ کرے گا حق کو باطل سے جدا کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جزاء دے گا اب آیندہ آیت میں منکرین نبوت کی تہدید فرماتے ہیں کیا ان عذابوں کی تکذیب کرنے والوں کے لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ہم اس سے پہلے کتنی قوموں اور امتوں کو آسمانی اور زمینی عذابوں سے ہلاک کر چکے ہیں حالانکہ یہ لوگ ان کے گھروں میں چلتے پھرتے ہیں اور اثناء سفر میں ان پر سے گذرتے ہیں اور دیکھتے ہیں مگر اپنی تیرہ بختی اور شامت اعمال کی وجہ سے عبرت پذیر نہیں ہوتے بے شک اس میں ہمارے قہر و غضب کی نشانیاں موجود ہیں کہ یہ قومیں پیغمبروں کے جھٹلانے کی وجہ سے غضب الٰہی سے ایسی تباہ اور برباد ہوئیں کہ ان میں سے کسی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور یہ ان کی بلند عمارتیں ہیں جن پر ان کو غرور تھا وہ ان کو چھوڑ کر چلے گئے کیا یہ لوگ ان کے قصے بھی نہیں سنتے جو زبان زد خلائق ہیں اب اس کے بعد منکرین قیامت کی تہدید فرماتے ہیں کیا یہ منکرین حشر و نشر دیکھتے نہیں کہ ہم پانی یعنی بادل کو بنجر اور خشک زمین کی طرف ہانکتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ کھیتی نکالتے ہیں جس سے ان کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں سو کیا یہ لوگ اس نشان قدرت کو نہیں دیکھتے پس جو خدا خشک زمین سے گھاس اگانے پر قادر ہے وہ انسانوں کو مٹی ہو جانے کے بعد بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے بوقت زراعت ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ دانہ زمین میں دفن ہو گیا مگر اس کی باطنی کیفیت نہیں جانتے کہ وہ دانہ کس طرح غلہ اور پھل کی شکل میں نمودار ہوا اور انسان خود اپنی پیدائش میں اصلی کیفیت کو نہیں جانتا کہ غذا جسم میں متحیل ہو کر کس طرح خون بنی اور کس طرح قطرۂ منی پیدا ہوا اور کس طرح رحم مادر میں پہنچ کر نو ماہ میں ولادت کی منزلیں کس طرح طے ہوئیں اور پھر ولادت سے لے کر لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں کس طرح طے ہوئیں اور یہ سب باتیں نظروں کے سامنے ہیں مگر باطنی کیفیت اور اندرونی حقیقت کسی فلسفی کو بھی معلوم نہیں پس اگر کسی کو دوبارہ زندہ ہونے کی کیفیت اور حقیقت معلوم نہ ہو سکے تو اس سے دوبارہ زندہ ہونے کا محال ہونا لازم نہیں آتا دنیا کی ہزارہا چیزیں محسوس ہیں مگر عقل ان کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے تو فقط اتنی بات سے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ جب احیاء موتی کے نمونے تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں تو پھر دوبارہ زندگی کا کیوں انکار کرتے ہو۔

اب آگے مشرکین مکہ کے ایک اور شبہ کا جواب دیتے ہیں اور یہ لوگ بطور استہزاء اور تمسخر مسلمانوں سے کہتے ہیں بتلاؤ تمہاری فتح اور غلبہ کا دن کب آئے گا اگر تم اپنے وعدے اور دعوے میں سچے ہو کہ اللہ دین اسلام کو اور مسلمانوں کو فتح اور غلبہ دے گا بتلاؤ وہ دن کب آئے گا اور بعض کہتے ہیں کہ فتح سے فیصلہ کا دن یعنی قیامت کا دن مراد ہے منکرین قیامت مسلمانوں سے کہتے کہ تم قیامت قیامت کہے جاتے ہو یہ تو بتلاؤ کہ قیامت کا دن کب آئے گا اے نبی آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ وہ یوم فتح ایسا دن ہے کہ اس دن کافروں کو ایمان لانا بالکل نفع نہ دے گا کہ نجات پا جائیں اور نجات تو درکنار ان کو تو مہلت بھی نہ ملے گی یعنی آپ ان لوگوں کو آگاہ کر دیجیے کہ "یوم الفتح" کے سوال سے تمہاری کیا غرض ہے اگر یہ مطلب ہے کہ اس دن کے عذاب اور قہر کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو یہ غلط ہے

موت کو یا نزول عذاب کو دیکھ کر ایمان بے سود ہے دیکھ کر تو سب ہی ایمان لے آئیں گے اور اگر اس سوال سے تمہاری غرض یہ ہے کہ آخرت کوئی چیز نہیں تو بے شک عالم آخرت اور عالم جاودانی کے سامنے تمہاری دُنیاوی زندگانی پلک مارنے کے برابر بھی نہیں لیکن خوب سمجھ لو کہ وہ وقت یقیناً آکر رہے گا تمہاری ان باتوں سے اس کا آنا ٹل نہیں سکتا۔

اور اگر "یوم فتح" سے فتح مکہ کا دن یا بدر کا دن مراد ہو تو پھر ﴿ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ سے عام کافر مراد نہ ہوں گے بلکہ وہ خاص مقتولین بدر اور مقتولین فتح مکہ مراد ہوں گے کہ جو بدر کے دن یا فتح مکہ کے دن مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تو حالت قتل اور حالت موت میں ایمان لانا ان کو نفع نہ دے گا جیسے فرعون کو حالت غرق میں ایمان لانے سے کچھ نفع نہ ہوا۔

(دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۵۱ ج ۴ و حاشیہ قنوی علی تفسیر البیضاوی ص ۱۰۷ ج ۶)

پس اے نبی ﷺ آپ ان ہنسی کرنے والوں سے منہ پھیر لیجیے اور ان کی باتوں کا خیال نہ کیجیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور آپ اس وقت کے منتظر رہیے تحقیق وہ بھی اس کے منتظر ہیں یعنی آپ ﷺ قیامت کے دن کا بھی انتظار کریں جس دن سب کا فیصلہ ہو جائے گا اور فتح مکہ اور بدر کے دن کا بھی انتظار کریں وہ دن بھی عنقریب آرہا ہے اس دن یہ استہزاء کرنے والے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔ لہٰذا یہ بداندیش جو آوازے کس رہے ہیں آپ ﷺ اس کی پرواہ نہ کیجیے یوم فتح کا انتظار کیجیے اور ان کی تباہی کے منتظر رہیے جیسے یہ لوگ اپنے زعم میں آپ کی تباہی کے منتظر ہیں یہ لوگ باطل کے منتظر ہیں آپ ﷺ حق کا انتظار کیجیے ان شاء اللہ تعالیٰ حق اپنے وقت پر ظاہر ہو جائے گا اور یہ لوگ ناحق بات کے منتظر ہیں۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

الحمد للہ آج بروز چہارشنبہ بوقت چاشت بتاریخ ۱۸ شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ سورۂ سجدہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

وللہ الحمد اولا و اخرا۔ یا اللہ! جس طرح تو نے اپنے فضل و کرم سے یہاں تک لکھنے کی توفیق دی اسی طرح اپنے فضل و کرم سے باقی قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کی بھی توفیق عطا فرما اور قبول فرما اور مجھ کو اور میری اولاد کو اور اقارب اور احباب کو دین و دُنیا میں اس سے نفع دے اور ہر شر اور فتنہ سے محفوظ رکھ۔ آمین یا رب العالمین

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۲۷ وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۲۸ ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۃ الاحزاب

اس سورت کا نام سورۃ الاحزاب ہے احزاب، حِزْبٌ کی جمع ہے جس کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں چونکہ ہر طرف سے مشرکین کی مختلف جماعتیں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئی تھیں اس لیے اس غزوہ کو غزوۃ الاحزاب کہتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ہوا سے اور فرشتوں سے مدد کی اس لیے یہ سورت، سورت الاحزاب کے نام سے موسوم ہوئی اور اس جہاد کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وقت مدینہ کے گرد خندقیں کھود کر کفار کا مقابلہ کیا تھا۔

یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی اس میں تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں حق جل شانہٗ نے اس سورت میں صادقین اور مخلصین کی مدح فرمائی اور منافقین کی مذمت اور شناعت بیان کی اور منافقین کی مختلف قسم کی ایذاؤں کا ذکر کر کے ان کا جواب دیا اور آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ﷺ مخالفین کی ایذاؤں اور دھمکیوں کی پروانہ کریں اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

**ربط:** یہ سورت گزشتہ سورت کا تتمہ ہے گزشتہ سورت کے اخیر میں کافروں کو ایذاؤں پر صبر کا حکم دیا اور سب سے فتح کا وعدہ فرمایا کافروں اور منافقوں نے بطور طعن کہا ﴿مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ﴾ کہ وہ فتح کب ہوگی اللہ نے اجمالی جواب تو پہلے ہی دے دیا تھا ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾ (السجدہ: ۳۰) اب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں غزوۂ احزاب کا ذکر فرمایا جس میں اللہ کی فتح اور نصرت کا ظہور اس طرح ہوا کہ جس میں اسباب ظاہری کو دخل نہ تھا اور نصرتِ خداوندی کے جو غیبی کرشمے اس غزوہ میں ظاہر ہوئے وہ سب آپ ﷺ کے معجزے تھے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل تھے اور ابتدائے سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو چند ہدایتیں اور نصیحتیں فرمائیں جن پر اللہ کی فتح اور نصرت کا مدار ہے کہ تقویٰ اور صبر اور توکل پر قائم رہیں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں اور نہ کسی چیز کی جانب التفات کریں اور بالکلیہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اللہ نے کسی کے دو دل نہیں بنائے کہ جو بیک وقت دو جانب متوجہ ہو سکے اور آغاز سورت میں ایک حکم یہ دیا کہ وحی الٰہی کا اتباع کریں اور ایک حکم یہ دیا کہ کافرین اور منافقین کے مشوروں اور ان کے کہنے پر نہ چلیں کافروں اور منافقوں کے کہنے پر چلنا سخت خطرناک ہے اس طرح یہ پانچ حکم ہو گئے۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ جس طرح گزشتہ سورت کے آغاز میں اور خاتمہ میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو اور آپ ﷺ کی محبوبیت اور منصوریت کو بیان کیا اسی طرح اس سورت کے آغاز اور خاتمہ میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی محبوبیت اور منصوریت کو بیان کیا از اوّل تا آخر اس بات کو واضح کیا کہ خدا کے رسول کو ایذاء پہنچانا قطعاً حرام ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ اور اپنی جان سے زیادہ نبی کا احترام فرض ہے ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ اس لیے اس سورت میں کافروں اور منافقوں کی ایذاؤں اور ان کی طعن آمیز باتوں کا جواب دیا اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ان کی دھمکیوں اور ایذاؤں سے گھبرا کر اسلام کی تبلیغ اور دعوت میں کوئی کمی نہ کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

(یا یوں کہو) کہ گذشتہ سورت کے اخیر میں کفار کو قریبی عذاب کی دھمکی دی گئی تھی ﴿وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ﴾ (الاحزاب:۲۱) اس سورت میں اسی قریبی عذاب کا ذکر ہے یعنی غزوہ احزاب میں کفار کی شکست کا بیان ہے جو عذاب ادنیٰ کا ایک ادنیٰ مصداق ہے یہ سورت جب ابتداء میں نازل ہوئی تو قریب قریب سورۂ بقرہ کے تھی اور اس میں آیت رجم بھی تھی یعنی ﴿اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ یعنی بیاہا ہوا مرد اور بیاہی ہوئی عورت یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ضرور بضرور ان کو سنگسار کردو اللہ کی طرف سے بطور عقوبت یہ حکم ہے بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمتوں والا ہے پھر اللہ نے اس سورت میں سے قدر حصہ چاہا اٹھالیا۔ (رواہ احمد والنسائی عن ابی بن کعبؓ واسنادہ حسن تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۵ ج ۳)

یعنی اس سورت کا بیشتر حصہ عہد رسالت میں اٹھالیا گیا اور سینوں میں سے نکال لیا گیا اور ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی مگر اس میں سے ایک آیت رجم تو ایسی ہے کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہوگئی مگر اس کا حکم تاہنوز باقی ہے اور اس پر عمل جاری ہے اور تا قیامت اس پر عمل جاری رہے گا۔

چنانچہ عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر حمد وصلاۃ کے بعد اپنے خطبہ میں یہ فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور آپ پر کتاب مجید نازل کی۔ پس اس میں آیت رجم بھی تھی جسے ہم نے پڑھا اور خوب یاد کیا اور یہ آیت پڑھی ﴿اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو قطعاً دونوں کو سنگسار کرڈالو اللہ کے حکم سے بطور عقوبت وسزا کے بے شک اللہ عزیز اور حکیم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں رجم کیا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے زانی اور زانیہ کا رجم کیا پر مجھے خوف ہے کہ جب لوگوں پر زمانہ دراز گذر جائے تو کوئی کہنے والا یہ نہ کہنے لگے کہ ہم کتاب الٰہی میں آیت الرجم نہیں پاتے اور پھر اللہ کے اس فریضہ کے (یعنی رجم کے حکم قطعی کے) چھوڑنے سے گمراہ ہو جائیں۔ (رواہ البخاری ومسلم وغیرہما)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خوف بجا نکلا اس زمانہ میں بہت سے نام کے مسلمان رجم کے حکم کا یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ ہم آیت کو قرآن میں نہیں پاتے اس لیے ہم رجم کے حکم کو نہیں مانتے یہ سب بہانہ ہے اس قسم کے لوگ تو سرے سے مطلق زنا ہی کو حرام نہیں سمجھتے اور ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (النور:۲) کے قائل نہیں اس قسم کے لوگوں کا اسلام قومی ہے شرعی نہیں برسر منبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہوچکی ہے اور اسی کی وجہ سے وہ قرآن میں نہیں لکھی گئی مگر اس کا حکم بلاشبہ باقی ہے اور واجب العمل ہے خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور اپنے قول اور عمل سے یہ بتلادیا کہ یہ حکم منزل من اللہ ہے اگرچہ اس کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے مگر یہ حکم تاقیامت باقی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں ایک آیت بڑھادی تو میں آیت الرجم کو مصحف میں لکھوادیتا اس خوف کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آیت الرجم کو مصحف میں نہ لکھوا سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرح برسر منبر فرمانے سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ امر مسلم تھا کہ آیت الرجم کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے اور اس کا حکم باقی ہے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہ اس پر متفق تھے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا اس کی تلات اگرچہ منسوخ

ہو چکی ہے مگر رجم کا حکم بلاشبہ باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ڈر تھا کہ خدانخواستہ آئندہ چل کر مسلمان بھی یہود کی طرح رجم کے حکم پر عمل کرنا نہ چھوڑ دیں توریت میں رجم کا حکم صراحۃً مذکور تھا لیکن یہود نے یہ خیال کیا یہ حکم سخت ہے عوام اس کو قبول نہ کریں گے اس لیے عوام کی رعایت سے یہود نے اس حکم کو بدل دیا اور بجائے رجم کے کالا منہ کرنے کی سزا جاری کر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار بر سر منبر اس کا اعلان کیا تا کہ عام و خواص سب پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہو چکی ہے مگر اس کا حکم تاہنوز باقی ہے وہ منسوخ نہیں ہوا وہ قیامت تک رہے گا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سراپا ارشاد کو دل و جان سے قبول کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع باتفاق علماء حجت قطعیہ ہے اور اس کا منکر کافر ہے یا قریب بکفر ہے منکر اجماع کا حکم اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے اس میں شک نہیں کہ رجم کا حکم سخت ہے لیکن زنا کا جرم اس سے کہیں زیادہ سخت ہے مدعیان تہذیب کے نزدیک رجم کا حکم تو خلاف تہذیب ہے مگر شادی شدہ کے زنا کی بربریت اور بہیمیت اور بے ضرورت اور کھلی بے حیائی ان کے نزدیک خلاف تہذیب نہیں جو شخص اپنے لیے دوسرے کی بیوی یا بیٹی سے زنا کو جائز سمجھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اپنی بیوی یا بیٹی سے بھی دوسرے شخص کے لیے زنا کو جائز سمجھتا ہے بلکہ اپنی ماں اور بیٹی سے بھی دوسرے کے لیے زنا کو جائز سمجھتا ہے آخر جس عورت سے یہ زنا کرتا ہے بلاشبہ وہ عورت بھی تو کسی کی بیوی یا بیٹی ہوگی ایسے بے غیرت کو غیرت کا مسئلہ کس طرح سمجھایا جائے۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ.

## ایک شبہ مع جواب:

روافض خوافض، اس قسم کی روایات سے (جیسا کہ آیت رجم کے بارہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کی گئی) اہل سنت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن محرف ہے سو یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے اس لیے کہ تحریف تو جب ہوتی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے املاء فرمودہ قرآن میں کمی ہو جاتی یا بغیر آپ کی اجازت کے لوگ اس میں تغیر و تبدل کر ڈالتے لیکن بحکم خداوندی بذریعہ وحی کے قرآن کا کوئی حصہ کم کر دیا گیا یا بحکم خداوندی اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی تو اس کو تحریف نہیں کہا جا سکتا تحریف اور نسخ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے آپ کے حکم سے عرضۂ اخیرہ کے مطابق جس قدر قرآن لکھا گیا وہ سب کا سب بالکل محفوظ ہے اس میں سے ایک حرف کی کمی نہیں ہوئی اور نہ ایک حرف اور ایک نقطہ کی اس میں زیادتی ہوئی اور اللہ تعالیٰ جس آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ فرما دیتے ہیں۔ وہ آیت قراء اور حفاظ کے سینہ سے بالکل محو ہو جاتی ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کی قدرت اور مجال باقی نہیں رہتی اور یہ کہا [1] جاتا ہے کہ وہ زیادتی ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پلی ہوئی بکری اس کو کھا گئی سو یہ بات ملاحدہ اور روافض کی تراشیدہ اور من گھڑت ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۴)

---

[1] قال القرطبی واما مایحکی من ان تلك الزیادۃ كانت فی صحیفة فی بیت عائشة اكلتها الداجن فمن تالیف الملاحدۃ والروافض۔
(تفسیر قرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۴)

آیاتُها ۷۳ سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ (۹۰) (۳۳) رُكُوْعَاتُهَا ۹

سورۂ احزاب مدینے میں نازل ہوئی اور اس میں تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اے نبی! ڈر اللہ سے اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا مقرر اللہ ہے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ ① وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

سب جانتا حکمتوں والا اور چل اسی پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب سے مقرر اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ ② وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ③

تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے اور بھروسا رکھ اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ

اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اس کے اندر اور نہیں کیا جو روؤں کو

الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ

جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچ تمہاری مائیں اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي

یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سوجھاتا ہے

السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا

راہ پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کا کر کر یہی پورا انصاف ہے اللہ کے ہاں پھر اگر نہ جانتے ہو

اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں اور گناہ نہیں تم پر

| |
|---|
| فِيمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ |
| جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ جو دل سے ارادہ کیا اور ہے اللہ |
| غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ |
| بخشنے والا مہربان نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں |
| اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ |
| ان کی مائیں ہیں اور ناتے والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں |
| مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ |
| زیادہ سب ایمان والوں اور وطن چھوڑنے والوں سے مگر یہ کہ کیا چاہو اپنے رفیقوں سے |
| مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶ |
| احسان یہ ہے کتاب میں لکھا۔ |

## آغاز سورت بحکم تقویٰ وتوکل وتحذیر از موافقت کفار منافقین

### وتنبیہ برکید وعداوت مخادعین وجواب از بعض مطاعن مخالفین برائے تسلیہ نبی کریم ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ ... الی ... كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾

**ربط:** گذشتہ سورت کے ختم پر کافروں سے اعراض کا اور انتظار کا حکم دیا گیا: ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴾ (السجدہ:۳۰) اور کافروں کو ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ ﴾ (السجدہ:۲۱) کی دھمکی دی گئی۔ اب اس سورت میں غزوۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کی غیبی فتح ونصرت کا ذکر کرکے یہ بتلاتے ہیں کہ جس فتح ونصرت کے وعدہ کا آپ ﷺ کو انتظار تھا وہ پورا ہو گیا اور وہ آپ کے سامنے آ گیا اور کافروں کو اپنی ذلت کا انتظار تھا وہ بھی ان کے سامنے آ گئی اور روز روشن کی طرح نبی کریم ﷺ کی نبوت اور صداقت کا ظہور ہو گیا اور شکست احزاب سے اس عذاب ادنیٰ کا ظہور ہو گیا جس کی دھمکی دی گئی تھی وہ عذاب ادنیٰ تو سامنے آ گیا اور عذاب اکبر قیامت کے بعد سامنے آئے گا نیز کفار آنحضرت ﷺ کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتے تھے اس لیے اس سورت میں آنحضرت ﷺ کی جلالت شان کو بیان کیا کہ نبی تمہارے جان سے زیادہ تمہارے قریب ہے اس لیے نبی کو ایذاء پہنچانا اور تکلیف دینا قطعاً حرام ہے اس لیے اس ضمن میں منافقین اور مخالفین کی بعض ایذاؤں کا ذکر کرکے ان کا جواب دیا ہے جن کا ایک دل آزار طعنہ یہ تھا کہ حضور پرنور ﷺ

نے اپنے متبنی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی (زینب رضی اللہ عنہا) سے زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد نکاح کرلیا۔

اس سورت میں مختلف عنوانات سے یہ بتلایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم فرض ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا بلاشبہ حرام اور موجب لعنت ہے اس لیے اس سورت کا آغاز وصف نبوت سے فرمایا یعنی ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ کے عنوان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا جو خطاب تشریف وتکریم ہے جس سے مقصود لوگوں کو تنبیہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق جانیں اور آپ کی اطاعت کریں اور آپ کی ایذاء سے بالکلیہ پرہیز کریں۔

## شانِ نزول:

ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی یہ لوگ مکہ سے چل کر مدینہ آئے اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کے یہاں ٹھہرے اور گفتگو کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمر بن الخطاب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے ان لوگوں نے حاضر ہوکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہیے، ہم آپ کو آپ کے رب کے متعلق کچھ نہ کہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی یہ بات نہایت شاق گذری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ حکم دیجیے کہ ان کو قتل کر دیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو امان دے رکھی ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کو مدینہ سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ وہ نکال دیئے گئے اس موقع پر مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۱۴ ج ۱۴)

ان سرداران قریش کے ساتھ یہود بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تھے انہوں نے اہل مکہ کی تائید کی اور دوستانہ لہجہ میں نہایت نرمی سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دینے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرداران قریش کے ساتھ نرمی کریں اور چرب لسانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دینے لگے کہ صلح اور آشتی میں خیر ہے اس ظاہری خیر خواہی میں مکر وفریب چھپا ہوا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ کر دیا کہ اس ظاہری خیر خواہی کے اندر ان کی عداوت اور مکر اور فریب چھپا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ پر ہرگز عمل نہ کریں۔ (کذا فی البحر المحیط ص ۲۱۰ ج ۷ مفصلاً والنہر الماد ✻ ص ۲۰۹ ج ۷ مختصراً)

چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! آپ اللہ سے ڈرتے رہیے اور خشیت اور تقویٰ پر قائم رہیے اور جو لباس تقویٰ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنایا ہے اس کو کافروں اور منافقوں کے گرد وغبار سے محفوظ رکھیئے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے یعنی جو لوگ کفر کو ظاہر کرتے ہیں اور جو لوگ کفر کو چھپاتے ہیں یہ سب مکار ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مشورہ نہ لیجیے اور نہ ان کی بات سنیئے یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرم کرنا چاہتے ہیں اور چالاکی کی باتیں کرتے ہیں مثلاً یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر نہ کریں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعرض کرنا چھوڑ دیں گے یا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری فلاں فلاں باتیں مان لیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی چالوں میں نہ آیئے یہ اسلام کے دشمن ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور ان کی دھمکیوں کے مطلق پرواہ نہ کیجیے اور اللہ کی غیبی فتح ونصرت کا انتظار کیجیے بے شک اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے خبردار ہے اور حکمت

---

✻ عبارۃ النہر ھکذا سبب نزولھا روی انہ لما قدم المدینۃ وکان یحب اسلام الیہود فبایعہ ناس فھم علی النفاق وکان یلین لھم جانبہ وکانوا یظھرون النصائح الودیبہ فی طرق المخادعۃ ولخلقہ الکریم وحرصہ علی اسلامھم ربما کان یسمح منھم فنزلت تحذیرالہ منھم وتنبیھا علی عداوتھم کذا فی النھر المراد ص ۲۰۹ ج ۷.

والا ہے جو کچھ ہو رہا ہے وہ ابتلا ہے جو سراسر حکمتوں پر مبنی ہے وہ علیم وحکیم ہے اسے ہی سب کاموں کا انجام معلوم ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ لہٰذا اطاعت اس ذات کی کی جائے گی جو عواقب اُمور کو خوب جانتا ہو اور جو ذات ظاہر و باطن کی علیم وخبیر ہے اسی سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے خدا سے ڈرنے والوں کو دشمن ضرر نہیں پہنچا سکتے لہٰذا تم ان کی قوت اور شوکت سے نہ ڈرو اللہ تمہارا ناصر اور معین ہے اور نہ ان کا کہنا مانو بلکہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے وحی کی گئی پورا پورا اس کا اتباع کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے اور تمہاری نیتوں سے خبردار ہے تمہارا ظاہر و باطن اس سے مخفی نہیں وحی الٰہی کے اتباع میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہونی چاہیے اور کسی کے خوف سے وحی الٰہی کے اتباع کو نہ چھوڑو بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کافی کارساز ہے اس کے کہنے پر چلو اور اسی پر بھروسہ رکھو وہ تمہارے سب کام بنادے گا دشمنان دین سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔

اب آئندہ آیات میں چند احکام اور ہدایات بیان کرتے ہیں اور چند باتوں کا رد کرتے ہیں جو وحی ربانی کے خلاف لوگوں میں شائع تھیں مثلاً زمانۂ جہالت میں اگر کوئی اپنی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو وہ ساری عمر کے لیے اس پر حرام ہو جاتی اور مثلاً اگر کوئی کسی کو بیٹا کہہ کر بولتا تو وہ اس کا سچا بیٹا بن جاتا اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ باتیں غلط اور لغو ہیں جیسا کہ اہل جاہلیت کا یہ گمان غلط ہے کہ بعضے شخص کے اندر دو دل ہوتے ہیں پس جس طرح اہل جاہلیت کی یہ بات بالکل غلط اور لغو ہے اس طرح جاہلیت کی پہلی دو باتیں بھی غلط اور لغو ہیں اس لیے آئندہ احکام کے بیان سے پہلے بطور تمہید اس کو بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مرد کے اندر دو دل نہیں رکھے کہ ایک دل سے شک میں رہے اور ایک دل سے یقین کرے اور ایک دل سے ایمان لائے اور ایک دل سے کفر کرے ایک دل سے مسلمانوں کے ساتھ رہے اور ایک دل سے کافروں کے ساتھ رہے۔

کسی کے سینہ کو اگر چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا مطلب یہ ہے کہ دل تو ایک ہی ہوتا ہے چاہے اس میں کسی کی محبت بھر لو یا نفرت بھر لو منافقین کو چاہیے کہ دورخی اور دورنگی چھوڑ دیں منافقین دوطرفہ باتیں کیا کرتے تھے ان کی تنبیہ کے لیے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک دل میں دو باتیں جمع نہیں ہوسکتیں یا یہ مطلب ہے کہ سارے دل سے ایک اللہ ہی کا ہو رہ دوسری طرف دل نہ لگا کسی شخص کے اندر دو دل نہیں ہوتے اور اگر بالفرض کسی کے دو دل ہوں تو دل تو مدبر بدن ہوتا ہے تو بتلایا جائے کہ اگر دو دلوں میں اختلاف ہو جائے ایک دل تو ایک تدبیر کا خواہاں ہو اور دوسرا دل دوسری تدبیر کا خواہاں ہو تو بتلاؤ کہ نظام بدن میں دونوں دلوں کی تدبیر چلے گی یا ایک دل کی تدبیر چلے گی اگر دونوں کی تدبیر چلی تو نظام بدن فاسد اور درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ دلوں کی تدبیریں متضاد اور مختلف ہیں ایک دل چاہتا ہے کہ اعضاء حرکت کریں اور دوسرا دل سکون چاہتا ہے کہ اعضاء ساکن رہیں اور اگر کہو کہ ایک ہی دل کی تدبیر چلتی ہے تو دوسرا بیکار ہوا اور مدبر بدن نہ رہا۔

یہ آیت قریش کے ایک شخص کے بارہ میں نازل ہوئی جس کو قریش ذُوالْقَلْبَیْن کہتے تھے یعنی دو دل والا اس کا زعم یہ تھا کہ اس کے دو دل ہیں ایک دل تو تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا دل ان کے ساتھ ہے گویا کہ وہ اس طرح اپنے نفاق اور دورنگی کی تاویل کیا کرتا تھا اس کے ردّ کے لیے یہ آیت نازل فرمائی جس سے جاہلیت کی ایک معروف ومشہور جہالت کا رد فرمایا اور اس کے بعد جاہلیت کی اور دو رسموں کو باطل فرمایا اور بتلایا کہ جس طرح ایک مرد کے دو دل نہیں ہوتے اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ بیوی کو بیوی بھی سمجھے اور ماں بھی جانے اور لے پالک کو لے پالک بھی جانے اور بیٹا بھی جانے انسان کا قلب یعنی اس کی قوت ادراکیہ تو ایک ہی ہے وقت واحد میں دو متضاد

ادراک کیسے کرسکتا ہے۔

**فائدہ:** قلب سے مراد قوت ادراکیہ ہے محض مضغۂ گوشت مراد نہیں اور اگر بالفرض شاذ ونادر کسی کے اندر ظاہراً دو دل یعنی دو مضغۂ لحم ہوں بھی تو وہ قرآن کے خلاف نہیں اس لیے کہ قوتِ ادراکیہ یعنی نفس ناطقہ تو ایک ہی ہوگا کیونکہ قلب تو تمام قوائے ادراکیہ کا منبع ہے اور سرچشمہ ہے اس کا متعدد ہونا ممکن ہے اور یہی نفس ناطقہ تمام بدن انسانی کے لیے مدبر ہے۔

**حکایت:** یہ آیت جمیل بن معمر فہری کے بارہ میں نازل ہوئی جو قریش میں بڑا ہوشیار اور قوی الحافظہ آدمی تھا اس لیے قریش یہ کہا کرتے تھے کہ اس شخص کے دو دل ہیں اور وہ خود بھی یہی کہتا تھا کہ میرے دو قلب ہیں اسی وجہ سے میں محمد سے زیادہ عقل رکھتا ہوں مگر بدر کے دن جب مشرکین میں بھگدڑ پڑی تو جمیل اس طرح بھاگا کہ ایک جوتی ہاتھ میں ہے اور ایک جوتی پیر میں ہے ابوسفیان نے دیکھ کر پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے کہ ایک جوتی ہاتھ میں ہے اور یک جوتی پیر میں ہے کہنے لگا کہ میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ دونوں جوتیاں پاؤں میں پہنا ہوا ہوں اس دن لوگوں کو معلوم ہوا کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اس طرح نہ بھولتا یہ آیت اس زعم باطل کی تردید کے لیے نازل ہوئی جس میں صراحۃً یہ بتلا دیا گیا کہ آدمی کے دو قلب (دو دل) نہیں ہوتے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۱۶ ج ۱۴)

اور اسلام سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ جو شخص اپنی عورت کو یہ کہہ دیتا کہ تو مجھ پر ماں کے برابر ہے تو اس کہنے سے اس عورت پر طلاق پڑ جاتی اور وہ اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی گویا کہ اس لفظ کے کہنے سے وہ اس کی حقیقی ماں بن جاتی اور ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال اور اعتقاد جاہلانہ ہے اس کو ترک کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہاری ان عورتوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو اور ان کو ماں کہہ بیٹھتے ہو اللہ تعالیٰ نے ان کو واقعی سچ مچ تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ماں کی اور بیوی کی حقیقت الگ الگ ہے دونوں ایک کیسے ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس قول زور کے لیے کفارہ مقرر کیا ہے جس کو کفارہ ظہار کہتے ہیں اس کفارہ کے دے دینے کے بعد بیوی حلال ہو جاتی ہے جس کی تفصیل سورۂ مجادلہ میں آئے گی۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ اہل عرب کا یہ خیال غلط ہے ماں تو وہ ہے کہ جس کے پیٹ سے یہ پیدا ہوا ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ دو عورتوں کے پیٹ سے پیدا ہو نیز زوجہ تو خادمہ ہوتی ہے اور ماں مخدومہ ہوتی ہے بیوی کا حقیقتاً والدہ ہو جانا عقلاً محال ہے نیز آدمی بیوی سے محبت کرتا ہے اور ماں سے بیوی جیسی محبت حرام ہے اور اگر کوئی ماں سے ایسی محبت جائز سمجھے تو وہ پرلے درجے کا بے غیرت اور بے حیا ہے۔ لہٰذا ایسی بات زبان سے کہنا جہالت اور حماقت ہے اور زمانہ جاہلیت کی ایک رسم یہ تھی کہ اگر کسی نے کسی کو بیٹا کہہ لیا تو وہ اس کا سچ بیٹا سمجھ لیا جاتا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خیال اور اعتقاد بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولوں کو حقیقتاً تمہارا بیٹا نہیں بنایا انسان کا اصلی بیٹا وہ ہے جو اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہو یہ کیونکر ممکن ہے کہ منہ بولا بیٹا حقیقتاً بیٹا ہو جائے عقلاً یہ بات محال ہے کہ حقیقتاً اس کے دو باپ ہو جائیں۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس مہمل خیال سے احتراز کرو یہ محض تمہارے منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں جن کی نفس الامر میں کوئی حقیقت نہیں منہ سے کسی کو بیٹا کہہ دینے سے حقیقۃً بیٹا نہیں بن جاتا ورنہ اگر منہ بولا بیٹا حقیقتاً بیٹا ہو جائے تو نسب درہم برہم ہو جائے اور حقیقی بیٹے کا وراثت میں مزاحم ہو جائے اور دیگر اقارب کا بھی شریک وراثت ہو جائے اور اس طرح کسی کو بیٹا بنا لینا حقیقی اقارب پر صریح ظلم اور ستم ہے یہ سب جھوٹ اور لغو باتیں ہیں جو تمہارے منہ سے نکلی ہیں واقع میں ان کی کوئی حقیقت نہیں حیوان کی آواز کے مشابہ ہیں اور اللہ ہی ٹھیک بات کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ بتاتا ہے جو حقیقت ہے اور واقع کے مطابق ہے اسی کی پیروی کرو تم کو چاہیے کہ لے

پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارو یہی بات اللہ کے نزدیک پورا انصاف ہے منہ بولے کو بیٹا بنالینا اور بیوی کو ماں بنالینا صریح ظلم ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو کہ ان کے باپوں کا کیا نام ہے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اس نسبت سے تم انہیں پکار سکتے ہو یعنی ان کو بھائی اور دوست کہہ کر پکار سکتے ہو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور اگر تم اس حکم کے بعد بھی اپنی قدیم عادت کی بنا پر سہو اور خطا سے کسی کو اس کے فرضی باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو تو تم پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے خطا سے کہہ دیا اور بلا اختیار سبقت لسانی سے تمہاری زبان سے نکل گیا ولیکن گناہ اس چیز میں ہے کہ جس کا تمہارے دل قصد کریں یعنی اگر قصداً باپ کے سوا دوسرے کی جانب نسبت کرو گے تو تم پر گناہ ہوگا اور اگر بھولے سے ایسا ہو جائے تو معاف ہے اور اللہ تعالیٰ خطا کار کو بخشنے والا ہے اور مہربان ہے قصداً کہنے کے بعد جو توبہ اور استغفار کر لے اسے بھی معاف کر دیتا ہے ابتداء اسلام میں آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا متبنیٰ بنالیا تھا اس لیے لوگ اپنے دستور کے مطابق زید بن محمد ﷺ پکارنے لگے جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حقیقتاً آپ ﷺ کے بیٹے نہیں اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اگرچہ نسبی طور پر کسی مسلمان کے باپ نہیں لیکن روحانی طور پر سب کے باپ ہیں اور ان کی جان سے زیادہ ان کے قریب ہیں اور نبی کی بیبیاں رضی اللہ عنہن تمام مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں اور نسبی ماؤں سے بڑھ کر واجب الاحترام ہیں اور نسبی باپ سے روحانی باپ کا درجہ بڑھا ہوا ہے نبی کی اور نبی کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعظیم اور احترام ماں باپ کی تعظیم سے زیادہ فرض ہے کیونکہ پیغمبر ہر کام میں اور ہر بات میں مسلمانوں پر ان کی جان سے زیادہ قریب ہے نبی خدا کا نائب ہے لوگوں کا اپنی جان و مال میں اتنا تصرف نہیں چلتا جتنا کہ نبی کا چلتا ہے لوگ خود اپنے اتنے خیر خواہ نہیں جتنا کہ نبی ان کا خیر خواہ ہے ان کے نفوس شر اور فساد کا حکم دیتے ہیں اور خیر اور صلاح سے روکتے ہیں اور نبی ان کو ہر خیر کا حکم دیتا ہے اور ہر شر سے منع کرتا ہے جیسے مشفق باپ نادان بچے کے ساتھ معاملہ کرتا ہے بچہ خود اپنا خیر خواہ نہیں جتنا کہ باپ اس کا خیر خواہ ہوتا ہے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے لیکن اگر نبی حکم دے تو آگ میں کودنا فرض ہے باپ جسمانی حیات کا سبب ہے اور نبی ایمانی اور روحانی حیات کا سبب ہے غرض یہ کہ گذشتہ آیت میں نسبی اُبوّت کا مسئلہ بیان کیا اور اس آیت میں روحانی اُبوّت کا مسئلہ بیان کیا اب آئندہ آیت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مسئلہ بیان کرتے ہیں جو گذشتہ مسئلہ کی فرع اور اس کا تتمہ ہے اور پیغمبر کی بیبیاں مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں ماؤں سے بڑھ کر ان کی تعظیم فرض ہے اور یہ حکم باعتبار ادب اور احترام کے ہے پردہ اور میراث کے اعتبار سے نہیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی اُمومت یعنی ان کی مائیں ہونا صرف ادب اور احترام اور حرمت نکاح کے اعتبار سے ہے باقی اور اُمور میں وہ بالکل اجنبی عورتوں کی مانند ہیں اور ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی ایک قراءت میں اس طرح آیا ہے: ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾

(تفسیر قرطبی ص ۱۲۳ ج ۱۴ اور روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۲۱)

یعنی نبی کی عورتیں مسلمانوں کی مائیں ہیں اور نبی ان کے لیے باپ ہیں یعنی ان کے روحانی باپ ہیں اور ان کے مزکی ہیں روحانی اعتبار سے نبی تمام مسلمانوں کا باپ ہے نبی نسبی باپ کی طرح نہیں کہ اس کے مال میں میراث جاری ہو سکے وہ روحانی اور ایمانی باپ ہے اور امت مسلمہ اس کی روحانی اولاد ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے ایمانی بھائی ہیں اور جس طرح نبی تمام اہل ایمان کا

روحانی باپ ہے اسی طرح نبی ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں جو نسبی ماؤں سے بڑھ کر ہیں اور ان سے نکاح حرام ہے جس طرح اپنی نسبی ماؤں سے نکاح حرام ہے اور ماں سے بڑھ کر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ادب اور احترام فرض ہے مقام حیرت و تعجب ہے کہ رافضی گروہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی حق میں زبان درازی کرتا ہے بلکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان میں گستاخانہ الفاظ زبان سے نکالتا ہے اور اس طرح سے اللہ کے نبی کو اور تمام فرزندان اسلام کو ایذا پہنچاتا ہے۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ حق جل شانہٗ نے ان آیات میں نبی کی جلالت شان اور اس کا واجب الاحترام ہونا بیان کیا اور بعدہٗ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی کرامت و حرمت کو بیان کیا اب اس کے بعد اہل اسلام میں بحق قرابت حسب مرتبہ لحاظ رکھنے کا حکم دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ میراث کا دارومدار قرابت پر ہے چونکہ ابتداء اسلام میں ہجرت اور دوستی اور بھائی چارہ کی وجہ سے میراث جاری ہوتی تھی آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا اس بنا پر ایک دوسرے کا وارث ہوتا بعدہٗ جب مہاجرین کے رشتہ دار مسلمان ہو گئے تب یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد قدرتی رشتہ داروں کو میراث وغیرہ میں بھائی چارہ سے مقدم کر دیا اور یہ حکم نازل ہوا کہ قرابت والے بحق قرابت حکم خداوندی میں میراث میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں بہ نسبت دوسرے مؤمنین اور مہاجرین کے جو قرابت نہ رکھتے ہوں مؤمنین سے انصار مراد ہیں ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرا دیا تھا جس کی وجہ سے مہاجر اور انصاری مرنے کے بعد ایک دوسرے کی میراث پاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ حکم دے دیا کہ اب آئندہ سے میراث کا دارومدار قدرتی رشتہ پر ہو گا نہ کہ اسلامی برادری پر مگر یہ کہ تم اپنی زندگی میں اپنے دوستوں کے ساتھ بطور وصیت کچھ سلوک اور احسان کرنا چاہو تو یہ جائز ہے اور تم کو اس کی اجازت ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے جس کی حد ثُلثُ مال (تہائی مال) تک ہے جیسا کہ دوسری جگہ منصوص ہے کہ حکم لوح محفوظ میں یا قرآن میں لکھا جا چکا ہے کہ اب میراث کا دارومدار قرابت اور رشتہ داری پر ہے اور اسی طرح ہمیشہ جاری رہے گا اور اب تک جو میراث کا حکم اسلام اور ہجرت اور مؤاخات کی بنا پر دیا گیا وہ ایک وقتی مصلحت اور ضرورت کی بنا پر تھا جو اب منسوخ ہو گیا صلہ رحمی اور سلوک اور احسان کا حکم اب بھی باقی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مسلمان بھی اپنا گھر اور کنبہ جو کافر تھے سب کو چھوڑ کر مدینہ میں آ بسے آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مؤاخات (برادری) کا رشتہ قائم کر دیا اور یہ منہ بولے بھائی ایک دوسرے کے وارث قرار دیئے گئے ایک عرصہ تک یہ دستور رہا کہ اس دینی اخوت کے دو بھائیوں (مہاجرین اور انصار) میں سے اگر ایک کا انتقال ہو جاتا تو دوسرا بھائی اس کا وارث قرار پاتا اور عصبات کو کچھ نہ ملتا بعد میں مہاجرین کے خویش و اقارب بھی مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے تو اس وقت ایمانی اخوت کے ساتھ قرابت نسبی بھی مل گئی تو اس وقت یہ آیت ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ... الخ﴾ نازل ہوئی اور حکم ہو گیا کہ اب میراث مسلمان اولوا الارحام کو یعنی ان خویش و اقارب کو ملے گی جو مسلمان ہیں اور منہ بولے بھائیوں کو میراث نہیں ملے گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قرابت اور رشتہ داری توارث کا مدار قرار دی گئی اور توارث بالہجرۃ اور توارث بالمواخاۃ اور بالحلف سب منسوخ ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۲۴ ج ۱۴)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی صلۂ ارحام واجب است و توارث بہجرت و اسلام منسوخ شد بتوارث بقرابت

وارحام۔ انتہی (فتح الرحمٰن)

ان آیات میں اوّل روحانی باپ کا حق بیان کیا پھر روحانی ماؤں کا حق بیان کیا پھر ایمانی بھائیوں کا حق اور حکم بیان کیا۔

**نکتہ:** ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا اُمہات المؤمنین ہونا جسم ظاہری کے اعتبار سے نہیں اس لیے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ کل مؤمنین کی پیدائش ان کے پیٹ سے نہیں ہوئی بلکہ روحانی اعتبار سے ہے اور روحانیت کا غلبہ صرف مؤمنین کاملین پر ہوتا ہے عام طور پر غلبہ جسمانیت ہی کا ہوتا ہے اس لیے کہ یہ دنیا عالم اجسام ہے اس حیات دُنیاوی میں غلبہ جسم ظاہری اور محسوسات ہی کا ہے اور حقیقت روحانیہ نظروں سے پوشیدہ ہوتی ہے اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ادب اور احترام میں اگرچہ جسمانی والدات سے کہیں بڑھ کر ہیں لیکن احکام ظاہری کے اعتبار سے مثلاً نظر اور خلوت کے لحاظ سے بمنزلہ اجنبیہ کے ہیں اس لیے کہ اندیشہ ہے کہ جسمانیت اور محسوسات کے آثار میں مبتلا ہو کر اپنے دین و دُنیا کو نہ خراب کر بیٹھیں فافهم ذٰلك واستقم اس وجہ سے شیخ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ یہ حکم تحریمی بالاجماع ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی لڑکیوں اور بہنوں کی طرف متعدی نہیں ہوتا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے ہوا۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ

اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا اقرار اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے

وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۟ۙ

اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے جو بیٹا مریم کا اور لیا ہم نے ان سے گاڑھا قرار

ع ۸ / ۱۷ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۟ ع

تا پوچھے اللہ سچوں سے ان کا سچ اور رکھی ہے منکروں کو دکھ کی مار۔

## ذکر عہد انبیاء سابقین علیہم السلام دربارۂ اتباع وحی و تبلیغ دین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ ... الى ... وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۟ ع﴾

گذشتہ آیات میں یہ ذکر فرمایا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وحی خداوندی کا اتباع کرنا اور کافرین اور منافقین کے کہنے پر نہ چلنا آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ہم نے اس قسم کا عہد انبیاء سابقین علیہم السلام سے بھی لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اس وقت کا ذکر کیجیے کہ جب ہم نے تمام پیغمبروں سے بوقت [1] عطاء نبوت یا بوقت عہد الست عہد واثق لیا

[1] اشارۃ الی ما قال ابن کثیر فهذا العهد والميثاق اخذ عليهم بعد ارسالهم وقيل ان المراد بهذا الميثاق الذی اخذ منهم حين اخرجوا فی صورة الذر من صلب آدم عليه الصلوة والسلام ... الخ۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۹ ج ۳)

کہ تم ہماری وحی کا اتباع کرنا اور دعوت و تبلیغ میں ثابت قدم رہنا اور مخالفین کے طعن اور ایذاء کی پروانہ کرنا اور کافروں اور منافقوں کے کہنے پر نہ چلنا اور نکاح اور طلاق اور تبنّی اور میراث وغیرہ کے بارہ میں قومی رسموں کا خیال نہ کرنا بلکہ حکم خداوندی کی پیروی کرنا اور بعض آثار میں یہ آیا ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام سے یہ عہد بھی لیا گیا کہ اپنی اپنی امتوں میں یہ اعلان کرنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ (روح المعانی ص ۱۳۹ ج ۲۱ و تفسیر قرطبی ص ۱۲۷ ج ۱۴)

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے: ﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ (آل عمران:۸۱)

اور بطور خاص ہم نے آپ سے اور نوح اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ علیہم السلام سے بھی یہی عہد لیا کہ اتباع وحی اور تبلیغ دین اور پیغام الٰہی کے پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد سب پیغمبروں سے لیا اور یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے ذکر کیے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں اور آیت میں سب سے مقدم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور عالم شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اگرچہ سب کے بعد ہوا لیکن درجہ اور مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے مقدم ہیں اور ہم نے ان پیغمبروں سے کوئی معمولی عہد نہیں لیا بلکہ نہایت محکم اور ایسا پختہ اور مضبوط عہد لیا کہ جس میں کسی قسم کا خلل نہ آوے اور یہ مضبوط عہد اس لیے لیا تا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سچوں سے یعنی پیغمبروں سے اور اہل ایمان سے جو اپنے عہد اور میثاق میں سچے رہے ان کی راستی اور سچائی کے متعلق دریافت کرے تا کہ لوگوں پر ان کا صدق ظاہر ہو اور ان کے نہ ماننے والوں اور نہ تصدیق کرنے والوں پر حجت قائم ہو اور کافروں سے اور انبیاء کی تکذیب کرنے والوں سے بھی سوال کرے گا تا کہ ان کا کذب ظاہر ہو جائے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے سوال کرے گا کہ جب تم نے قوم کو ہمارا پیغام پہنچایا تو قوم کے لوگوں نے تمہیں کیا جواب دیا ہماری دعوت اور پیغام کو قبول کیا یا رد کیا بظاہر یہ سوال پیغمبروں سے ہوگا مگر اس سے مقصود قوم کی تصدیق و تکذیب کا حال ظاہر کرنا ہوگا اور ان لوگوں کی زجر و توبیخ مقصود ہوگی جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (الاعراف:۶) اور ﴿یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ... الآیۃ﴾ (المائدہ:۱۰۹)

غرض یہ کہ اس عہد اور میثاق سے انبیاء علیہم السلام پر دعوت اور تبلیغ فرض ہوئی تھی اور لوگوں پر ایمان اور تصدیق اور اطاعت فرض ہو گئی تھی۔

پس ✽ جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق کی اور ان کی صداقت پر ایمان لائے یہ صادقین کا گروہ ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے نعیم مقیم تیار کی ہے اور جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان کی صداقت کے منکر ہوئے یہ کاذبین کا گروہ ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اس روز صادقین کو صدق کی جزاء اور کاذبین کو کذب کی سزا مل جائے گی۔

غرض یہ کہ روز ازل میں مؤمنین سے انبیاء کرام علیہم السلام کے اتباع کا عہد لیا اور انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ احکام کا عہد لیا اور علماء سے تبیین احکام کا عہد لیا۔ (تفسیر عزیزی ص ۲۰۲)

---

✽ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ ایک جملہ محذوفہ پر معطوف ہے یعنی فاثاب الصادقین پر معطوف ہے جو لِیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ سے مفہوم ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ

اے ایمان والو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب آئیں تم پر فوجیں

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

پھر ہم نے بھیجی ان پر باؤ اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو

بَصِيْرًا ۚ ﴿۹﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ

دیکھتا جب آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب ڈگنے لگیں

الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ

آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر کئی کئی اٹکلیں وہاں

ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ

جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور کا جھڑجھڑانا اور جب کہنے لگے منافق

وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

اور جن کے دلوں میں روگ ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ اور اس کے رسول نے سب فریب تھا

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ

اور جب کہنے لگے ایک لوگ ان میں اے یثرب والو! تم کو ٹھکانہ نہیں سو پھر چلو

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ؕ وَمَا هِيَ

اور رخصت مانگنے لگے ایک لوگ ان میں نبی سے کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ

بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا

کھلے نہیں پڑے غرض اور نہیں مگر بھاگنا اور اگر شہر میں کوئی پیٹھ آوے کناروں سے

ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ

پھر ان سے چاہے دین سے بچلنا تو لے لیں اور ڈھیل نہ کریں اس میں مگر تھوڑی اور تحقیق

كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

اقرار کر چکے تھے اللہ سے آگے کہ نہ پھیریں گے پیٹھ اور اللہ کے اقرار کی

مَسْئُوْلًا ⑮ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ

پوچھ ہوتی ہے تو کہہ کام نہ آوے گا تم کو بھاگنا اگر بھاگو گے مرنے سے یا مارے جانے سے

وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ

اور پھر بھی پھل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں تو کہہ کون ہے کہ تم کو بچاوے

اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ

اللہ سے اگر چاہے تم پر برائی یا چاہے تم پر مہر اور نہ پاویں گے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ⑰ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ

اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہ مددگار اللہ کو معلوم ہیں جو اٹکاتے ہیں تم میں

وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑱ۙ

اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کبھی،

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ښ فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ

دریغ رکھتے ہیں تمہاری طرف سے پھر جب آوے ڈر کا وقت تو تو دیکھے تکتے ہیں تیری طرف ڈگراتی ہیں

اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ

آنکھیں اُن کی جیسے کسی پر آوے بے ہوشی موت کی پھر جب جاتا رہے ڈر

سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَي الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا

کا وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے ڈھکے پڑتے ہیں مال پر وہ لوگ یقین نہیں لائے

فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ⑲ يَحْسَبُوْنَ

پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے ان کے کیے اور یہ ہے اللہ پر آسان جانتے ہیں

الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ

فوجیں نہیں گئیں اور اگر آجاویں فوجیں تو آرزو کریں کسی طرح باہر گئے ہوں

فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا

گاؤں میں پوچھا کریں تمہاری خبریں اور اگر ہوویں تم میں، لڑائی نہ کریں

ع ۲/۱۲/۱۸ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲۰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ

مگر تھوڑے تم کو بھلی تھی سیکھنی رسول کی چال جو کوئی امید رکھتا

يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝۲۱ ؕ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ

ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا اور جب دیکھیں مسلمانوں نے

الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫

فوجیں بولے یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسولنے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے

وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ۝۲۲ ؕ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ

اور ان کو اور بڑھا یقین اوراطاعت کرنا ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ

صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ

سچ کر دکھایاجس پر قول کیا تھا اللہ سے پھر کوئی ہے ان میں کہ پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے

مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝۲۳ ۙ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ

ان میں راہ دیکھتا اور بدلا نہیں ایک ذرہ تا بدلہ دے اللہ سچوں کو

بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ

ان کے سچ کا اور عذاب کرے منافقوں کو اگر چاہے یا توبہ ڈالے ان کے دل پر بیشک

اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۲۴ ۚ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ

اللہ ہے بخشتا مہربان اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں

يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا
بھرے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی اور آپ اٹھالی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے اللہ زور آور
عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ ج وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ
زبردست اور اتار دیا ان کو جو ان کے رفیق ہوئے تھے کتاب والے ان کی گڑھیوں سے
وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ ج
اور ڈالی ان کے دل میں دھاک، کتنوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو بندی کیا
وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ
اور تم کو ملائی ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال اور ایک زمین جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم،
وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۳ ع ۷ ۱۹
اور ہے اللہ سب چیز کر سکتا۔

## ذکر قصہ غزوۂ احزاب وغزوۂ بنی قریظہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ . . . الٰى . . . وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ﴾

**ربط:** اس قصہ کے ذکر کرنے سے منافقین اور مخالفین کی ایذاءرسانیوں اور دلخراش زبان درازیوں کا جواب دینا مقصود ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کس درجہ اللہ کے محبوب ہیں اور منصور اور مؤید من اللہ ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے رسول کی اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں کس طرح مدد فرماتے ہیں اس غزوہ میں جو واقعات پیش آئے اس سے آپ کی نبوت ورسالت بھی ثابت ہوئی اور منافقین اور مخلصین کا امتیاز ظاہر ہوا منافقین جو کاذبین کا گروہ تھا ان کا کذب اور نفاق ظاہر ہوا اور آپ ﷺ کے محبین * صادقین کی صداقت اور استقامت ظاہر ہوئی اور خبیث اور طیب کی تمیز قرآن کریم کے اعظم مقاصد میں سے ہے۔

نیز اس غزوہ میں جو واقعات پیش آئے ان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا دور کوع تک یہی مضمون چلا گیا ہے جو قصہ ان آیات میں مذکور ہے وہ اللہ کی عجیب وغریب نعمتوں اور کرامتوں پر مشتمل ہے ان دنوں غزووں میں اللہ تعالیٰ نے غیبی طور پر آپ ﷺ کو کامیابی عطا فرمائی جس سے آپ کی اور مسلمانوں کی پریشانی دور فرمائی اور احزاب کثیرہ جو مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے خدا تعالیٰ

---

* اس لفظ سے گذشتہ آیت ﴿ لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

نے اپنے قہر سے بغیر قتال کے سب کو بھگا دیا اور گذشتہ سورت کے اخیر میں کافروں کا قول نقل کیا تھا ﴿ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْفَتْحُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ (السجدہ:۲۸) اس کا جواب ہو گیا اور اس فتح میں جن معجزات بدیعہ کا ظہور ہوا وہ کتب حدیث میں مفصل مذکور ہیں۔

اس غزوہ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال جب یہود بنی نضیر مدینہ سے نکالے گئے (جن کا ذکر سورۃ حشر میں آئے گا) تو یہ لوگ خیبر میں چلے گئے اور خیبر اس وقت یہود سے بھرا ہوا تھا اور وہاں ان کے بڑے قلعے اور باغات اور عمارتیں تھیں جس کو آنحضرت ﷺ نے سنہ سات ہجری میں فتح کیا ان لوگوں نے قبائل عرب میں پھر کر مشرکین کو مدینہ پر چڑھائی کے لیے آمادہ کیا تا کہ جب سب متحدہ قوت اور طاقت سے مدینہ پر حملہ کریں گے تو ضرور کامیاب ہوں گے اور مسلمانوں کا یکلخت خاتمہ ہو جائے گا اور یہود مدینہ نے بھی باوجود آپ ﷺ سے معاہدہ کے یہود بنی نضیر کا ساتھ دیا ان سب یہودیوں نے قریش کو اور دیگر قبائل عرب کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسایا اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یہاں تک کہ اس مدعی نبوت کا قضیہ پاک ہو جائے چنانچہ بنی نضیر اور دیگر سردارانِ یہود کے بہکانے سے قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب بسرداری ابوسفیان بن حرب تقریباً دس بارہ ہزار کی تعداد میں لشکر جرار لے کر اچانک مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا مسلمانوں نے جب اس کثیر تعداد فوج کو دیکھا تو پریشان ہوئے یہود بنی قریظہ جن کا قلعہ مدینہ منورہ کے شرقی جانب میں تھا وہ پہلے سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیے ہوئے تھے بنو نضیر کی ترغیب وترہیب سے بنی قریظہ نے اپنے سابق معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا اور حملہ آوروں کی مدد کے لیے کھڑے ہو گئے منافقین اس حالت کو دیکھ کر طرح طرح کی بولیاں بولنے لگے اور کہنے لگے کہ نبی ﷺ جو یہ کہتے تھے کہ اللہ نے ان سے فتح اور نصرت کا وعدہ کیا تھا اور ہم کو کہتے تھے کہ فتح کا انتظار کرو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَانْتَظِرْ اِنَّھُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴾ (السجدہ:۳۰) وہ جھوٹا ہوتا نظر آتا ہے اب مشرکین عرب مدینہ کو فتح کر کے ہم کو پامال کریں گے اور جو مخلص ایماندار تھے اور ایمان میں صادق اور سچے تھے وہ یہ کہتے تھے کہ اللہ نے جو اپنے رسول سے وعدہ نصرت کیا ہے وہ حق اور صدق ہے یہ ظاہری حالت من جانب اللہ آزمائش ہے تا کہ کھرا اور کھوٹا معلوم ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہ ﷡ سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے بالآخر سلمان فارسی ﷛ کے مشورہ سے آپ ﷺ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اس لیے یہ غزوہ غزوہ خندق کہلایا سلمان فارسی ﷛ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب ہم فارس میں محصور ہو جایا کرتے تھے تو اپنے گرداگرد خندق کھود لیا کرتے تھے تا کہ دشمن کے حملہ سے محفوظ ہو جائیں رسول اللہ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔

اور تمام مسلمانوں نے اور خود رسول اللہ ﷺ نے ان کے شریک حال ہو کر خندق کھودی تقریباً ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ رہا دشمنوں کا لشکر دونوں طرف سے مدینہ کو گھیرے ہوئے تھا دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں اور درمیان میں خندقیں حائل تھیں درمیان میں خندق حائل ہونے کی وجہ سے کھل کر حملہ نہ ہو سکا اور باضابطہ قتل وقتال کی نوبت نہیں آئی دور سے تیر اندازی ہوتی رہتی تھی اور کبھی قریب سے بھی دو دو چار چار آدمیوں کا مقابلہ ہو جاتا تھا مسلمان سخت ابتلاء میں تھے کہ دشمن ہر طرف سے چھایا ہوا تھا بیس پچیس روز تک یہی کیفیت رہی اور بنی قریظہ جن کا آنحضرت ﷺ سے عہد وپیمان تھا وہ آپ ﷺ سے کنارہ کش ہو کر اپنے قلعہ میں محفوظ ہو گئے اور قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔

بالآخر حسب وعدۂ الٰہی غیبی مدد پہنچی اور خدا نے رات کے وقت ایسی شدت کی آندھی بھیجی کہ کافروں کے تمام ڈیرے اکھڑ گئے

اور ریت اور سنگریزے اُڑ اُڑ کر کافروں کے منہ پر لگنے لگے اور ان کے تمام چولہے بجھ گئے سواروں اور گھوڑوں کے بھی پیر اکھڑ گئے اور لشکر میں بھگدڑ پڑ گئی اور ہر طرف سے یہ آواز آنے لگی اٹھو اور چلو سردی اور ٹھنڈی اور تیز ہوا اور رات کی تاریکی کی وجہ سے ٹھہرنا مشکل ہو گیا اور بدحواس ہو کر کہنے لگے کہ واللہ محمد ﷺ نے تم پر جادو کر دیا ہے بالآخر ابوسفیان جس کے ہاتھ میں لشکر کی کمان تھی اس نے کوچ کا طبل بجادیا جب صبح ہوئی تو وہی مدینہ جو شروع رات میں دشمنوں کے نرغہ میں تھا دشمنوں سے خالی ہو گیا اور جو بڑے دم خم اور دعووں سے آئے تھے سب بے نیل مرام واپس گئے اور ذلیل وخوار ہو کر کوچ کر گئے اور اس غیبی مدد سے مسلمانوں کی پریشانی دور ہوئی اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ تم جو کہتے تھے ﴿مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (السجدہ:۲۸) دیکھو کہ اللہ تعالیٰ صادقین کو اس طرح فتح دیتا ہے اور کاذبین کو ذلیل وخوار کر کے اس طرح بھگاتا ہے اس لیے تذکیر نعمت سے اس قصہ کا آغاز فرماتے ہیں اے ایمان والو! تم اس نازک وقت میں اپنے اُوپر اللہ کا انعام یاد کرو کہ اس نے بغیر قتال ہی کے تم کو کافروں پر غلبہ دیا اور کافروں کو باوجود پورے ساز وسامان کے ذلت و خواری کے ساتھ میدان جنگ سے بھگایا اللہ تعالیٰ کا ایسا انعام ایسے ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوں اور اپنے وعدوں پر سچے ہوں اور منافقین کے کہنے پر نہ چلتے ہوں اور صرف اللہ سے ڈرتے ہوں اور اسی کے حکم پر چلتے ہوں جس وقت کہ دشمنوں کے لشکر اور ان کی فوجیں تمہارے سر پر آ پہنچیں قریش مکہ اور غطفان اور کنانہ اور بنوقریظہ اور بنونضیر یہ تمام جماعتیں متفقہ طور پر تم پر آ چڑھیں تو ہم نے دشمنانِ اسلام پر ایک تیز ہوا بھیجی جس نے ان کے تمام خیمے اکھاڑ دیئے اور ان کے گھوڑے چھوٹ گئے اور آگیں بجھ گئیں اور مٹی ان کے منہ پر آ کر لگنے لگی اور کافروں کی فوجیں گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئیں اور وہ آندھی [1] باوجود اس زور اور شدت کے ان سے متجاوز نہیں ہوئی صرف کفار کے لشکر تک محدود رہی جیسا کہ ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا﴾ (حٰمٓ سجدہ:۱۶) کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آندھی صرف کافروں پر بھیجی گئی تھی اور مسلمانوں پر نہیں بھیجی گئی تھی اور اہل اسلام کی مدد کے لیے ہم نے فرشتوں کے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا فرشتوں کے لشکروں نے اگرچہ جنگ بدر کی طرح کافروں سے قتال نہیں کیا مگر ان کے دل میں رعب ڈالتے تھے اور لشکر کے اطراف وجوانب میں بآواز بلند اللہ اکبر کہتے تھے۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۳۹ ج ۲۱)

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے لشکر میں یکلخت سراسیمگی پھیل گئی اور سراسیمگی اور پریشانی سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر قبیلہ کا سردار اپنے لوگوں سے کہنے لگا چلو چلو بھاگو اور بعض بدحواس ہو کر یہ کہنے لگے کہ واللہ محمد ﷺ نے تم پر جادو کر دیا ہے اب تم یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ لہٰذا کوچ کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا تھا کہ آندھی سے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اپنے دوستوں اور وفاداروں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محفوظ رکھا لہٰذا اے مسلمانو! تم کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تازہ نعمت کا شکر کرو اور یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا کہ جب وہ احزاب یعنی کافروں کی مختلف جماعتیں ہر طرف سے تم پر چڑھ کر آئیں تمہارے اوپر کی جانب سے بھی اور تمہاری نیچی جانب سے بھی یعنی کوئی قبیلہ مدینہ منورہ کی اُونچی جانب سے آیا اور کوئی نیچی جانب سے اور دونوں جانب سے تم کو محاصرہ میں لے لیا اور جب کہ ان کی کثرت اور ہیبت دیکھ کر دہشت کے مارے نظریں خیرہ ہو گئیں اور خوف کے مارے دل حلقوم تک آ لگے اور نکلنے کے قریب ہو گئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے اہل ایمان کا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ لشکر اسلام کو ضرور فتح دے گا اور منافقوں کا گمان یہ تھا کہ اب اسلام اور مسلمان ختم ہوئے ایسے ہی شدید وقت میں اہل ایمان کا امتحان کیا گیا تا کہ ثابت قدم اور متزلزل اور صادق اور منافق

[1] کما فی روایۃ حذیفۃ عند ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ واذا الریح فی عسکرھم ما تجاوز عسکرھم شبرًا ... الخ تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۲ ج ۳

ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائے سو الحمد للہ مسلمان امتحان میں پورے اترے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہو گیا اور اس موقع پر اہل ایمان خوف اور دہشت کے ساتھ خوب ہلائے گئے اور جھڑ جھڑائے گئے مخلصین ثابت قدم رہے اور ان کا صدق اور اخلاص ظاہر ہوا اور منافقوں کے اور کمزوروں کے قدم اکھڑ گئے اور اس شدت اور دہشت کو دیکھ کر منافقین اور جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا مگر محض دھوکہ اور فریب کے طور پر یعنی یہ کہنا کہ اللہ نے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے محض دھوکہ اور فریب ہے اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب اس واقعہ میں منافقین میں سے ایک گروہ نے دوسرے حاضرین معرکہ سے کہا اے اہل یثرب یعنی اے اہل مدینہ یہ تمہارے رہنے اور ٹھہرنے کی جگہ نہیں پس تم اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹ جاؤ یا اپنے سابق آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ یہ قول اوس بن قبطی کا تھا جس میں کچھ اور لوگ بھی اس کے ہمنوا تھے اور ان میں ایک فریق اللہ کے نبی سے گھر جانے کی اجازت مانگتا تھا یہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر بے پردہ اور غیر محفوظ ہیں حالانکہ ان کے گھر ان کے خیال میں بھی خالی اور غیر محفوظ نہ تھے ان کا ارادہ اور نیت محض لڑائی سے بھاگنے کی تھی اور ان کا اندرونی حال تو یہ ہے کہ اگر مدینہ میں لشکر کفار دفعتہ تمام اطراف اور جوانب سے داخل ہو جائے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں محفوظ ہوں پھر ان سے فتنہ فساد یعنی مسلمانوں سے لڑنے کی درخواست کی جائے تو فوراً اس فتنہ اور فساد میں شرکت کو منظور کریں گے اور نہیں دیر کریں گے مگر بہت تھوڑی یعنی یہ سنتے ہی مسلمانوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے تیار ہو جائیں گے اور دیر نہ کریں گے مگر صرف اتنی جتنی کہ سوال و جواب اور ہتھیار لگانے اور گھر سے نکلنے میں دیر لگتی ہے معلوم ہوا کہ ان کا دل اسلام اور مسلمانوں کی عداوت سے بھرا ہوا ہے یہ لوگ مسلمانوں کی فتح و نصرت ہرگز نہیں چاہتے اور البتہ تحقیق ان لوگوں نے اس واقعہ سے قبل جنگ اُحد میں اللہ سے پختہ اور مضبوط عہد کیا تھا کہ آئندہ ہم کافروں سے جہاد میں پشت نہیں پھیریں گے بتلائیں کہ وہ عہد کہاں گیا اور اللہ کے عہد سے ضرور باز پرس ہوگی اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے موت کے ڈر سے ایسا کیا تو کہہ دیجیے کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگنا چاہتے ہو تو یہ بھاگنا تم کو ہرگز نفع نہیں دے گا موت کا وقت مقرر ہے پھر اگر بھاگ کر موت یا قتل سے فی الحال بچ بھی گئے تو نہ فائدہ پہنچائے جاؤ گے مگر تھوڑا زمانہ یعنی بقیہ عمر مقدر اس واسطے کہ آخر فنا ہے اور اگر ان کا گمان یہ ہے کہ ان کے قلعے اور محلات ان کے محافظ اور نگہبان ہیں تو اے نبی آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ بتلاؤ کہ کون ہے جو تم کو اللہ کی گرفت سے بچائے اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے یعنی وہ قادر مختار اگر تمہارے قتل کا یا شکست اور خواری کا ارادہ کرے تو کوئی قلعہ یا محل اس کو روک نہیں سکتا یا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کسی رحمت اور عنایت کا ارادہ فرماوے تو کون ہے جو اس کو روک دے اور سن لیں کہ نہیں پائیں گے یہ لوگ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست جو ان کو نفع پہنچائے اور نہ کوئی یار و مددگار جو ان سے ضرر کو دفع کر سکے اثنائے کلام میں مسئلہ قضاء و قدر کو ذکر فرمادیا اب آئندہ آیات میں پھر منافقین کے وساوس اور بزدلی کو ذکر کر کے ان کی تشنیع فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو دوسروں کو لڑائی میں جانے سے روکتے ہیں جو اپنے نسبی یا وطنی بھائیوں سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف نہ جاؤ بلکہ ہماری طرف آجاؤ سلامت رہو گے مسلمانوں کی طرف جا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور ان کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ نہیں آتے یہ منافق لڑائی میں مگر بہت تھوڑا کبھی کبھی دکھانے اور سنانے کے لیے آجاتے ہیں درآنحالیکہ یہ منافقین تمہاری جانی اور مالی مدد کرنے میں بڑے بخیل ہیں ان کے دل حرص اور طمع سے بھرے ہوئے ہیں کسی وقت اگر لڑائی میں شرکت کرتے ہیں تو اس طمع کی بنا پر شرکت کرتے ہیں کہ مال غنیمت کا ہم کو استحقاق ہو جائے پھر جب کبھی خوف کا موقع پیش آئے تو آپ ان کو اس

حالت میں دیکھیں گے کہ یہ لوگ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں ان کے گڑھوں میں حیرت اور دہشت سے ایسی چکراتی ہیں جیسے وہ شخص کہ جس پر موت کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی ہو تو اس کے ہوش وحواس جاتے رہتے ہیں اور اس کی نگاہ اُوپر کو چڑھ جاتی ہے پھر وہ پلک نہیں مار سکتا اسی طرح لڑائی کے وقت نامردوں کا حال ہوتا ہے کہ خوف کی وجہ سے ان کی آنکھیں اُوپر کو چڑھ جاتی ہیں پھر جب وہ خوف چلا جاتا ہے اور ڈر کا وقت نکل جاتا ہے اور امن ہو جاتا ہے تو تیز زبانوں سے تم پر زبان درازی کرتے ہیں اور درآنحالیکہ مال غنیمت کے بارہ میں سخت حریص ہوتے ہیں یعنی فتح کے بعد اپنی بہادری جتلاتے ہیں اور چڑھ چڑھ کے باتیں کرتے ہیں کہ ہماری پشت پناہی سے تم کو فتح حاصل ہوئی۔ لہٰذا مال غنیمت سے ہم کو بھی حصہ دو ان لوگوں کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں۔ پس اللہ نے ان کے اعمال کو ملیامیٹ کر دیا اور ان کا جہاد اور ان کا کوئی عمل اللہ کے یہاں مقبول نہیں اور یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے جس کو چاہے توفیق دے اور جس کو چاہے محروم کرے ان آیات میں منافقین کی تیز زبانی کو بیان کیا اب آئندہ آیات میں مزید ان کی بزدلی اور نامردی کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ ان کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ احزاب (کفار کی فوجیں) ناکام اور واپس جا چکی ہیں مگر یہ منافقین خوف اور دہشت کے مارے ابھی یہی گمان کیے ہوئے ہیں کہ وہ احزاب یعنی کافروں کی جماعتیں اور ان کی فوجیں واپس نہیں گئیں اور اگر بالفرض کافروں کی یہ فوجیں دوبارہ چڑھ آئیں تو یہ منافقین خوف کے مارے یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم مدینہ میں نہ رہیں بلکہ جنگل میں جا کر بدویوں کی طرح صحرا نشین ہو جائیں اور وہاں بیٹھے بیٹھے تمہاری خبریں پوچھتے رہیں اور بغیر اس کے کہ لڑائی اپنی آنکھوں سے دیکھیں دور بیٹھے بیٹھے ہی آنے جانے والوں سے مسلمانوں کا اور لڑائی کا حال پوچھ لیا کریں کہ کیسا ہے اور وہاں کیا ماجرا گذرا ہے اور اگر اتفاق سے یہ لوگ دیہات میں نہ جائیں بلکہ تمہارے ہی درمیان یعنی مدینہ ہی میں رہیں اور دشمنوں سے مقابلہ ہو تو نہ قتال کریں مگر بہت تھوڑا سا یعنی برائے نام جس سے یہ کہہ سکیں کہ ہم نے بھی شرکت کی۔

اب ان آیات میں منافقین کی بزدلی کو بیان کیا آگے بتلاتے ہیں کہ ہمت اور شجاعت رسول خدا کے اتباع سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول خدا کے اندر عمدہ نمونہ ہے کہ دیکھو رسول خدا ان سختیوں میں کیسے ثابت قدم رہے حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور خطرہ آپ ﷺ کو ہی تھا مگر ان سختیوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہے اہل ایمان کو چاہیے کہ آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلیں پس رسول خدا ﷺ ہی کی چال چلنی بہتر ہے اس شخص کے لیے کہ جو اللہ کے ثواب کی اُمید رکھتا ہو اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور اللہ کو بہت یاد رکھتا ہو یعنی اپنے خدا سے غافل نہ ہو تو ایسے شخص کو چاہیے کہ ہر معاملہ میں حضور پُرنُور کی ذات بابرکات کی پیروی کرے اور شدائد اور مصائب میں صبر اور استقامت سے کام لے تو ان شاء اللہ ضرور اس کو کامیابی ہوگی آخر دیکھو کہ آنحضرت ﷺ نے پیغام الٰہی کے پہنچانے میں مشرکین کی ایذاؤں پر کتنا صبر کیا اور پھر ہجرت کی خویش واقارب اور وطن سب کو چھوڑا اور پھر دشمنانِ خدا سے جہاد کیا اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کیں۔

اب آگے ان منافقین کے مقابلہ میں مؤمنین مخلصین کے صدق اور اخلاص کا ذکر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اہل اسلام کو یہ خبر دی تھی کہ احزاب یعنی کفار کے لشکر تم پر چڑھ کر آئیں گے جس سے تم پر کام سخت ہو جائے گا لیکن بالآخر تم ہی ان پر فتح پاؤ گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب مؤمنین مخلصین نے احزاب یعنی کفار کے لشکروں کو آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی شے ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور ان احزاب کے دیکھنے سے ان کے ایمان اور تسلیم میں اور ترقی

ہوگئی یعنی ان کا یقین بڑھ گیا اور فرمانبرداری اور جاں نثاری اور زیادہ ہوگئی اور کہنے لگے کہ یہ تو وہی بات ہے جس کی ہم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے پہلے ہی سے خبر دے دی تھی آج ہم نے اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا یہ حال دیکھ کر ان کا ایمان استدلالی ایمان شہودی اور عیانی بن گیا یہ تو عام مؤمنین مخلصین کا حال تھا آئندہ آیت میں بعض خاص الخاص مؤمنین صادقین کا حال ذکر کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں منجملہ ان مؤمنین مخلصین کے کچھ ایسے مردان خدا بھی ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھایا اس بات کو جس کا انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا جیسے انس بن النضر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء جو اتفاق سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے تو ان کو اس کا بہت افسوس ہوا کہ میں پہلے غزوہ میں لڑائی سے غائب رہا اور کہنے لگے کہ اگر خدا تعالیٰ نے پھر کافروں سے جہاد کا موقع دیا تو خدا دیکھ لے گا کہ میں اس کی راہ میں کیا کرتا ہوں پھر ان معاندین کی دو قسمیں ہوگئیں بعضے تو وہ ہیں کہ جو اپنی نذر کو پوری کر چکے اور خدا کی راہ میں ایسی جانبازی اور سرفروشی دکھلا کر شہید ہو گئے جیسے انس بن النضر اور مصعب بن عمیر اور حمزہ رضی اللہ عنہم یہ لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے عہد کی وفا کی اور اپنی نذر سے فارغ ہوئے اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ جو وقت کے منتظر ہیں جیسے عثمان اور طلحہ رضی اللہ عنہما کہ ابھی شہید نہیں ہوئے مگر شہادت کے مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرہ برابر اپنا عہد بدلا نہیں اپنے عہد پر قائم ہیں اپنی بات سے پھرے نہیں ان لوگوں نے اپنے عہد کو نہ توڑا اور نہ بدلا اہلِ صدق اور اہلِ وفا کا یہی حال ہوتا ہے بخلاف منافقین کے کہ وہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے۔ جیسا کہ منافقین کے بیان میں گذر چکا ہے۔ ﴿وَ لَقَدۡ کَانُوۡا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنۡ قَبۡلُ لَا یُوَلُّوۡنَ الۡاَدۡبَارَ﴾

اب آئندہ آیت میں اس غزوہ کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوہ منجانب اللہ ابتلاء اور امتحان تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مخبین صادقین کو ان کے صدق اور اخلاص کی جزاء دے اور منافقوں اور جھوٹوں کو عذاب دے اگر چاہے کہ وہ نفاق پر مریں یا ان کو توبہ کی توفیق دے اگر چاہے کہ ان کی مغفرت کرے یہ سب لوگ اللہ کی زیر مشیت ہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے کہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق عطا کر کے اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔

اب آگے اس غزوہ کے انجام اور آخری حالت کو بیان کرتے ہیں اور اس لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ بیس پچیس روز بعد ان تمام کافر جماعتوں کو جو مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے غیظ سمیت بے نیل مرام واپس کر دیا یعنی جس طرح غصہ میں بھرے ہوئے آئے تھے اسی طرح غصہ میں بھرے ہوئے ناکام واپس ہوگئے اور دل کی بھڑاس نہ نکال سکے اور کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکے اور اللہ تعالیٰ نے بادِ صبا اور فرشتوں کے ذریعہ اہل ایمان سے لڑائی کی کفایت فرمائی کہ بغیر لڑائی کے مسلمانوں کو فتح اور نصرت عطا کی اور بلا جنگ وجدال کے دشمنوں کو ان کے بلاد سے نکال باہر کیا اور اس آیت ﴿وَ کَفَی اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الۡقِتَالَ ؕ﴾ میں اشارہ اس طرف ہے کہ اب مسلمانوں اور قریش کے درمیان لڑائی ختم ہوئی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ احزاب کی واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((الآن نغزوهم وَلاَ يغزوننا))۔ (بخاری)

اب ہم مشرکین عرب پر چڑھ کر جائیں گے اور ان پر حملہ آور ہوں گے۔ اب آئندہ ان میں اتنی طاقت اور ہمت نہیں رہی کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ان پر چڑھ کر گئے اور مکہ فتح کیا اور اس طرح کافروں کی جماعتوں کو ہٹا دینے اور بھگا دینے کو عجیب نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ زور آور اور زبردست ہے اسے یہ کام کوئی دشوار نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حول اور قوت سے ان کو اس طرح خائب وخاسر پھیر دیا۔

# ذکر غزوۂ بنی قریظہ

یہاں تک احزاب مشرکین کا حال بیان ہوا اب آئندہ آیات میں دشمنانِ اسلام کے دوسرے گروہ یعنی یہود بنی قریظہ کا حال بیان کرتے ہیں جس کا مختصر حال یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ مدینہ کے قریب آباد تھے اور ان کا ایک مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیے ہوئے تھے جنگ احزاب کے موقع پر جب مشرکین عرب کے مختلف قبائل مدینہ پر چڑھ کر آئے تو یہود بنی قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی اور احزاب کی معاونت کی اور ان کے ساتھ مل گئے جب اللہ تعالیٰ نے بادصبا اور فرشتوں سے اہل اسلام کی مدد کی اور احزاب کفار سراسیمہ ہو کر بھاگ گئے تو یہود بنی قریظہ جو احزاب کی مدد کر رہے تھے وہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے ان کے بارہ میں اللہ کا حکم نازل ہوا کہ احزاب کے چلے جانے کے بعد ان کا محاصرہ کیا جائے آنحضرت ﷺ جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے اور ان کے چہرہ پر غبار کا اثر تھا فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے اور فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے اللہ کا حکم ہے کہ آپ ﷺ بنی قریظہ پر حملہ کریں اور مجھ کو یہ حکم ہے کہ میں جا کر ان کو متزلزل کروں اور ان کے دلوں میں رعب ڈالوں حضور پرنُور کی طرف سے فوراً منادی ہوگئی اسلامی لشکر نے پہنچ کر ان بدعہدوں کے قلعہ کا محاصرہ کیا چوبیس یا پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا جب محاصرہ کی تاب نہ لا سکے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجنے شروع کیے آخر میں بات یہ ٹھہری کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (جو جاہلیت میں ان کے حلیف تھے) ہمارے حق میں جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں اور زن وفرزند کنیز وغلام بنائے جائیں اور ان کے اموال اور جائیداد کے مسلمان مالک بنا دیئے جائیں اور کہا کہ وقت آ گیا ہے کہ میں اللہ کے حق میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کروں یہاں تک احزاب کفار کا حال اور مآل بیان کیا جو بالذات مدینہ پر حملہ آور ہوئے اس کے بعد بنی قریظہ کا حال بیان کرتے ہیں کہ جو حملہ آوروں کے معین اور مددگار رہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جن اہل کتاب نے احزاب کی مدد کی اور ان کے پشت پناہ بنے اور مسلمانوں سے جو عہد کیا تھا اس کو توڑا پچیس دن کے محاصرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتارا اور ان کے دلوں میں پیغمبر خدا اور لشکر اسلام کا خوف ڈال دیا باوجود یہ کہ ان کے لڑنے والے جوان آٹھ سو اور نو سو کے درمیان ہر طرح سے مسلح تھے مگر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے بعد جب ان کی مشکیں باندھی گئیں اور ان کی گردن زدنی کے لیے کھائیاں اور گڑھے کھودے گئے تو اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب بھر دیا کہ سرکشی کی مجال نہ ہوئی حالانکہ یہ مسلح جماعت ایک بڑا لشکر تھا لیکن رعب کی وجہ سے اپنے آپ کو اہل ایمان کے سپرد کرتے تھے پس اے مسلمانو! اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ تم ان میں سے ایک فریق کو قتل کرتے تھے اور ایک فریق کو قید کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان غداروں کی زمین کا اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا جس طرح چاہو ان میں تصرف کرو۔ چنانچہ ان کے سات سو جوان قتل کیے گئے اور بچے اور عورتیں قید کر کے غلام بنا لیے گئے اور ان کے کھیت اور باغات اور زمینیں اور قلعے سب مسلمانوں پر تقسیم کر دیئے گئے جس سے مسلمان آسودہ حال ہو گئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں تم کو ایسی زمین کا وارث بنا رکھا ہے جس کو تمہارے قدموں نے ابھی نہیں روندا ہے اس سے آئندہ فتوحات کی طرف اشارہ ہے کہ سرزمین قریظہ کے بعد اور زمینیں بھی فتح ہوں گی بعض سلف کے نزدیک اس دوسری زمین سے خیبر کی

زمین مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فارس اور روم کی زمین مراد ہے اور امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سب زمینیں مراد ہوں جو آئندہ چل کر فتح ہوئیں اور یہ قول بہت خوب ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو صدق اور اخلاص کے صلہ میں روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ صراحۃً اس کا ذکر ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور:۵۵) مفصل تفسیر سورۂ نور میں گذر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنے بے سروسامان محبین باوفا کو اپنے دشمنوں کی زمین کا وارث بنادے۔

| |
|---|
| يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ |
| اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو، اگر تم ہو چاہتیاں دنیا کا جینا اور |
| زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۲۸ وَ اِنْ |
| یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ دوں تم کو اور رخصت کروں بھلی طرح سے اور اگر |
| كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ |
| تم ہو چاہتیاں اللہ کو، اور اس کے رسول کو اور پچھلے گھر کو تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے ان کو |
| لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۲۹ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ |
| جو تم میں نیکی پر ہیں نیگ بڑا اے نبی کی عورتو! جو کوئی کر لاوے تم میں کام |
| بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ |
| بے حیائی کا صریح دونی ہو اس کو مار دوہری اور ہے یہ |
| عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۳۰ |
| اللہ پر آسان۔ |

## خطاب نصیحت مآب دربارۂ مطالبۂ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

### از زینت دنیا کہ ایں ہم نوع از ایذاء بود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ... الٰی ... وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۳۰﴾

**ربط**: گذشتہ آیات میں ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت اور مذمت کا ذکر تھا اور منافقوں کی ایذاؤں اور مطاعن کا ذکر اور جواب تھا۔

اب آئندہ آیات میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے جو ایک غیر اختیاری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی ایذاء اور تکلیف پہنچی اس کا ذکر فرماتے ہیں جو اس سورت کے اعظم مقاصد میں سے ہے اور وہ تکلیف یہ تھی کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کچھ مزید نان ونفقہ کا مطالبہ کیا سو یہ مطالبہ بھی ایک قسم کی ایذاء تھا اگرچہ ارادہ ایذاء کا نہ تھا مگر بہر حال یہ مطالبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی اور ناگواری کا باعث بنا اور یہ مطالبہ اگرچہ حقیقتاً ایذاء نہ تھا مگر بظاہر من وجہ ایذاء کے مشابہ تھا۔ (ماخوذ از تفسیر قرطبی [1] ص ۱۶۲ ج ۱۴)

قصہ یہ پیش آیا کہ غزوہ بنی قریظہ و بنی النضیر کے بعد جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور بمقتضائے محبت و ناز مزید نان ونفقہ اور زینت دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اور فی الجملہ متاع دُنیا کی خواہش کی اور اپنے نفقات میں کچھ زیادتی چاہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گذری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جو سامانِ دُنیا کا تقاضا کیا اگرچہ وہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا لیکن وہ بمقتضائے بشریت تھا اور ان کا دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز تھا اور ذرہ برابر اس میں آپ کی ایذاء کا تصور بھی نہ تھا اور جس دُنیاوی زینت کا مطالبہ کیا تھا وہ قدر ضرورت و راحت تھی معاذ اللہ! امیرانہ عیش و عشرت نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی ناگوار گذرا اور قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالا خانہ میں فروکش ہو گئے صحابہ رضی اللہ عنہم سخت مضطرب تھے خاص کر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا اور ان کو نصیحت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کریں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض معروض کی اور انس اور بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انقباض رفع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قدرے منشرح اور منبسط ہوئے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی [2] ص ۱۶۲ ج ۱۴، ص ۱۶۳ ج ۱۴ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۳ و تفسیر روح المعانی ص ۱۶۲ ج ۲۱)

اسی حال میں ایک ماہ گذرا ایک ماہ کے بعد یہ آیت یعنی ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ﴾ سے لے کر ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ نازل ہوئی جو آیت تخییر کے نام سے موسوم اور معروف ہے۔ اسی آیت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کر لیں اگر دُنیا کی زیب و زینت مرغوب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف طور پر کہہ دیجیے کہ میرا تمہارے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا آؤ میں تم کو کپڑا جوڑا دے کر (جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے) خوب صورتی سے رخصت کر دوں اور اگر تم کو

---

[1] قال الامام القرطبی قال علماء نا هذه الأية متصلة بمعنی ما تقدم من المنع من ایذاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان قد تاذی ببعض الزوجات قیل سالنه شیئا من عرض الدنیا وقیل زیادة فی النفقة وقیل آذینه بغیرة بعضهم علی بعض۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۶۲ ج ۱۴)

[2] قال الامام القرطبی رحمہ اللہ عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ قال دخل ابوبکر رضی اللہ عنہ یستاذن علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فوجد الناس جلوسا ببابه لم یؤذن لاحد منهم قال فاذن لابی بکر فدخل ثم جاء عمر فاستاذن فاذن له فوجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالسا حوله نساءه واجما ساکتا قال والله لا قولن شیئا اضحك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول الله لو رایت بنت خارجة سالتنی النفقة فقمت الیها فوجات عنقها فضحك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقال من حولی کما تری یسالننی النفقة فقام ابوبکر الی عائشة یجا عنقها وقام عمر الی حفصة یجا عنقها کلاهما یقول تسالن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مالیس عنده فقلن والله لا نسال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم شیئا ابدا لیس عنده ثم اعتزلهن شهرا و تسعا وعشرین ثم نزلت علیه هذه الأیة يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ حتی بلغ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا. (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۶۳ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۳)

وقال الالوسی اخرجه احمد ومسلم والنسائی وابن مردویه عن طریق ابی الزبیر عن جابر قال اقبل ابوبکر رضی اللہ عنہ والناس ببابه جلوس فلم یؤذن له ثم اذن لابی بکر وعمر رضی الله عنهما ... الی آخره۔ (روح المعانی ص ۱۶۲ ج ۲۱)

دارِ آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کی معیت اور فقر وفاقہ کی زندگی محبوب ہے تو ایسی صورت میں تم رسول کے ساتھ رہ سکتی ہو اور تم میں سے جو اس کے لیے تیار ہو اس کے لیے اللہ کے یہاں بڑا اجر عظیم تیار ہے۔

مقصود یہ تھا کہ جو عورتیں نبی کی زوجیت میں ہیں ان کا دل دُنیاوی زینت کی طرف توجہ اور التفات سے پاک ہو جائے نبی کا جوڑا وہی عورت ہو سکتی ہے جس کا دل دنیائے فانی کی محبت اور رغبت سے پاک ہو دُنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے اس لیے نبی کے گھر کے مناسب نہیں کہ جس کے دل میں دنیا کی محبت کا کوئی جز لایتجزی بھی موجود ہو وہ نبی کے ساتھ رہے دُنیا کی زینت سے محبت اللہ اور اس کے رسول سے بعد کا سبب ہے۔

سورت کے ابتدائی تین رکوع میں منافقین کی ایذاؤں کا ذکر تھا اور ان آیات میں محبین مخلصین کی طرف سے غیر اختیاری اور غیر شعوری پیش آمدہ ایذاء اور تکلیف کا ذکر ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جو زینت دُنیا کا کچھ مطالبہ کیا اگرچہ وہ حد ضرورت اور حد جواز میں تھا لیکن نبی اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے خاطر عاطر کے تکدر کا سبب بنا اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی فہمائش کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ نبی کی بیبیوں کے لیے دنیائے حلال کا تصور بھی حلال نہیں دارِ آخرت کے تصور کو آبِ طہور اور آبِ زلال جانیں اور زینت دُنیا کے تصور اور خیال سے آب زلال کو مکدر نہ کریں ان آیات کے نازل کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا دل زینت دُنیا کی محبت سے بالکلیہ پاک اور مطہر ہو جائے اور فقر وفاقہ کی محبت سے اُن کا دل معطر ہو جائے۔

جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا اور یہ آیتیں پڑھ کر ان کو سنائیں انہوں نے بلا کسی تردد اور تامل کے اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا جس سے آپ کا ملال جاتا رہا اور چہرہ پر بشاشت آ گئی اس کے بعد باقی ازواج نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی کہا اور سب نے دُنیا کی رغبت کا تصور ہی دل سے نکال ڈالا۔

**نکتہ**: دُنیا اور آخرت یہ دو سوکنیں ہیں اور ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک سوکن اگر راضی ہوتی ہے تو دوسری سوکن ناراض ہو جاتی ہے ایک دل میں دونوں کی محبت اور رغبت جمع نہیں ہو سکتی ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ اور ایمان جب ہی کامل ہوتا ہے کہ جب دل دُنیا کی محبت سے بالکلیہ پاک ہو جائے اور آخرت کی محبت سے لبریز ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ جن عورتوں کو امہات المؤمنین کا لقب عظیم عطا کیا جا رہا ہے ان کے دل زینت دُنیا کی محبت اور رغبت سے بالکل پاک اور صاف ہونے چاہئیں تا کہ وہ علی وجہ الکمال والتمام مؤمنین کاملین کی امہات اور نبی اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کہلا سکیں۔

**فائدہ**: ظاہر یہ ہے کہ یہ قصہ فتح خیبر کے بعد پیش آیا غالباً جس کی وجہ یہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کو ایک قسم کی مالی وسعت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں جو فتح خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی تھیں اور اس کے بعد آیت ﴿اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا﴾ میں فتح خیبر کی طرف اشارہ غایت درجہ لطف اور حسن رکھتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبیؐ! آپ اپنی بیبیوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دُنیاوی زندگی یعنی دنیا کا عیش و آرام اور اس کی آرائش چاہتی ہو جیسے لباس فاخرہ اور زیورات جو اللہ کے نبی کے پاس نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے اپنے نبی کو دُنیائے فانی کی زینت سے دور رکھا ہے ایسی حالت میں تمہارا اللہ کے نبی کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا تو آؤ میں تم کو کپڑوں کا جوڑا دے دوں جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے اور حسن اسلوب کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں پھر جہاں چاہو جا کر دنیا حاصل کر سکو میں تم کو ترک دُنیا کے صبر پر مجبور نہیں کرتا اور اگر تم اللہ کا قرب اور اس کی

رضا مندی اور دُنیا اور آخرت میں اس کے رسول کی معیت اور زوجیت اور دارِ آخرت کی نعمت اور کرامت چاہو تو یہ جب ہی ممکن ہے کہ رسول خدا کے ساتھ ترک دُنیا پر صبر کرو زبان پر کوئی حرف شکوہ اور مطالبہ کا نہ آنے پائے۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ تم میں سے نیک کام کرنے والی عورتوں کے لیے اجر عظیم مہیا فرماتا ہے اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ آخرت میں بھی حضور پُرنور ﷺ کی معیت اور مرافقت کی عزت و کرامت حاصل ہوگی نزول آیت کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کا حکم سنایا انہوں نے سنتے ہی اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا اور ان کے بعد تمام ازواج نے ایسا ہی کیا اور دل سے دُنیا کا خیال ہی نکال دیا اور ہمیشہ کے لیے فقر و فاقہ کو اپنا شعار بنا لیا اور اسی حالت میں آپ ﷺ کی زوجیت میں رہنا قبول کیا اور اس اختیار کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سب ہی محسنات ہیں جیسا کہ حسب ارشاد باری ﴿وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ﴾ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن طیبات ہیں مگر اللہ تعالیٰ صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تاکہ نڈر نہ ہو جائیں اور خاتمہ سے ڈرتے رہیں۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج نبی کو محسنہ رہنے کی ترغیب دی تاکہ طاعت الٰہی میں بتمام وکمال کوشاں رہیں۔ جیسا کہ آیت میں ان کو معصیت سے خوف دلایا ہے تاکہ معصیت سے اجتناب میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔

**فائدہ:** ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے جو اجر عظیم کا ارادہ کر رکھا ہے اس کا ظہور اور وقوع تمہارے ارادہ اور نیت پر موقوف ہے کہ اگر تم دل سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا ارادہ اور نیت کر لو اور بجائے دنیا کے آخرت کو اپنا مطلوب بنا لو تو ہم نے تمہارے لیے بڑی بڑی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔

## خطاب تکریم وتشریف بہ ضمن تنبیہ وتخویف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں حضور پُرنور ﷺ کے واسطہ سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو یہ حکم دیا گیا کہ نبی کی بیبیوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ زینت دُنیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں اور جو عورتیں اللہ اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو اختیار کریں ان کے لیے اجر عظیم اور درجات عالیہ اور مراتب فائقہ کا وعدہ فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں حق جل شانہ خود ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب فرماتے ہیں اور آئندہ معصیت پر تنبیہ اور تخویف فرماتے ہیں کہ جس قدر مراتب بلند ہوتے ہیں اسی قدر خطر بھی عظیم ہوتا ہے جیسا کہ مکہ معظّمہ میں نیکی کا اجر زیادہ ہے اسی قدر بدی کا گناہ بھی زیادہ ہے اس [1] لیے اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی بزرگی ظاہر کرنے کے لیے اور تمام جہاں کی عورتوں پر ان کی فضیلت اور خصوصیت ظاہر کرنے کے لیے یہ آیتیں ان کی کرامت میں نازل فرمائیں اور براہ راست ان کو مخاطب بنایا اور فرمایا اے نبی کی عورتو! تمہارا مقام جہان کی سب عورتوں سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ تم ایسے نبی کی عورتیں ہو جو تمام اوّلین اور آخرین سے افضل اور اکمل ہے۔ لہٰذا تم میں سے بالفرض اگر کوئی عورت معصیت ظاہرہ اور کھلی بے حیائی کو عمل میں لاوے گی جو رسول

---

[1] دیکھو صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۷۶ ج ۳

کی ایذاء کا خاص طور پر باعث بنے تو اس عورت کو بہ نسبت دوسری عورتوں کے دوچند اور دوہرا عذاب دیا جائے گا کیونکہ نبی کی بیبیوں سے گناہ کا سرزد ہونا بہت ہی برا ہے اور دوہرا گناہ ہے ایک خدا کا گناہ دوسرے نبی کی دل آزاری اور حق صحبت میں کوتاہی۔

**فائدہ:** "فاحشہ مبینہ" کے معنی صریح بدکاری کے ہیں صریح کی قید اس لیے لگائی کہ بعض کام بظاہر برے ہوتے ہیں مگر ان کی برائی صریح اور ظاہر نہیں ہوتی تو ان کے ارتکاب پر یہ سزا نہ ہوگی۔ صریح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں اس کی بُرائی مذکور نہ ہو اور نہ صریح عقل سے اس کا برا ہونا ثابت ہو اور یہ دوہری سزا دینا اللہ پر بہت آسان ہے تمہاری عزت و کرامت اور نسبت زوجیت اور نساء النبی رضی اللہ عنہن ہونا اللہ کو سزا دینے سے روک نہیں سکتی بلکہ یہ شرافت اور کرامت مزید سزا کا سبب ہے جیسے عالم بوجہ علم کے معصیت پر دوہری سزا کا مستحق ہے۔

**فائدہ ①:** ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو یہ خطاب بطور شرط ہے جس کے لیے وقوع ضروری نہیں اور شرط کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر تم سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو جو سزا اوروں کو ملتی تم کو اس سے دوگنی سزا ملے گی جس سے مقصود محض تخویف اور تنبیہ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیا ہے ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر: ۶۵) یعنی اگر بالفرض والتقدیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک سرزد ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال حبط کر لیے جائیں گے اگرچہ پیغمبر خدا سے شرک کا سرزد ہونا محال ہے مقصود دوسروں کو سنانا ہے تاکہ شرک کی قباحت اور شناعت ان پر ظاہر ہو جائے۔

**فائدہ ②:** ان تمام آیات سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ ان سے کبھی کوئی معصیت قبیحہ سرزد نہیں ہوگی اور یہ عورتیں محسنات اور مخلصات ہیں اور امہات المؤمنین ہیں اور نبی کی وفات کے بعد ان سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

**فائدہ ③:** ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن باجماع صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم دُنیا اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں خصوصاً حضرت علی اور حضرت عمار اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہم نے صحابہ وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دُنیا اور آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ لہٰذا کسی اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا زوجۂ رسول ہونا فقط دُنیا تک محدود ہے صریح گمراہی ہے اور کسی رافضی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تھی یہ کفر بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی ہے۔ ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ (آل عمران: ۶۱)

**الحمدللہ!** آج بتاریخ ۸ شوال المکرم ۱۳۹۲ یوم چہار شنبہ ظہر اور عصر کے درمیان اکیسویں پارہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا
اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور کرے کام نیک دیں ہم اس کو اس کا نیگ
مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ
دوبار، اور رکھی ہے ہم نے اس واسطے روزی عزت کی اے نبی کی عورتو! تم نہیں ہو جیسے ہر
مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ
کوئی عورتیں، اگر تم ڈر رکھو، سو تم دب کر نہ کہو بات پھر لالچ کرے کوئی جس کے
قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ ۚ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا
دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول۔ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ
تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ
پھرو، جیسا دکھانا دستور تھا پہلے وقت نادانی کے اور کھڑی رکھو نماز، اور دیتی رہو زکوٰۃ اور
اَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ
اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں۔
اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ ۚ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ
اس گھر والو، اور ستھرا کرے تم کو ایک ستھرائی سے۔ اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں
مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ع ۱۷
اللہ کی باتیں اور عقلمندی، مقرر اللہ ہے بھید جانتا خبردار۔

## فضائل وخصائص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ... الٰی ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں اگرچہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی تنبیہ اور تادیب کا ذکر تھا لیکن وہ تنبیہ وتادیب بھی ان کے شرف اور امتیاز کو متضمن تھی اس لیے کہ فاحشہ کے ارتکاب پر دوہرے عذاب کی دھمکی بھی ان کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے تھی اور اسی شرف کی وجہ سے

خطاب صراحۃً خود ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو تھا۔ اب آئندہ آیات میں بھی صراحۃً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب کر کے ان کے مزید شرف اور امتیاز کو بیان کرتے ہیں تاکہ پہلے سے زیادہ اتقیاد اور پرہیز گاری اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور زہد اور قناعت پر اور دُنیا سے بیزاری بلکہ دست برداری اور دار آخرت کے اختیار اور اس کی تیاری پر خوب مستحکم ہوجائیں۔ اور ان کے دل دُنیا کی حرص اور طمع سے بالکلیہ پاک اور صاف ہوجائیں اور ان خداداد فضائل و خصائص پر حق تعالیٰ کا شکر بھی کریں۔ اور فخر بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دُنیا کی تمام عورتوں پر شرف اور فضیلت بخشی اور ان سے دوہرے اجر کا وعدہ فرمایا۔ اور ان کی تطہیر اور تزکیہ کا ارادہ فرمایا۔

(نیز) گزشتہ آیات میں جو تخییر کا مضمون تھا ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب تھا کہ آپ اپنی بیبیوں سے یہ کہہ دیں کہ تم کو اختیار ہے کہ دُنیا کو اختیار کرو یا آخرت کو۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ کی طرف سے خود ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب ہے جو ان کے شرف اور کرامت کی واضح دلیل ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے فقر و فاقہ کے ساتھ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کو اختیار کیا اور دار آخرت کو دارِ دُنیا کے مقابلہ میں ترجیح دی اس لیے حق جل شانہٗ آئندہ آیات میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم نبی کی بیبیاں ہو اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبودیت اور تقویٰ اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں تم کو سب سے آگے ہونا چاہیے اور زمانہ جاہلیت کی بُری عادتوں سے تم کو انتہائی دور رہنا چاہیے تم طیبات اور مطہرات ہو تمہارے گھروں میں اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے اور ملائکہ کا نزول ہوتا رہتا ہے تمہارے گھرانے قدسیوں کی بازگشت ہیں طبقہ نسواں میں تم سے زیادہ بزرگ کوئی طبقہ نہیں لہٰذا تم کو چاہیے کہ اپنے گھروں سے قدم باہر نہ نکالو۔ مبادا شیاطین الانس والجن کا کوئی تیر نظر تمہارے لباس تقویٰ و طہارت کو نہ آ لگے اور گھر سے باہر نکل کر کسی گندگی اور پلیدی کا کوئی چھینٹا تم کو نہ لگ جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبیؐ کی عورتو! تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور خشوع و خضوع کے ساتھ ہمیشہ اطاعت اور فرمانبرداری میں لگی رہے اور نیک کام کرتی رہے تو ہم اس کو اس کے نیک کاموں کا دوہرا اجر دیں گے ایک اجر طاعت اور عمل صالح پر اور ایک اجر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تطییب خاطر پر اور اس کے علاوہ ہم نے اس کے لیے جنت میں عزت کی روزی بطور ذخیرہ تیار کر رکھی ہے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن چونکہ دُنیا میں رزق دنیوی سے دستبردار ہوئیں اور دُنیا کے مقابلہ میں دارِ آخرت کو اختیار کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں رزق کریم کا وعدہ فرمایا جو ان کے لیے بطور ذخیرہ وہاں محفوظ ہے۔ اے نبیؐ کی بیبیو! تم اور عورتوں جیسی نہیں تمہاری شان تمام عورتوں سے ممتاز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لیے منتخب فرمایا۔ دُنیا اور آخرت میں تم اس رسول کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہو اور تم کو اُمہات المؤمنین بنایا۔ دُنیا کی کوئی عورت اس فضیلت اور منزلت میں تمہاری شریک اور سہیم نہیں مگر اس فضیلت کے لیے شرط یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرتی رہو۔ بارگاہِ خداوندی میں فضیلت و کرامت کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) محض اللہ کے نبی کی زوجیت اور اس سے اتصال ضروری نہیں جب تک تقویٰ اور پرہیز گاری اس کے ساتھ مقرون نہ ہو۔

ع زہد و تقوی فضل را محراب شد

**فائدہ:** یہ کلام تعلیقی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن متقی نہ تھیں تعلیقی کلام وقوع اور عدم وقوع پر دلالت نہیں کرتا اس شرط سے فقط یہ بتلانا مقصود ہے کہ رسول خدا سے فقط علاقہ زوجیت اور محض اتصال ظاہری فضیلت اور شرف کے لیے

کافی نہیں جب تک کہ ورع اور تقویٰ اس کے ساتھ مقرون نہ ہو اور واقعات اور حالات سے اور کتاب وسنت کی شہادت سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ الحمد للہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن از اوّل تا آخر تمام زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم رہیں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اور اسی وجہ سے یہ حکم نازل ہوا ﴿ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ﴾ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن دُنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں مخالفین اسلام نے بڑی کوشش کی مگر کوئی خفیف سے خفیف واقعہ بھی ایسا نہ بتا سکے جس سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی جو ان آیات میں مذکور ہے۔

اب آئندہ آیات میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو کچھ آداب کی تلقین فرماتے ہیں جو ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری میں معین اور مددگار بلکہ اس کے محافظ اور نگہبان ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس اے پیغمبر کی عورتو! اگر تم اپنے خداداد تقویٰ اور طہارت کی حفاظت چاہتی ہو تو نامحرم مردوں سے بات کرنے میں نرمی نہ کرنا مبادا وہ شخص جس کے دل میں نفسانیت کی کوئی بیماری یا روگ ہے وہ تمہاری نرم اور نازک گفتگو سے تمہارے اندر کو طمع لگا بیٹھے۔ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نزاکت رکھی ہے۔ پس کسی عورت کا کسی غیر مرد سے نرم گفتگو کرنا مقدمہ زنا کا ہے جو تقویٰ اور طہارت اور عفت اور عصمت کے لیے نقصان دہ اور مضرت رساں ہے جس کے دل میں شہوت کی بیماری ہوتی ہے وہ نرم اور نازک گفتگو سے عورت میں طمع کرنے لگتا ہے جس سے فساد عظیم کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس اے نبی کی عورتو! تم اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اس بارہ میں بہت زیادہ احتیاط برتو اور اس طرح بات نہ کرو کہ جس سے کوئی نفس پرست تمہارے اندر طمع کرنے لگے اور اگر کسی ضرورت کی بنا پر کسی سے بات کرنی پڑے تو سیدھی سیدھی بات کرو یعنی ایسے انداز اور ایسے لب ولہجہ میں بات کرو جس میں قدرے سختی اور درشتی اور روکھا پن ہو تاکہ بات سننے والا تمہارے اندر کوئی طمع نہ لگا سکے اور یہ بداخلاقی نہیں بلکہ اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت ہے۔ بداخلاقی وہ ہے جو دوسرے کی دل آزاری اور ایذاء کا سبب بنے اور عصمت وناموس کی حفاظت کا بہترین طریقہ ہے کہ اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا اور وہ بھی بلا پردہ اور بلا نقاب کے شریعت میں قطعاً ممنوع ہے بلا پردہ اور بلا نقاب عورت کا گھر سے باہر نکلنا شہوانی اور نفسانی لوگوں کی سوئی ہوئی طمع کو جگاتا ہے شریعت مطہرہ یہ چاہتی ہے کہ بدمعاشوں کی ناپاک نظروں سے عورت کے چہرہ کی حفاظت کی جائے اس لیے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ بلا ضرورت شدیدہ گھر سے باہر نہ نکلیں اور اسی مصلحت کی بنا پر دوسرے مواقع میں بھی عورتوں کے لیے یہی حکم دیا گیا:

﴿ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ﴾ (طلاق:۱)

یعنی عورتوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دو تاکہ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

﴿ وَ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ ﴾ (النساء:۱۵)

یعنی جو عورتیں بے حیائی کی مرتکب ہوں تو ان کو گھروں میں روک کر رکھو کیونکہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شہوت پرستوں کے دل اس کے طمع میں پڑ جاتے ہیں ﴿ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ﴾ اور موجودہ قانون بھی یہی ہے کہ جو چیزیں قانوناً ممنوع اور جرم ہیں ان کے وسائل وذرائع بھی قانوناً ممنوع اور جرم ہیں کیونکہ وہ جرم میں معین ہیں جیسے کسی کو ڈرانا اور دھمکانا اور کوٹھڑی میں بند کرنا اور کسی قاتل کو تلوار اور پستول لاکر دینا اسی طرح قانون شریعت میں زنا کے ذرائع اور وسائل بھی ممنوع اور حرام ہیں مثلاً نامحرم کو دیکھنا اور اس سے

باتیں کرنا یا اس کی باتیں سننا۔

کما قال اللہ تعالیٰ : ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:۳۶)

غرض یہ کہ عورتوں کا اپنے گھروں میں قرار پکڑنا بدباطنوں کی طمع سے حفاظت کا پورا سامان ہے اسی لیے اب اس حکم کی تاکید کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق تم اپنی زیب وزینت دکھاتی نہ پھرو۔ زمانہ جاہلیت کی عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں اور اپنے حسن و جمال اور زیب وزینت اور آرائش وزیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ شریعت مقدسہ نے اس بے حیائی کو تمام عورتوں کے لیے عموماً اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے خصوصاً خاص طور پر حرام اور ممنوع قرار دیا کیونکہ عورتوں کا اظہار تجمل بلاشبہ اہلِ شہوت کی طمع کا سبب ہے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں مزید ایذاء پیغمبر کا بھی سبب ہے۔

جاننا چاہیے کہ ان آیات کا نزول اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارہ میں ہوا مگر حکم عام ہے ان آیات کا تمام سیاق وسباق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی فضیلت کے بیان میں ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان اور عورتوں جیسی نہیں وہ نبی کی بیبیاں ہیں اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ہیں وہ اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں تو ان کو دوہرا اجر ہے اور اگر معصیت کریں تو دوہرا عذاب ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اطاعت خدا اور رسول اور تقویٰ اور اعمال صالحہ کی بجا آوری صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح سمجھو کہ ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اور ﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ میں اگرچہ خطاب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہے لیکن قرار فی البیوت کا حکم اور تبرج جاہلیت کی ممانعت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام مؤمنات کے لیے ہے اور بلاضرورت گھروں سے باہر نکلنا اور اپنی زینت اور حسن و جمال کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا اور کھلے منہ باہر پھرنا اور غیروں سے کلام کرنا بلاشبہ ہر مسلمان عورت پر حرام ہے اس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ ہر ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ ایسا خروج جس میں زینت کا اظہار ہو اور غیر مردوں سے فقط کلام ہی نہ ہو بلکہ ہنسی اور دل لگی بھی ہو بلاشبہ موجب فتنہ ہے اور زنا کا مقدمہ ہے جس میں کسی عقل کے اندھے کو بھی شبہ نہیں اس فتنہ کا انسداد بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ عورتیں اپنے گھروں ہی میں رہیں اور بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں اور اگر شدید ضرورت کی بناء پر باہر نکلیں تو بغیر زینت کے اپنے تمام بدن کو ڈھک کر اور میلے کچیلے کپڑوں میں نکلیں اور سڑک کے کنارے کنارے مردوں سے الگ تھلگ ہو کر چلیں۔ عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی یہ تمام قیود احادیث سے ثابت ہیں۔

یہاں تک جو احکام بیان کیے گئے وہ عفت اور عصمت کے متعلق تھے جن سے بے حیائی کی روک تھام اور زنا ظاہری اور باطنی کی بندش مقصود تھی کیونکہ نفس کی طمع یہ باطنی زنا ہے اب آئندہ آیات میں دوسرے احکام عام کی ہدایت فرماتے ہیں اور اے نبی کی بیبیو! تم نماز کو ٹھیک قائم رکھو اور اس کی پابندر کھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتی رہو جس درجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گی اس درجہ کی تم کو طہارت حاصل ہوگی جس کا آئندہ آیت میں ذکر آتا ہے۔ اے نبی کے گھر والو! جان لو کہ بس اللہ ان احکام اور ہدایت سے یہی چاہتا ہے کہ ظاہری اور باطنی گندگی کو تم سے خاص طور پر دور کردے تا کہ تمہارا لباس تقویٰ میلا اور خراب نہ ہو اور تم کو خوب پاک اور ستھرا کردے کہ معصیت کے میل وکچیل کا نام ونشان بھی نہ رہے اور یہ تطہیر تم کو جب حاصل ہوگی جب تم ہمارے ان احکام اور ہدایت پر عمل کرو گے۔ اس آیت میں اذہاب رجس سے اور تطہیر سے تزکیۂ باطن مراد ہے جو ولایت کا اعلیٰ ترین مقام ہے عصمت

کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ عصمت سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے کسی کو حاصل نہیں۔

پس جس طرح ان آیات میں اگرچہ خطاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہے مگر اقامۃ صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور اطاعت رسول کا حکم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عامۂ مؤمنات و مسلمات پر یہ تینوں حکم فرض اور لازم ہیں اسی طرح قرار فی البیوت اور ترک تبرج کا حکم بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام مؤمنات و مسلمات اس حکم کی مکلف اور پابند ہیں چونکہ حق جل شانہٗ کا ارادہ یہ ہے کہ نبی کے گھرانہ کو فواحش اور منکرات سے بالکلیہ پاک کردے اس لیے ان آیات میں خاص طور پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب فرمایا کہ تمہاری شان عام مؤمنات جیسی نہیں اس لیے تم کو اطاعت خدا اور رسول اور تقویٰ و طہارت میں سب سے آگے ہونا چاہیے تاکہ تمہارے لباس تقویٰ و طہارت پر اور تمہاری چادر عصمت و نزاہت پر کسی فاحشہ کا میل و کچیل اور گرد و غبار بھی نہ لگنے پائے تم دُنیا کی عورتوں کے لیے مثال اور نمونہ ہو۔ لہٰذا تم سب کو کامل اور اکمل ہونا چاہیے۔ پھر دیکھو کہ اسی سورت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو اور تمام مسلمان عورتوں کو منہ ڈھکنے کا حکم دیا ہے۔

پس اسی طرح سمجھو کہ قرار فی البیوت فقط ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی پر فرض نہیں بلکہ تمام مؤمنات اور مسلمات پر فرض ہے اور تبرج جاہلیت تمام مسلمان عورتوں کے حق میں حرام ہے۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ ان آیات میں جس قدر بھی احکام مذکور ہیں وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام عورتوں کے لیے عام ہیں البتہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ان کی خصوصیت کی وجہ سے سب سے زیادہ موکد اور مہتم بالشان ہیں جیسے عالم دین پر بہ نسبت جاہل کے احکام شریعت کی پابندی زیادہ لازم ہے اس طرح ان احکام کی پابندی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے تمام عورتوں سے زیادہ لازم اور موکد ہے اس لیے کہ وہ اہل بیت نبی ہیں اور اُمہات المؤمنین ہیں اس لیے ان کا فریضہ اور ذمہ داری تمام عورتوں سے بڑھ کر ہے اور یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ یہ احکام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جب علت عام ہے تو لامحالہ حکم بھی عام ہوگا کیا کوئی ادنیٰ عقل والا اس کے کہنے کی جرات کرسکتا ہے کہ آیت مذکور میں تبرج جاہلیت تک بے حیائی کی روک تھام کے لیے جو تین حکم دیئے گئے ہیں وہ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان دلدادگانِ مغربیت کے لیے اور ان کی بیگمات کے لیے ہر بے حیائی جائز ہے اور نماز اور زکوٰۃ اور اطاعت خدا اور رسول اور تقویٰ اور اعمالِ صالحہ میں سے کوئی چیز ان پر فرض نہیں اس لیے کہ ان آیات میں تمام خطابات صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہیں۔

غرض یہ کہ جو احکامات ان آیات میں مذکور ہیں وہ کسی کے ساتھ مخصوص نہیں سب مسلمان عورتوں کے لیے ہیں البتہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ان کے تقدس اور طہارت اور علو مرتبت کی وجہ سے ان احکام کی پابندی سب سے زیادہ ان پر ضروری ہے اور لازم ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ قرار فی البیوت تمام مسلمان عورتوں پر فرض اور لازم ہے اور بلا ضرورت منہ کھولے گھر سے باہر نکلنا بلا شبہ موجب معصیت اور محل فتنہ و فساد ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفها الشيطان)) یعنی عورت سراپا ستر ہے جس کا مستور رکھنا واجب ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے سر اٹھا کر دیکھتا ہے اور اس کی تاک میں لگ جاتا ہے پھر کراتا جو کراتا ہے یہی

وجہ ہے کہ جن ممالک میں پردہ نہیں اور مرد وزن کے اختلاط میں وہاں کوئی رکاوٹ نہیں وہاں زنا کا بازار گرم ہے اور نصف سے زیادہ آبادی غیر ثابت النسب ہے اور انہی اولاد الزنا کی اکثریت اور جمہوریت ہے جہاں زنا کو آزادی حاصل ہے اور نکاح پر پابندی ہے۔

پس ہماری اس تقریر سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ جو شرفاء ہند میں پردہ رائج ہے وہ بلاشبہ پردہ شرعی ہے جو قرآن اور حدیث سے قطعی طور پر ثابت ہے معاذ اللہ پردہ مروجہ کوئی قومی رسم نہیں جیسا کہ آزاد منشوں کا خیال ہے یہ لوگ جو پردہ کے مخالف ہیں۔ زنا کے مخالف نہیں گویا پردہ تو ان کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے۔ اور زنا ان کے نزدیک جائز اور حلال ہے: (( اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ )) . اور اے نبی کے گھر والو! چونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر تمہاری تطہیر اور تنویر کا ارادہ کیا ہے تو اس طہارت کی تحصیل اور تکمیل کا طریقہ یہ ہے کہ تم یاد کیا کرو اللہ کی آیتوں کو اور حکمت کی باتوں کو جو دن رات تمہارے گھروں اور حجروں میں پڑھی جاتی ہیں جو فلاح دارین کا ذریعہ ہیں ان کو فراموش نہ کرنا اور ان پر عمل سے غفلت نہ برتنا اور شکر کرو کہ تمہارے حجرے اور تمہارے گھر آیاتِ الٰہیہ اور حکمتِ نبویہ کے انوار سے منور اور روشن ہیں یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ تمہارے گھرانوں میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے (( رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ )) اور یہ چیز تمہارے باطن کی تطہیر اور تنویر میں اور اذہاب رجس یعنی باطنی گندگی کے دور کرنے میں غایت درجہ معین اور مددگار ہے بلکہ تریاق اور اکسیر ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اہل بیت نبوت کو طہارت کاملہ عطا کرے اس لیے ان کو زینت دُنیا اور آرائش دُنیا کی رغبت اور میلان سے پاک کر دیا کیونکہ زینتِ دُنیا کی رغبت یہ بھی ایک قسم کا رجس اور ایک نوع کی نجاست ہے تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے اس کا لطف اور اس کی عنایت تمہارے ساتھ ہے اور وہ بڑا خبردار ہے وہ چاہتا ہے کہ نبی کا گھرانہ ہر قسم کی گندگی اور پلیدی سے پاک ہو جائے۔

## لطائف ومعارف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ﴾

جاننا چاہیے کہ جس طرح عورتوں کو دیکھنے اور ان کی طرف آنکھ اٹھانے سے مردوں کے دل میں ان کا عشق اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح عورتوں کے مردوں کو دیکھنے سے ان کے دل میں مرد کا عشق اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ دیکھنا ہی ناجائز تعلق اور ناجائز طریقہ سے قضاء شہوات کا ذریعہ بن جاتا ہے اور بالفاظ دیگر نگاہ زنا کا دروازہ ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں اور تمام حکماء کی حکمتیں اور تمام اہل غیرت کی غیور طبیعتیں زنا کے ناجائز اور قبیح اور شنیع ہونے پر متفق ہیں۔ پس حکمت اور غیرت اس امر کی مقتضی ہے کہ زنا کا دروازہ بند کیا جائے۔ شریعتِ مطہرہ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ اس دروازہ کو ایسا بند کیا کہ کوئی سوراخ ایسا باقی نہ چھوڑا جس سے زنا کا جھانکنا ہی ممکن ہو سکے۔ شریعتِ مطہرہ نے اس ناپاک اور گندہ اور پلید فتنہ کی بندش کے لیے احکام صادر کیے۔

① ایک حکم تو یہ دیا ہے کہ عورتیں بلا شدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں جیسا کہ آیت ﴿ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ خاص اسی بارہ میں نازل ہوئی کہ عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑیں حتیٰ کہ نماز بھی اپنے گھر ہی میں پڑھیں عورت کا گھر میں نماز پڑھنا بہ نسبت مسجد کے زیادہ فضیلت رکھتا ہے پھر یہ کہ اگر عورت کسی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر گھر سے باہر نکلے تو برقعہ یا چادر میں بدن چھپا کر نکلے۔

② دوسرا حکم یہ دیا کہ مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت مرد کو نہ دیکھے جیسا کہ سورۂ نور کے ایک رکوع میں تفصیل کے ساتھ یہ احکام گذرے ہیں سورۂ نور کی اس آیت ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (النور:۳۰) میں مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا اور اس کے بعد والی آیت ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ (النور:۳۱) میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا کہ ایک اجنبی مرد یا عورت دوسرے اجنبی مرد یا عورت کو نہ دیکھے اس لیے کہ یہ دیکھنا ہی فتنہ کا سبب ہے بلا تفریق تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اصل محل فتنہ یہ چہرہ ہی ہے۔ جس کے دیکھنے سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں اور مرد اور عورت کی عفت اور عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

③ تیسرا حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اپنی زینت ظاہرہ یعنی چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ اپنے تمام بدن کو ہر وقت مستور اور پوشیدہ رکھے کیونکہ چہرہ اور ہاتھوں کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا عادۃً ناممکن ہے گھر کے کام کاج بغیر منہ کھولے اور ہاتھ چلائے ممکن نہیں اور پھر اسی کے متصل دوسری آیت یعنی ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ ... الی اخرہ﴾ میں اس کی تصریح کر دی کہ عورت کو اپنی یہ زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سر بازار چہرہ کھول کر اپنا حسن و جمال دکھلاتی پھرے حسن و جمال کا تمام دارومدار چہرہ ہے اور اصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لیے شریعتِ مطہرہ نے زنا کا دروازہ بند کرنے کے لیے نامحرم کے سامنے چہرہ کو کھولنا حرام قرار دیا البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے۔ اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرستوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جن محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدانخواستہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بدچلن ہو تو اس کے سامنے آنا جائز نہیں فتنہ کے خوف سے بھی محرم سے پردہ واجب ہو جاتا ہے اس لیے زنا سے حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی پردہ ہے۔

④ چوتھا حکم شریعت نے یہ دیا کہ اگر کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو پردہ کے پیچھے سے اس سے بات کر سکتی ہے نامحرم کے روبرو آنا ناجائز اور حرام ہے۔ جیسا کہ اسی سورت میں چند رکوع بعد یہ حکم آیا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾

⑤ پانچواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اگر ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلے تو موٹے کپڑے کا برقعہ اوڑھ کر یا موٹی چادر میں لپٹ کر نکلے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ باریک برقعہ یا باریک چادر میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں اور شریعت نے عورت کو گھر سے باہر جانے کی اجازت کے لیے دوسری شرط یہ لگائی کہ عمدہ کپڑوں میں نہ نکلے اور عطر اور خوشبو لگا کر نہ نکلے اور تیسری شرط یہ لگائی کہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہ نکلے اور چوتھی شرط یہ لگائی کہ عورت سڑک کے کنارے کنارے چلے عورت کو درمیان سڑک چلنے کا نہ حق ہے اور نہ اجازت۔ یہ طبرانی کی ایک

حدیث کا مضمون ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

⑥ چھٹا حکم شریعت نے یہ دیا کہ کوئی مرد کسی کے گھر میں نہ جھانکے اور کوئی شخص کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو۔

⑦ ساتواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اجنبی جوان عورت کو سلام کرنا بھی ناجائز ہے اور اس سے مصافحہ کرنا تو سلام کرنے سے بھی بڑھ کر حرام ہے۔

⑧ آٹھواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت کے گھر میں بغیر شوہر کے اور بغیر محرم کے رات نہ گزارے۔

⑨ نواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ شوہر کی عدم موجودگی میں کسی کے گھر میں جا کر عورت سے بات نہ کرو

⑩ دسواں حکم شریعت نے یہ دیا۔

((عن الحسن مرسلاً قال بلغني ان رسول الله ﷺ قال لعن الله الناظر والمنظور اليه)).

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

"حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اجنبی (عورتوں کے یا اجنبی مردوں کے) دیکھنے والے (اور دیکھنے والی) پر اور جس کی طرف دیکھا گیا (خواہ وہ مرد ہو یا عورت)۔"

غرض یہ کہ شریعتِ مطہرہ نے جو پردہ کا حکم دیا ہے وہ عورت کے لیے قید و بند نہیں بلکہ ناپاک نظروں اور گندی نگاہوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے کہ عورت کا چہرہ بدکاروں کی ناپاک نظروں سے محفوظ رہے پردہ عورت کی عفت اور عصمت اور آبرو کا محافظ اور نگہبان ہے جس سے اس کی پاکدامنی اور آبرو پر حرف نہیں آ سکتا پردہ عورت کے حسب نسب کا محافظ ہے بے پردہ عورت اور اس کی اولاد مشکوک ہے پردہ والی عورت کے خاوند کو اپنے بچہ کے نسب میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ پردہ والی عورت کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے شوہر یقین کرتا ہے کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور بے پردہ والی عورت کا شوہر یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مولود میرا ہی بچہ ہے اور میرا ہی بیٹا ہے اور اس بے پردگی کی وجہ سے یورپ کے اکثر باشندے کسی کو یقینی طور پر اپنا بیٹا نہیں کہہ سکتے انگلستان کی ایک شریف عورت نے بصد حسرت و ندامت اپنے ملک کی عورتوں کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ "المنار" میں شائع ہوا جس میں یہ تھا کہ انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت اور عصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے دامن عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم اور حیاء نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے ان کو اس قابل نہیں رہنے دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے ہمیں سرزمین مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقویٰ کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیر فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آ رہا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ رکھا جائے۔ (انگلستان کی عورت کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)

نیز جس طرح زنا تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام علماء اور تمام عقلاء کے نزدیک ایک نہایت شنیع اور قبیح خصلت ہے اسی طرح دیوثیت بھی ایک نہایت شرمناک خصلت ہے اور زنا سے بڑھ کر قبیح ہے پس مخالفین پردہ کے نزدیک جب ان کی بیوی اور بیٹی کا دوسروں کے ساتھ پھرنا جائز ہو گیا تو گویا ان کے نزدیک دیوثیت بھی جائز ہو گئی کہ باوجود اس علم اور خبر کے ان کی رگ حمیت جوش میں نہیں آتی

جس میں ذرا بھی حیاء اور غیرت کا مادہ ہے وہ اس بے حیائی اور بے غیرتی کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی یا بیٹی کسی کے ساتھ تعلقات قائم کرے اور بے حجابانہ اس سے خلط ملط رکھے۔

نیز ان بے حیائیوں اور بے غیرتیوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے اسلام نے پردہ کا حکم دیا ہے اور بے پردگیوں کی خرابیوں پر آگاہ کر دیا اور بتلا دیا کہ عورت کے پردہ میں رہنے میں یہ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور گھر سے باہر نکلنے میں یہ خرابیاں اور برائیاں ہیں اور اگر بالفرض ان دلدادگانِ مغربیت اور اسیران شہوت و نفسانیت کے خیال کے مطابق یہ مان لیا جائے کہ بے حجابی میں کچھ فوائد اور منافع ہیں تو شراب اور قمار اور سود میں بھی ضرور فوائد اور منافع ہیں لیکن ان کی مضرتیں اور خرابیاں ان کے چند وہمی اور خیالی فوائد اور منافع سے کہیں بڑھ کر ہیں اور اگر شہوت اور نفسانیت سے ہٹ کر ذرا بھی عقل سے کام لیا جائے تو سمجھ میں آ جائے کہ پردہ میں کس قدر فوائد اور منافع ہیں اور بے پردگی میں کس قدر مضرتیں اور خرابیاں ہیں۔

**خلاصہ** ① یہ کہ بے پردگی سے بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا ہوتی ہے۔ ② زنا کا دروازہ کھلتا ہے۔ ③ اولاد حرام ہوتی ہے۔ ④ حسب اور نسب ضائع ہو جاتا ہے۔ ⑤ شوہر کو اپنی بیوی پر اطمینان نہیں رہتا تو دل سے کیسے محبت رہے۔ ⑥ بے پردہ بیوی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے شوہر کو اس پر یقین نہیں ہوتا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو عورت بے پردہ پھرتی ہو اور غیروں سے میل جول رکھتی ہو۔ اس کی اولاد پر کیسے یقین ہو سکتا ہے۔ ⑦ اور جب اس بچہ کا اس کی اولاد ہونا یقینی نہ رہا تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس بچہ کا وارث ہونا بھی یقینی نہ رہا۔ حلال اولاد میراث کی مستحق ہوتی ہے، حرام کا بچہ میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔ ⑧ بے پردہ عورت شوہر کی راحت اور سکون اور اطمینان کا باعث نہیں رہتی۔ شوہر جب گھر آتا ہے تو بیوی کو غائب پاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ نہ معلوم کہاں ہوگی۔ ⑨ بے پردہ عورت نہ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور نہ اس کی اطاعت کر سکتی ہے۔ ⑩ بے پردہ عورت اولاد کی تربیت اور نگرانی بھی نہیں کر سکتی۔ ⑪ بے پردگی باہمی خصومت اور نزاع کا سبب ہے جو بد چلنی کا لازمی نتیجہ ہے۔ ⑫ بے پردگی اپنی آوارگی اور آزادی کی پردہ پوشی کے لیے عورت کو جھوٹ اور مکر اور فریب پر آمادہ کرتی ہے گھر سے باہر جانے کے عجیب عجیب بہانے بناتی ہے۔ ⑬ جس کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ اولاد بھی وہی کرے گی جو ماں کو کرتے دیکھے گی۔ ⑭ جس قدر بے پردگی بڑھتی جائے گی اس قدر بے حیائی اور بے غیرتی بڑھتی جائے گی جس کا لازمی نتیجہ نحوست ہے اور خاندان اور محلہ میں بدنامی اور بے عزتی ہے۔ ⑮ حتیٰ کہ اس گھرانہ سے حیاء اور شرم اور عفت اور عصمت اور غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾

## مخالفین پردہ کے خیالات جن کو وہ اپنے دلائل کہتے ہیں:

① مرد اور عورت کی فطرت یکساں ہے۔ لہٰذا عورتوں کو وہی پورے حقوق ملنے چاہئیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔

② پردہ عورت کے لیے قید ہے۔ ③ پردہ عورت کی صحت کے لیے مضر ہے۔

④ پردہ عورت کی ترقی میں مزاحم ہے عورت پردہ کی وجہ سے علمی اور دنیوی ترقی نہیں کر سکتی۔ حالانکہ حدیث میں ہے:

((طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة)).

ان متمدنین کے نزدیک اس حدیث میں جس علم کی طلب کو فرض کیا گیا ہے اس سے وہ انگریزی علم مراد ہے جو کالج اور سکول میں پڑھایا جاتا ہے اور مسلم اور مسلمہ سے لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط کالج مراد ہے خوب سمجھ لو کہ اسلام نے دین کے علم کی طلب کو فرض قرار

دیا ہے۔ اور

علمے کہ راہ حق ننماید جہالتست

## پہلی بات کا جواب:

مرد اور عورت کی فطرت ہرگز یکساں نہیں قوائے عقلیہ اور قوائے علمیہ اور قوائے جسمانیہ کے اعتبار سے مرد اور عورت میں زمین و آسمان کا فرق ہے فوجی بھرتی کے لیے مرد لیے جاتے ہیں عورت نہیں لی جاتی آج تک دُنیا میں کسی بادشاہ نے عورتوں کی فوج بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لیے نہیں بھیجی جو متمدن عورتیں مرد اور عورت کی فطرت کو یکساں بتلاتی ہیں ان کو چاہیے کہ اول تمام اپوا کی ممبر عورتوں کی ایک فوج بنائیں اور کسی سرحد پر جا کر دشمن کی فوج کا مقابلہ کرائیں۔ ابھی دعوائے مساوات کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا۔

## دوسری بات کا جواب:

پردہ عورتوں کے لیے قید نہیں بلکہ ان کی عصمت اور عفت کی حفاظت کا ایک قلعہ ہے اور ناپاک اور گندی نظروں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

## تیسری بات کا جواب:

پردہ عورتوں کی صحت کے لیے مضر نہیں بلکہ عورتوں کی فطرت کے مناسب ہی پردہ ہے عورتوں کے قویٰ کمزور ہیں وہ مردوں کی طرح محنت اور مشقت برداشت نہیں کرسکتیں۔ سڑکیں نہیں کوٹ سکتیں۔ خندقیں نہیں کھود سکتیں جنگ اور جنگی مشقیں نہیں کرسکتیں بوجھ اٹھانے کی بھی عادی نہیں شریعتِ مطہرہ نے ان کی فطری کمزوری اور نزاکت کی رعایت سے ان کے لیے پردہ تجویز کیا ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ پردہ عورتوں کی جسمانی صحت کے لیے مضر ہے تو بے پردگی ان کی روحانی اور اخلاقی صحت کے لیے ہزار درجہ بڑھ کر مضر ہے بے پردگی ان کو طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور حیاء و شرم کا لباس ان سے اتار کر پھینک دیتی ہے۔

## چوتھی بات کا جواب:

ہر جنس کی ترقی اس کی فطرت کے مناسب ہوتی ہے عورت کی ترقی اسی میں ہے کہ وہ عفیف اور پاکدامن اور نیک سیرت اور باحیاء اور باغیرت ہو اور بقدر ضرورت دین سے باخبر ہو اور خانہ داری کا سلیقہ رکھتی ہو اور شوہر کی تابعدار اور خدمت گذار ہو اور صحیح طریقہ سے اس کی اولاد کی تربیت اور پرورش کرے اور ایام حمل اور ایام ولادت میں عورت کو آرام اور سکون کی شدید ضرورت ہوتی ہے جو سوائے گھر کے کہیں میسر نہیں آسکتا اور جو عورت بے پردہ ہوگی وہ نہ شوہر کی خدمت کرسکتی ہے اور نہ اولاد کی تربیت کرسکتی ہے بے پردہ عورت بجائے شوہر کے اپنے آشناؤں کی تفریح کا سامان ہے شوہر اور اس کی اولاد اس کی محبت اور موانست اور معیت اور مرافقت سے محروم ہے بے پردگی سے کوئی دُنیاوی اور مادی ترقی حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ اخلاقی تنزل اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا آج کل متمدن اقوام کا حال یہ ہے کہ چپہ چپہ پر ناچ گھر قائم ہو گئے ہیں جن میں نوجوان مرد اور عورتیں جمع ہو کر اپنی نفسانی خواہش پوری کرتے ہیں اور ایک شخص کسی اجنبی عورت سے چمٹ جاتا ہے اور اس کا شوہر دیوث بھی وہاں موجود ہوتا ہے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کو غیرت نہیں آتی مغربی ممالک میں دن بدن حرام زادوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اب یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مغربی ممالک میں لب سڑک لوگوں کو زنا کرتے دیکھا جاتا ہے گویا کہ مرد اور عورتیں بہائم کی طرح ہو گئے ہیں جس طرح ایک جانور کو کسی مادہ سے جفتی کرنے کے لیے کسی بند کمرہ کی ضرورت نہیں اسی طرح ان مدعیانِ تہذیب کی بھی یہی خواہش ہے کہ

مسلمان عورتوں سے عفت اور عصمت کا خاتمہ ہو جائے اور ان کا معاشرہ بھی ان مہذب حیوانوں کی طرح ہو جائے اس شرمناک حالت کا نام ان لوگوں نے ترقی رکھ لیا ہے۔ خدا ان کو عقل دے۔ آمین۔ (اقتباس از نمک دان ظرافت)

## آیتِ تطہیر

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾

اس آیت کو آیت تطہیر کہا جاتا ہے۔

اہل سنّت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہل بیت نبی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے جو تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جس کے حصول کے بعد گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں مگر انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہو جاتے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہرا اور حسنین رضی اللہ عنہم کے بارہ میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں اس لفظ سے سوائے ان کے کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خود اہل سنت کی صحیح ترین احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء اور حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال دی اور فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ هٰؤُلاء اهل بیتی فاذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیرا)).

"اے اللہ! یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس یعنی گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور خوب پاک کر دے۔"

نیز اس آیت میں لفظ ﴿مِنْكُمْ﴾ اور ﴿وَ یُطَهِّرَكُمْ﴾ میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں وہ صاف بتلا رہی ہیں کہ اس آیت میں خطاب ازواج کو نہیں معلوم ہوا کہ آیت میں لفظ اہل بیت سے یہی چار اشخاص مراد ہیں۔

دوسری بات اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿اِذْهَابِ﴾ رجس اور تطہیر سے گناہوں سے پاک کر دینا یعنی معصوم بنا دینا مراد ہے جس سے ان چار حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ شیعہ اہل بیت کی عصمت ثابت کرنے کے لیے آیت تطہیر کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

**جواب** اہل تشیع کا یہ تمام استدلال دو باتوں پر مبنی ہے۔ (اوّل) یہ کہ لفظ اہل بیت سے صرف چار اشخاص مراد ہیں۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم۔ (دوم) یہ کہ اذہاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنا دینا مراد ہے جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی شیعوں کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا مگر آج تک شیعہ ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکے۔

### پہلی بات کا جواب:

پہلی بات کے متعلق علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ لفظ اہل بیت اور لفظ آل لغت عربی میں دونوں ہم معنی ہیں لغت میں اہل بیت کے معنی اہل خانہ کے ہیں یعنی گھر والوں کے ہیں جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہوں جس میں ازواج اصالۃً داخل ہیں اور اولاد اور ذریت

تبعاً داخل ہیں خدمتگاروں اور لونڈی اور غلاموں پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عرف میں اور محاورہ میں جب لفظ اہل خانہ بولا جاتا ہے تو ہر کس و ناکس اس کا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہوں اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے ہوں اور ظاہر ہے کہ اس وصف میں اصل بیبیاں ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں بیٹوں اور بیٹیوں کا ہمیشہ گھر میں رہنا خلاف عادت ہے خاص کر سرور عالم ﷺ کے حجروں اور گھروں میں تو سوائے آپ کی ازواج کے کوئی نہیں رہتا تھا شادی ہونے کے بعد بیٹے خود اپنا مکان بنا لیتے ہیں۔ نکاح کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نہ نان و نفقہ فرض رہتا ہے اور نہ رہنے کا مکان اس کے ذمہ واجب رہتا ہے اور شادی ہونے کے بعد بیٹی داماد کے گھر چلی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہتی تھیں کہا جاتا ہے۔ تَأَهَّلَ الرجل اذا تزوج. وَاَهَّلَكَ الله فى الجنة اور فلان متاهّل اى متزوج۔

نیز قرآن کریم کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالۃً داخل ہے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں کہ جب ملائکہ نے ان کو تولد فرزند کی بشارت دی اور پیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے یہ کہا:

﴿ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ (ھود: ۷۳)

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کے خطاب میں حضرت سارہ علیہا السلام یقیناً داخل ہوئیں کیونکہ اصل خطاب انہی سے ہے اور فرشتوں نے حضرت سارہ علیہا السلام ہی کو اہل البیت سے خطاب کر کے ان کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں دی ہیں شاید حضرات شیعہ فرشتوں پر کوئی تنقید اور تبصرہ کریں کہ تم نے نبی کی زوجہ پر لفظ ﴿ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾ کا اطلاق کیسے کیا اور پھر تم نے مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیر کیسے استعمال کی اور نبی کی زوجہ مطہرہ کو تم نے ﴿ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ ﴾ مذکر کے ساتھ کیوں خطاب کیا تم کو چاہیے تھا کہ ﴿ عَلَيْكُمْ ﴾ کے بجائے ﴿ عَلَيْكُنَّ ﴾ کہتے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہیں اور تعجبین کا اصل خطاب حضرت سارہ علیہا السلام کو ہے جو صیغہ مؤنث کا ہے اور اس کے بعد ﴿ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ ﴾ میں اہل بیت کو بلفظ مذکر ﴿ عَلَيْكُمْ ﴾ خطاب کیا اور علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اظہارِ محبت و کرامت کے لیے عورتوں کے لیے مذکر کی ضمیریں لانا کلام عرب میں شائع اور ذائع ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے ۔

فان شئتِ حرمتُ النّساء لِوَاكم

اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا ﴾ اور نہ ظاہر کے مطابق امکثی یا امکثن ہونا چاہیے تھا اس قسم کے مواقع میں صیغہ مذکر اور خطاب مذکر لفظ اہل کی رعایت سے لایا گیا ہے کہ وہ اصل میں مذکر ہے اور علی ہذا لفظ آل کے مفہوم اور مدلول میں بھی ازواج داخل ہیں اس لیے کہ آل کی اصل لغت میں اہل ہے لغت میں آل کا اطلاق اس شخص یا ان اشخاص پر آتا ہے جن کو کسی انسان سے ذاتی اختصاص حاصل ہو۔ خواہ قرابت قریبہ کی وجہ سے یا کسی خصوصی موالاۃ یا دینی علاقہ کی وجہ سے ہو اور عرف میں اہلیہ بیوی کو کہتے ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ ﴾ (سباء: ۱۳) اے آلِ داؤد اللہ کا شکر بجا لاؤ یہاں لفظ آل میں ان کی ازواج اور اولاد سب ہی داخل ہیں۔ وَ قَالَ اللّٰه تَعَالٰى: ﴿ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ ﴾ (یوسف: ۸۸) ﴿ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖ ﴾ (القصص: ۲۹) ﴿ فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا ﴾ (طٰہٰ: ۱۰) اس قسم کی آیات میں لفظ اہل کے مفہوم میں بیوی یقیناً داخل ہے۔ وَ قَالَ اللّٰه تَعَالٰى: ﴿ وَ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ ﴾ یہاں آل فرعون سے وہ تمام اشخاص مراد ہیں جو فرعون سے تعلق رکھتے تھے۔ وَ قَالَ اللّٰه تَعَالٰى:

﴿ فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو آل فرعون نے اٹھالیا یہاں آل فرعون سے فرعون کا تمام اہل بیت مراد ہے جن میں اس کی بیوی بھی داخل ہے حدیث میں ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: ((اللّٰھُمَّ اجعل رزق اٰلِ محمد قوتا)). اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت لا یموت کردے اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گذر ہو جاوے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی شامل ہے۔

اس دُعا سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا سالانہ نفقہ قدر قوت سے زیادہ نہ تھا اور پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سخی بھی تھیں خصوصاً حضرت زینب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت تو مشہور تھی اور بخیل تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بی بی نہ تھی اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم تو سخی تھے ہی۔ اور اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز بھی تھے پس اس سخاوت اور مہمان نوازی کے بعد تو زیادہ سامان بھی کفایت نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ قدر قوت اور قدر کفایت ان تمام ضروریات کے لیے مکتفی ہو جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کس قدر قانع اور تارک الدنیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق صادق تھیں کہ باوجود فقر و فاقہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کو دُنیا اور مافیہا سے بہتر اور لذیذ جانتی تھیں۔

فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہ درخواست کی کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو بے دریغ عطا فرما رہے ہیں اسی طرح ہم کو بھی مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرمایا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اصرار کیا اس پر آیت تخییر کا نزول ہوا جس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ متاع دُنیا کی طالب ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیں اور اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت کی طالب ہیں تو اسی حالت (فقر و فاقہ) پر راضی رہیں جس حالت کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے اور وہ آیت تخییر یہ ہے جس کی مفصل تفسیر گزشتہ رکوع میں گذر چکی ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝۲۸ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝۲۹ ﴾

اس آیت تخییر کے نزول کے بعد تمام ازواج نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اختیار کیا۔ دنیا کو کسی بی بی نے بھی اختیار نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ محبت تھی کہ فقر و فاقہ اور تنگی میں رہنا منظور کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی منظور نہیں کی۔ چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو عذاب جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی بلکہ اس سے ڈرایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اپنی زوجیت سے علیحدہ نہ کر دیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارہ میں اوّل آیت تخییر نازل ہوئی پھر جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دارِ آخرت کو اختیار کر لیا تو ان کے بارہ میں دوبارہ آیت تطہیر نازل ہوئی جس سے ان کے شرف اور کرامت کو ظاہر کرنا مقصود ہے اور اس آیت تطہیر میں جو لفظ اہل البیت آیا ہے اس سے اصالۃً بلاشبہ و ریب قطعاً و یقیناً ازواج نبی مراد ہیں کیونکہ ان آیات کے سیاق و سباق میں از اوّل تا آخر صراحۃً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو خطاب ہو رہا ہے اور ایسا صریح ہے کہ جس میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نظر نہیں آتی کیونکہ ﴿ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ سے لے کر ﴿ اَطِعْنَ اللّٰهَ ﴾ بلکہ ﴿ وَالْحِكْمَةِ ﴾ تک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے متعلق کلام ہے اور از اوّل تا آخر خطاب میں مؤنث ہی کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ ﴿ لَسْتُنَّ ﴾ اور ﴿ فِیْ

﴿بُيُوۡتِكُنَّ﴾ اور ﴿وَاذۡكُرۡنَ مَا يُتۡلٰى فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ﴾ تک یہ تمام خطابات بہ ضمائر مؤنث ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں بلکہ اگر شروع رکوع ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا﴾ سے لے کر ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيۡفًا خَبِيۡرًا﴾ تک تمام صیغوں اور ضمیروں پر نظر ڈالی جائے تو اول سے لے کر آخر تک چھبیس صیغے اور ضمیریں سب مؤنث کی ہیں جو بلا کسی تردّد اور تامل کے صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ہیں اور ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ﴾ اور ﴿قُلْ لِّاَزۡوَاجِكَ﴾ کا لفظ تو اس قدر واضح ہے کہ اس میں حضرت علی اور حسنین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے دخول اور شمول کا عقلاً و نقلاً کوئی امکان ہی نہیں۔ اب حضرات شیعہ بتلائیں کہ اس کا کیا جواب ہے۔ کلام عرب میں اظہار محبت وعظمت کی غرض سے مؤنث کے لیے تو مذکر کا صیغہ استعمال ہو سکتا ہے مگر مذکر کے لیے مؤنث کا صیغہ اور مؤنث کی ضمیر کا استعمال کہیں سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

((قال ابن عبّاس نزلت فِي نساء النّبي صلی اللہ علیہ وسلم وقال عكرمة من شاء باهلته)).

"ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی اور عکرمہ رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے میں اس سے مباہلہ کرسکتا ہوں۔"

## حدیثِ نساء

### ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا:

((اللّٰهم هٰؤلاءِ اهل بيتي)). "اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔"

اس سے بعض عقلمندوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی ﴿اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا﴾ کی فضیلت میں داخل اور شامل فرما اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت نہیں اور اس حدیث کے بعضے طُرُق میں آیا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان حضرات مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دُعا فرمائی تو اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجیے تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عباء میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو۔ (کذا فی النسوان فی رمضان ص ۴ وعظ چہارم از سلسلہ البلاغ) کیونکہ ان تمام آیات کا نزول تمہارے ہی بارہ میں ہے اور ان آیات میں از اول تا آخر تمام خطابات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ان خطابات کی اولین مخاطب ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے اس قسم کے عمل کی اور کسی قسم کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں ان کا اہل بیت ہونا تو قطعی اور یقینی ہے البتہ داماد اور داماد کی اولاد کے بارہ میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ قرار دیا جائے۔ یا ان کو مستقل اور علیحدہ گھرانہ سمجھا جائے اس لیے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر یہ دُعا کی: ((اللّٰهُمَّ هٰؤلاء اهل بيتي ... الخ)) تا کہ اس دُعا کے ذریعہ

یہ حضرات بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ اس وعدۂ نعمت وکرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانہ کے لیے ارادہ فرمایا ہے اگر اس آیت کا اصل نزول حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے بارہ میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کی ضرورت نہ ہوتی۔

غرض یہ کہ عباء میں داخل کر کے دعا کرنا ان لوگوں کے لیے تھا کہ جن کے اہل بیت ہونے میں کسی قسم کا شبہ ہو سکتا تھا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تو اہل بیت ہونا ایسا قطعی اور یقینی تھا کہ جس میں کسی قسم کے شبہ کا امکان ہی نہ تھا اس لیے ان کو عباء میں داخل کرنے اور ((اللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اھل بیتی)) کہنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ حضرت علی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اجنبی تھے اس لیے ان کے ساتھ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو عبا میں کیونکر داخل کیا جا سکتا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کی دُعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنی کسا میں داخل کر کے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (روح المعانی ص ۱۴ ج ۲۲ اور صواعق محرقہ ص ۸۶۔ روایت مذکورہ ان دونوں کتابوں میں مذکور ہے)۔

اور جس طرح احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو عبا میں داخل کر کے دُعا کرنے کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دُعا فرمائی۔

ان مختلف دُعاؤں سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ دوسرے اعزاء واقارب بھی اس نعمت وکرامت میں داخل ہو جائیں پس ان کو اس نعمت اور کرامت میں شریک کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں فرمائیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کو اور ان کی اولاد کو بھی اپنی دعا سے اس وعدہ میں داخل فرمایا اگر یہ آیت انہی کے حق میں نازل ہوئی ہوتی تو دُعا کی حاجت ہی کیا تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حصول حاصل کی کیوں دُعا فرماتے اور جو بات حاصل تھی اس کے حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرتے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا کیونکہ اس دُعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا کیونکہ آیت کا نزول ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے بارہ میں ہوا البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا سے فارغ ہو جانے کے بعد اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر جو دُعا کی وہ محض ان کی دلجوئی کے لیے فرمائی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً فرما دیا تھا کہ تو بلا شبہ میرے اہل میں سے ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی فضیلت اور کرامت کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ یہ آیتیں اگرچہ خاص ازواج ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں اور آیت ہذا سے پہلے اور اس تمام رکوع میں تمام خطابات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں اور ﴿ وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ ﴾ میں اور ﴿ وَاذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ ﴾ میں بیوت کی نسبت بھی انہی کی طرف کی گئی ہے جو اللہ کے خاص الخاص عنایات پر دلالت کرتی ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چاہا کہ اہل بیت کے عموم میں اپنی اولاد کو داخل کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ اے اللہ علی اور فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اس خاص رحمت اور کرامت اور عنایت میں شریک فرما۔

**فائدہ:** حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں رقیہ اور ام کلثوم اور زینب اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن اوّل الذکر تین صاحبزادیاں اس آیت کے نزول سے پہلے وفات پا چکی تھیں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باقی تھیں اس لیے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس دُعا کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۳ ج ۳)

اور ایسا ہی معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے ساتھ کیا جیسا کہ بیہقی کی ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ مدعا آپ کا یہ تھا کہ لفظ اہل بیت کے ظاہری عموم میں اپنے ان خاص عزیزوں کو بھی داخل فرما دیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اذہاب رجس اور تطہیر کی فضیلت اور کرامت میں شریک فرما۔ باقی رہیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تو خطاب قرآنی میں وہی از اوّل تا آخر ان کرامات اور عنایات کی اوّلین مخاطب تھیں اس لیے اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ان کے لیے ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

﴿ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴾ (البروج:۱۶) نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے اپنے ارادہ کو ظاہر کیا ہے اب اس کے وقوع میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ کریم اپنے کسی مقرب اور مصاحب سے یہ کہے کہ میرے پاس اپنے اہل خانہ اور اپنے گھر والوں کو حاضر کرو میں انہیں خاص خلعت دینا چاہتا ہوں اور میرا ارادہ یہ ہے کہ میں ان پر خاص نوازش کروں اس مقرب اور مصاحب نے عالی ہمت بادشاہ کے لطف وکرم پر نظر کر کے اپنے اہل خانہ کے سوا کچھ دیگر اعزاء اور اقارب بھی بارگاہ شاہی میں لا حاضر کیے اور کہنے لگا کہ حضور یہ سب میرے اہل خانہ ہیں جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ اعزاء اور اقارب بھی شاہی خلعت اور نوازش سے بہرہ مند ہوں اور ظاہر ہے کہ اس مقرب اور مصاحب کا اس عرض کرنے سے کہ حضور یہ سب میرے اہل بیت اور اہل خانہ ہیں۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کے اہل خانہ اس میں داخل نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اہل خانہ کے ساتھ یہ اعزاء بھی شاہی خلعت اور عنایت سے بہرہ مند ہو جائیں اور بادشاہ نے جس لطف وانعام کا میرے اہل خانہ کے لیے ارادہ فرمایا ہے اس میں میرے ان اعزاء واقارب کو بھی داخل کر لیا جائے اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بجائے اہل خانہ کے میرے داماد کو اور اس کی اولاد کو اس خلعت سے نواز دیا جائے۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں اور سب اس بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ آیت کا نزول اصالۃً اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارہ میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی وجہ سے تمام اہل بیت کو شامل کیا گیا ہے۔ البتہ اہل تشیع کے نزدیک سوائے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بی بی اہل بیت میں داخل نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سوائے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے اور کوئی صاحبزادی اہل بیت کے مفہوم میں داخل نہیں۔ حضرت رقیہ اور حضرت اُم کلثوم اور حضرت زینب رضی اللہ عنہن کا آپ کی صاحبزادی ہونا حدیث اور تاریخ اور اجماع سے ثابت ہے مگر شیعہ لوگ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نہیں سمجھتے اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے خارج سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ .... الاٰیۃ ﴾ بَنٰتِكَ صیغہ جمع ہے جس کا ادنیٰ درجہ تین ہیں جیسا کہ ازواج صیغہ جمع کا ہے اور آیاتِ

قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیبیاں تھی مگر شیعہ شنیعہ سوائے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کسی اور زوجہ کے قائل نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم کی جن آیتوں میں ﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ ﴾ اور ﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ... وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ... يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ... الآيات ﴾ آیا ہے جن میں صراحۃً لفظ نساء اور لفظ ازواج موجود ہے اور صیغہ جمع ہے اور صراحۃً ازواج کے متعدد ہونے پر دلالت کرتا ہے پس یہ تمام آیتیں مدنی ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے عرصہ بعد نازل ہوئی ہیں معلوم ہوا کہ ان آیات میں ازواج سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور دوسری بیبیاں مراد ہیں اور اہلِ تشیع یہ نہیں دیکھتے کہ اس تمام رکوع میں از اوّل تا آخر تمام خطابات خداوندی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں اور اس رکوع میں صرف ایک مرتبہ لفظ اہل البیت آیا ہے باقی دوسری جگہ بیوت کی نسبت بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کی طرف کی گئی ہے ﴿ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ اور ﴿ وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ بیوت بھی صیغہ جمع کا ہے اور ﴿ كُنَّ ﴾ بھی ضمیر جمع کی ہے معلوم ہوا کہ اصل اہلِ بیت اور نبی کے اہلِ خانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں ہیں قرآن کریم میں جا بجا بیوت کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔ ﴿ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ ﴾ (الطلاق:۱) ﴿ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا ﴾ (یوسف:۲۳) مگر نہ معلوم کہ شیعوں کی آنکھوں پر کیا پٹی بندھی کہ باوجود ان صریح آیتوں کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل بیت سے خارج سمجھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ﴾ (المائدہ:۴۱) انہی کے لیے ہے۔

## شیعوں کی دوسری بات کا جواب اوّل:

① ابتداء کلام میں، ہم نے آیت تطہیر کے متعلق شیعوں کی دو باتیں ذکر کی تھیں پہلی بات تو یہ تھی کہ یہ آیت حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کے بارہ میں نازل ہوئی اور لفظ اہل بیت سے صرف یہی چار حضرات مراد ہیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد نہیں بحمد اللہ شیعوں کی اس بات کا مفصل جواب گذر گیا۔ شیعوں کی دوسری بات اس آیت کے متعلق یہ تھی کہ اس آیت میں اِذہابِ رجس اور تطہیر سے یعنی گندگی دُور کرنے سے اور پاک کرنے سے اہل بیت کو معصوم بنانا اور ان کو عصمت عطا کرنا مراد ہے۔

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اِذہابِ رجس اور تطہیر سے معصوم بنانا اور عصمت عطا کرنا مراد نہیں بلکہ ازالۂ معاصی و نقائص مراد ہے جس کو تزکیہ نفس اور تخلیہ اور تحلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تطہیر سے تحلیہ باطن اور تنویر قلب مراد ہے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

((و المعنی انما یرید الله لیذهب عنكُمُ الذنوب و المعاصی ویحلیکم بالطاعة و التقوٰی تحلیة بلیغة فیما امر کم)). (روح المعانی ص ۱۲ ج ۲۲)

"اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے خطاؤں اور گناہوں کی گندگی دور کر دے اور طاعت اور تقویٰ سے تم کو خوب مزین اور آراستہ کر دے کہ اللہ نے تم کو جو حکم دیا ہے اس میں کمی نہ ہو۔"

مطلب یہ ہے کہ ان ہدایتوں اور نصیحتوں سے اللہ کا منشا یہ ہے کہ نبی کے گھر والے ان احکام پر عمل کر کے بالکل پاک اور صاف اور ستھرے ہو جائیں اور ان کا ظاہر اور باطن ایسا معطر اور مطہر اور منور ہو جائے کہ جو نبی کے گھرانہ کے مناسب اور شایانِ شان ہو اور ان کی صفائی اور ستھرائی اوروں سے ممتاز اور فائق ہو۔ پس اگر تم نے ہماری ان ہدایتوں اور نصیحتوں پر عمل کیا تو تم برائیوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاؤ گے۔

اور اگر بالفرض بقول شیعہ اِذہابِ رجس اور تطہیر سے عطاءِ عصمت یعنی کسی کو معصوم بنانے کے معنی مراد لیے جائیں تو پھر اس سے تو

صحابہ بدریین رضی اللہ عنہم کا بھی معصوم ہونا ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہ لفظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی آیا ہے ﴿وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (المائدہ:٦) اور حاضرین جنگ بدر کے لیے بھی یہ لفظ آیا ہے ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾۔

پس اگر شیعوں کی نزدیک آیت تطہیر اہل بیت کی عصمت کی دلیل ہے تو مذکورہ بالا دو آیتیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی اور خصوصاً صحابہ بدریین رضی اللہ عنہم کی عصمت کی دلیل بنیں گی بلکہ مزید برآں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے اتمام نعمت یعنی نعمت پورا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اتمام نعمت کا مضمون اذہابِ رجس اور تطہیر سے بڑھ کر ہے نیز گزشتہ آیت میں یعنی ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ میں اہل بدر کے لیے شیطان کے شر سے محفوظ ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھنا بدون عطاء عصمت کے ممکن نہیں اور اتمام نعمت اس پر مزید اضافہ ہے اس لیے کہ اتمام نعمت کا لفظ تمام فضائل اور کمالات کو حاوی ہے۔ پس شیعوں کو چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عصمت کے عموماً اور اہل بدر کی عصمت کے خصوصاً قائل ہوں۔

**جواب دوم:**

② نیز اگر آیت تطہیر شیعوں کے نزدیک صرف اہل بیت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت ان کی عصمت کی دلیل ہے تو آیت ﴿وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ﴾ (النور:٢٦) بالاجماع عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازل ہوئی ہے جس کا شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے اور ظاہر ہے کہ لفظ الطیبات جس قدر پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے، لفظ ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ اتنا دلالت نہیں کرتا کیونکہ لفظ الطیبات صفت مشبہ ہے جو اصلی اور دائمی اور لازمی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ یذھب و یطھر تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں جس سے اس درجہ پاکیزگی ہونا ثابت نہیں ہوتا جتنا کہ صفت مشبہ کے صیغہ سے ثابت ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آیت تطہیر کے بھروسہ پر اہل بیت کو معصوم مانا جائے اور آیت ﴿الطَّيِّبٰتُ﴾ سے حضرت عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو معصوم نہ مانا جائے کیونکہ آیت ﴿الطَّيِّبٰتُ﴾ کا مورد اگرچہ خاص ہے مگر الفاظ تو عموم پر دلالت کرتے ہیں اور ناظرین کرام کو چاہیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور نزاہت کے بارہ میں جو سورۂ نور کی آیتیں نازل ہوئیں ان پر ایک نظر ڈال لیں کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور نزاہت اور عفت اور طہارت میں شک اور تردّد کرنے والوں کے حق میں کیا تہدید اور وعید آئی ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طہارت میں شک اور تردّد ایمان کے منافی ہے۔

③ نیز اگر غور سے دیکھا جائے تو عجب نہیں کہ آیت تطہیر سے عدم عصمت ثابت ہو جائے اس لیے کہ جو پہلے سے معصوم اور طاہر ہو اس کی تطہیر کے ارادہ کے کیا معنی۔ تحصیل حاصل کا ارادہ بھی عقلاً قبیح ہے۔

④ نیز اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نزول آیت کے وقت تک ائمہ کو عصمت حاصل نہ تھی بلکہ بعد نزول آیت آئندہ زمانہ میں ان کو عصمت حاصل ہوگی کیونکہ آیت میں صیغہ مضارع کا مستعمل ہوا ہے جو حال یا استقبال میں وقوع پر دلالت کرتا ہے ماضی سے متعلق نہیں اور شیعوں کے نزدیک ائمہ وقت ولادت سے لے کر وقت موت تک کسی وقت بھی عصمت سے خالی نہیں ہوتے ہاں اگر آیت میں بجائے صیغہ مضارع کے صیغہ ماضی ہوتا اور کلام اس طرح ہوتا۔ ﴿اَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَطَهَّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ "اے اہل بیت اللہ نے تم سے گندگی کو دُور کر دیا اور تم کو بالکل پاک کر دیا" تو شاید شیعوں کا کچھ کام چل جاتا۔

⑤ نیز یہ لفظ شیعوں کی حدیثوں میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے مستعمل ہوا ہے لہٰذا شیعوں کو چاہیے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی معصوم سمجھیں کیونکہ شیعوں کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے بصیغہ ماضی وارد ہوئی ہے وہ حدیث طویل ہے جو فروع کافی کلینی جلد اوّل مطبوعہ نول کشور کتاب الجہاد میں ص ۶۰۹ سے لے کر ص ۶۱۳ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے جو مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے۔ "الذین اخبر عنھم فی کتابہ انہٗ اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا" یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی کو دُور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا۔ بعد ازاں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے مہاجرین کو آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ﴾ (فتح: ۲۹) اور آیت ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ...الخ﴾ (مومنون: ۱) اور آیت ﴿اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ﴾ (التوبہ: ۱۱۲) اور آیت ﴿يَوۡمَ لَا يُخۡزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ﴾ (التحریم: ۸) کا مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفاء ثلاثہ معاذ اللہ ظالم و فاسق نہ تھے۔

حضرات شیعہ کو اس صریح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لیے بھی کوئی موقع اور محل چاہیے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے یہاں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو کیا خوف لاحق تھا جس کی بنا پر آیاتِ قرآنیہ کا حوالہ دے کر مہاجرین کے فضائل بیان کرنے پر مجبور ہوئے۔ نیز شیعوں کے نزدیک امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تقیہ ممنوع تھا۔ پھر انہوں نے کیسے تقیہ کی بنا پر مہاجرین کے یہ فضائل بیان کئے۔ ہاں اصول شیعہ پر ایک تاویل ممکن ہے وہ یہ کہ اللہ کو بدا واقع ہوا کہ پہلے تو ارادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تطہیر کا تھا بعد میں بدل گیا۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ وَالۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡقٰنِتِيۡنَ

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد

وَالۡقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَ

اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور محنت سہنے والے مرد اور محنت سہنے والی عورتیں

الۡخٰشِعِيۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ وَالۡمُتَصَدِّقِيۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيۡنَ

اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد

وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالۡحٰفِظِيۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَالۡحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيۡنَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا

اور روزہ دار عورتیں اور تھامنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ اور تھامنے والی عورتیں، اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت سا

وَّ الذّٰکِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور نیگ بڑا۔

## تبشیر عام برامتثال احکام اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ . . . الی . . . اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ ﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں خاص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی بشارت کا ذکر تھا۔ اب عام بشارت کا ذکر ہے کہ جو مسلمان عورت احکام اسلام بجالائے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب گزشتہ آیتیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارہ میں نازل ہوئیں تو عورتوں کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ ہمارے لیے تو کچھ نازل نہیں ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں تاکہ تسلی ہو جائے کہ عورت ہو یا مرد ہو اللہ کے یہاں کسی کا عمل ضائع نہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ میں مردوں اور عورتوں کا حکم ایک ہے علیحدہ ذکر کرنے کی حاجت نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

((يَا اَيُّهَا النَّاس اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَات وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ...اِلٰی آخر الاٰية)).

(رواہ النسائی تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۷ ج ۳)

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم سب کے بارے میں یہ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ . . . اِلٰی آخر الاٰية ﴾

قرآن کریم میں اکثر و بیشتر خطاب صرف مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں احکام میں مردوں کی تابع ہوتی ہیں مگر ان آیات میں عورتوں کی دلجوئی کے لیے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی خطاب میں شامل کر لیا گیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے اہم شعبوں کو بیان فرمایا جن سے خاص طور پر قلب کی طہارت اور باطن کی ستھرائی حاصل ہو اور اخلاقی اور عملی گندگیاں اس سے دور ہوں اور یہ ایسے اعمال صالحہ ہیں جن میں مرد اور عورت سب شریک ہیں جو اپنے دین کو درست کرنا چاہے وہ ان اعمال کو بجالائے اس کے بعد وہ اجر اور مغفرت کا مستحق ہوگا۔ لہٰذا سب کو چاہیے کہ ان باتوں پر عمل کر کے اپنی حالت درست کریں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ اور سپرد کر دیا [1] اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اللہ کے فرمانبردار بنے۔ اور تحقیق ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں جنہیں اللہ کی باتوں پر یقین کامل حاصل ہے اور [2] ایمان ان کے دل مین اتر چکا ہے اور اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر قائم اور دائم اور ثابت رہنے والے مرد اور عورتیں۔ "قنوت" کے معنی حق عبودیت میں قائم اور دائم اور ثابت ہو جانے کے ہیں۔ قنوت کے اصلی معنی لزوم اور مداومت کے ہیں۔

---

[1] اس تفسیر میں اسلام کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

[2] اس لفظ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے: ﴿ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾

قنوت کا مرتبہ ایمان کے بعد ہے ایمان اور اسلام کے مل جانے سے قنوت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اپنے قول اور فعل میں اور نیت میں سچے مرد اور سچی عورتیں اللہ سے اور بندوں سے جو عہد کریں وہ سچ کر دکھائیں اور کذب اور نفاق سے پاک اور صاف ہوں یہاں تک کہ صدیق کے مرتبہ کو پہنچ جائیں۔ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں طاعتوں پر قائم رہنے والے اور معصیتوں سے نفس کو روکنے والے اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں کہ جو اپنے آپ کو حق عبودیت کی ادائیگی سے قاصر سمجھتے ہیں ان کی نظر ہمیشہ اپنے قصور اور تقصیر پر رہتی ہے اعجاب اور خود پسندی سے ان کے قلوب پاک اور منزہ ہیں ''خشوع'' اس فروتنی کو کہتے ہیں جو اللہ کے خوف سے اور اپنے او پر اللہ کو نگہبان اور حاضر و ناظر سمجھنے سے پیدا ہو اور صدق دل سے خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرنے والے مرد اور عورت خدا کی راہ میں صدق دل سے صدقہ دینا صدق ایمان کی دلیل اور برہان ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے الصدقة برهان اور متصدق صادق وہ ہے کہ جو اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک حقیقی نہ سمجھے۔ جو چیز خدا کی راہ میں صدق دل سے دی جائے اس کو صدقہ کہتے ہیں ورنہ وہ صدقہ نہیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں جنہوں نے اللہ کی محبت میں اپنی جائز خواہشوں کو بھی چھوڑ دیا اور حرام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں۔ شرمگاہ کی حفاظت سے نصف ایمان محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور کثرت سے اللہ کو یاد رکھنے والے مرد اور عورتیں جن کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہیں۔ ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (الرعد:۲۸) جو اپنے پروردگار سے غافل نہیں۔ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کی یاد کرتے رہتے ہیں جو ان کی محبت کی دلیل ہے اور اللہ کی محبت ایمان اور اسلام کی جڑ ہے۔ ﴿ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (آل عمران:۱۹۱) ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ ﴾ سے لے کر ﴿ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ﴾ تک دس خصلتوں کا بیان ہے۔

ایسے ہی مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو ان کی طاعت سے کہیں زیادہ ہے۔ ان آیات کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے رنج کو دور کر دیا جن کو یہ افسوس تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بابت قرآن مجید میں صراحۃً کچھ نازل نہیں کیا۔

**نکتہ**: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو صراحۃً خطاب فرمادیا باقی اکثر آیات میں صرف مردوں ہی کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ مرد حاکم ہیں اور اصل ہیں۔ اور عورتیں ان کے تابع ہیں۔ اس لیے عورتوں کو جداگانہ خطاب نہیں کیا گیا حاکم کو خطاب کافی ہے محکوم اور تابع کو علیحدہ خطاب کی ضرورت نہیں جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات کے قائل ہیں وہ قرآن اور حدیث سے بے خبر ہیں نیز سارا عالم اس بات پر متفق ہے کہ عورتیں جسمانی قوت میں اور عقل اور فہم اور فراست میں اور اعضاء ظاہری کی ساخت میں مردوں سے کم ہیں حتیٰ کہ آواز میں بھی مرد سے کم ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کے متعلق فرمایا: ﴿ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَ هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴾ (الزخرف:۱۸) یعنی عورتوں کو ابتداء ہی سے زیب و زینت کا شوق ہوتا ہے اور اسی میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور زیب اور زینت سے اور غیر ضروری چیزوں سے رغبت قلت عقل کی دلیل ہے اور اخیر سورت میں حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ﴿ وَ هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴾ (الزخرف:۱۸) عورتوں کے دوسرے نقص کا بیان ہے کہ وہ قوت بیانیہ میں ضعیف اور کمزور ہے پس جس کو قدرت نے محکوم اور کمزور اور ناقص بنایا ہو وہ حاکم اور قوی کے ساتھ کیسے مساوی ہو سکتا ہے بلکہ یہ محکومیت ہی عورتوں کے لیے اللہ کی رحمت اور نعمت ہے کہ ان کو مردوں کے تابع کر دیا۔ بے وقوف اور کم عقل کے لیے یہی مصلحت ہے کہ وہ کسی کے تابع ہو کر رہے اگر کسی بیوقوف کو حاکم بنا دیا

جائے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی تباہ کرے گا اگر چھوٹے بچے ماں باپ کے تابع نہ ہوں تو یقیناً وہ ہلاک ہوں گے اسی وجہ سے حدیث میں ہے: ((لا نکاح الا بولی)) عورت کو بغیر ولی کے ہرگز نکاح نہ کرنا چاہیے۔

*

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا

اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا نہ عورت کا، جب ٹھہرا دے اللہ اور اس کا رسول کچھ کام،

اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا، اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے،

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ ۝۳۶ وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

سو راہ بھولا صریح چوک کر۔ اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا

وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ

اور تو نے احسان کیا رہنے دے اپنے پاس اپنی جورو، اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز

مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا

جو اللہ اس کو کھولا چاہتا ہے اور تو ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈرنا تجھ کو

قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی تا نہ رہے سب مسلمانوں پر

حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

گناہ نکاح کر لینا جو روئیں اپنے لے پالکوں کی، جب وہ تمام کریں ان سے اپنی غرض اور ہے اللہ کا حکم

مَفْعُوْلًا ۝۳۷ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ

کرنا۔ نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو ٹھہرا دی اللہ نے اس کے واسطے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا

دستور رہا ہے اللہ کا، ان لوگوں میں جو گذرے پہلے، اور ہے حکم اللہ کا مقرر

| | |
|---|---|
| مَّقْدُوْرًا ﴿٣٨﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ | |
| ٹھہر چکا۔ وہ جو پہنچاتے ہیں پیغام اللہ کے، اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے | |
| اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ | |
| کسی سے سوا اللہ کے اور بس ہے اللہ کفایت کرنے والا۔ محمد باپ نہیں کسی کا | |
| مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ | |
| تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔ اور ہے اللہ | |
| بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٤٠﴾ ع | ع ۵ ۲ |
| سب چیز جانتا۔ | |

## بیان حرمت اعراض وعدول از فیصلہ خدا ورسول ﷺ

### کہ این نوعے است از انواع ایذاء رسول ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ... الٰى... وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٤٠﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں مسلمین اور مسلمات اور مؤمنین اور مؤمنات کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان اور اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ اور سپرد کردے اور خدا اور رسول جو حکم دیں دل وجان سے بسروچشم اس کو قبول کرے اور بجالائے مرد ہو یا عورت ہو جب خدا کا رسول کوئی حکم دے تو ایمان اور اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے سر جھکا دیں۔ غرض یہ کہ اس آیت میں خدا اور رسول کے فیصلہ سے اعراض اور عدول کو حرام اور ممنوع قرار دیا اس لیے کہ وہ ایمان اور اسلام کے منافی ہے علاوہ ازیں خدا اور رسول کے فیصلہ سے اعراض وانحراف یہ ایک قسم کی ایذاء بھی ہے اور اس سورت کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم اور اطاعت کی فرضیت اور آپ ﷺ کی ایذاء کی حرمت کو بیان کیا جائے اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کی ایذاؤں کا ذکر کرکے ان کا جواب دیا اور اسی ذیل میں حق تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کا قصہ ذکر فرمایا اور اس بارہ میں منافقین نے جو حضور پرنور ﷺ پر طعن وتشنیع کرکے آپ ﷺ کو ایذا پہنچائی تھی اس کا جواب دیا۔

اصل قصہ یہ تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں آنحضرت ﷺ نے یہ چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردیں۔ یہ زید دراصل عرب سے تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ کر لایا اور غلام بنا کر ان کو مکہ کے بازار میں بیچ دیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید لیا اور بعد چندے آنحضرت ﷺ کو ہبہ کردیا آنحضرت ﷺ

نے ان کو آزاد کردیا اور بیٹوں کی طرح ان کی پرورش کی حتیٰ کہ ان کو زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ زید رضی اللہ عنہ کا زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوجائے مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی اس پر راضی نہ ہوئے ان کا گمان یہ تھا کہ زید رضی اللہ عنہ نسبی اور خاندانی حیثیت سے کم ہیں اور زینب رضی اللہ عنہا خاندانی حیثیت سے بلند ہیں۔ اس لیے ان کے گھر والے اس نکاح پر راضی نہ ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶﴾

یعنی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو اس میں چون و چرا کا اختیار نہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر گھر والے نکاح پر راضی ہوگئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوگیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی کو انکار کی گنجائش نہ رہی اور انہوں نے اس منگنی کو منظور کرلیا اور آنحضرت ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کردیا۔

یہ تو پہلا مرحلہ تھا اور دوسرا مرحلہ یہ پیش آیا کہ نکاح تو ہوگیا مگر باہم مزاج میں موافقت اور موانست نہ ہوئی دن بدن کشیدگی بڑھتی گئی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طبیعت پر اثر یہ تھا کہ جس حسب ونسب اور خاندان کی ہوں تو میں ایک ایسے شخص کی بی بی بن کر کیسے رہوں جس پر ایک بار غلامی کا دھبہ لگ چکا ہے وہ زید رضی اللہ عنہ کو اپنا ہمسر نہ سمجھتی تھیں جب کبھی کوئی بات پیش آتی تو زید رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے آکر زینب رضی اللہ عنہا کی تیز زبانی کی شکایت کرتے تو آپ ﷺ ان کی تسلی کرتے اور کہتے کہ اپنی بی بی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور طلاق نہ دو شریعت کے حکم کے مطابق آپ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور مشورہ دیا۔ بالآخر جب کشمکش نے طول کھینچا تو زید رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں آپؐ نے فرمایا۔ طلاق مت دو جہاں تک ہوسکے نباہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔ مگر زید رضی اللہ عنہ نہ مانے اور آخر طلاق دے ہی دی۔ آنحضرت ﷺ نے تو بحکم شریعت زید رضی اللہ عنہ کو یہی مشورہ دیا کہ طلاق نہ دو اور نباہ کرو اس لیے کہ ایسی صورت میں شریعت کا یہی حکم ہے مگر بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بتلا دیا گیا کہ زید رضی اللہ عنہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں گے اور اس طلاق کے بعد زینب رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے نکاح ہوگا۔ جیسا کہ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ [1] سے مروی ہے۔

ایک پریشانی تو آپ ﷺ کو نکاح زینب رضی اللہ عنہا کے وقت پیش آئی تھی اب آپ ﷺ کو ایک دوسری پریشانی لاحق ہوگئی کہ جب زید رضی اللہ عنہ کی طلاق کے بعد زینب رضی اللہ عنہا میرے نکاح میں آئیں گی تو جاہل اور منافقین یہ طعنہ دیں گے کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بیوی سے

---

[1] رواہ الحکیم الترمذی وغیرہ عن علی بن الحسین رضی اللہ عنہما ما اوحی اللہ تعالیٰ بہ الیہ ان زینب سیطلقھا زید ویتزوجھا بعد علیہ الصلاۃ والسلام والی ھذا ذھب اھل التحقیق من المفسرین کالزھری وبکر بن العلاء القشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرھم۔

(روح المعانی ص ۲۳ ج ۲۲)

اور امام قرطبی اپنی تفسیر میں امام زین العابدین کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں: قال علماء نا رحمۃ اللہ علیہم ھذا القول احسن ماقیل فی تفسیر ھذہ الآیۃ وھو الذی علیہ اھل التحقیق من المفسرین والعلماء الراسخین کالزھری والقاضی بکر بن العلاء القشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرھم۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۹۰ ج ۱۴ تفسیر سورۃ احزاب)

نکاح کرلیا اس بارہ میں اگلی آیتیں نازل ہوئیں یعنی ﴿وَ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ وَ تُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ وَ تَخۡشَی النَّاسَ... الی... وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا ۝﴾

ہر شخص بمقتضائے بشریت لوگوں کی کہا سنی سے ڈرا ہی کرتا ہے اگرچہ وہ بات جائز اور مباح ہی کیوں نہ ہو آپ ﷺ بمقتضائے بشریت لوگوں کی طعن و تشنیع سے ڈرے اور شرم کے مارے اس پیشین گوئی کو دل میں پوشیدہ رکھا کسی پر ظاہر نہ کیا مگر امر تقدیری پورا ہو کر رہتا ہے ﴿وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا﴾ چنانچہ وہ پورا ہوا کہ زید اور زینب رضی اللہ عنہا میں موافقت نہ ہوئی اور نوبت طلاق کی آئی اس کے بعد بحکم خداوندی وہ آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ﷺ مخالفین اور منافقین کے طعنوں اور بدگوئیوں سے نہ ڈریں اس وقت اللہ کی حکمت اور مصلحت یہی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ متبنیٰ کا حکم بیٹے جیسا نہیں اس کی بیوی طلاق یا موت کے بعد اس پر حلال ہے۔ ﴿وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا﴾ سے بتلا دیا کہ امر تقدیری پورا ہو کر رہتا ہے اور ہو کر رہے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور کسی ایماندار مرد اور عورت کے لیے ایمان لانے کے بعد یہ امر کسی طرح زیبا اور روا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی بات کا فیصلہ کریں تو پھر ان کو اپنے کام میں کوئی اختیار باقی رہے کہ چاہے تو اس کام کو کریں اور نہ چاہے تو نہ کریں۔ بلکہ بسر و چشم قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے ایمان کی حقیقت ہی یہی ہے کہ اپنے اختیار کو نبی کے اختیار کے تابع کر دے بلکہ اس میں فنا کر دے اور جو شخص حکم وجوبی کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور حکم عدولی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا یہ آیت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم تمہید میں ذکر کر چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح کا پیام اپنی پھوپھی زاد بہن سے دیا تو زینب رضی اللہ عنہا نے اور ان کے بھائی نے اس پیغام کے قبول کرنے سے عذر کر دیا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد مؤمن اور مؤمنہ کو اپنے کام میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا بلکہ ان پر واجب ہے کہ اپنے اختیار کو خدا اور اس کے رسول کے اختیار کے تابع کریں اور خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے بعد کسی عار کی پروا نہ کریں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی نکاح پر راضی ہو گئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا نکاح ہو گیا اور اس کے رسول کو منظور یہ تھا کہ حسب و نسب کا فخر اور خاندانی امتیاز نکاح کی راہ میں حائل نہ ہوا کریں حق تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ خاندانی خودداری اور غرور کا خاتمہ ہو۔ اس لیے یہ حکم نازل ہوا کہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو زینب اور عبداللہ کو کوئی مفر نہ رہا اور پیام کو منظور کر لیا اور زینب رضی اللہ عنہ کا زید رضی اللہ عنہ سے نکاح ہو گیا اور اس نکاح کے بعد جو بات پیش آئی وہ یہ تھی کہ زید اور زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان میں موافقت نہ ہوئی اگرچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تو آ گئیں مگر زید رضی اللہ عنہ ان کی نظر میں ذلیل اور حقیر رہے اس لیے گھر میں لڑائی رہتی۔ زید رضی اللہ عنہ حضور پُرنور ﷺ سے زینب رضی اللہ عنہا کی بے اعتنائی کا شکوہ کرتے آپ ﷺ ان کو تسلی دیتے یہاں تک کہ زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے پیغمبر آپ اس وقت کو یاد کریں کہ جب آپ اس شخص کو جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام کیا کہ اس کو اسلام کی دولت سے نوازا اور آپ ﷺ کی خدمت سے اس کو عزت بخشی اور آپ نے بھی اس پر انعام و احسان کیا کہ اس کی پرورش کی اور اس کو آزاد کیا اور اپنا متبنیٰ بنا لیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے اس کا نکاح کر دیا لیکن نکاح کے بعد مزاجی موافقت نہ ہوئی اور آپس میں

لڑائی جھگڑے کی نوبت آئی تو زید رضی اللہ عنہ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض حال کیا اور کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بطور فہمائش و مشورہ اپنے پروردہ احسان یعنی زید رضی اللہ عنہ سے یہ کہنے لگے کہ تو اپنی بیوی (زینب رضی اللہ عنہا) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور طلاق دے کر اس کو تکلیف نہ پہنچا اور اس کی تنک مزاجی پر نظر نہ کر۔ شاید آئندہ چل کر یہ منافرت مبدل بہ موانست ہو جائے اور اللہ سے ڈر اور طلاق دینے میں جلدی نہ کر۔ یہ نکاح بحکم خداوندی ہوا ہے اور میرے اصرار سے ہوا ہے لہٰذا طلاق میں عجلت کسی طرح مناسب نہیں ظاہری شریعت اور ازدواجی مصلحت کے لحاظ سے اور زوجین کی خیر خواہی اور حسن معاشرت کے اعتبار سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشورہ بالکل درست تھا لیکن پنہانی اور اندرونی طور پر بات دوسری تھی جس کا اظہار اس وقت مصلحت نہ تھا وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کے بتلا دیا گیا تھا کہ زید عنقریب زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں گے اور ان کے طلاق دینے کے بعد ہم خود زینب رضی اللہ عنہا کو تمہارے نکاح میں دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل کریں گے جس میں ہماری حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ چنانچہ اس کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں: اور اے نبی آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ بعد میں ظاہر کرنے والا تھا یعنی زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد زینب رضی اللہ عنہا تمہاری ازواج میں ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی اس خبر کو دل میں پوشیدہ رکھا اور کسی کو اس خبر پر مطلع نہ کیا اور آپ بمقتضائے بشریت لوگوں کے طعن سے اور عار سے اور ملامت سے ڈرتے تھے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ اپنے بیٹے کی جورو کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور خدا نے جو بات آپ کو بذریعہ وحی کے بتلادی تھی کہ وہ تیری بی بی ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اظہار سے شرماتے تھے حالانکہ اللہ زیادہ لائق اور حقدار ہے اس بات کے کہ تو اس سے ڈرے اور شرماوے جانب حق کی رعایت۔ جانب خلق کی رعایت سے احق ہے اور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے اور شرمانے والے تھے اس لیے کہ خوف وخشیت کا دارومدار علم اور معرفت پر ہے۔

كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

اور حدیث میں ہے:

((اَنَا اعلمکم اللہ واخشاکُم)) "میں سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں۔"

پس جب زید رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے اپنی حاجت پوری کر لی یعنی اس کو طلاق دے دی اور عدت بھی گذر گئی کیونکہ شوہر بیوی کو طلاق جب ہی دیتا ہے کہ جب اس کو بیوی کی حاجت نہ رہے تو زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دے دینے کے بعد ہم نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں زینب رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح کر دیا اور بذریعہ وحی کے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا اور جس وعدہ خداوندی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یعنی ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ نازل کر کے اس کو ظاہر کر دیا اور سب کو اس سے آگاہ کر دیا اور بتلا دیا کہ زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دے دینے کے بعد ہم نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان میں فرشتوں کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا ہم ولی نکاح ہیں اور جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتے اس کے گواہ ہیں اور آسمانوں میں اس کا اعلان کر دیا یہ ایسا قطعی نکاح ہے جس میں فسخ کا احتمال نہیں اور ہم نے یہ نکاح اس لیے کیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے متبناؤں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں یعنی دل پھر جانے کے بعد ان کو طلاق دے دیں اور عدت بھی گذر جائے تو وہ ان سے نکاح کر سکتے ہیں بخلاف حقیقی بیٹے کے کہ اس کی جورو نفس عقد سے اس کے باپ پر

حرام ہو جاتی ہے خواہ قبل از صحبت طلاق دے یا بعد از صحبت بہر صورت وہ باپ پر حرام ہو جاتی ہے اور جو کام خدا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں یہ مقدر ہو چکا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئے گی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ جو مقدر کر دیتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ہمارا منشاء یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا۔ نسبی فرزند کے حکم میں نہیں اور متبنیٰ کی بیوی سے اس کے طلاق دینے کے بعد نکاح درست ہے لہٰذا زینب رضی اللہ عنہا کو اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دینے سے ہماری مصلحت یہ ہے کہ جاہلیت کی اس رسم کا قلع قمع ہو جائے اس لیے اوّل ہم نے زور دے کر زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح زید رضی اللہ عنہ سے کرایا اور پھر زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دے دینے کے بعد زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیا تا کہ جاہلیت کی رسم کا قلع قمع ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ متبنیٰ کی زوجہ سے پردہ واجب ہے اور نسبی فرزند کی زوجہ سے باپ کا پردہ نہیں اللہ تعالیٰ نے نبی کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبنیٰ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کریں تا کہ مسلمانوں کو اس قسم کے نکاح میں انقاض اور توحش نہ رہے اور تیری ذات سے یہ حکم شرعی جاری اور نافذ ہو تا کہ اور مسلمان اگر اپنے منہ بولے بیٹوں کی زوجات مطلقات سے نکاح کرنا چاہیں تو ان کو تنگی پیش نہ آئے اور چونکہ مقصود اصلاح تھی اس لیے خود پیغمبر کو حکم ہوا کہ تم زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرو اس سے اس رسم بد کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور زینب رضی اللہ عنہا کی دلجوئی بھی ہو جائے گی اور زینب رضی اللہ عنہا کو جو زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنے کا صدمہ اور رنج تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے دور ہو جائے گا صلہ رحمی اور حق قرابت اور حسن معاشرت کا اقتضاء بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پھوپھی زاد بہن کو اپنے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں شامل کر کے ان کے رنج و غم کو دُور کر دیں۔

بحمد اللہ گذشتہ تقریر سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ ﴿ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے بتلا دیا گیا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں گے اور ان کی طلاق کے بعد زینب رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی۔ پس جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی تھی جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ سے ظاہر فرما دیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیش آنے والے واقعہ کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اعلان بھی کر دیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات کا حکم دیں اور وہ اس کی تعمیل نہ کرے۔ اور ﴿ تَخْشَى النَّاسَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خوف طبعی تھا لوگوں کے طعن اور ملامت کا ڈر اس کے چھپانے کا باعث بنا۔ اور اس آیت کے یہ معنی امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ﴿ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ ﴾ سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ (زینب رضی اللہ عنہا) عنقریب تیری زوجہ بنے گی اور تیرے نکاح میں آئے گی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ تم ہماری اس پیش گوئی کا اعلان بھی کر دو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط ایک آئندہ پیش آنے والے امر کی خبر دی اور یہ نہیں فرمایا کہ تم اس کا اعلان بھی کر دو۔

پس بمقتضائے بشریت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی تشویش لاحق ہوئی اور شرم کے مارے اور مشرکین اور منافقین کے طعن کے ڈر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اخفاء کیا جس کو بعد میں اللہ نے ظاہر کر دیا۔ معاذ اللہ اگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی محبت کا اخفاء مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرتا۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ معنی امام زین العابدین اور سُدی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں اور حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے

روایت مذکورۂ بالا کی تحسین میں خوب بسط فرمایا ہے اور یہی معنی معتمد اور معتبر ہیں۔ (دیکھو فتح الباری ✽ ص ۴۰۳ ج ۸)

اس تمام تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ بدباطنوں کا یہ کہنا کہ ﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ سے زینب رضی اللہ عنہا کی محبت کا دل میں چھپانا مراد ہے قطعاً غلط ہے اور سرتاپا دروغ بے فروغ ہے۔ معاذ اللہ! اگر زینب رضی اللہ عنہا کی محبت کا اخفاء مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ظاہر فرماتے اس بارہ میں جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں وہ ہرگز ہرگز قابل اعتماد نہیں حسب ارشاد باری ﴿مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ اللہ نے کسی آیت میں اس محبت کا اعلان اور اظہار نہیں فرمایا بلکہ ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ سے اس نکاح کی پیش گوئی کا اظہار فرما دیا جس کی آپ ﷺ کو پہلے خبر دی تھی اور علاوہ ازیں کہ یہ قصہ بالکل بے اصل اور موضوع ہے خلاف عقل بھی ہے اس لیے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں لڑکپن سے آپ کے سامنے آتی تھیں اور بار ہا آپ نے ان کو دیکھا تھا اور ابھی تک پردہ کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا تو کیا آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو زید رضی اللہ عنہ کے نکاح کے بعد پہلی بار دیکھا تھا کہ دیکھ کر ان کے حسن و جمال پر مائل ہوگئے زید رضی اللہ عنہ کے نکاح سے پہلے بھی بار بار دیکھا تھا اگر آپ ﷺ کو ان کا حسن و جمال پسند ہوتا تو پہلے ہی بار خاندان پر زور دے کر زید رضی اللہ عنہ سے کیوں نکاح کرایا آپ ﷺ ہی کے اصرار سے اعزاء و اقارب زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنے پر بمشکل راضی ہوئے۔ جب آپ ﷺ کے کہنے سے آپ کے غلام سے نکاح کر دیا تو اگر آپ ؐ اپنے نکاح کا پیغام دیتے تو کیوں نہ راضی ہوتے۔ اس وقت تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی نہ ہوا تھا اور ان سے نکاح کرنے میں کسی قسم کا مانع بھی نہ تھا اور بعض کتابوں میں جو اس قسم کی روایتیں نقل کی جاتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کی نظر حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر پڑی تو آپ ان پر فریفتہ ہوگئے (جن پر دشمنانِ اسلام کے اعتراضات کی بنیاد ہے) وہ سب بے اصل اور ناقابل اعتبار اور ناقابل التفات ہیں۔ (مزید تفصیل اگر درکار ہو تو سیرۃ المصطفیٰ مصنفہ ناچیز ص ۳۴۳ ج ۳ دیکھیں)

اب آگے منافقین اور مشرکین کے طعن کا جواب دیتے ہیں کہ زینب رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح بحکم خداوندی ہوا اور نبی پر اس چیز کے کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر اور مقدر کر دیا۔ جیسا کہ سنتِ الٰہی ان انبیاء علیہم السلام میں جاری

---

✽ اصل عبارت یہ ہے جو اہل علم کے لیے ہدیہ کرتے ہیں: وَقَدْ اخرج ابن ابی حاتم هذه القصة من طريق السدّی فساقها سیاقا واضحاحسنا ولفظه بلغنا انّ هٰذه الاٰية نزلت فی زينب بنت جحش رضی الله عنها و كان رسول الله ﷺ ارادان يزوجها زيد بن حارثة مولاه فكرهت ذٰلك ثم انّها رضيت بما صنع رسول الله ﷺ زوجها اياه. ثم اَعْلَمَ الله عزوجل نبيه ﷺ بعدانها من ازواجه فكان يستحي ان يامربطلاقها وكان لايزال يكون بين زيدوزينب مايكون من النّاس فامره رسول الله ﷺان يمسك عليه زوجه وان يتقی الله وكان يخشی النّاس ان يعيبوا عليه ويقولوا اتزوج امراة ابنه وكان قدتبنی زيدا وعنده من طريق علی بن زيد عن علی بن الحسين بن علی قال اَعْلَمَ اللهُ تعالیٰ نبيه ﷺان زينب ستكون من ازواجه قبل ان يتزوجها فلما اتاه زيد يشكوها اليه وقال له اِتَّقِ الله وَاَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ قال الله تعالیٰ قد اخبرتك انی مزوجكهاوَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيْهِ وقداطنب الترمذی الحكيم فی تحسين هذه الرواية وقال انها من جواهر العلم المكنون وكانه لم يقف علی تفسيرالسدّی اوردته وهو اوضح سياقا وَاَصح اسنادا الهی لضعف علی بن زيد بن جدعان (ثم قال الحافظ) ووردت اٰثار اخری ونقلها كثير من المفسرين لاينبغی التشاغل بها والذی اوردته منها هوا المعتمد والحاصل انّ الذی كان يخفيه النبی ﷺهواخبار الله اياه انها ستصير زوجته والذی كان يحمله علی اخفاء ذالك خشية قول الناس تزوج امراة ابنه ارادالله ابطال ما كان اهل الجاهلية عليه من احكام التبنی بامرلا ابلغ فی الابطال منه وهوتزوج امراة الذی يُدعٰی ابنا ووقوع ذٰلك من امام المسلمين ليكون ادعی لقبولهم وانما وقع الخبط فی تاويل متعلق الخشية والله اعلم۔ (فتح الباری ص ۴۰۳ ج ۸۔ تفسیر سورۃ الاحزاب)

رہی جو آپ سے پہلے گذرے یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام میں بھی دستور جاری رہا کہ اللہ نے ان کو جس چیز کا حکم دیا اس کو پورا کر دیا اور لوگوں کی ملامت اور طعن کی پروانہ کی اور خدا کا اندازہ پہلے ہی سے ٹھہر چکا ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا اور حکم خداوندی کا پہنچانا اور اس کا پھیلانا اگلے پیغمبروں کی سنت ہے جن کی صفت یہ ہے کہ وہ انبیاء اللہ کے احکام اور پیام اپنی اُمتوں کو ٹھیک ٹھیک پہنچایا کرتے تھے اور تبلیغ احکام میں کسی کے طعن اور تشنیع اور ملامت اور عار دلانے کی پروا نہیں کرتے تھے اور صرف اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ خدا کا حکم ایک طرف اور سارا جہان ایک طرف اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے وہ خود آپ ﷺ کے دشمنوں کے ضرر کو دفع کر دے گا لہٰذا اس نکاح کے بارہ میں آپ ﷺ پر جو طعن کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دفع میں کفایت کرے گا یہ سب آپ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمایا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کا طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ وہ پیغام رسالت کے پہنچانے میں کسی سے نہیں ڈرتے لہٰذا آپ ﷺ بھی مخالفین کے طعن کی پروانہ کریں اور نہ کسی کی ایذاء سے ڈریں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے طاعنین کو سزا دینے کے لیے کافی ہے۔

**نکتہ** ①: جاننا چاہیے کہ اس آیت میں تبلیغ احکام کے وقت غیر اللہ سے خوف کی نفی کی گئی ہے رہا یہ امر کہ انبیاء علیہم السلام کو کسی سے طبعی خوف بھی نہیں ہوتا سو اس کی نفی نہیں کی گئی ورنہ طبعی طور پر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا فرعون کی ایذاء سے ڈرنا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ ﴿قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ یَّفۡرُطَ عَلَیۡنَآ اَوۡ اَنۡ یَّطۡغٰی﴾ (طٰہٰ: ۴۵) سو اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی اور یہ فرمایا ﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیۡ مَعَکُمَآ اَسۡمَعُ وَ اَرٰی﴾ (طٰہٰ: ۴۶) اور موسیٰ علیہ السلام کو جب عصا کا معجزہ عطا ہوا اور عصا اژدہا بن کر چلنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگنے لگے۔ کما قال اللہ تعالی: ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهۡتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ یٰمُوۡسٰۤی اَقۡبِلۡ وَ لَا تَخَفۡ ۟ اِنَّکَ مِنَ الۡاٰمِنِیۡنَ﴾ (القصص: ۳۱) ﴿لَا تَخَفۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰی﴾ (طٰہٰ: ۶۸) اور یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَهُ الذِّئۡبُ﴾ (یوسف: ۱۳)

اور حضور پُر نور ﷺ کو جب دشمنوں کی طرف سے خوف لاحق ہوا تو آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَاللّٰهُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾ معلوم ہوا کہ ﴿لَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا﴾ میں طبعی خوف کی نفی مراد نہیں بلکہ عقلی خوف کی نفی مراد ہے۔

**نکتہ دیگر** ②: نیز جاننا چاہیے کہ حضور پُر نور ﷺ کو منافقین کی جانب سے بدزبانی کا ڈر بھی شروع شروع ہی میں تھا لیکن جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سنت حقہ کا اجراء اور نفاذ میری ہی ذات سے مقدر فرمایا ہے تو دل سے وہ ڈر بھی جاتا رہا چنانچہ جب زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے خود زید رضی اللہ عنہ ہی کو اپنے سے نکاح کا پیغام دے کر زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا (تا کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید رضی اللہ عنہ کی رضامندی سے ہوا حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے (حالانکہ اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا مگر یہ ان کا کمال ورع اور کمال تقویٰ تھا) اور پس پردہ کھڑے ہو کر کہا۔ اے زینب رضی اللہ عنہا تم کو بشارت ہو مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے زینب رضی اللہ عنہا نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک اپنے پروردگار سے مشورہ (یعنی استخارہ) نہ کرلوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغول استخارہ ہو گئیں۔

**نکتہ دیگر** ③: چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے اس نکاح کے بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل

سے مشورہ چاہا جو اہل ایمان کا اصل ولی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت ﷺ کا نکاح زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا آسمانوں میں تو اس نکاح کا اعلان ہو ہی گیا اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس نکاح کا اعلان ہو چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا ﴾

"پس جب زید رضی اللہ عنہ زینب رضی اللہ عنہا سے اپنی حاجت پوری کر چکے (اور ان کو طلاق دے دی اور عدت بھی گذر گئی) تو اے نبی کریم ہم نے (زینب کا) نکاح تم سے کر دیا۔"

آیت کے نازل ہونے سے تمام مکہ میں اس کا اعلان ہو گیا اور پیغام کے ذریعہ ایجاب وقبول پہلے ہی ہو چکا تھا اس لیے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اور (اس اعلان عام کے بعد) رسول اللہ ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا اذان مکان میں داخل ہوئے۔ رواہ مسلم واحمد والنسائی۔ (دیکھو فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۸ کتاب التفسیر وزرقانی ص ۲۴۵ ج ۳) اور نکاح آسمانی اور حکم قرآنی خود بلاواسطہ ان کو پڑھ کر سنایا۔

چونکہ اس واقعہ کا چرچا گھر گھر میں تھا تو یہ ناممکن ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جو خود صاحب واقعہ تھیں ان کو اس آیت کے نزول کی خبر نہ پہنچی ہو۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول آیت کے بعد آنحضرت ﷺ نے قاصد کے ذریعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ اطلاع کرادی کہ تمہارے نکاح کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جب یہ خبر پہنچی تو سجدۂ شکرادا کیا رواہ ابن سعد بسند ضعیف عن عباس رضی اللہ عنہ۔ (دیکھو اصابہ ص ۳۱۳ ج ۴ وزرقانی ص ۲۴۶ ج ۳)

اور چونکہ یہ نکاح آسمان میں ہوا اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس نکاح کے ولیمہ میں جس قدر اہتمام کیا۔ وہ کسی دوسرے نکاح کے ولیمہ میں نہیں کیا۔ اور ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے اس نکاح آسمانی پر بڑا فخر تھا ایک دن اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم سب کا نکاح تو تمہارے اولیاء نے کیا اور میرا نکاح اللہ نے آسمان پر کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ نے میرا عذر یعنی میری براءت اور طہارت ونزاہت آسمان سے نازل کی۔

**نکتہ دیگر ④**: امام ابو القاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک نکتہ ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا نام تو صراحت کے ساتھ ذکر کیا اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حتیٰ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام بھی صراحۃً ذکر نہیں کیا سو اس میں نکتہ یہ ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پہلے زید بن محمد کہا جاتا تھا اور یہ نسبت ان کے لیے فخر عظیم اور شرف فخیم تھی پھر جب اللہ تعالیٰ نے ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ کا حکم نازل فرمایا تو اس وقت لوگ ان کو زید رضی اللہ عنہ بن محمد ﷺ کی بجائے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے تو ظاہر ہے کہ اس نسبت کے قطع ہو جانے سے زید رضی اللہ عنہ کو کس قدر صدمہ ہوا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو صدمہ دینا نہیں چاہتا پس اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صراحۃً ان کا نام ذکر کر کے ان کو وہ عزت وکرامت بخشی جو آپ کے سوا کسی کو نہیں بخشی گئی اور آپ کو وہ خصوصیت عطا ہوئی کہ جو آپ کے سوا کسی کو عطا نہیں ہوئی۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہ سورت تجھے پڑھ کر سناؤں تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے میرا نام لیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرطِ مسرت

سے رونے لگے پس اندازہ لگالو کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو قرآن میں اپنا نام مذکور ہونے سے کس قدر خوشی ہوئی ہوگی جس کو اہل دنیا دن رات تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اہل جنت بھی اس کی تلاوت کرتے رہیں گے۔

نیز حق جل شانہ کا اپنے کلام قدیم میں زید رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ فرمانا ﴿لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ زید رضی اللہ عنہ کا ازل ہی میں مورد انعام الٰہی اور مورد انعام نبوی ہونا لکھا جا چکا ہے اس لفظ میں ان کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

**نکتہ دیگر ⑤:** متعلقہ بآیت ﴿اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾

## ابطالِ تقیہ

① اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام تقیہ نہیں کرتے۔ صاف صاف اللہ کا پیام پہنچاتے ہیں۔ اور کسی سے نہیں ڈرتے اگر انبیاء تقیہ کرتے تو کافروں کے ہاتھوں مصیبتیں نہ اٹھاتے۔

② چنانچہ سورۂ حجر میں ہے ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ یعنی اے نبی صاف صاف اور کھول کر دین کی باتیں سنا دو اور مشرکین کی ایذاء رسانیوں کا دھیان نہ کرو۔ اور تقیہ صاف صاف کہنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ گول مول کہنے کے لیے ہوتا ہے۔

③ دوسرے پارہ کے نصف میں یہ آیت گذر چکی ہے ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ﴾ (البقرہ: ۲۱۴) باساء اور ضراء اور طرح طرح کی بلاؤں کا پہنچنا اسی صورت میں ہے کہ جب تقیہ نہ کیا جائے اور علی الاعلان حق کو ظاہر کیا جائے۔

④ اور سورۂ آل عمران چوتھے پارہ میں یہ آیت گذر چکی ہے: ﴿وَ كَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَ هَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (آل عمران: ۱۴۶) اور ظاہر ہے کہ تقیہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب آدمی ضعیف ہو جائے اور کافروں کے سامنے جھک جائے اور جہاد اور صبر بھی مقاتلہ اور مقابلہ کی صورت میں ہوتا ہے تقیہ کی صورت میں نہ جہاد کی ضرورت ہے اور نہ صبر کی۔

⑤ حق جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ﴾ (الانعام: ۴۸) انبیاء علیہم السلام خدا کے احکام پہنچانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں نہ کہ تقیہ کر کے احکام کو چھپانے کے لیے انبیاء علیہم السلام نے حق گوئی میں ذرہ برابر دریغ نہیں کیا بلکہ اسی کی وجہ سے اپنی جان و مال اور عزت اور آبرو کو خدا کی راہ میں پامال کر دیا۔ معاذ اللہ! اگر انبیاء کرام علیہم السلام تقیہ کر لیتے تو ان کو ہجرت کی ضرورت نہ پیش آتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر تقیہ کر لیتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور امام حسین رضی اللہ عنہ اگر تقیہ کر لیتے اور زبان سے یزید کی حکومت کا کلمہ پڑھ لیتے تو جان کی جان بچتی اور الٹی عزت و کرامت اور مال و دولت ان کو ملتی اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ اگر تقیہ کر کے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیتے تو خلافت کی خلافت بنی رہتی اور دین کو ترقی ہوتی اور باغی اور مفسد اگر قتل ہو جاتے تو کوئی حرج نہ تھا۔

⑥ قرآن صبر کے فضائل سے بھرا پڑا ہے اور تقیہ میں نہ ایذاء ہے اور نہ صبر کی ضرورت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ الْعَصْرِ ۝ اِنَّ

الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾(العصر)... ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ (البقرہ:۱۵۳)... ﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ (آل عمران:۱۴۶)

⑦ پیغمبروں کے بھیجنے سے مقصود اور غرض اظہار دین ہے نہ کہ اخفاء دین جیسا کہ سورۂ توبہ اور سورۂ فتح میں ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ (الفتح:۲۸) اگر تقیہ جائز اور درست ہو تو دین کا ظہور کیسے ہو۔

⑧ نیز قرآن اور حدیث تبلیغ دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم سے بھرے پڑے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ ﴾ (المائدہ:۶۷)... ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ ﴾ (آل عمران:۱۰۴)

⑨ نیز اسی سورت کے شروع میں ﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ﴾ کہ کافروں اور منافقوں کے کہنے پر نہ چلنا اس میں بھی تقیہ کی ممانعت کی طرف اشارہ ہے۔

⑩ اس کے بعد ﴿وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اظہار حق میں کافروں کی دشمنی اور ایذاء رسانی کی پروانہ کرنا ﴿فَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ﴾۔

لیکن اس ناچیز کو ڈر ہے کہیں شیعہ حضرات یہ نہ کہہ دیں کہ ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ ﴾ میں نبی ﷺ کو تقیہ کا حکم دیا گیا ہے۔

بہر حال یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب اور اس کے دلائل کا بیان ہوا۔ اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء اور ائمہ کے لیے بھی تقیہ جائز ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اور ائمہ اپنے توہمات کے بھروسہ پر کفار و فساق کے ہمرنگ بنے رہے اور بوجہ خوف اعداء ہمیشہ فرائض و ضروریات دین کو چھپاتے رہے اور ان بزرگوں نے ساری عمر تقیہ میں گزار دی اور دین اور مذہب کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات اور یہ نہ سمجھا کہ آخر پھر انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے اور ائمہ کی امامت سے کیا فائدہ ہوا۔

**اطلاع** بقدر ضرورت تقیہ کا ابطال ہم سورۂ توبہ کی اس آیت ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ (التوبہ:۳۳) کی تفسیر میں کر چکے ہیں اگر مزید تفصیل درکار ہے تو ہدیۃ الشیعہ مصنفہ مولانا محمد قاسم از ص ۱۲۰ تا ص ۱۴۵ دیکھیں۔

## طاعنین کے طعن کا جواب

یہاں تک اپنے متبنیٰ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کا حکم اور اس کی حکمت بیان کی اب اس کے بعد طاعنین کے طعن کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ منافقین کا یہ طعن کہ محمد (ﷺ) نے اپنے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا جب درست ہوتا کہ جب محمد (ﷺ) کسی کے باپ ہوتے لیکن سب کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ باوجود کثرت ازواج و اولاد تمہارے مردوں میں سے کسی کے نسبی باپ نہیں۔ اور آپ ﷺ کے جو تین فرزند تولد ہوئے قاسم اور طیب اور طاہر رضی اللہ عنہم۔ وہ سب صغر سنی میں انتقال کر گئے۔ بلوغ کو نہیں پہنچے اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے جو ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے وہ حالت شیر خوارگی ہی میں انتقال کر گئے آپ ﷺ کا کوئی فرزند زندہ نہیں۔ یہاں تک کہ وہ رَجُل ہو یعنی مرد عاقل و بالغ ہو پھر آپ زید رضی اللہ عنہ کے باپ کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا کسی کی یہ مجال نہیں کہ یہ کہہ سکے کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا۔ نسبی اور جسمانی حیثیت سے آپ ﷺ کو کسی کی ابوت (پدری) حاصل نہیں ولیکن آپ کو ایک

دوسری قسم کی ابوت حاصل ہے جس کو حرمت مصاہرت میں دخل نہیں اور نہ اس پر نکاح کی حلت اور حرمت کا مدار ہے وہ دوسری قسم کی ابوت۔ روحانی ابوت ہے یعنی آپ ﷺ سب کے روحانی باپ ہیں جو تعظیم اور احترام میں نسبی باپ سے کہیں بڑھ کر ہیں کیونکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ہر رسول امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں گذرا۔ ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور ایک قراءت میں ﴿وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ﴾ آیا ہے اور روحانی باپ محبت اور شفقت میں نسبی باپ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے سب آپ کے بیٹے ہیں آپ ﷺ کو بیٹا بنانے کی ضرورت نہیں اور اس روحانی ابوت میں آپ ﷺ تمام رسولوں سے افضل اور اکمل ہیں اس لیے کہ آپ آخری نبی ہیں نبوت آپ پر ختم ہوگئی اور آپ کی آمد سے قصر نبوت کی تکمیل ہوگئی آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا۔ اللہ کے علم میں اور اللہ کے نزدیک جو نبی تھے وہ سب ختم ہوگئے اب قیامت تک آپ ﷺ ہی کی نبوت کا دور دورہ رہے گا جیسا کہ انجیل یوحنا کے چودھویں باب میں ہے۔

قال عیسٰی للحواریین واطلب لکم من ابی ویعطیکم فارقلیط لیکون معکم دائما الی الابد.

"عیسٰی علیہ السلام نے حواریین سے کہا کہ میں مانگوں گا اپنے باپ سے تمہارے واسطے کہ وہ بخشے اور عطا کرے تم کو ایک فارقلیط تاکہ رہے وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ ابد تک۔"

**خلاصۂ کلام** یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور خدا کے آخری بنی ہیں آپ ﷺ کی ذات بابرکات سلسلہ نبوت کی آخری لڑی اور آخری کڑی ہے آپ ﷺ کی بعثت سے نبوت کا دائرہ پورا ہوگیا اور آپ جسمانی اور نسبی حیثیت سے کسی مرد کے باپ نہیں البتہ آپ ﷺ روحانی باپ ہیں اور روحانی باپ اور جسمانی باپ کے احکام الگ الگ ہیں اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔ اس نے اپنے علم و حکمت سے نبوت کو آپ ﷺ پر ختم فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الانعام: ۱۲۴) یعنی اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی نبوت اور رسالت کو رکھتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس لائق ہے کہ اس پر نبوت کو ختم کیا جائے اس نے اپنے علم و حکمت سے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا یعنی آپ ﷺ کو آخری نبی بنایا اور جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول بدرجہ اولیٰ نہیں اس لیے کہ مقام رسالت مقام نبوت سے اخص ہے ہر رسول تو نبی ہے مگر ہر نبی رسول نہیں یعنی رسول اور نبی میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔

پس یہ آیت قدسی اس بارہ میں نص قطعی اور محکم ہے کہ آنحضرت ﷺ خدا تعالیٰ کے آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور یہی مضمون بکثرت احادیث صحیحہ اور صریحہ اور متواترہ سے ثابت ہے کہ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہوگئی اور آپ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ بلاشبہ کذاب اور دجال ہے اور یہ احادیث صحیحہ اور صریحہ بخاری اور مسلم اور تمام کتب حدیث میں مذکور ہیں جن میں سے حافظ ابن ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں دس حدیثیں ذکر کی ہیں اور بقیۃ السلف اور حجۃ الخلف حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہٗ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق محب محترم و عالم معظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی سابق مفتی دار العلوم دیوبند نے ہدیۃ المہدیین ایک جامع رسالہ عربی زبان میں مرتب فرمایا جس میں ختم نبوت کے متعلق جس قدر احادیث کا ذخیرہ فراہم ہوسکتا تھا اس میں جمع کر دیا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین۔ جو اہل علم کے لیے قابل دید ہے اور ختم نبوت کے عنوان سے اُردو میں بھی مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جو عوام کے لیے غایت درجہ مفید ہے۔

جس شخص کو تفصیل درکار ہو تو مولانا محمد شفیع صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل اور مبسوط کتاب دیکھے اور جس شخص کو اختصار مدنظر ہو وہ اس ناچیز کی مختصر تالیف مسک الختام فی ختم النبوۃ علی سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام دیکھے جو مکتبہ صدیقیہ ملتان سے شائع ہوئی ہے۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ برادران اسلام کی تسلی اور تشفی کے لیے اجمالاً ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے نام شمار کر دیئے جائیں جن سے ختم نبوت کی احادیث مروی اور منقول ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ | عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ | علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ |
| عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ | عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ | ابی بن کعب رضی اللہ عنہ |
| حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ | ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ | ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ |
| جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ | ابو حازم رضی اللہ عنہ | جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ |
| سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ | ثوبان رضی اللہ عنہ | عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ |
| عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ | عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ | عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ |
| ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ | ام کرز رضی اللہ عنہا | ابو امامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ |
| سفینۃ رضی اللہ عنہ | ابن زمل الجہنی رضی اللہ عنہ | ضحاک بن نوفل رضی اللہ عنہ |
| ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ | معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ | سہل بن سعد رضی اللہ عنہ |
| حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ | اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا | زید بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ |
| ابو قبیلہ رضی اللہ عنہ | عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ | ابو الفضل رضی اللہ عنہ |
| نافع رضی اللہ عنہ | عوف بن مالک رضی اللہ عنہ | ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ |
| ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ | ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ | عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ |
| عمر بن قیس رضی اللہ عنہ | سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ | تمیم الداری رضی اللہ عنہ |
| نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ | عبیداللہ بن عمرو اللیثی رضی اللہ عنہ | نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ |
| محمد بن حزم الانصاری رضی اللہ عنہ | بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ | عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ |
| ابو قتادہ رضی اللہ عنہ | قتادہ رضی اللہ عنہ | عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ |
| الحسن رضی اللہ عنہ | انس رضی اللہ عنہ | عائشہ رضی اللہ عنہا |
| عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ | مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ | عفان بن مسلم رضی اللہ عنہ |
| ابو معاویہ رضی اللہ عنہ | سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ | عکرمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ |
| ابو الدرداء رضی اللہ عنہ | زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ | ام ہانی رضی اللہ عنہا |

زبیر رضی اللہ عنہ ........ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وعنا معہم برحمتک یا ارحم الراحمین کذا فی ہدیۃ المہدیین ص ۱۰۲۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ نص صریح اور محکم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا اور یہی بات احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اور تمام امت کا اجماع قطعی ہے جس میں ذرہ برابر تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔

## لطائف و معارف

① حق جل شانہ نے اس آیت میں آنحضرت ﷺ کا خاتم النّبیین ہونا بیان فرمایا جو حضور پُرنور ﷺ کے ان خاص فضائل اور خصائص میں سے ہے جو آپ ﷺ کے سوا اور کسی نبی کو یہ فضیلت عطا نہیں کی گئی۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

((عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال فضلت على الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم و نصرت بالرعب واحلت لى الغنائم وجعلت لى الارض مسجدًا وطهورا و ارسلت الى الخلق كافة وختم بى النبيون)). (راوہ مسلم و بخاری)

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی۔ ① مجھ کو ایسے جامع کلمات عطا کیے گئے کہ لفظ تو بہت کم اور معنی بہت زیادہ۔ ② میری مدد اللہ نے اس طرح فرمائی کہ دشمنوں کے دل میں میرا رعب ڈال دیا۔ ③ مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا۔ ④ تمام زمین میرے لیے جائے سجود اور ذریعہ طہارت بنادی گئی۔ ⑤ مجھ کو تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا یعنی میری بعثت تمام عالم کے لیے ہے کسی خاص قوم کے لیے نہیں۔ ⑥ میں خاتم النّبیین ہوں مجھ پر انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔" (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ خاتم النّبیین ہونا آپ ﷺ کی خاص خصوصیت اور فضیلت ہے اب قیامت تک آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہیں عطا ہوگی اس لیے کہ آپ ﷺ کا دین اور آپ کی شریعت کامل ہے اور تمام گزشتہ ادیان اور شرائع کی ناسخ ہے۔ اب قیامت تک آپ ﷺ کی اُمت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح آپ ﷺ ہی کی شریعت سے عالم کی رہنمائی کرتے رہیں گے اور آنحضرت ﷺ نے ختم نبوت کی فضیلت کو ایک مثال سے واضح فرمایا۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

((ان مثلى و مثل الانبياء من قبلى كمثل رجل بنى بيتا فاحسنه و اجمله إلا موضع لبنة من زاوية فجعل النّاس يطوفون و يعجبون له و يقولون هلا وضعت هٰذه اللبنة و انا اللبنة و انا خاتم النّبيين)). (رواہ البخاری و مسلم وغیرھما)

"میری مثال اور گزشتہ پیغمبروں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے نہایت عمدہ مکان بنایا اور اس کو خوب آراستہ پیراستہ کیا مگر اس کے ایک کونہ پر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی اور لوگ اس مکان کے اردگرد آ کر گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ لگادی گئی کہ مکان بالکل مکمل ہو جاتا تا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس قصر نبوت کی آخری اینٹ میں ہوں جس سے وہ محل پورا ہوا اور میں خاتم النّبیین ہوں۔"

مطلب یہ ہے کہ قصر نبوت بالکل مکمل ہو چکا ہے۔ اب اس میں کسی تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کی اینٹ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

## ② ذکر اختلاف قراءت در آیت ختم نبوت:

آیت مذکورہ میں جو لفظ خاتم النّبیین آیا ہے اس کو بعض قراء نے بفتح تا پڑھا ہے جس کے معنی مہر کے ہیں یعنی آپ سب نبیوں کی مہر ہیں آپ کی آمد سے نبوت پر مہر لگ گئی اور پیغمبری آپ ﷺ پر ختم ہو گئی۔ خط پر مہر جب لگتی ہے کہ جب کتابت تمام ہو جاتی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی ذات بابرکات نبوت پر مہر ہے اس لیے کہ آپ ﷺ کی آمد سے نبوت ختم ہو گئی اور آئندہ کے لیے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور بعض قراء نے خاتم بکسر تا پڑھا ہے جس کے معنی آخر کے ہیں یعنی آپ ﷺ آخر الانبیاء ہیں۔

بہر حال جو بھی قراءت لی جائے بہر صورت معنی یہی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا مہر دروازہ بند کرنے ہی کے لیے لگائی جاتی ہے کہ اندر کی چیز باہر نہ آ سکے اور باہر کی چیز اندر نہ جا سکے۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی کہ کفر اندر بند ہو گیا کہ وہ کفر اب اندر سے باہر نہیں آ سکتا اور باہر سے کوئی ہدایت ان کے دل میں داخل نہیں ہو سکتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اروح وقد ختمت علی فؤادی بحبّک ان یحلّ بہ سواکا

"اے محبوبہ! میں چلتا پھرتا ہوں مگر میرا حال یہ ہے کہ تُو نے میرے دل پر اپنی محبت کی ایسی مہر لگا دی ہے کہ تیری محبت تو دل کے اندر سے باہر نہیں نکل سکتی اور باہر سے کسی اور کی محبت دل کے اندر داخل نہیں ہو سکتی۔"

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں اس طرح آیا ہے: ﴿مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ نَّبِيًّا خَتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ بصیغہ ماضی آیا ہے اور مطلب یہ ہے لیکن آپ ﷺ ایسے نبی ہیں جنہوں نے تمام نبیوں کو ختم کر دیا۔ یہ قراءت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جو تفسیر قرطبی ص ۱۹۷ ج ۱۴ مذکور ہے۔

اس قراءت نے ملاحدہ اور زنادقہ کی تمام تاویلات کو ختم کر دیا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا آپ ﷺ سب نبیوں کے خاتم ہیں آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کسی قسم کا کوئی نبی آنے والا نہیں اور آپ ﷺ پر مطلقاً نبوت ختم ہو گئی۔ مستقلہ ہو یا غیر مستقلہ تشریعیہ ہو یا غیر تشریعیہ۔ اور جب نبوت ختم ہو گئی تو رسالت کا ختم ہونا بدرجۂ اولیٰ معلوم ہو گیا اس لیے کہ عام کی نفی خاص کی نفی کو مستلزم ہے۔

## ③ لفظ خاتم کی تشریح:

لفظ خاتم کلام عرب میں دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی تو حقیقی ہیں اور ایک معنی مجازی ہیں خاتم کے حقیقی معنی آخر کے ہیں جو سب کے بعد ہو اور خاتم کے معنی مجازی افضل اور اکمل کے ہیں اور اکمل اور افضل اس شے کو کہتے ہیں کہ جس پر کوئی کمال اور کوئی فضیلت ختم ہو جائے اور وہ شے اس فضل و کمال میں بے مثال ہو کوئی اس کا مثل اور ثانی نہ ہو۔

اسی طرح آیت میں لفظ خاتم النّبیین کو سمجھو کہ آنحضرت ﷺ کو جو خاتم النّبیین کہا گیا وہ دونوں معنی کے اعتبار سے درست ہے آپ ﷺ زمانہ کے اعتبار سے بھی آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کی ذات والا صفات فضائل و کمالات کا بھی منتہیٰ ہے کہ تمام کمالات آپ ﷺ پر ختم ہیں۔ کمالات نبوت میں کوئی آپ ﷺ کا مثل اور ثانی نہیں اسی معنی کو عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بہر ایں خاتم شدست او کہ بجود مثل او نے بود نے خواہند بود

حضور پُرنور ﷺ اس لیے خاتم النّبیین سے لقب سے ملقب ہوئے کہ فیض رسانی میں نہ گزشتہ زمانہ میں کوئی آپ ﷺ کا مثل ہوا اور نہ آئیندہ زمانہ میں کوئی آپ کا مثل ہوگا یعنی آپ ﷺ کمالات نبوت میں بے مثل اور لاثانی ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ پر ختم نبوت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ آپ نبوت و رسالت میں یکتا اور بے مثل ہیں یعنی آپ ﷺ نبوت و رسالت میں اس درجہ حد کمال کو پہنچے کہ اب اس پر زیادتی اور فوقیت متصور نہیں۔

چونکہ در صنعت برد استاد دست مثل او نے بود نے خواہند بود

جیسے کوئی استاد فن اور ماہر فن کسی صنعت اور فن میں کامل ہوتا ہے تو کیا اس وقت یہ نہیں کہتے کہ اس پر یہ صنعت ختم ہوگئی۔

اسی طرح سمجھو کہ حضور پُرنور ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کے ایک معنی تو وہ ہیں کہ جو سب کے نزدیک ظاہر اور باہر اور مسلم ہیں حضور ﷺ آخری نبی ہیں۔ آخر زمانہ میں سب انبیاء علیہم السلام کے بعد مبعوث ہوئے اور جو اس کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور ملعون اور مرتد ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نبوت و رسالت میں سب سے افضل و اکمل ہیں یعنی کمالات نبوت کے خاتم ہیں آپ ﷺ پر نبوت کے تمام کمالات ختم ہوگئے جیسے استاد سب پر فائق ہوتا ہے اسی طرح حضور پُرنور ﷺ بھی تمام انبیاء علیہم السلام پر فائق ہیں اور سب سے افضل اور اکمل ہیں اور آپؐ کی نبوت اور شریعت اس درجہ کامل ہے کہ اس کے بعد کسی نبوت اور شریعت کی ضرورت باقی نہیں قیامت تک آنیوالوں کی ہدایت کے لیے آپ ﷺ کی شریعت کافی اور وافی ہے۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ خاتم کا اطلاق آخر زمانی پر بھی آتا ہے خاتم کے پہلے معنی حقیقی ہیں اور دوسرے معنی مجازی ہیں اور ان دونوں معنی میں کوئی تضاد اور منافات نہیں کہ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم آئے بلکہ خاتمیت بمعنی جامعیت و اکملیت۔ زماناً ختم نبوت کو مستلزم ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت اور شریعت ایسی جامع اور کامل ہے کہ اس کے بعد اخیر زمانہ عالم تک کسی نبوت اور شریعت کی ضرورت نہیں اسی وجہ سے فرمایا کہ میں خاتم النّبیین ہوں۔ ((لانبی بعدی)) اور فرمایا ((لوکان موسٰی بن عمران حیالما وسعہ الا اتباعی)) یعنی میرے بعد تو کسی کو کیا نبوت اور شریعت ملتی مجھ سے پہلے جن کو نبوت اور شریعت مل چکی ہے بالفرض اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا اور اخیر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کے بعد آپ ﷺ ہی کی شریعت کا اتباع کریں گے اور آپ ﷺ کا نزول رسول ہونے کی حیثیت سے نہ ہوگا بلکہ حکم عدل مقسط ہونے کی حیثیت سے ہوگا۔

نبوت حضور پُرنور ﷺ پر ختم ہوگئی اور آپؐ کو جو شریعت کاملہ عطا کی گئی وہ قیامت تک عالم کی ہدایت کے لیے کافی ہے علماء اُمت آپ کی شریعت کے ذریعہ لوگوں کی تربیت کرتے رہیں گے چونکہ آپ ﷺ خاتم النّبیین ہیں اس لیے آپ ﷺ کے بعد منصب نبوت میں کوئی آپ ﷺ کا وارث نہیں۔ البتہ علماء امت آپ ﷺ کے علم کے وارث ہوں گے علماء نبی تو نہ ہوں گے البتہ انبیاء بنی اسرئیل کی طرح لوگوں کو آپ ﷺ کی شریعت کی تعلیم و تبلیغ کرتے رہیں گے۔

اور اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ دونوں طرح اور دونوں معنی میں خاتم النّبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور مرتبہ اور کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور جو حضور پُرنور ﷺ کے خاتم النّبیین اور آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر و مرتد ہے۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مدعیان نبوت سے جہاد و قتال کرنا اور ان کو اپنی تیغ بے دریغ کا لقمہ بنانا مسلمات میں سے

ہے بلکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد امت محمدیہ میں جو پہلا اجماع منعقد ہوا وہ مدعیان نبوت کے قتل پر ہوا اور کسی سے یہ سوال نہیں کیا گیا کہ تو تشریعی یا غیر تشریعی یا ظلی یا بروزی نبوت کا مدعی ہے۔

عارف رومی نے مثنوی میں جا بجا ختم نبوت کو بیان فرمایا کسی جگہ تو مشہور و معروف معنی کے اعتبار سے آپ ﷺ کا خاتم النّبیین ہونا بیان کیا کہ آپ تمام کمالات اور مراتب عالیہ کے خاتم ہیں اور منصب نبوت و رسالت میں کوئی آپ ﷺ کا مثل اور ثانی نہیں۔

اور لیجیے عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ کمالات نبوت کے خاتم ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کمالات نبوت کے فاتح اور مبداء بھی ہیں۔

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود از کف اِنَّا فَتَحْنَا برکشود

یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام جو علوم اور معارف کے قفل بے کھلے چھوڑ گئے تھے وہ صاحب اِنَّا فَتَحْنَا کے مبارک ہاتھ سے کھل گئے اشارہ اس طرف ہے کہ سورۃ اِنَّا فَتَحْنَا میں اگرچہ ظاہری اور حسی فتح مراد ہے یعنی فتح مکہ کے معنی مراد ہیں لیکن یہ لفظ فتح مکہ کے ساتھ خاص نہیں فتح ظاہری کے ساتھ فتح معنوی اور فتح باطنی کو بھی شامل ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ ﷺ کا ایک لقب فاتح بھی ہوا کہ معنوی اور باطنی قفل آپ ﷺ کے ہاتھ سے کھلے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اِنَّا فَتَحْنَا میں ظاہر فتح یعنی فتح مکہ مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس ظاہری فتح میں ایک معنوی اور باطنی فتح کی طرف بھی اشارہ ہے۔ غرض یہ کہ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور پُرنور ﷺ فاتح النّبیین بھی ہیں۔ اور خاتم النّبیین بھی ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ عارف رومی قدس سرہ السامی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر اعتبار سے خاتم ہیں اور فضیلت کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور آپ ﷺ کا لقب خاتم النّبیین فقط ختم زمانی اور تاخر زمانی میں منحصر نہیں بلکہ ختم زمانی کے ساتھ خاتمیت کمالات کو بھی شامل ہے جو آپ ﷺ کی افضلیت اور اکملیت کی دلیل ہے چونکہ زمانہ کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کا خاتم النّبیین ہونا تمام اُمت کے نزدیک بلا کسی اختلاف کے مسلم تھا اس لیے عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے عارفین کے طریقہ پر ختم نبوت کے ایک دوسرے معنی کی طرف اشارہ فرمایا جو غایت درجہ لطیف ہے۔ مولانائے رومؒ کے کلام سے یہ اخذ کر لینا کہ مولانا خاتمیت زمانی کے منکر ہیں۔ اور بقاء نبوت کے قائل ہیں سراسر حماقت اور نادانی ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص پر حماقت یا چالاکی اور عیاری ختم ہو چکی ہے جو ایسی عجیب عجیب باتیں کرتا ہے عارف رومیؒ نے مثنوی میں خاتمیت کے دو معنی بیان کیے ایک خاتمیت زمانیہ اور دوسرے خاتمیت بمعنی اکملیت و جامعیت کمالات نبوت۔ چونکہ پہلے معنی معروف اور مشہور اور مسلّم تھے کہ اس کا انکار بلا شبہ کفر ہے اس لیے اس کی تفصیل نہیں فرمائی اور دوسرے معنی غیر مشہور تھے اس لیے دوسرے معنی کی زیادہ تفصیل فرمائی اور ختم نبوت کے ان دونوں معنوں میں منافات نہیں بلکہ تلازم ہے کہ خاتمیت بمعنی جامعیت کمالات کے لیے زماناً ختم نبوت لازم ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت اور شریعت اس درجہ کامل اور مکمل ہے کہ اس کے بعد قیامت تک کسی نبوت اور شریعت کی ضرورت نہیں آپ ﷺ کی نبوت اور شریعت قیامت تک ہدایت کے لیے کافی ہے۔ معاذ اللہ! مولانائے رومؒ کا یہ مطلب نہیں کہ حضور پُرنور ﷺ خاتم زمانی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ خاتم مطلق ہیں زماناً بھی اور کمالاً بھی اور دونوں معنوں میں کوئی منافات نہیں بلکہ تلازم ہے حضرات اہل علم مزید تفصیل کے لیے بحر العلومؒ شرح مثنوی ص ۱۴ دفتر ششم دیکھیں اور ختم نبوت کے یہی معنی جن کو مولانا رومؒ نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس وغیرہ میں بیان کیے جس

پر مبتدعین نے بے سمجھے بے حد شور مچایا اور ملاحدہ نے اور مسیلمۂ قادیان کے اذناب نے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے اس کو عقیدۂ بقاء نبوت کی تائید میں پیش کیا مسئلہ کی صحیح حقیقت وہ ہے جو ہم نے ناظرین کے سامنے پیش کر دی ہے۔ دیکھو کلید مثنوی عشر اوّل از شرح مثنوی دفتر ششم مصنفہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۶۱ و مفتاح العلوم شرح مثنوی ص ۷۵ ج ۱۵ اور دیکھو وعظ النور ص ۷۵ از مواعظ حضرت تھانویؒ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ((ان لکل اٰیۃ ظھرًا و بطنا)) ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی معنی۔ سو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے بھی دو معنی ہوں گے ایک ظاہری معنی اور ایک باطنی معنی سو خاتمیت زمانیہ اس آیت کا ظہر ہو گا یعنی باعتبار زمانہ کے سب سے اخیر زمانہ میں سب انبیاء علیہم السلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور خاتمیت کا بطن یعنی باطنی معنی یہ ہوں گے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کے تمام کمالات ختم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تمام کمالات کا منتہیٰ ہے دیکھو اجوبۂ اربعین ص ۸۳ جس طرح روشنیوں کا سلسلہ آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام کمالات کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات پر ختم ہو جاتا ہے۔

حسن یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

غرض یہ کہ حسب ارشاد نبوی ہر آیت کا ایک ظہر ہے یعنی ظاہر ہے اور ایک بطن ہے بمعنی باطن ہے اور ظاہر اور باطن دونوں متلازم ہیں ایک کو دوسرے سے جدا کرنا حقیقت کے نفی اور انکار کے مترادف ہے ہر ظاہر کے نیچے ایک باطن ہے اور وہ باطن جب تک اس ظاہر کے ماتحت رہے تو وہ اس کا باطن ہے اور اگر اس کے تحت سے نکل جائے تو پھر وہ اس کا باطن نہیں۔ ظہر اور بطن مل کر شے واحد بنتا ہے الگ الگ ہو جانے کے بعد کوئی بھی باقی نہیں رہتا باطنی معنی وہی معتبر ہیں کہ جو شریعت کے ظہر (ظاہر) کے تحت ہوں اور اگر شریعت کے ظہر کے تحت سے نکل جائیں یا اس کے اوپر ہو جائیں تو وہ معتبر نہیں خوب سمجھ لو۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام معرفت التیام کا حاصل یہ ہے کہ خاتمیت ایک جنس ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک زمانی اور دوسرے رتبی۔ خاتمیت زمانیہ کے معنی یہ ہیں کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اخیر زمانہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد مبعوث ہوئے اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہ ہو گا اور خاتمیت رتبیہ کے معنی یہ ہیں کہ نبوت و رسالت کے تمام کمالات اور مراتب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہیں اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اعتبار سے خاتم النّبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی اور مراتب نبوت اور کمالات رسالت کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت فقط زمانی نہیں بلکہ زمانی اور رتبی دونوں قسم کی خاتمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانیہ قرآن اور حدیث متواتر اور اجماع اُمت سے ثابت ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانیہ کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ رکعات نماز کا منکر کافر ہے۔

**اطلاع:** اس ناچیز نے حضرت مولانا قاسم اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ بھی لکھ دیا ہے اس کو بھی دیکھ لیا جائے۔

### ④ ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

خاتم النّبیین کے معنی یہ ہیں کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ختم نبوت کے منافی نہیں اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت

ﷺ سے چھ سو سال پہلے نبی بنائے گئے اور صرف بنی اسرائیل کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے اور پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور قیامت کے قریب آسمان سے اسی سابق جسم کے ساتھ نازل ہوں گے کوئی دوسرا جسم نہ ہوگا اور نہ یہ کوئی دوسرا جنم ہوگا اور وہ نزول بحیثیت نبوت و رسالت کے نہ ہوگا۔ اور وہ اس اُمت کی طرف نبی بنا کر نہیں بھیجے جائیں گے بلکہ بحیثیت خلافت ہوگا یعنی خاتم الانبیاء ﷺ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ان کا نزول ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ سے پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں اور نبی نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتا اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نبی اور رسول بھی ہوں گے اور حسب سابق اپنی نبوت و رسالت پر قائم ہوں گے لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کے تابع ہوں گے آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ ہی کے قبلہ کی طرف منہ کر کے آپ کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد اگرچہ نبی اور رسول ہوں گے مگر آپ ﷺ ہی کی شریعت کے تابع ہوں گے ان کا تمام عمل کتاب و سنت اور شریعت پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے مطابق ہوگا اور اسی معنی کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لوکان موسٰی حیا ماوسعه الا اتباعی))۔ یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا اسی طرح سمجھو کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد حضور پُرنور ﷺ اور آپ ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع اور ان کے وزیر تھے اور حضرت لوط علیہ السلام نبی تھے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے اور یحییٰ علیہ السلام نبی تھے مگر زکریا علیہ السلام کے تابع تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد خاتم النبیین کے وزیر اور خلیفہ اور تابع ہوں گے اور جب ایک زمانہ میں بیک وقت ایسے دو نبی ہو سکتے ہیں کہ ایک نبی دوسرے نبی کا تابع ہو تو ایک نبی کے گذر جانے کے بعد دوسرا نبی جو پہلے سے نبی ہو چکا ہے آنے والے نبی کے تابع ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے آخر انبیاء بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے بعد توریت پر عمل کرتے تھے اور شریعت موسویہ کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ﴾ (البقرہ:۸۷)

وَ قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ﴾ (المائدہ:۴۴)

معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو خاتم الانبیاء ﷺ سے پہلے نبوت مل چکی ہے ان کا دنیا میں نازل ہونا ختم نبوت کے منافی نہیں البتہ کسی نئے شخص کا دعوائے نبوت خاتم النبیین کے خلاف ہے اور یہی دعوائے نبوت اس مدعی کے کذاب اور دجال ہونے کی صریح دلیل ہے مرزائے قادیان کا گمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے تو ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جائے گی مگر قادیان کے ایک دہقان کے دعوائے نبوت سے ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹتی۔

## ⑤ نکتہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس اُمت کی طرف پیغمبر بنا کر نہیں بھیجے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی۔ ﴿وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ پھر وہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور ان کا زمانہ بعثت ختم ہو گیا۔ اب اخیر زمانہ میں جو ان کا نزول ہوگا اور وہ نزول اُمت محمدیہ کی مدد کے لیے ہوگا۔ آخر زمانہ میں کافروں کا غلبہ ہوگا اور ان کا سردار دجال خبیث ہوگا جس سے بطور استدراج عجیب و غریب خوارق کا ظہور ہوگا مردوں کو زندہ کرے گا اور بادل سے کہے گا کہ پانی برسا تو وہ اسی وقت برسنے لگے گا۔ اس کے

ہلاک کرنے کے لیے حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام آسمان سے نازل ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے زمانہ نبوت میں اسی قسم کے معجزات عطا کیے تھے اور اجل مقدر سے پہلے آسمان پر اٹھائے گئے پس اخیر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مسیح طیب علیہ السلام کو اس مسیح خبیث یعنی دجال کی ہلاکت کے لیے نازل فرمائیں گے تاکہ وہ نزول کے بعد اپنی دُنیاوی حیات پوری کریں اور اس زندگی میں اُمت محمدیہ کی مدد کریں کہ اُمتِ محمدیہ کو دجال کے فتنہ سے نجات دلائیں۔ وَاللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

⑥ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ خاتم النّبیین نہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دے دی کہ ان کے بعد ان کی ذریت میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ﴾ (الحدید:۲۷) چنانچہ ان کی اولاد میں ہزاروں سال نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور علیٰ ہذا موسیٰ علیہ السلام بھی خاتم النّبیین نہ تھے اس لیے انہوں نے بھی اپنے بعد آنے والے نبیوں کی اور خاص کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دی کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے یعنی بنی اسمٰعیل میں سے مجھ جیسا ایک نبی برپا کرے گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا اور خبر دی کہ اخیر زمانہ میں اللہ کا نور فاران کی چوٹیوں سے چمکے گا اور علیٰ ہذا داؤد علیہ السلام خاتم النّبیین نہ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح انہوں نے بھی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دی اور خلفاء راشدین کی بھی خبر دی کہ اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین ایران اور شام وغیرہ کی زمینوں کے وارث ہوں گے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۝﴾ (الانبیاء:۱۰۵)

اس آیت میں بالاتفاق عباد صالحین سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قیصر وکسریٰ کی سلطنت کے اور تخت وتاج کے وارث خدا کے نیک بندے ہوں گے نبی نہ ہوں گے بلکہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین ہوں گے جس کی تفصیل سورۂ انبیاء میں گزر چکی ہے۔ اور علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ خاتم النّبیین نہ تھے اس لیے انہوں نے اپنے بعد آنے والے فارقلیط کی بشارت دی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ (الصف:۶) اور توریت اور زبور اور انجیل کی انہی بشارات کی بنا پر ہر زمانہ میں علماء یہود اور نصاریٰ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر رہے کیونکہ سب کو یقین تھا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام خاتم النّبیین نہ تھے۔

اور سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ علیہ السلام چونکہ خاتم النّبیین تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں خاتم النّبیین ہوں اور آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد ایران یا قادیان یا ہندوستان میں کسی جگہ کوئی نبی ظاہر ہو تو تم اس کی پیروی کرنا جیسا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام اپنے بعد آنے والے نبیوں کی خبر دیتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی کوئی خبر نہیں دی بلکہ بار بار یہ فرمایا کہ میرے بعد مطلقاً جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کذاب ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بنی اسرائیل میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں اور بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان فرمایا کہ تم آخری امت ہو اور میں آخری نبی ہوں اور فرمایا بالفرض میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتے اور ظاہر ہے کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ نبی ہوتے تو مستقل نبی نہ ہوتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوتے اور ایک حدیث میں ہے کہ اے علی رضی اللہ عنہ! تو میرے لیے بمنزلہ ہارون علیہ السلام کے ہے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی۔ اس لیے ہارون حضرت موسیٰ علیہما السلام کے وزیر اور

تابع تھے۔ پس اگر بالفرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی ہوتے تو جس طرح ہارون، موسیٰ علیہما السلام کے تابع تھے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے تابع ہوتے مستقل نبی نہ ہوتے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق جو آیا ہے وہ حکم فرضی اور تقدیری ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر میرے بعد ہوتے تو یہ لوگ ہوتے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: "اگر میرا فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ رہتا تو نبی اور صدیق ہوتا۔"

یہ کلام بھی فرضی اور تقدیری ہے جس سے یہ بتلانا ہے کہ مجھ پر نبوت ختم ہو چکی ہے میرے بعد نبی ہو کر آنا محال اور ناممکن ہے اس قسم کا کلام کسی چیز کا امکان ظاہر کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کے محال اور ناممکن ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (الانبیاء:۲۲)

قرآن کریم نے جس طرح اس بات کی خبر دی ہے کہ توریت اور انجیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں موجود ہیں اسی طرح قرآن کریم نے یہ خبر دی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات اور بشارات بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ ...الیٰ آخر السورۃ﴾ (الفتح:۲۹)

اور اس کے علاوہ بے شمار آیتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح میں نازل ہوئیں تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص بھی اس قابل نہ ہوا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پا سکے اور ظلی یا بروزی یا کسی قسم کی نبوت اس کو مل سکے تیرہ سو برس تک نبوت کا دروازہ بند رہا صرف مرزا قادیان کے لیے کھلا اور پھر قیامت تک کے لیے بند ہو گیا۔ اور مرزا صاحب کے بعد مرزا صاحب کے جن مریدوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم مرزا صاحب کے ظل اور بروز ہیں ان کو بھی مرزا صاحب نے کافر اور مرتد اور واجب القتل کہہ کر اپنے سلسلہ سے خارج کر دیا گویا کہ مرزا صاحب کے لیے تو نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور باقی سب کے لیے بند ہے اس چودہ سو سال کی مدت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر صرف مرزائے قادیان کو نبی بنا سکی اور مرزا کے بعد وہ مہر ختم ہو گئی یا اس مہر کی صلاحیت ختم ہو گئی کہ اب اس مہر سے قیامت تک کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ جس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ دراصل خاتم النّبیین اور آخری نبی مرزائے قادیان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت حقیقی اور پوری نہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا صاحب کے لیے تو نبوت کا دروازہ کھلا ہوا تھا مگر مرزا صاحب کے بعد نبوت کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو گیا کہ اب کوئی فرد بشر اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

**خلاصہ** یہ کہ قرآن اور حدیث سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضور پُرنور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری نبی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور آیات اور احادیث میں ظلی اور بروزی نبی کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلق نبوت کی نفی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت نہیں ملے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہو سکتا نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی اور نہ ظلی اور نہ بروزی۔

## مسیلمۂ قادیان کا ہذیان

بہر حال ختم نبوت مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور مسیلمۂ قادیان یعنی مرزا غلام قادیانی ختم نبوت کا منکر اور بقاء نبوت کا مدعی ہے کبھی کہتا ہے کہ میں مستقل نبی اور رسول ہوں اور کمالات نبوت میں تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے برتر اور بڑھ کر ہوں۔ چنانچہ نزول المسیح کے ص ۹۹ پر لکھا ہے۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے | من بعرفاں نہ کمترم ز کسے
آنچہ دادہ ست ہر نبی را جام | دادآں جام مرا بتمام

اس قسم کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ مرزائے قادیان اپنے کو انبیاء علیہم السلام کا ہمسر بھی نہیں بلکہ ان سے برتر اور بہتر سمجھتا ہے اور اس قسم کی بے شمار عبارتیں اس کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر مرزا اپنی پردہ پوشی کے لیے اور مسلماں کو دھوکہ دینے کے لیے اور مخالفین کو خاموش کرنے کے لیے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نبوت۔ نبوت محمدیہ سے کوئی علیحدہ چیز نہیں اور اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی اور کبھی کہتا ہے کہ میں عین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ سبحان اللہ۔ کیا مرزا کے والد کا نام عبداللہ اور اس کی والدہ کا نام آمنہ اور اس کی بیٹی کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا تھا مرزا کا یہ کہنا کہ میں عین محمد ہوں اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ میں حقیقتاً اور واقعی عین محمد ہوں تو یہ کھلا ہوا کفر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے اور اگر واقع میں عین محمد نہیں تو پھر فی الحقیقت دوسرے نبی بنے جس سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹی۔ اور کبھی کہتا ہے کہ میں غیر تشریعی اور غیر مستقل نبی ہوں اور کہتا ہے کہ حدیث ((لانبی بعدی)) کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی مستقل اور صاحب شریعت نبی نہ ہوگا۔ اور کبھی کہتا ہے کہ میں ظلی اور بروزی نبی ہوں مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں رام چندر اور کرشن بھی ہوں یعنی ان کا بھی ظل اور بروز ہوں۔ ہر طرف ہاتھ مارتا ہے۔ ہندوؤں کا اوتار اور مسلمانوں کا نبی بننا چاہتا ہے۔

غرض یہ کہ مرزا کا کہنا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہوں محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور کفر اور دجل کو چھپانے کے لیے ہے ورنہ مرزا درحقیقت بصد صراحت نبوت تشریعیہ اور مستقلہ کا مدعی ہے اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح واجب الایمان قرار دیتا ہے اور اپنے منکر اور متردد کو کافر اور جہنمی قرار دیتا ہے۔ حالانکہ خود مرزا کا اقرار ہے کہ صرف صاحب شریعت نبی کے انکار سے کافر ہوتا ہے۔ مُلْهَمْ من اللہ کے انکار سے کافر نہیں ہوتا۔ مرزا نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے چند الفاظ ظلی اور بروزی کے گھڑے ہیں جن کی قرآن اور حدیث میں کوئی اصل نہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مرزا کے کلام سے ان الفاظ کی حقیقت واضح کر دی جائے۔

## بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت

مرزائے قادیان حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۵ و ص ۲۶۶ پر بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ لکھتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو درحقیقت خاتم النّبیین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ (الجمعہ: ۳) بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود قرار دیا جائے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب کو نبوت ملنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ میں آپ کا ظل اور سایہ ہوں اور سایہ اصل کا غیر نہیں ہوتا یعنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عین ہوں اور میرا نام بھی محمد اور احمد ہے اس لیے

میں بعینہ محمد ﷺ ہوں۔

اور تریاق القلوب حاشیہ ص ۳۷۷ میں خود مرزا لکھتا ہے: غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے تقریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد ﷺ کے نام سے پکارا گیا۔

اور کتاب قول فیصل ص ۶ میں بحوالہ اخبار الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء مرزا کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء علیہم السلام میں پائے جاتے ہیں اور سب حضرت رسول کریم ﷺ میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم ﷺ سے ظلی طور پر ہم کو عطا کیے گئے۔ پہلے تمام انبیاء ظلی تھے نبی کریم ﷺ کی خاص صفات میں اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔

ان عبارات میں مرزائے قادیان نے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر دُنیا کو دھوکہ دیا ہے کہ میری نبوت آنحضرت ﷺ کی نبوت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ میں نبی کریم ﷺ کا ظل اور بروز ہوں اور آپ کا سایہ ہوں اور سایہ اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

① یہ سب لغو اور باطل اور بیہودہ خیال ہے اور عقلاً ونقلاً محال ہے اگر بروز سے مرزائے قادیان کا یہ مطلب ہے کہ روح محمدی نے تیرہ سو سال کے بعد مرزا کے جسم میں جنم لیا ہے اور روح محمدی بطریق تناسخ مرزائے قادیان کے جسم میں حلول کر آئی ہے تو یہ عقیدہ اسلام میں کفر ہے یہ عقیدہ تو ہندوؤں کا ہے جو تناسخ کے قائل ہیں اور قیامت کے اور حشر ونشر کے منکر ہیں پس اگر بروزی نبوت سے مرزا کی یہ مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک تیرہ سو سال بعد اعلیٰ علیین سے اور مدینہ منورہ سے چل کر قادیان آئی اور پھر مرزا غلام احمد کے جسم میں اس کا بروز ہوا تو یہ بعینہ تناسخ ہے جس کے ہندو اور آریہ قائل ہیں کہ مرنے کے بعد ارواح فنا نہیں ہوتیں بلکہ ہوا میں پھرتی رہتی ہیں اور جب کوئی مردہ جسم پاتی ہیں تو اس میں گھس جاتی ہیں اور پھر اس میں یہ پابندی نہیں کہ انسان کی روح انسان ہی کے جسم میں داخل ہو بلکہ گدھے اور کتے وغیرہ کے جسم میں بھی داخل ہو جاتی ہے غرض یہ کہ اگر بروز سے مرزا کی بھی یہی مراد ہے تو یہ حقیقت تناسخ ہے۔

② نیز تریاق القلوب کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کے نزدیک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت حضرت ابرہیم علیہ السلام کا بروز تھا اور حقیقت ابراہیمی اور حقیقت محمدی ایک تھی اور دونوں ایک دوسرے کے عین تھے کیونکہ مرزا کے نزدیک ظل اور صاحب ظل میں عینیت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے مرزا اپنے آپ کو عین محمد ﷺ کہتا ہے اور یہ بات بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس سے صاف طور پر لازم آتا ہے کہ سرور عالم محمد ﷺ معاذ اللہ بذات خود کوئی مستقل چیز نہ تھے نہ آپ کا وجود مستقل تھا اور نہ آپ کی نبوت کوئی مستقل شے تھی۔ بلکہ آپ ﷺ کا تشریف لانا بعینہ ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا تھا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام تو اصل رہے اور آنحضرت ﷺ ان کا ظل اور بروز ہوئے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت مستقل نہ تھی بلکہ ظلی اور بروزی تھی اصل نبوت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی اور حضور ﷺ کی نبوت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کا ظل اور بروز تھی۔ اصل تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ ان کی نبوت کا آئینہ تھے اور یہ صریح کفر ہے۔

③ نیز عبارت مذکورہ بالا کی بنا پر جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بروز اور ظل ہوئے اور خاتم النبیین آپ ﷺ ہی ہوئے تو اس سے یہ لازم آیا کہ اصل خاتم النبیین حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں نہ کہ آنحضرت ﷺ۔ کیونکہ بقول مرزا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظل اور بروز ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اصل خاتم النبیین تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ظلی اور بروزی خاتم النبیین ہیں اور فقط سایہ ابراہیمی ہیں۔

اور اگر یہ کہو کہ باوجود ظل اور بروز ہونے کے اصل خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ تو پھر بقول مرزا یہ لازم آئے گا کہ اصل خاتم النبیین تو مرزائے قادیان ہو جو کہ خاتم النبیین ﷺ کے ظل اور بروز ہونے کا مدعی ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ یعنی اصلی خاتم النبیین تو مرزا ہوا اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت محض ظلی اور بروزی اور مجازی ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بھی صریح کفر ہے۔

④ نیز الحکم کی عبارت مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ تمام کمالات رسالت کے جامع تھے تو پھر جب بقول مرزا آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظل اور بروز ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل مجمع کمالات حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے نہ کہ آنحضرت ﷺ کیونکہ آپ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظل اور بروز تھے اور اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور یہ صریح توہین ہے سرور عالم ﷺ کی اور صریح کفر ہے۔

⑤ نیز مرزا نے جو بروز اور ظل کا افسانہ گھڑا ہے وہ بظاہر ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ اور حلول سے لیا ہے مگر جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ اس بات کے ہرگز قائل نہیں کہ جو روح بذریعہ تناسخ دوسرے جون میں کسی بدن میں آ جائے تو وہ بعینہٖ پہلا شخص ہوگا اور اس کے وہی حقوق ہوں گے جو اس شخص کے پہلے جون میں تھے مثلاً فرض کرو کہ کوئی شخص پہلے جون میں ہندوستان کا راجہ تھا یا کسی کا باپ تھا یا ماں تھی یا بیوی تھی اب وہ دوسرے جون میں آنے کے بعد یہ کہے کہ میں تمہارا سابق راجہ ہوں تم پر میرے احکام کی تعمیل واجب ہے یا کسی عورت سے کہے کہ میں تیرا سابق شوہر ہوں اور تو میری سابق بیوی ہے۔ لہٰذا تو میرے ساتھ چل اور میرے گھر کو سنبھال۔ تو کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ بات قابل قبول ہو سکتی ہے تیس سال پہلے سنا گیا تھا کہ ہندوستان میں کسی پنڈت جی نے کسی عورت کے متعلق دعویٰ کیا تھا کہ یہ عورت پہلے جون میں میری بیوی تھی لہٰذا یہ عورت مجھ کو دلائی جائے۔ (واللہ اعلم)

⑥ نیز مرزا صاحب مسیح موعود اور مہدی مسعود اور کرشن اور رامچندر وغیرہ وغیرہ ہونے کے بھی مدعی ہیں تو کیا مرزا صاحب ان سب کے بروز ہیں اور کیا مرزا صاحب کے ایک وجود میں یہ سارے مختلف الانواع وجود جمع ہو گئے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور کرشن وغیرہ وغیرہ یہ سارے مختلف روپ ایک مرزا کے جسم میں کیسے جمع ہو گئے اور ایک جسم خاکی میں یہ مختلف روحیں کیسے جمع ہو گئیں حالانکہ ایک بدن کی مدبر اور منتظم ایک ہی روح ہو سکتی ہے مختلف اور متضاد روحیں ایک بدن کی کیسے مدبر ہو سکتی ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک کے ساتھ معاذ اللہ کرشن جی کی روح مرزا صاحب کے جسم میں کیسے آ گئی۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی روح تو قیامت کی جزاء اور سزا کا وعظ کہے گی اور کرشن جی کی روح قیامت کا انکار کرے گی اور تناسخ کا چکر بتائے گی۔ کرشن جی کی تعلیم کا نمونہ ذیل کے شعروں سے معلوم کر لیں جو فیضی نے اکبر شاہ کے حکم سے لکھے تھے۔

من از ہر سہ عالم جدا گشتہ ام تہی گشتہ از خود خدا گشتہ ام
منم ہر چہ ہستم خدا از من ست فنا از من ست و بقا از من ست

تناسخ و انکار قیامت

ہمہ شکل اعمال بگرفتہ اند بہ تقلیب احوال دل گفتہ اند
گرفتار زندان آمد شدند زبیدانشی خصم جان خود اند

(نعوذ باللہ)

ناظرین کرام غور کریں کہ ایک شخص ببانگ دہل دعویٰ کرتا ہے کہ میں محمد ﷺ بھی ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ہوا اور مہدی علیہ السلام بھی ہوں حتیٰ کہ کرشن بھی ہوں اور دلیل کسی بات کی بھی نہیں لیکن جب اس سے ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اصلی نہیں بلکہ میں تو ان کا بروز اور ظل ہوں۔

⑦ ناظرین کرام غور کریں کہ بروز کے اصل معنی ظہور یعنی ظاہر ہونے کے ہیں اور ظہور تین قسم کا ہوتا ہے جسمانی یا روحانی یا صفاتی اگر مرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسیٰ روح اللہ اور مہدی علیہم السلام اور رجل فارسی اور مجدد اور کرشن وغیرہ کا جسمانی بروز ہوں تو یہ بالکل باطل اور مہمل ہے کیونکہ مرزا غلام اپنے باپ غلام مرتضیٰ کے نطفہ سے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا وہ ان اشخاص کا جسمانی بروز کیسے ہوسکتا ہے جو اس سے سینکڑوں اور ہزاروں برس پہلے پیدا ہو چکے ہیں اور امام مہدی علیہ السلام تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے اور جن میں سے کوئی عربی النسل ہے اور کوئی فارسی النسل ہے اجتماع ضدین تو عقلاء کے نزدیک محال ہے غرض یہ کہ بروز جسمانی تو عقلاً محال ہے اور کوئی عاقل دُنیا میں اس کا قائل نہیں۔ اور اگر اس بروز سے مرزا صاحب کی مراد روحانی بروز یعنی روحانی تعلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک نے مرزا کے جسم میں بروز کیا ہے تو وہ بھی باطل ہے ایک جسم کے اندر متعدد اور متضاد روحیں جمع نہیں ہوسکتیں تمام حکماء متقدمین اور حکماء حال کا اس پر اتفاق ہے کہ روح ایک جوہر مجرد ہے وہ صرف ایک ہی بدن میں مدبر اور متصرف ہوسکتا ہے اور بقول مرزا صاحب بھی روحانی بروز ناممکن ہے اس لیے کہ مرزا صاحب کے نزدیک ارواح انبیاء کرام علیہم السلام بعد مرگ بہشت میں داخل ہو چکی ہیں اور جو بہشت میں داخل ہو چکا اس کو وہاں سے نکلنے کی اجازت نہیں۔ (دیکھو ازالۃ الاوہام ص ۳۵۲)

پس جب روح بہشت سے نکل ہی نہیں سکتی تو روحانی بروز باطل ہوا اور روحانی ظلیت بھی باطل ہوئی کیونکہ ظل یعنی سایہ تو اصل کا ہوتا ہے جب اصل بہشت میں ہے تو دُنیا میں اس کا ظل محال ہے ظل کے لیے اصل کا وجود ضروری ہے۔ جب اس دُنیا میں اصل کا وجود نہیں تو ظل کا وجود کیسے ہوسکتا ہے۔

اور اگر اس بروز سے مرزا صاحب کے نزدیک صفاتی بروز مراد ہے تو صفاتی بروز کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی بشر میں کسی صالح یا طالح کی صفات ظہور پذیر ہو جائیں پس اگر اس میں صالحین جیسی صفات اور کمالات نظر آئیں تو یہ کہیں گے کہ یہ شخص صالحین کا بروز صفاتی ہے اور اگر کسی میں کفار و فجار کے کردار نظر آئیں تو یہ کہیں گے کہ یہ شخص کفار و فجار کا بروز صفاتی ہے اور یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کے اخلاق و اعمال انبیاء جیسے تو درکنار۔ نیک مسلمانوں جیسے بھی نہ تھے۔ لہٰذا مرزا صاحب صالحین کے بروز صفاتی تو ہو نہیں

سکتے البتہ مسیلمۂ کذاب اور اسود عنسی سے لے کر اس وقت تک جس قدر بھی مدعیان نبوت وعیسویت ومہدیت اور دجالین اور کذابین گذرے ہیں مرزا صاحب ان سب کے دعاوی کاذبہ اور اخلاق سیئہ اور اعمال قبیحہ کے حامل تھے اس لیے مرزا صاحب کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ اس امت کے پیدا شدہ تمام دجالین اور کذابین کے بروز صفاتی تھے تو بالکل درست ہے اگر کوئی شخص تکبر اور غرور میں حد سے گذر جائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ شخص فرعون کا بروز صفاتی ہے اسی طرح سمجھو کہ مرزا صاحب کے اس دعوائے بروز سے ان کی نبوت ثابت نہیں ہوتی بلکہ مسیلمہ کذاب کا بروز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے جب یہ دیکھا کہ قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النّبیین اور آخری نبی ہیں اور پچاس سالہ عمر تک خود مرزا بھی ختم نبوت کا علی الاعلان اقرار کرتا رہا پھر جب دعوائے نبوت کی فکر دامنگیر ہوئی تو یہ خیال آیا کہ دعوائے نبوت پر علماء اور مولوی اور عام مسلمان میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور مجھ کو دجال اور کذاب بتائیں گے اس لیے یہ تدبیر نکالی کہ یہ کہنا شروع کیا کہ خود نبی کریم ﷺ نے مجھ میں بروز کیا ہے اور میں حضور پُرنور ﷺ کا ظل اور سایہ ہوں تا کہ جُہّال یہ سن کر دم نہ مار سکیں اس لیے کہ دجال وکذاب تو وہ ہو کہ جو آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی دوسرا نبی ہو جو حضرت کے بعد نبوت کا دعوٰی کرے جب خود حضرت ہی وہ دعوٰی کر رہے ہیں تو اب کسی کو انکار کی مجال ہی کیا۔

یہ سب ابلہ فریبی اور مکاری اور دھوکہ دہی ہے اس طرح تو جس کا جی چاہے دعوٰی کر دے کہ میں فلاں نبی کا یا فلاں رسول کا ظل اور بروز ہوں اور ان کا عین ہوں اور ان کا وجود میرا وجود ہے اور اللہ نے بیس برس پہلے میرا نام محمد اور احمد رکھا تھا وغیرہ وغیرہ۔ آخر دعوے کے لیے دلیل تو چاہیے زبانی دعوٰی تو کچھ بھی مشکل نہیں۔

⑧ نیز مرزا کا یہ کہنا کہ سایہ ذی سایہ کا عین ہوتا ہے بالکل غلط اور مہمل ہے کسی شخص کا سایہ ذی سایہ کا عین نہیں ہوتا۔ اسی طرح بالفرض اگر کسی کو نبی کا سایہ مان بھی لیا جائے تو نبی کا سایہ نبی کا عین نہیں ہوسکتا اور نہ اس سایہ کو نبی اور رسول کہا جاسکتا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے سے مرزا کا نبی ہونا لازم نہیں آتا۔

⑨ اور اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیا جائے کہ سایہ اور ذی سایہ ایک ہی ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ ظل اللہ ہیں یعنی اللہ کا سایہ ہیں تو لازم آئے گا کہ حضور پُرنور عین خدا ہیں اور مرزا صاحب اپنے خیال میں عین محمد ہیں اور ظل محمد ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ سایۂ خدا ہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاذ اللہ مرزا صاحب عین خدا ہیں اور اس کے کفر ہونے میں کیا شبہ ہے۔

⑩ نیز مرزا صاحب بار بار یہ کہتے ہیں کہ میں بعینہٖ محمد ﷺ ہوں تو کیا مرزا صاحب کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا کیا کوئی ادنیٰ عقل والا اس کا تصور کرسکتا ہے کہ قادیان کا ایک دہقان مختاری کے امتحان میں فیل ہونے والا اور انگریزی کچہریوں کا چکر لگانے والا وہ بعینہٖ محمد ﷺ ہوسکتا ہے۔ معاذ اللہ! معاذ اللہ۔

اور اگر ظل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذی ظل کی کوئی صفت اس میں آجائے تو اس سے اتحاد اور عینیت ثابت نہیں ہوتی جس طرح حدیث میں شاہ عادل کو ظل اللہ کہا گیا ہے تو اس سے اس کی الوہیت ثابت نہیں ہوجاتی۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ظل ہونے سے مرزا صاحب کی مراد یہ ہے کہ جس طرح آئینہ میں کسی شخص کا عکس پڑجاتا ہے اسی طرح مرزا صاحب میں بھی کمالات محمدیہ اور انوار رسالت مصطفویہ کا عکس پڑا ہے پس اگر تھوڑی دیر کے لیے اس دعوائے بلادلیل کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے بھی مرزا کی نبوت ثابت نہیں

ہوتی۔اس لیے کہ آئینہ میں عکس پڑنے سے آئینہ کی کوئی حقیقی صفت ثابت نہیں ہوجاتی آئینہ میں بادشاہ کا بھی عکس پڑ جاتا ہے مگر اس انعکاس سے آئینہ بادشاہ نہیں بن جاتا۔عکس سے آئینہ میں ذی عکس کی کوئی حقیقی صفت نہیں آجاتی بلکہ ایک قسم کی مشابہت اور ہم رنگی آجاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں۔یعنی ان کے ہم رنگ ہیں اور ان کے کمالات کا نمونہ ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ اس امت کے علماء حقیقتاً پیغمبر اور نبی ہیں غرض یہ کہ انعکاس اور ظلیت سے عینیت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے خلیفہ تھے اور کمالات خداوندی کا آئینہ اور نمونہ تھے۔جیسا کہ حدیث میں ہے:(( خلق اللہ آدم علی صورتہٖ)) مگر معاذ اللہ عین خدا نہ تھے۔

پس خلیفہ ساخت صاحب سنیۂ تابود شاہین را آئینہ

اور خلفائے راشدین آنحضرت ﷺ کے کمالات علمیہ وعملیہ کا آئینہ اور نمونہ تھے مگر نبی نہ تھے فقط نبی کے خلیفہ اور جانشین تھے جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء میں خلفائے راشدین کا آنحضرت ﷺ سے قوت علمیہ اور قوت عملیہ کا تشبہ ثابت کیا ہے اور عقلی اور نقلی دلائل سے اس کو مدلل اور مبرہن کیا ہے جس سے خلفاء راشدین کی فضیلت ثابت ہوئی نہ کہ نبوت۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ ظلیت اور انعکاس سے اتحاد اور عینیت کا ثابت کرنا سراسر غلط اور باطل ہے ظلیت اور انعکاس سے صرف ایک قسم کی مشابہت اور مناسبت اور ہم رنگی ثابت ہوجاتی ہے سو اگر مرزا کا یہ خیال اور گمان (بشرطیکہ ثابت ہوجائے) کہ میں آنحضرت ﷺ کے کمالات کا آئینہ اور نمونہ ہوں اور کمالات نبوت میں سرور عالم ﷺ کا مشابہ اور ہمرنگ ہوں تو مرزائے قادیان کی امت بتلائے کہ مرزائے قادیان کن کن کمالات علمیہ اور عملیہ میں سرور عالم ﷺ کا آئینہ اور نمونہ تھے۔ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں فلاں شخص کا ظل اور بروز ہوں اور اس کا عکس اور مظہر اتم ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ شخص صفات کمال میں اس کا ایک نمونہ ہے اور اخلاق واعمال میں اس کا شبیہ اور مثیل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ اس کا عکس اور اس کی تصویر ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اگرچہ ذات مختلف ہے مگر آئینہ میں جو عکس اور نقش نظر آرہا ہے وہ اصل کے ہمرنگ ہے اور بظاہر ہو بہو وہی معلوم ہوتا ہے۔لہٰذا جب مرزا قادیان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں سرور عالم ﷺ کا ظل اور بروز ہوں اور حضور پُرنور ﷺ کے کمالات کا مظہر اتم ہوں تو آخر بتلائے بھی سہی کہ وہ کن صفات اور کمالات میں سرور عالم ﷺ کا مشابہ تھا۔مرزائے غلام حضور پُرنور ﷺ کے تو کیا مشابہ اور مماثل ہوتا وہ تو غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ بھی نہیں ہوسکتا۔

ہاں تیرہ سو برس میں جس قدر بھی مدعیان نبوت اور مسیحیت اور مہدویت اور دجال وکذاب گذرے ان سب کے وساوس اور دسائس کا ظل اور بروز تھا۔

آج اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں ہارون رشید رحمہ اللہ کا یا سلطان صلاح الدین رحمہ اللہ کا یا شاہ عالمگیرؒ کا یا قائد اعظم کا ظل اور بروز ہوں اور ان کا مظہر اتم ہوں۔لہٰذا تم سب پر میری اطاعت واجب اور لازم ہے تو حکومت اس کو جیل خانہ یا پاگل خانہ بھیج دے گی۔اس قسم کی باتوں سے جب بادشاہت ثابت نہیں ہوسکتی تو نبوت ورسالت کہاں ثابت ہوسکتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر آج کوئی سیاہ فام یا گلفام یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میں یوسف علیہ السلام کا ظل اور بروز ہوں اور میں عزیز مصر ہوں تو شاید کوئی پرلے درجہ کا دیوانہ ہی اس دعوے کے قبول کرنے پر تیار ہوجائے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو قادیان کے ایک دہقان کو تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا ظل اور بروز اور ان کے کمالات اور صفات کا آئینہ اور مظہر اتم ماننے پر تیار ہو گئے ہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک

**خلاصۂ کلام** یہ کہ حدیث ((لا نبی بعدی)) میں مرزائیوں کی یہ تاویل کہ ((لا نبی بعدی)) کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی مستقل نبی نہیں۔ یہ تاویل بالکل مہمل ہے یہ تاویل تو ایسی ہے جیسے کوئی مدعی الوہیت ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کے یہ معنی بیان کرنے لگے کہ خدا کے سوا کوئی مستقل معبود نہیں لیکن جو معبود خدا تعالیٰ کا ظل ہو یا اس کا بروز ہو یا اس کا عین ہو تو ایسا عقیدہ عقیدۂ توحید کے منافی نہیں جیسا کہ مشرکین تلبیہ میں کہا کرتے تھے۔ ((لا شریك له الا شریك لك تملكهٔ و ما ملك)) اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیری ہی ملک ہے یعنی بت وغیرہ وہ سب تیرے ہی ماتحت ہیں یعنی جس طرح ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی تاویل مذکور کفر ہے اسی طرح ((لا نبی بعدی)) کی مرزائی تاویل بھی کفر ہے۔ مرزائیوں کی اس تاویل کے جواب میں کوئی مدعی الوہیت کہہ سکتا ہے کہ میری الوہیت خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے منافی نہیں اور تاویل یہ کرے کہ میں مستقل الوہیت کا مدعی نہیں بلکہ میں ظلی اور بروزی الوہیت کا مدعی ہوں تو کیا یہ تاویل اس مدعی الوہیت کو کفر سے بچا سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح مرزائے غلام کا یا اس کے کسی چیلہ کا یہ کہنا کہ مرزا مستقل نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ظلی اور بروزی نبوت کا مدعی ہے اس کو کفر سے نہیں بچا سکتی۔

⑦ تمام اسلامی فرقے اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں لیکن شیعوں کے بعض فرقے بظاہر اگرچہ ختم نبوت کے قائل اور مقر ہیں مگر در پردہ ائمہ کی نبوت کے قائل ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک جب ائمہ انبیاء سے افضل ہیں اور معصوم اور واجب الاطاعت ہیں اور صاحب وحی ہیں اور تحلیل و تحریم کے مختار ہیں تو یہی خلاصہ ہے نبوت کا۔ تو یہ فرقے در پردہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اور شیعوں کے بعض فرقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیر کا درجہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے بالا اور برتر ہے پس ان شیعوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی ماننا یہ بھی در پردہ ختم نبوت کا انکار ہے۔

مگر چونکہ صراحتاً نبوت کے منکر نہیں اور خاتم النبیین کے سوا کسی کے لیے مثبت نبوت نہیں اس لیے فقہاء نے اس بنا پر شیعوں کی تکفیر نہیں کی کیونکہ لزوم کفر ہے۔ التزام کفر نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کو بہت سی یاد اور پاکی بولو اس کی صبح اور

اَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ

شام۔ وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے کہ نکالے تم کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ

اندھیروں سے اُجالے میں۔ اور ہے ایمان والوں پر مہربان۔ دعا ان کی جس دن

يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ

اس سے ملیں گے سلام ہے اور رکھا ہے ان کے واسطے نیگ عزت کا۔ اے نبی!

اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ

ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا اور خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا۔ اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور

سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا

چراغ چمکتا۔ اور خوشی سنا ایمان والوں کو کہ ان کو ہے خدا کی طرف سے بڑی

كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ

بزرگی۔ اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا اور چھوڑ دے ان کو ستانا، اور بھروسہ کر

عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾

اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا

## تبشیر مؤمنین و انذار کافرین ومنافقین و ذکر بعض فضائل نبی کریم ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ ... الى... وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی فضیلت وکرامت یعنی آپ ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں اہل ایمان کو حکم دیتے ہیں کہ تم صبح وشام اللہ کے ذکر اور شکر میں لگے رہو خاص کر اللہ کی اس نعمت کو پیش نظر رکھو کہ اس نے تمہاری ہدایت کے لیے ایک بشیر ونذیر کو مبعوث فرمایا پس اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ تم اس بشیر ونذیر پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو اور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ اہل ایمان اور اہل اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل کبیر کی خوشی سنا دیجیے اور آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ ارشاد فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کی ایذاؤں کی پروانہ کیجیے اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا کافی کارساز ہے اور یہ مضمون شروع سورت کے مضمون کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہے اور سلسلۂ کلام میں آنحضرت ﷺ کے بعض فضائل اور کمالات کا ذکر کیا۔ تاکہ لوگوں پر آپ ﷺ کی جلالت شان ظاہر ہو۔ (جیسا کہ شروع سورت سے یہ مضمون چلا آ رہا ہے) اور اہل ایمان دل وجان سے آپ ﷺ

کی اطاعت کریں اور منافقین کی طرح آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کر کے آپ ﷺ کو ایذاء اور تکلیف نہ پہنچائیں۔

گزشتہ رکوع میں نکاح زینب ؓ کے متعلق منافقین کے طعن کا جواب دیا تھا اب ان آیات میں اہل ایمان کو ہدایت فرمائی کہ تم کو چاہیے کہ نبی کی جلالت شان کو ملحوظ رکھو اور منافقین کی طرح اللہ کے رسول کو کوئی ایذاء نہ پہنچاؤ۔ نبی تمہارے روحانی باپ ہیں دل وجان سے ان کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کو بہت یاد کرو اس کی یاد سے کسی وقت غافل نہ ہو۔ اور سب سے افضل ذکر ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کا ہے اور اس کے بعد ذکر تسبیح و تحمید ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور خاص کر صبح و شام اس کی تسبیح و تقدیس کیا کرو ان دو وقتوں میں عالم کی وضع میں عظیم تغیر اور انقلاب ظاہر ہوتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تغیرات اور انقلابات اس قدرتِ کاملہ کے کرشمے ہیں اور اس کی ذات ہر تغیر اور بلندی اور پستی سے پاک ہے وہ ایسا خدا ہے کہ جو خود بھی تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے حکم سے اس کے فرشتے بھی تمہارے لیے دعاء رحمت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا اس طرح تم پر رحمت بھیجنا اور فرشتوں کو تمہارے لیے رحمت کا حکم دینا۔

كما قال الله تعالىٰ: ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝﴾ (المومن: ۷)

اس لیے ہے تاکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس طرح کی رحمت اور عنایت سے تم کو جہالت اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت میں لے آوے اور ظلمت کفر سے نورِ ایمان کی طرف اور ظلمت نفاق سے نورِ اخلاق کی طرف اور ظلمت معصیت سے نورِ طاعت کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ اپنی رحمت اور عنایت سے اور پھر فرشتوں کی دعا کی برکت سے تم کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لے آوے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر بڑا مہربان ہے خود بھی ان پر رحمت کرتا ہے اور فرشتوں کو بھی ان کے لیے دعائے مغفرت و رحمت کا حکم دیتا ہے آج تو اس کے کرم کی یہ حالت ہے اور کل جب مؤمنین اس کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ مرنے کے وقت یا قبر سے اٹھنے کے وقت یا جنت میں داخل ہونے کے وقت اللہ کی طرف سے ان کا خیر مقدم یعنی تحیہ کرامت سلام ہوگا [1] جب ملک الموت مؤمن کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو پہلے اسے سلام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے سلام پہنچاتا ہے۔

زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سلام درحقیقت سلامتی کی خوشخبری ہوتی ہے اللہ تم کو تمام آفات سے سلامت رکھے گا اور جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے اس وقت فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی بشارت سنائیں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد فرشتے ان کی ملاقات کے لیے آئیں گے اور ان کو سلام کریں گے۔

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ (الرعد: ۲۳)

---

[1] كما روى عن البراء بن عازب قال: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ فيسلم ملك الموت على المؤمن عند قبض روحه لايقبض روحه حتىٰ يسلم عليه. تفسیر قرطبی ص ۱۹۹ ج ۱۴۔

وروى عن ابن مسعود انه قال اذا جاء ملك الموت يقبض روح المؤمن قال ربك يقرئك السلام۔ (روح المعانی ص ۴۱ ج ۲۲)

اور جب دارِ کرامت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور اللہ کی طرف سے ان پر سلام ہوگا۔ ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ﴾ (یٰسین:۵۸)۔(رواہ ابن ماجہ)

اور اس کے علاوہ اللہ نے اہل ایمان کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو ان کو وہاں عطا ہوگا فقط جانے کی اور وہاں پہنچنے کی دیر ہے وہاں پہنچے اور ملا۔

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی صفات کا ذکر فرماتے ہیں جن پر ایمان لانے کی بدولت یہ لوگ جہالت اور ضلالت کی ظلمت سے نکل کر نورِ ہدایت میں داخل ہوئے اور جس کے اتباع کی برکت سے آخرت میں ان نعمتوں اور کرامتوں کے مستحق ہوئے ورنہ جو لوگ اس نبی پر ایمان نہیں لائے اس وقت ان کی ذلت اور خواری سب کے سامنے ہوگی چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی تحقیق ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اس شان سے کہ آپ قیامت کے دن گواہ ہوں گے۔ قیامت کے دن آپ ﷺ گواہی دیں گے کہ یہ گروہ ایمان لایا اور اس گروہ نے کفر کیا اور آپ کو خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور کافروں کو عذاب دوزخ سے ڈرائیں اور اس شان سے بھیجا کہ آپ بحکم خداوندی لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیں اور ہم نے آپ کو ہدایت کا چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا یعنی آفتاب ہدایت بنا کر بھیجا جس کی روشنی سارے عالم میں پھیل گئی اور حق اور باطل کا فرق واضح ہو گیا۔ پس اگر کافر اندھے ہو گئے تو قصور ان کا ہے لہٰذا آپ ﷺ ان اندھوں کو تو چھوڑ دیئے اور اہل ایمان کو جنہوں نے اس نورِ ہدایت کو قبول کیا ان کو خوشخبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا ہی فضل ہے اور اے نبی! آپ ﷺ مکہ کے کافروں اور مدینہ کے منافقوں کی بات نہ ماننا یہ لوگ اندھے ہیں اور تاریکی میں غرق ہیں اور ان کافروں اور منافقوں کی ایذاء کو چھوڑ دیئے یعنی اس کی پروانہ کیجیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ کافی کارساز ہے ان کافروں اور منافقوں کی طعن و تشنیع کی طرف التفات نہ کیجیے۔ آپ ﷺ کا اللہ کارساز ہے۔

| |
|---|
| يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ |
| اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مسلمان عورتوں کو، پھر ان کو چھوڑ دو، |
| قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ |
| پہلے اس سے کہ ہاتھ لگاؤ ان کو سو ان پر حق نہیں تمہارا عدت میں بیٹھنا، کہ گنتی پوری کرواؤ |
| فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝۴۹ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا |
| سو ان کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح۔ اے نبی! ہم نے حلال رکھیں |
| لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ |
| تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر تو دے چکا اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا، جو ہاتھ لگاوے تجھ کو |

اللّٰہُ عَلَیۡکَ وَ بَنٰتِ عَمِّکَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَ بَنٰتِ خَالِکَ وَ بَنٰتِ

اللہ، اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور

خٰلٰتِکَ الّٰتِیۡ ہَاجَرۡنَ مَعَکَ ۫ وَ امۡرَاَۃً مُّؤۡمِنَۃً اِنۡ وَّہَبَتۡ نَفۡسَہَا

خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور جو کوئی عورت ہو مسلمان اگر بخشے اپنی جان

لِلنَّبِیِّ اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنۡ یَّسۡتَنۡکِحَہَا ٭ خَالِصَۃً لَّکَ مِنۡ دُوۡنِ

نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لے نری تجھی کو، سوا سب

الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَیۡہِمۡ فِیۡۤ اَزۡوَاجِہِمۡ وَ مَا مَلَکَتۡ

مسلمانوں کے۔ ہم کو معلوم ہے جو ٹھہرا دیا ہم نے ان پر ان کی عورتوں میں، اور ان کے ہاتھ

اَیۡمَانُہُمۡ لِکَیۡلَا یَکُوۡنَ عَلَیۡکَ حَرَجٌ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۵۰﴾

کے مال میں، تا نہ رہے تجھ پر تنگی اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡہُنَّ وَ تُـٔۡوِیۡۤ اِلَیۡکَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابۡتَغَیۡتَ

پیچھے رکھ لے تو جس کو چاہے ان میں، اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے اور جس کو جی چاہے تیرا ان میں سے

مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکَ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَنۡ تَقَرَّ اَعۡیُنُہُنَّ وَ

جو کنارے کر دی تھیں، تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر۔ اس میں لگتا ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں ان کی اور

لَا یَحۡزَنَّ وَ یَرۡضَیۡنَ بِمَاۤ اٰتَیۡتَہُنَّ کُلُّہُنَّ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ

غم نہ کھاویں اور راضی رہیں اس پر جو تو نے دیا ساریاں اور اللہ جانتا ہے جو

قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنۡۢ

تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ سب جانتا تحمل والا حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس

بَعۡدُ وَ لَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِہِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَکَ حُسۡنُہُنَّ

پیچھے اور نہ یہ کہ ان کے بدلے اور کرے عورتیں اگرچہ خوش لگے تجھ کو ان کی صورت

ع ۲/۴ ۲

اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ؏ ۵۲

مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا۔ اور ہے اللہ ہر چیز پر نگہبان۔

## ذکر بعض احکام نکاح وطلاق وبعض خصائص نبوی دربارۂ نکاح

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ . . . الٰى . . . وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ؏ ۵۲ ﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح اور طلاق کا قصہ مذکور تھا۔ اس لیے آئندہ آیات میں نکاح اور طلاق وغیرہ کے کچھ احکام ذکر کرتے ہیں۔ بعض احکام تو وہ ہیں جو عام مؤمنین سے متعلق ہیں اور بعض احکام وہ ہیں جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے متعلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور شرف اور کرامت کی دلیل ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ نبی کی ایک خاص شان امتیازی ہے جس کی بنا پر نبی کے حق میں بعض احکام اُمت کے احکام سے جدا ہیں اور نکاح کے بارہ میں جو وسعت اور سہولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہے وہ دوسروں کو نہیں دی گئی اور اسی طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بعض احکام میں عام مسلمان عورتوں سے جدا اور ممتاز ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن عام مسلمان عورتوں کی طرح نہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح حرام ہے کیونکہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے روحانی باپ ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں ان کا ادب اور احترام ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان میں کوتاہی نبی کی ایذاء کا سبب ہے جو بلاشبہ حرام اور موجب لعنت ہے اور اسی سلسلہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارہ میں دعوت ولیمہ کے وقت بعض لوگوں کے کھانا کھا کر دیر تک بیٹھے رہنے اور باتیں کرتے رہنے سے حضور پُرنور کو جو گرانی پیش آئی ان آیات میں اس کا ذکر فرمایا۔ اور اس کے بارہ میں حکم نازل فرمایا۔ بعض لوگوں کا دعوت ولیمہ میں دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہنا اگرچہ بطور موانست اور تفریح طبع تھا معاذ اللہ معاذ اللہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذاء اور تکلیف کے ارادہ سے نہ تھا لیکن بہر حال دیر تک اس طرح بیٹھے باتیں کرتے رہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر عاطر کے لیے باعث گرانی ہوا اس لیے حکم نازل ہوگیا کہ کھانے سے فراغت کے بعد اپنے گھروں کو واپس ہونا چاہیے۔

غرض یہ کہ ان آیات میں جس قدر احکام ذکر کیے گئے ان سب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کا اظہار مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ اہل ایمان پر یہ لازم ہے کہ غیر اختیاری طور پر بھی نبی کی ایذاء اور تکلیف کا سبب نہ بنیں کہ دعوت میں کھانا کھا کر بےفکری سے بیٹھے باتیں کرتے رہیں دور تک یہی سلسلہ کلام چلا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول نے نکاح اور طلاق کے بارہ میں تم کو جو احکام دیئے ہیں ان کی تعمیل کرو منجملہ ان احکام کے ایک حکم یہ ہے کہ اے اہل ایمان جب تم ایمان والیوں کو اپنے نکاح میں لاؤ پھر کسی وجہ سے تم ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو۔ یعنی مباشرت یا خلوت صحیحہ سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان عورتوں پر کوئی عدت واجب نہیں جس کے دنوں کو شمار کرو۔ طلاق قبل الدخول میں کسی قسم کی عدت نہیں اس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے چلی جائے

اور جس سے چاہے نکاح کرے ایسی عورت پر تمہارا کوئی حق نہیں رہا پس طلاق کے بعد تم ان کو کچھ مالی فائدہ پہنچا دو اور ان کو متعہ یعنی ایک جوڑا پوشاک دے کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دو جس میں ان کو کسی قسم کا ضرر نہ ہو۔ ''متعہ'' اس عطیہ کو کہتے ہیں جو خاوند کی طرف سے طلاق دینے کے بعد بیوی کو دیا جاتا ہے۔

**فائدہ:** ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سلسلہ میں اس مسئلہ کا بیان کرنا شاید اس بنا پر ہو کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے نکاح کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے تو وہ بولی اللہ تم سے پناہ دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے بڑی ذات کی پناہ مانگی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم الگ ہو گئے اور باہر آ گئے اور اس عورت کو جوڑا پوشاک دے کر رخصت کر دیا۔

ان آیات میں نکاح اور طلاق کے متعلق جو حکم بیان کیا گیا وہ عام مسلمانوں سے متعلق ہے اب آئندہ آیات میں نکاح کے ان احکام کو بیان کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

### حکم اوّل:

اے پیغمبر تحقیق ہم نے حلال رکھا تیرے لیے تیری ان بیبیوں کو جو اس وقت تیرے نکاح میں ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت کو اختیار کیا اور باوجود فقر و فاقہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کو بصد ہزار رغبت قبول کیا اور جن کا مہر بھی ادا کر چکے ہیں۔ اگرچہ ان کا عدد چار سے زیادہ ہے مگر ہم نے خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کی زوجیت کو برقرار رکھا اور یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے لیے چار سے زیادہ بیبیاں رکھنا حلال نہیں آیت کی یہ تفسیر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (دیکھو تفسیر ابن جریر ص ۱۶ ج ۲۲)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جمہور علماء کے نزدیک آیت کے یہی معنی مختار اور راجح ہیں کہ آیت میں ﴿ أَزْوَاجَكَ ﴾ سے موجودہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا کیونکہ آیت میں ﴿ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ بصیغۂ ماضی آیا ہے جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ﴿ أَزْوَاجَكَ ﴾ سے وہی بیبیاں مراد ہیں جن کا مہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ گزشتہ میں ادا کر چکے ہیں۔ (تفسیر قرطبی [1] ص ۲۰۶ ج ۱۴)

### حکم دوم:

اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ لونڈیاں اور باندیاں حلال کیں جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں عطا کیں خواہ وہ کسی قوم کی ہوں وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہیں ان میں سے جس عورت کو آپ چاہیں بطور ملک یمین اپنے تصرف میں لا سکتے ہیں اس لیے کہ جو باندی مال غنیمت سے ملی ہے وہ بلاشبہ حلال ہے۔ خریدی ہوئی چیز میں شبہ ہو سکتا ہے مگر مال غنیمت کے بارہ میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے مالوں میں سے کوئی مال غنیمت سے بڑھ کر حلال اور طیب نہیں۔

---

[1] قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ اختلف الناس فی تاویل قوله تعالیٰ: اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ فقیل المراد بها ان الله تعالیٰ احل له ان یتزوج کل امراة یرتیها مهرها. وقیل المراد اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ ای الکائنات عندك لانهن قد اخترنك علی الدنیا والآخرة قاله الجمهر مِنَ العلماء وهو الظاهر لان قوله اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ ماضٍ وَلا یکون الفعل الماضی بمعنی الاستقبال الا بشروط. ویؤید هذا التاویل ما روی عن ابن عباس رضی الله عنهما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یتزوج فی ای النّاس شاء وکان یشق ذٰلك علی نسائه فلما نزلت هذه الآیة وحرم علیه بها النساء الامن سمی، سُرّ نسائه بذلك۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۰۶ ج ۱۴)

باندیوں کے بارہ میں آپ ﷺ کی خصوصیت یہ تھی کہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ کو اختیار تھا کہ جو چیز آپ کو پسند آئے وہ لے لیں۔ چنانچہ غزوہ خیبر میں آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اسی طرح لیا تھا اور یہ حق آپ ﷺ کے سوا دوسرے کو نہیں نیز اس بارہ میں ایک خصوصیت آپ ﷺ کی یہ تھی کہ اہل حرب کی جانب سے جو ہدایا آپ ﷺ کے پاس آتے تھے وہ سب آپ کی ملک ہوتے تھے اور آپ ﷺ کے بعد اگر کسی خلیفہ یا بادشاہ کو اہل حرب کوئی ہدیہ دیں تو وہ عام مسلمانوں اور بیت المال کا حق ہے اور ایک خصوصیت آپ ﷺ کی یہ تھی کہ جو باندی وفات تک آپ ﷺ کے پاس رہی ہو جیسے ماریہ قبطیہ۔ وہ دوسروں کے لیے حرام تھیں ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ خصوصیتیں ہوں جو اسی زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہوں اور انہی کو اس کی ضرورت بھی تھی۔

## حکم سوم:

اور ہم نے حلال کیا تیرے واسطے تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں۔ جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت بھی کی ہو یعنی جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت نہیں کی وہ آپؐ کے لیے حلال نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں سے آپ ﷺ کو ماں باپ کی جانب سے قرابت ہو آپ ﷺ کے لیے ان سے نکاح حلال ہے مگر بشرط ہجرت اور اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنی چچا زاد بہن اُم ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابی طالب سے نکاح نہیں کیا کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾ (الانفال: ۷۲)

**فائدہ:** اور ساتھ ہجرت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عمل میں آپ ﷺ کی شریک اور موافق ہو یعنی انہوں نے بھی آپ ﷺ کی طرح ہجرت کی ہو معیت سے معیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ عمل میں موافقت مراد ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بلقیس کا قول منقول ہے۔ ﴿وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (النمل: ۴۴)۔

## حکم چہارم:

اور مزید برآں ہم نے حلال کر دیا آپ ﷺ کے لیے اس عورت کو کہ جو مسلمان ہو اگر وہ اپنے نفس اور ذات کو بلا کسی عوض کے اور بلا مہر [1] کے پیغمبر کو ہبہ کر دے تا کہ اس کو نبی کی زوجیت اور خدمت کا شرف حاصل ہو جائے تو اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں تو ان کے لیے جائز اور درست ہے کہ وہ اس کو قبول کر کے اپنے نکاح میں لے لیں اور مؤمنہ کی قید اس لیے لگائی کہ کافرہ عورت کسی حال میں آپ کے لیے حلال نہیں اگرچہ وہ کتابیہ ہو اور اگرچہ وہ آزاد ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو عورت اپنی جان کو نبی ﷺ کے لیے ہبہ کر دے اور بلا مہر آپ ﷺ کے نکاح میں آنا چاہے اور اس کا مقصود مال اور مہر نہ ہو بلکہ محض آپ ﷺ کی زوجیت کا شرف اس کا مطمح نظر ہو تو وہ بھی آپ ﷺ کے لیے حلال ہے بشرطیکہ آپؐ اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہیں اور یہ حلت اور یہ اجازت خالص آپ ﷺ کے لیے ہے سب مسلمانوں کے لیے نہیں۔ آپؐ کے سوا کسی مسلمان کے لیے نہیں آپؐ کے سوا کسی اور مسلمان کے لیے بدون مہر کے کسی عورت کو اپنے نکاح میں لے لینا حلال نہیں اور یہ اجازت صرف آپ ﷺ کے لیے ہے لہٰذا جو عورت اپنی جان کو بلا مہر آپ کو ہبہ کر دے تو اس کے لیے کسی حالت میں مہر کا مطالبہ جائز نہیں بلا مہر نکاح کی حلت آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے آپ کے سوا اگر کوئی بلا مہر نکاح

---

[1] کما روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۲۰۸۔

کرے تو اس پر مہر مثل واجب ہوگا۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو ہم نے عام مسلمانوں پر ان کی بیبیوں اور باندیوں کے بارہ میں جو حقوق ✽ اور فرائض اور شرائط عقد مقرر کیے ہیں جیسے مہر اور گواہ اور نان ونفقہ اور سکنی وغیرہ۔ اور اس بارہ میں جو احکام ان کو دیئے ہیں وہ آیات اور احادیث میں مذکور ہیں اور سب کو معلوم ہیں نکاح میں مہر کا ہونا ضروری ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ ﴾ (النساء: ۲۴) وغیرہ وغیرہ اور نکاح کے بارہ میں جو قیود اور شرائط ہم نے عام مؤمنین پر لگائے ہیں وہ ہم نے آپ ﷺ پر نہیں لگائے تا کہ آپ پر تنگی نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حقوق اور فرائض اور شرائط عقد۔ عورتوں کے بارہ میں عام مسلمانوں پر لازم کیے ہیں آپ ﷺ پر فرض اور لازم نہیں کئے تا کہ آپ ﷺ پر وسعت اور سہولت ہو۔ اور لوگوں پر آپؐ کی شان امتیازی ظاہر ہو۔ اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان جس چیز سے بچنا مشکل ہوتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے اور اپنی رحمت اور مہربانی سے جس پر چاہے وسعت کر دیتا ہے۔

## حکم پنجم:

منجملہ احکام مخصوصہ کے ایک حکم یہ ہے کہ جس مرد کے پاس کئی عورتیں ہوں اس پر یہ واجب ہے کہ وہ تمام بیبیوں کے پاس باری باری سے رہے مگر آنحضرت ﷺ پر تقسیم یعنی باری باری سے بیبیوں کے پاس رہنا واجب نہ تھا شب باشی میں آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ جس کے پاس چاہیں رات کو رہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی ﷺ! آپ کو اختیار ہے کہ اپنی عورتوں میں سے جس کو چاہیں پیچھے کریں۔ اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں یعنی آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ باری میں جس کو چاہیں آگے کریں اور جس کو چاہیں پیچھے کریں مطلب یہ ہے کہ جس کو چاہیں باری دیں اور جس کو چاہیں اس کو باری نہ دیں اور جن عورتوں کو آپ نے علیحدہ کر دیا ہے اور ان سے کنارہ کشی کی ہے ان میں سے اگر کسی کو بلانا چاہیں اور اس کی خواہش کریں تو اس میں آپ پر کوئی گناہ اور تنگی نہیں یعنی جس بی بی سے آپ ﷺ نے کنارہ کیا ہو تو آپ کو اس کے دوبارہ بلانے کا بھی اختیار ہے حق جل شانہ، نے آپ ﷺ کو یہ حقوق اور اختیارات دیئے مگر آپ ﷺ نے مدت العمر کبھی اس سے کام نہیں لیا باری میں ہمیشہ برابری اور عدل اور مساوات کو ملحوظ رکھا جیسا کہ احادیث میں ہے کہ اگر آپؐ کسی کی باری کے دن دوسری بیوی کے پاس رہنا چاہتے تو اس سے اجازت لیتے۔ اب اگلی آیت میں اس اختیار اور تفویض کی حکمت اور مصلحت بیان فرماتے ہیں کہ یہ اختیار جو آپ ﷺ کو دیا گیا اس میں مصلحت یہ ہے کہ یہ اختیار اس امر کے بہت زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور اس پر راضی رہیں جو آپ ان کو دے دیں سب کی سب یعنی آپ ﷺ کو یہ اختیار اس لیے دیا گیا کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں اور جان لیں کہ شب باشی میں ہمارا کوئی حق مقرر نہیں آپ ﷺ جو ان کو دے دیں خوش ہو کر اور آپ ﷺ کا احسان سمجھ کر اس کو قبول کریں اگر پاس بلائیں تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اگر نہ بلائیں تو رنجیدہ نہ ہوں اور نہ شکوہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ فضل فرمایا کہ ازواج کو آپ ﷺ کی رضامندی کا پابند بنایا اور آپ ﷺ کو ان کی رضا اور خواہش کا پابند نہیں کیا مگر بایں ہمہ آپ ﷺ نے ہمیشہ ان کے ساتھ منصفانہ سلوک رکھا۔ جس پر آپ ﷺ مجبور نہ تھے سب کی باری برابر رکھی۔ صرف ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جب ان کی عمر بڑی ہوگئی تو انہوں نے از خود اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ جب عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ باری دینا آپ ﷺ پر واجب نہیں تو اس کے بعد جو بھی آپؐ

---

✽ قال القرطبی قوله تعالیٰ: ﴿قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡۤ اَزۡوَاجِهِمۡ﴾ ای ما اوجبنا علی المؤمنین وهو ان لا یتزوجوا الا اربع نسوة بمهر وبیّنة وولی قال معناه ابی بن کعب وقتادة وغیرهما. اهـ (تفسیر قرطبی ص ۲۱۴ ج ۱۴)

ان کے ساتھ سلوک کریں اور عدل اور احسان کا معاملہ فرمائیں گے تو وہ خوش اور راضی رہیں گی اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اس کو خوب جانتا ہے کہ تمہارے دل میں کس بیوی کی محبت اور رغبت زیادہ ہے اگر تمہارے دل میں کسی زوجہ کی طرف زیادہ میلان ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ نہیں کرتا کیونکہ وہ تمہارے اختیار میں نہیں اور اللہ جاننے والا اور بردبار ہے جو لوگ اس قسم کے احکام میں نبی پر نکتہ چینی یا بدگمانی کرتے ہیں اللہ کو اس کا علم ہے مگر بردباری کی وجہ سے ان کو جلدی سزا نہیں دیتا۔

**حکم ششم:**

آیت تخییر کے نزول کے بعد جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں یہ حکم نازل کیا کہ اے پیغمبر اب اس کے بعد یعنی [1] ان نو بیبیوں کے جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا تو اب اس کے بعد آپ کے لیے اور عورتیں حلال نہیں یعنی اب کسی حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مزید کسی عورت سے نکاح حلال نہیں بلکہ انہی ازواج کو باقی رکھو جو موجودہ بیبیاں دُنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں یہ نو بیبیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسی ہیں جیسے امت کے حق میں چار بیبیاں اور آیت کی یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر ص ۱۲ ج ۲۲ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ مجاہد اور ضحاک اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم سے بھی منقول ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۱ ج ۳ اور اسی تفسیر کو امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا۔ تفسیر مظہری ص ۱۰۴ ج ۷ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں مگر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسی تفسیر کو اختیار کیا جو ہم نے ذکر کی حضرات اہل علم تفسیر کبیر [2] ص ۲۶۲ ج ۶ دیکھیں و حاشیہ شیخ زادہ دیکھیں ص ۲۷ ج ۴۔

**حکم ہفتم:**

اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حلال ہے کہ موجودہ بیبیوں کے بدلہ میں دوسری بیبیاں کر لیں کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے دیں اور اس کے بدلہ میں دوسری بیوی کر لیں اور اس طرح نو کا عدد پورا کر لیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن پسند آئے تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان سے نکاح حلال نہیں چونکہ اکثر و بیشتر نکاح کی رغبت حسن و جمال ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے یہ فرمایا ﴿وَ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾

**خلاصۂ کلام** یہ ہے کہ اے نبی ان موجودہ نو بیبیوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہ کسی عورت سے نکاح حلال ہے اور نہ ان نو میں کوئی تغیر و تبدل جائز ہے مگر وہ باندیاں جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں ان میں کمی اور زیادتی اور تغیر و تبدل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

---

[1] کما قال النیشا بوری قال اکثر المفسرین (فی تفسیر قولہ تعالیٰ ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ﴾ ای من بعد التسع المذکورۃ فالتسع نصاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الازواج کما ان الاربع نصاب امتہ۔ (تفسیر غرائب القرآن ص ۲۶ ج ۲۲)

[2] قال الامام الرازی الاولیٰ (فی تفسیر الآیۃ) ان یقال لا تحل لک النساء من بعد اختیارھن اللہ و رسولہ و رضاھن بما یؤتیھن من الوصل والھجران والنقص والحرمان فلما اخترن اللہ و رسولہ ذکر اللہ لھن ماجازاھن بہ من تحریم غیرھن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و منعہ من طلاقھن بقولہ ﴿وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ﴾ کذا فی التفسیر الکبیر ص ۶۲۶ ج ۶ وقال ابن الشیخ بعد نقل کلام الامام انما حرم اللہ تعالیٰ علیہ النساء سواھن ونھاہ عن تطلیقھن وعن الاستبدال بھن شکرا لھن علی حسن صنیعھن. (حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۲۷ ج ۴)۔

چو دانستی کہ حق دانا و بیناست نہان و آشکار خویش کن راست

جمہور صحابہ وتابعین کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر کردی گئی لیکن حضرت عائشہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ ممانعت بعد میں منسوخ ہوگئی۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

یعنی بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی بھی اجازت ہوگئی اور تغیر وتبدل کی بھی اجازت ہوگئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد نہ کسی عورت سے نکاح کیا اور نہ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بیوی کی۔

مگر ظاہر آیت سے یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں ہوا اور صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے اسی طرح منقول ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا۔ (دیکھو تفسیر البحر المحیط لابی حیان ص ۲۴۴ ج ۷)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَدۡخُلُواْ بُيُوتَ ٱلنَّبِيِّ إِلَّآ أَن يُؤۡذَنَ لَكُمۡ

اے ایمان والو! مت جاؤ گھروں میں نبی کے، مگر جو تم کو حکم ہو

إِلَىٰ طَعَامٍ غَيۡرَ نَٰظِرِينَ إِنَىٰهُ وَلَٰكِنۡ إِذَا دُعِيتُمۡ فَٱدۡخُلُواْ فَإِذَا

کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھتے اس کے پکنے کی لیکن جب بلائے تب جاؤ، پھر جب

طَعِمۡتُمۡ فَٱنتَشِرُواْ وَلَا مُسۡتَـٔۡنِسِينَ لِحَدِيثٍۚ إِنَّ ذَٰلِكُمۡ كَانَ

کھا چکو تو آپ آپ کو چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگانے باتوں میں اس بات سے تمہاری

يُؤۡذِي ٱلنَّبِيَّ فَيَسۡتَحۡيِۦ مِنكُمۡۖ وَٱللَّهُ لَا يَسۡتَحۡيِۦ مِنَ ٱلۡحَقِّۚ وَإِذَا

تکلیف تھی پیغمبر کو پھر تم سے شرم کرتا، اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتانے میں۔ اور جب

سَأَلۡتُمُوهُنَّ مَتَٰعٗا فَسۡـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٖۚ ذَٰلِكُمۡ أَطۡهَرُ

مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردے کے باہر سے۔ اس میں خوب ستھرائی ہے

لِقُلُوبِكُمۡ وَقُلُوبِهِنَّۚ وَمَا كَانَ لَكُمۡ أَن تُؤۡذُواْ رَسُولَ ٱللَّهِ وَلَآ

تمہارے دل کو اور ان کے دل کو۔ اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ

أَن تَنكِحُوٓاْ أَزۡوَٰجَهُۥ مِنۢ بَعۡدِهِۦٓ أَبَدًاۚ إِنَّ ذَٰلِكُمۡ كَانَ عِندَ ٱللَّهِ

یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں کو اس کے پیچھے کبھی۔ البتہ یہ بات تمہاری اللہ کے ہاں

عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ

بڑا گناہ ہے۔ اگر کھول کر کہو تم کسی چیز کو یا اس کو چھپاؤ سو اللہ ہے ہر چیز

عَلِيمًا ﴿٥٤﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ

جانتا۔ گناہ نہیں ان عورتوں کو سامنے ہونے کا اپنے باپوں سے اور نہ اپنے بیٹوں سے، اور نہ اپنے بھائیوں سے،

وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ

اور نہ اپنے بھائی کے بیٹوں سے اور نہ اپنے بہن کے بیٹوں سے اور نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے

أَيْمَانُهُنَّ ۗ وَاتَّقِينَ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٥٥﴾

ہاتھ کے مال سے اور ڈرتی رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

## نداء اہل ایمان ونزول حکم حجاب برائے خواتین اسلام واحتراز

### از ایذاء رسول عالی مقام وتحریم نکاح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بعد وفات سید البریات علیہ افضل الصلوات والتحیات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ . . . الٰى . . . إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٥٥﴾ ﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں نکاح کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کے خصائص کو بیان فرمایا اور ان امور کی ممانعت فرمائی جو نبی کریم ﷺ کے لیے باعث ایذاء اور موجب تکلیف ہوں۔ اس سے پہلے بھی ایذاء نبوی کے انواع واقسام اور ان کے احکام کا بیان ہو چکا تھا اس لیے اب آئندہ آیات میں ایک خفیف اور معمولی ایذاء نبوی کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو بعض لوگوں کی جانب سے بلا قصد اور بلا ارادہ ایسی چیز ظہور میں آئی کہ جو حضور پرنور ﷺ کی ایذاء کا سبب بنی۔

قصہ یہ پیش آیا کہ جب بحکم خداوندی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کا نکاح ہو گیا تو آپ نے اس کا ولیمہ کیا اور خاص اہتمام کیا اور گوشت روٹی پکوائی اور تقریباً تین سو آدمیوں کو مدعو کیا۔ اکثر لوگ تو کھانا کھا کر چلے گئے بعض لوگ کھانا کھانے کے بعد گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے آنحضرت ﷺ پر ان کی یہ حرکت شاق اور گراں گذری مگر آپ ﷺ نے شرم کے مارے کچھ نہ کہا آپ ﷺ کئی بار اٹھے تا کہ لوگ بھی اُٹھ جائیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اٹھ گئے مگر تین آدمی پھر بھی باتوں میں مصروف رہے اور آپ ﷺ کے اشارہ کو نہ سمجھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اسی حجرہ میں پشت پھیرے دیوار کی طرف منہ کر کے ایک طرف بیٹھی رہیں بالآخر جب وہ تین آدمی چلے گئے تو آپ ﷺ حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے اس وقت یہ آیتیں یعنی ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا

﴿بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾ سے لے کر ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾ تک نازل ہوئیں۔

ان آیات کو آیات حجاب کہتے ہیں جن میں عورتوں پر پردہ فرض ہونے کا حکم نازل ہوا اور مسلمانوں کو آداب طعام اور حقوق معاشرت بتلائے گئے اور یہ حکم دیا گیا کہ کوئی کام ایسا نہ کریں کہ جو نبی کریم ﷺ کی تکلیف اور گرانی کا باعث ہو اور تمام مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے یہ حکم دے دیا گیا کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں اور اگر گھر والوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو باہر سے پس پردہ کھڑے ہو کر مانگ لیں اس حکم سے قلب کی صفائی اور ستھرائی کا پورا پورا انتظام ہو گیا اور فتنہ کا سد باب ہو گیا پھر ان سب باتوں کے بعد اسی مقام پر یہ حکم نازل فرمایا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی بیبیوں سے نکاح حرام ہے آپ کی ازواج مطہرات اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ہیں سب مسلمانوں کی مائیں ہیں اس لیے آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان سے نکاح نہیں ہو سکتا جس کا سبب نزول یہ ہے کہ جب آیات بالا میں حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہوا تو کسی کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ ہم سے ہماری چچا زاد بہنوں کو چھپایا جاتا ہے اگر آپ ﷺ کی وفات ہو جائے تو ہم آپ ﷺ کی بیبیوں سے نکاح کر لیں گے اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾

**خلاصۂ کلام** یہ کہ یہ آیتیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں نازل ہوئیں جو احکام طعام اور آداب معاشرت اور اس بات پر بھی مشتمل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو زندگی میں بھی ایذاء دینا حرام ہے اور وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کو ایذاء دینا حرام ہے۔ ان آیات میں جن تعلیمات اور ہدایات کا ذکر ہے ان کا آغاز اہل ایمان کی نداء سے ہوا یعنی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے ہوا جو خاص تلطف اور عنایت پر دلالت کرتا ہے اور یہ سورت از اول تا آخر خطابات سراپا عنایات سے بھری پڑی ہے۔ چنانچہ اس سورت کا آغاز نبی اکرم ﷺ کی ① نداء سے ہوا۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ﴾ فرمایا پھر ② ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ سے اہل ایمان کو اس نداء خاص سے عزت بخشی ③ پھر نبی کریم ﷺ کو ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ سے خطاب فرمایا پھر ④ ⑤ دو مرتبہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ﴿يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ﴾ سے خطاب فرمایا اور اس سلسلہ خطاب میں ان کی فضیلت اور کرامت کو بیان فرمایا پھر ⑥ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ اے اہل ایمان کو خطاب فرمایا اور ذکر کثیر اور تسبیح کا ان کو حکم دیا۔ پھر ⑦ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا﴾ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل اور شمائل بیان کیے پھر ⑧ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ سے اہل ایمان کو نکاح اور طلاق کے احکام بتلائے پھر ⑨ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ سے نکاح اور حقوق زوجیت کے متعلق ان احکام کو بیان کیا جو خاص ذات نبوی سے متعلق تھے پھر ⑩ ان سب کے بعد اس آیت میں یعنی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾ میں اہل ایمان کو مخاطب فرما کر مختلف احکام کی تعلیم دیتے ہیں جن میں سے بعض احکام ازواج اور عام مسلمان عورتوں سے متعلق ہیں اور بعض احکام خاص آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات سے متعلق ہیں اس کے بعد اخیر سورت تک چار خطاب اور آئیں گے جن میں سے ایک خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور باقی تین خطاب اہل ایمان کو ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر اس وقت کہ جب تم کو کھانا کھانے کے لیے یا کسی اور ضرورت کے لیے بلایا جائے یعنی بغیر اجازت اور بغیر دعوت کے داخل نہ ہو ہاں اگر تم کو دعوت دی جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ ایسے حال میں جاؤ کہ کھانا پکنے کے انتظار کرنے والے نہ ہو ولیکن جب تم کو بلایا جائے تب داخل ہو۔

ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی دعوت ولیمہ ہوتی تو سویرے سے آ جاتے اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو بیٹھے باتیں کرتے اللہ تعالیٰ نے ان کو ادب سکھایا کہ ایسا نہ کیا کریں اول تو بغیر دعوت کے نہ جایا کریں اور اگر دعوت بھی ہو تو پہلے سے جا کر نہ بیٹھ جایا کریں ایک ادب تو یہ ہوا پھر دوسرا ادب یہ ہے کہ جب کھانا کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ۔ اور وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ اور آپس میں دل لگا کر بے فکری سے بیٹھے باتیں نہ کرتے رہا کرو۔ تحقیق تمہارا یہ فعل یعنی بغیر اجازت کے آ جانا اور پھر کھانا پکنے سے پہلے آ کر بیٹھ جانا اور پھر کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے باتیں کرتے رہنا پیغمبر خدا کو تکلیف دیتا ہے۔ پس وہ شرماتا ہے اور لحاظ اور شرم کی وجہ سے یہ نہیں کہتا کہ تم چلے جاؤ اور اللہ جو تمہارا رب ہے وہ حق کے بیان کرنے سے اور ادب کے سکھانے سے شرماتا نہیں تمہاری اصلاح اور تادیب کے لیے حق بات کو صاف صاف بتلا دیتا ہے اور اللہ تم کو ایک ادب یہ سکھاتا ہے کہ جب تم پیغمبر کی بیبیوں سے یا اور مسلمان عورتوں سے کام کی کوئی چیز مانگنا چاہو تو پردہ کے پیچھے باہر سے کھڑے ہو کر ان سے مانگ لو اس مانگنے کے وقت تمہارے اور گھر والوں کے درمیان حجاب (پردہ) حاجب (حائل) ہونا چاہیے۔ رُو در رُو گھر والوں سے بات کرنا منع ہے ضرورت کی بنا پر پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر کسی چیز کے مانگنے کی اجازت ہے مگر دیکھنے اور جھانکنے کی اجازت نہیں یہ امر یعنی پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگنا بہت پاک رکھنے والا ہے تمہارے دلوں کو اور عورتوں کے دلوں کو یعنی یہ پردہ دلوں کو شیطانی اور نفسانی خیالات سے پاک رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ پردۂ متعارفہ جو قدیم اہل اسلام میں رائج ہے وہ غایت درجہ ضروری ہے اور نہایت قابل اہتمام ہے نفسانی وسوسوں اور خطروں سے حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ آیت بھی اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ہے لیکن اس حکم کی جو علت بیان کی گئی ہے وہ عام ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ﴾ یعنی یہ حجاب طہارت قلوب کا بہترین ذریعہ ہے اور بلاشبہ حق اور درست ہے۔ اور یہ علت صراحۃً دلالت النص سے ثابت ہے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بے حجابی اور بے پردگی قلب کی نجاست اور گندگی کا سبب ہے اور حجاب اور پردہ قلب کی طہارت اور پاکیزگی کا سبب ہے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تو بوجہ اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ہونے کے ان کی عظمت اور حرمت دلوں میں ایسی راسخ ہے کہ جہاں فتنہ کا احتمال نہیں۔ لہٰذا جہاں فتنہ کا احتمال غالب بلکہ فتنہ یقینی ہو وہاں حجاب قطعی طور پر فرض اور لازم ہوگا۔

اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بلا حجاب باتیں کرنا یہ تو ایذاء رسول کا بھی موجب ہے اور تمہارے لیے یہ بات کسی طرح جائز نہیں کہ تم کسی چیز میں اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ ہر طرح رسول کے ادب کا لحاظ رکھو ایسا نہ ہو کہ تم سے کوئی ایسا امر سرزد ہو جائے جو مزاج نبوی کو ناگوار گذرے اور نہ تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کبھی بھی آپ کی بیبیوں کو نکاح میں لاؤ۔ البتہ تمہارا یہ فعل یعنی اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا کہ ہم آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیبیوں سے نکاح کر لیں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی بیبیوں سے نکاح اللہ کے نزدیک جرم عظیم ہے جس طرح آپ کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا حرام ہے اسی طرح وفات کے بعد بھی آپ کو ایذاء پہنچانا حرام ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی تعظیم اور احترام فرض اور لازم ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی فرض اور لازم ہے بالجملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہراً اور باطناً ایذاء پہنچانا حرام ہے حتیٰ کہ ایذاء کا تصور اور خیال بھی حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر تم اس قسم کی کوئی چیز ظاہر کرو اور بعض

ازواج نبی سے نکاح کر لینے کا لفظ زبان پر لا دیا اس بات کو دل میں چھپائے رکھو اور زبان پر نہ لاؤ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو چھپی ہو یا کھلی خوب جانتا ہے اور تم کو اس پر سزا دے گا مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن دُنیا اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں ہیں اور تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان سے نکاح کا تصور اور خیال بھی گناہ عظیم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے نکاح حرام قرار دیا جو حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہے۔

**اوّل** یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور عظمت ظاہر کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا۔ ہر انسان پر طبعی طور پر یہ گراں ہوتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے بعد دوسرے کے نکاح میں جائے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور بزرگی ظاہر کرنے کے لیے یہ رعایت خاص، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی گئی کہ آپ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا دوسروں سے نکاح کرنا حرام ہوا۔

**دوم** یہ کہ تا کہ فتنہ کا انسداد ہو جائے کیونکہ بالفرض اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح کی اجازت ہو جاتی تو ہر شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے دعوے کی گنجائش مل جاتی اور اندیشہ تھا کہ وہ شخص اس ذریعہ سے لوگوں کو اپنی خلافت کی طرف بلاتا۔

**سوم** یہ کہ باہم تنافس اور تحاسد کا دروازہ کھل جاتا ہر شخص یہ چاہتا کہ میں زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کروں تا کہ مجھے لوگوں میں خاص عزت اور امتیاز حاصل ہو اس امر کے انسداد کے لیے شریعت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کو قطعی حرام قرار دیا۔

**چہارم** یہ کہ اگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے شریعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے نکاح جائز ہوتا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا وہ عالی مرتبہ جو زوجیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر حاصل تھا وہ ختم ہو جاتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے نکاح کرنا بلندی سے پستی میں جا گرنے کے مترادف ہے۔

**پنجم** یہ کہ دوسروں کے نکاح میں جانے کے بعد ان کی روایات لوگوں کی نظر میں مشکوک ہو جاتیں ممکن ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے کہ یہ عورت اپنے جدید شوہر کے خیال سے ان امور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہی ہے۔ اس صورت میں امت ان علوم سے محروم ہو جاتی جو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعہ سے پہنچے ہیں۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اجنبی مردوں سے پردہ کا حکم دیا اب آئندہ آیات میں ان رشتہ داروں کا ذکر کرتے ہیں جن سے پردہ واجب نہیں اور وہ اس پردہ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ سورۂ نور کی اس آیت ﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ ... الخ ﴾ میں تفصیل کے ساتھ گذرا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ان عورتوں پر اپنے باپوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے سامنے اور نہ اپنے بھائیوں کے سامنے اور نہ اپنے بھتیجوں کے سامنے اور نہ اپنے بھانجوں کے سامنے اور نہ اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے اور نہ اپنی باندیوں اور لونڈیوں کے سامنے یعنی ان سب کے سامنے آنا جائز ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ﴾ کے لفظ سے لونڈی اور غلام دونوں مراد ہیں یہ لفظ عام ہے دونوں کو شامل ہے لیکن غلام قبل از بلوغ مراد ہے بعد از بلوغ مراد نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف کنیز مراد ہے۔ جیسا کہ سورۂ نور میں گذرا۔

**فائدہ:** ﴿ وَلَا نِسَآئِهِنَّ ﴾ سے مسلمان عورتیں مراد ہیں کیونکہ ازواج مطہرات کی ساتھ والی عورتیں مسلمان عورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کافر عورتوں سے پردہ چاہیے اور اے عورتو! خدا سے ڈرتی رہو اور حیاء کا پردہ سامنے سے نہ اٹھاؤ۔ بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔ جو چیز تمہارے خیال میں گذرتی ہے خدا اس سے بھی باخبر ہے۔

**فائدہ جلیلہ:** ان آیات کو جن میں ﴿ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ بھی ہے ان آیات کو آیات حجاب کہتے ہیں اس آیت کا نزول ﴿ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ ﴾ کے نزول سے مقدم ہے کیونکہ اس آیت کا نزول حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں ہوا اور ﴿ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ ﴾ کا نزول آیت تخییر کے نزول کے وقت ہوا اور آیت تخییر کا نزول حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بہت بعد ہوا اس لیے کہ مخیرات میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور ظاہر ہے کہ نفقہ کا مطالبہ نکاح کے بعد ہی ہوتا ہے پس آیت حجاب کے نزول سے پردہ فرض ہوا اور بعد میں ﴿ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ ﴾ کے نزول سے اس کی تاکید ہو گئی۔ (ماخوذ از بیان القرآن)

| |
|---|
| اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا |
| اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر۔ اے ایمان والو! رحمت بھیجو |
| عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ |
| اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکارا |
| اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیْنَ |
| اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور رکھی ہے ان کے واسطے ذلت کی مار۔ اور جو لوگ |
| یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا |
| تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو، اور مسلمان عورتوں کو بن کیے کام، تو اٹھایا انہوں نے بوجھ |
| بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾ ع |
| جھوٹ کا اور صریح گناہ کا۔ |

## حکم وجوب صلوٰۃ وسلام وتحریم ایذاء خدا اور رسول ﷺ وایذاء عامۂ اہل اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ ... الی ... فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾ ﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی جلالت شان اور علوِ مقام کو بیان کیا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ادب اور احترام کو

بیان کیا۔ اور شروع سورت میں بھی یہی مضمون تھا ﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾۔ اب ان آیات میں پھر نبی کریم ﷺ کی جلالت شان ظاہر کرنے کے لیے صلاۃ وسلام کا حکم دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا حق یہ ہے کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا وجود باجود حق جل شانہٗ کی رحمتوں اور عنایتوں کا ذریعہ ہے اور ملا اعلیٰ میں آپ ﷺ کی خاص شان ہے اور آپ کا ادب اور احترام قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا وسیلہ ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ پر صلاۃ وسلام اور آپ کا ادب واحترام اور آپ کی تعظیم ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہے اور آپ ﷺ کو کسی قسم کی ایذاء پہنچانا حرام ہے حتیٰ کہ مؤمنین اور مؤمنات یعنی آپؐ پر ایمان لانے والوں کو اور آپؐ کی متابعت اور محبت کرنے والوں کو بھی ایذاء پہنچانا حرام ہے اور موجب لعنت ہے اور مؤمنین اور مؤمنات کے اولین مصداق تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور تمام بنات طاہرات اور تمام اہل بیت اطہار ہیں۔

**خلاصہ** یہ کہ گزشتہ آیات میں جو احکام بیان کیے گئے مثلاً حضور پرنور ﷺ کی وفات کے بعد اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے نکاح کا حرام ہونا وغیرہ وغیرہ۔ وہ سب آپ ﷺ کے شرف اور کرامت اور جلالت قدر پر دلالت کرتے ہیں۔ اب آئندہ آیات میں دوسرے عنوان سے آپ ﷺ کی جلالت قدر اور علوِ شان کو بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ گزشتہ آیت میں جو استیذان وغیرہ کا حکم تھا وہ بے شک آپ ﷺ کے ادب اور احترام کے وجوب اور لزوم ظاہر کرنے کے لیے تھا۔ لیکن یاد رکھو کہ نبی کا احترام ہر حال میں فرض ہے خواہ نبی اپنے گھر میں ہو یا گھر سے باہر ہو۔ ملاء اعلیٰ میں ہو یا ملاء سافل میں ہو۔ ملاء اعلیٰ کے فرشتے بھی آپ ﷺ کا احترام کرتے ہیں۔ لہٰذا تم کو بھی انہی کے طریقہ پر چلنا چاہیے۔ دیکھو شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی ص ۴۷ ج ۴۔ تاکہ ملا اعلیٰ اور عالم علوی کے ساتھ ملا سافل اور عالم سفلی کا ادب اور احترام بھی ساتھ مل جائے دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علان مکی ص ۳۰۰ ج ۳۔

چنانچہ فرماتے ہیں: کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر دمبدم ❋ اپنی رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ ایک رحمت کے بعد دوسری رحمت اور ایک برکت کے بعد دوسری برکت وعلیٰ ہذا۔ یہاں اللہ کی صلوٰۃ سے اللہ تعالیٰ کی عام رحمت مراد نہیں بلکہ خاص الخاص رحمت مراد ہے جو اس کی شان الوہیت اور شان ارحم الراحمین کے مناسب ہے۔

اور فرشتوں کی صلوٰۃ اور رحمت سے ان کی خاص الخاص دُعائیں مراد ہیں جن سے حضور پرنور ﷺ کے مراتب میں ترقی ہوتی رہتی ہے ملائکہ کرام کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا بلاشبہ حضرت آدم علیہ السلام کے شرف اور فضیلت کی دلیل تھی لیکن تا قیام قیامت فرشتوں کا نبی اکرم ﷺ کے لیے دُعا کرتے رہنا اس سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ سجدہ ایک وقتی امر تھا۔ اور یہ دعا دائمی اور مسلسل ہے۔ اے مسلمانو! اللہ نے تم کو یہ خبر اس لیے دی ہے کہ تم کو اس پیغمبر کا مرتبہ معلوم ہو جائے کہ یہ پیغمبر اس قدر جلیل القدر اور عظیم الشان ہے کہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ وہ اللہ جل شانہٗ کی خاص الخاص رحمتوں اور عنایتوں کا اور ملائکہ مقربین اور ملا اعلیٰ کی توجہات اور عنایات کا مورد اور محل بنا ہوا ہے۔ لہٰذا تم کو بھی چاہیے کہ ملائکہ کی اقتداء کرو اور فرشتوں کی طرح اس نبی پر صلاۃ وسلام بھیجو اور ظاہراً اور باطناً اس کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو اور اس کا خیال رکھو کہ تم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے کہ جو آپ ﷺ کی تعظیم اور احترام میں مخل ہو۔ دیکھو الدار المنصور لابن حجر المکی رحمہ اللہ ص ۱۱ وشرح کتاب الاذکار لابن علان رحمہ اللہ ص ۳۹۹ ج ۳۔

---

❋ اشارۃ الی ان المضارع ای یصلون للاستمرار التجددی والمعنی علی ما قال الزمخشری علیہم راحۃ بعد راحۃ۔ (الدار المنصور ص ۱۹ والقول البدیع ص ۲۰)

پس اے میرے خاص بندو جو اس نبی پر ایمان لائے ہو تم پر بحق ایمان یہ لازم ہے کہ تم بھی اس نبی پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو۔ جیسا کہ صلوٰۃ وسلام بھیجنا چاہیے تا کہ بحق ایمان تم پر نبی کا جو حق ہے وہ کچھ ادا ہو۔ اور جہاں تک ممکن ہو تم اس کے ادب اور احترام کو پورا پورا ملحوظ رکھو اہل ایمان پر رسول کی تعظیم فرض ہے حتیٰ کہ جو مؤمنین اور مؤمنات یعنی جو مرد اور عورت اس نبی کے پیرو ہیں ان کو بھی کوئی ایذا نہ پہنچاؤ جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ﴾ اور ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ...الاٰیۃ﴾

اس لیے کہ ہم کو نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہی خدا تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہوا ہے۔ شقاوت سے بچنے اور سعادت کے حاصل کرنے کے طریقے ہم کو معلوم ہوئے اس نعمت کا شکر ہم پر واجب ہے اس حق نعمت کی ادائیگی کے لیے بطور شکر ہم پر صلوٰۃ وسلام واجب ہے پس صلاۃ کا طریقہ تو یہ ہے کہ ((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ)) کہو کہ اے اللہ! اپنے پیغمبر پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اور سلام کا طریقہ یہ ہے ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ کہو جیسا کہ تم نماز میں پڑھتے ہو یا ((اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ)) کہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم تیرے نبی کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں آپ ﷺ اپنی رحمت خاصہ سے اس نبی پر اپنی خاص الخاص الطاف اور عنایات مبذول فرما اور دُنیا میں ان کے دین کو عزت اور شوکت عطا فرما اور آخرت میں آپ ﷺ کی شفاعتوں کو قبول فرما اور تمام اوّلین اور آخرین پر آپ ﷺ کی فضیلت ظاہر فرما اور اس آیت میں جو صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا گیا ہے وہ فرضیت کے لیے ہے اس لیے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ درود بھیجنا تو فرض ہے جیسا کہ کلمہ توحید عمر بھر میں ایک بار کہنا فرض ہے اور جس مجلس میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک ہو تو وہاں ایک بار واجب اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔

**فائدہ:** اُمت کی طرف سے جو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور پُرنور ﷺ کے احسان کی مکافات نہیں بلکہ ایک فقیرانہ ہدیہ ہے جو شاہ رسالت کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ (دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علان رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۱۵ ج ۳)

**خلاصۂ کلام** یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ کمال محبت کے ساتھ نبی کی کمال متابعت کرے اور کوئی کام آپ ﷺ کی سنت اور شریعت کے خلاف نہ کرے اس میں اندیشہ ہے کہ اس کی یہ بے راہی نبی کی ایذاء کا سبب نہ بنے اس لیے ارشاد فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو قصداً ایذاء دیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ نے دُنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ یعنی ان کو اپنی رحمت سے اتنا دور کر دیا کہ ان میں اور کافروں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا اللہ کو ایذاء پہنچانے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی شان میں نازیبا الفاظ زبان سے نکالنا جیسے یہود کہتے تھے۔ ﴿یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ﴾ (المائدہ: ۶۴)... ﴿اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ﴾ (آل عمران: ۱۸۱) اور نصاریٰ کہتے تھے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے فرزند ہیں اور مشرکین کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور بتوں کو معبود اور خدا کا شریک کہتے تھے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدمی زادہ مجھ کو ایذاء دیتا ہے بایں طور کہ دہر (زمانہ) کو گالیاں دیتا ہے اور برا بھلا کہتا ہے کہ زمانہ نے میرے ساتھ یہ ظلم کیا۔ زمانہ جاہلیت کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی گردش پیش آتی تو اس کو زمانہ کی طرف نسبت کر کے زمانہ کو بُرا بھلا کہتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ حالانکہ ان گردشوں اور حالات کا پیدا کرنے والا تو میں ہی ہوں۔

**(یا یہ معنی ہیں)** کہ جس نے اللہ کے پیغمبر کو ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی جیسے قرآن میں دوسری جگہ ہے۔ ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ حاصل کلام یہ کہ رسول خدا کو ایذاء

دینے والا دُنیا اور آخرت میں ملعون ہے اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے برا کام کیا ہو ایذاء پہنچاتے ہیں تو ان موذیوں نے بہتان کا اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھایا حالانکہ مؤمنین اور مؤمنات معصوم نہیں ہوتے ان سے گناہ کا سرزد ہو جانا ممکن ہے پس عام مؤمنین اور مؤمنات کو ایذاء پہنچانا صریح گناہ ہوا تو رسول معصوم کو ایذاء پہنچانا تو بلاشبہ دُنیا اور آخرت کی لعنت اور عذاب مہین کا سبب ہوگا اور نبی کے بعد درجہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے ان کو نشانہ طعن بنانا نبی کو نشانہ طعن بنانا ہے اس وعید میں فرقہ روافض داخل ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نقص اور عیب نکالتا ہے مگر قرآن نے اعلان کر دیا۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (المائدہ:۱۱۹) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم کی بلا سے کہ کوئی رافضی ان سے راضی ہو یا ناراض ہو۔

| |
|---|
| يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ |
| اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو اور بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو، نیچی لٹکا لیں |
| عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَ |
| اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں، اس میں لگتا ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی نہ ستاوے، اور |
| كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ |
| ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ کبھی باز نہ آئے منافق، اور جن کے |
| قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا |
| دل میں روگ ہے اور جھوٹ اڑانے والے مدینے میں تو ہم لگا دیں گے تجھ کو ان کے پیچھے، پھر نہ |
| يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ ۚۛ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ |
| رہنے پاویں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں۔ پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور |
| قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ |
| مارے گئے جان سے دستور پڑا ہوا اللہ کا، ان لوگوں میں جو آگے ہو چکے ہیں اور تو نہ دیکھے گا |
| لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ |
| اللہ کی چال بدلتی۔ |

# ذکر بعض انواع ایذاء منافقین ومرجفین بتعرض نسواں وتخویف اہل ایمان

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ . . . الیٰ . . . وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ ﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں مطلق اور عام ایذاء رسول اور ایذاء مؤمنین پر وعید کا ذکر تھا۔ اب آیندہ آیات میں منافقین اور مرجفین کی خاص خاص ایذاؤں کا ذکر کرکے ان کی بابت ہدایات دیتے ہیں تا کہ ان ایذاؤں کا سد باب ہو جائے اور یہ ایذاء دو طرح سے تھی ایک تو یہ کہ سر راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے۔ پردہ کے حکم سے تو اس ایذاء رسانی کا علاج ہوا۔ اور دوسری ایذاء رسانی اس طرح سے تھی کہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے کہ جس سے مسلمان پریشان ہو جائیں اور گھبرا جائیں جسے آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں۔ ان ایذاؤں کے سد باب کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی ﷺ! اپنی عورتوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ جب ضرورت کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے اوپر کچھ اپنی فراخ چادریں لٹکالیں تا کہ ان کا سر اور چہرہ اور بدن کسی کو نظر نہ آئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت کے لیے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں اور چہروں کو بڑی چادروں سے ڈھانک لیں البتہ ایک آنکھ کسی طرح کھول لیں جس سے ان کو راستہ نظر آسکے اس طرح سے سر اور چہرہ اور بدن کا چھپانا بہت قریب ہے اس بات کے کہ پہچان لی جاویں کہ یہ پردہ والی اور پاکباز عورتیں ہیں اور اس پردہ سے لوگوں کو ان کی عفت اور پاکدامنی عیاں ہو جائے اور کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔ لوگوں کا طریقہ ہے کہ لباس دیکھ کر معاملہ کرتے ہیں جیسا لباس دیکھتے ہیں ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں۔ پس اس حالت اور ہیئت میں دیکھ کر ان کو ایذا نہ دی جائے اور بدکار ان سے تعرض نہ کریں ان کے پردہ کی اس وضع اور ہیئت کو دیکھ کر کسی کی ہمت نہ ہو کہ وہ ان کو چھیڑ سکے۔ شریر لوگ راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے ہیں اللہ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ عورتیں گھر سے نکلتے وقت اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں اور اپنا منہ اور بدن اس سے چھپالیں کہ لوگ اس وضع اور ہیئت کو دیکھ کر پہچان لیں کہ یہ شریف زادیاں اور غیرت اور حیاوالی عوتیں ہیں اور یہ بھی جان لیں کہ یہ باندیاں نہیں تو کوئی شخص ان سے لونڈیوں اور باندیوں کی طرح بات نہ کر سکے اور نہ ان سے کسی خدمتی کام کے لیے کچھ کہہ سکے پردہ تو باندیوں پر بھی ہے مگر وہ ذرا خفیف ہے آزاد عورتوں کی طرح ان پر سختی نہیں اس لیے کہ اس سے خدمت اور کاروبار میں تنگی لاحق ہوتی ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ گھر سے نکلتے وقت عورت کو اپنا سر اور چہرہ اور بدن چھپانا فرض ہے کہ کسی کو اس کا چہرہ نظر نہ آئے اور یہی پردۂ مروجہ ہے جو شروع اسلام سے اب تک مسلمانوں میں رائج ہے جس کو اس زمانہ کے شہوت پرست ختم کرنا چاہتے ہیں اللہ ان کو ہدایت دے اور مسلمانوں کو ان کے فتنہ سے بچائے۔ آمین۔

اور اگر سر اور چہرہ چھپانے میں بلا قصد اور بلا ارادہ کوئی کوتاہی یا بے احتیاطی ہو جائے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ایسے گناہ اور کوتاہی کو بخش دیتا ہے جو بربنائے غفلت صادر ہو جائے اور قصد اور ارادہ کو اس میں دخل نہ ہو۔ مدینہ کے منافق اور فساق اور اوباش راہ

چلتی عورتوں کو چھیڑتے تھے خصوصاً رات کے وقت جب عورتیں قضاء حاجت کے لیے نکلتیں پھر جب عورت کو چادر اوڑھے ہوئے دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ آزاد عورت ہے اور اسے نہ چھیڑتے اور اگر دیکھتے کہ اس پر چادر نہیں تو کہتے کہ یہ باندی ہے اور اسے چھیڑنے کی فکر کرتے۔ منافقین کا ایک فتنہ تو یہ تھا اور ایک فتنہ یہ تھا کہ منافقین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی خبریں اڑایا کرتے تھے اس آیت میں پہلے فتنہ کا یعنی آزاد عورتوں کی حفاظت کا انتظام فرما دیا۔ اب آئندہ آیت میں عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دیتے ہیں تاکہ وہ اس تہدید اور دھمکی کو سن کر بی بی ہو یا لونڈی ہو سب کی چھیڑ چھاڑ سے باز آ جائیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: البتہ اگر یہ منافقین اور ان میں کے وہ لوگ جو شہوت پرست ہیں اور جن کے دلوں میں عورتوں کے دیکھنے کا روگ لگا ہوا ہے یہ لوگ اگر اپنی شرارتوں سے اور اپنی بدنظری سے اور عورتوں کی چھیڑنے سے باز نہ آئے اور علی ہذا وہ لوگ بھی جو مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے ہیں یہ لوگ جھوٹی خبریں اڑانے سے باز نہ آئے تو البتہ ہم آپ ﷺ کو ان سب پر مسلط کر دیں گے آپ ﷺ ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ پھر وہ لوگ آپ کے ساتھ مدینہ میں رہنے نہیں پائیں گے مگر بہت تھوڑی مدت جلدی ہی شہر بدر کر دیئے جائیں گے۔ لعنت کے مارے پھٹکارے ہوئے ہوں گے مگر کہیں بچ نہیں سکیں گے اور ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے یعنی کہیں بھی بھاگ کر جائیں گے وہیں گرفتار ہوں گے اور قید کیے جائیں گے اور خوب قتل کیے جائیں گے کہیں ان کو پناہ نہیں ملے گی۔

اللہ کا یہی طریقہ اور دستور رہا ہے گزشتہ لوگوں کے بارہ میں جنہوں نے نفاق پر کمر باندھی اور شرارتیں کیں اول اللہ نے ان کو مہلت دی بالآخر جب ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا تو ان کو گرفتار کر کے خوب قتل کیا اور آپ ﷺ اللہ کے اس طریقہ اور دستور میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے مدینہ کے منافقین اگر عورتوں کو چھیڑنے سے اور جھوٹی خبریں اڑانے سے باز نہ آئے تو ان کا بھی یہی انجام ہو گا۔

چنانچہ جس وقت سورۂ توبہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے منافقین کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد نام بنام فرمایا اے فلانے تو کھڑا ہو اور نکل جا۔ تو منافق ہے پھر ان منافقوں کے قرابت دار جو مؤمنین صالحین تھے اٹھے اور اٹھ کر ان منافقین کو ذلت و خواری کے ساتھ مسجد سے نکال دیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۴۷ ج ۱۴)

**فائدہ:** اس آیت میں جو لفظ ﴿ بَنٰتِكَ ﴾ آیا ہے وہ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متعدد صاحبزادیاں تھیں مگر روافض خوافض۔ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو اولادِ رسول ﷺ سے خارج سمجھتے ہیں اس لیے کہ ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ ان کا یہ خیال سراپا اختلال صریح نص قرآنی کے خلاف ہے۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا

لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کو۔ تو کہہ اس کی خبر ہے اللہ ہی کے پاس اور تو کیا

يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ

جانے، شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو۔ بے شک اللہ نے پھٹکارا ہے منکروں کو اور

اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا

رکھی ہے ان کے واسطے دہکتی آگ۔ رہا کریں اس میں ہمیشہ نہ پاویں کوئی حمایتی نہ

نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ ۚ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا

مددگار جس دن اوندھے ڈالے ان کے منہ آگ میں کہیں گے کسی طرح ہم نے کہا مانا ہوتا

اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا

اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا۔ اور کہیں گے اے رب! ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ

پھر انہوں نے چوکا دی ہم سے راہ۔ اے رب! ان کو دے دونی مار اور پھٹکار ان کو

ع ۸ / ۵ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع

بڑی پھٹکار

## تہدید و وعید منافقین و منکرین قیامت مقرون بہ لعنت عذاب آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ ... الٰی ... وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں منکرین نبوت کی تہدید تھی آپ ﷺ جب کبھی منکرین حق کو آئندہ آنے والے عذاب اور قیامت سے ڈراتے تو وہ بطور تمسخر یہ سوال کرتے کہ قیامت کب ہوگی اور اس قسم کے معاندانہ سوال سے محض آپ ﷺ کو تنگ کرنا اور ایذاء دینا مقصود ہوتا تھا تو اس کا جواب دیا گیا کہ قیامت کا اصل وقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن سمجھ لو کہ شاید وہ قریب ہی نہ ہو اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور دو انگلیاں ملا کر دکھلایا کہ جس طرح یہ دو انگلیاں ملی ہوئی ہیں اسی طرح قیامت کبریٰ اور میری بعثت ملی ہوئی ہے۔ جب ان لوگوں پر کوئی ناگہانی عذاب آئے گا تو اس وقت پچھتائیں گے مگر

اس وقت پچھتانا کچھ فائدہ مند نہ ہوگا۔

**(یا یوں کہو)** کہ گزشتہ آیت میں منافقین اور مرجفین کی دنیاوی ذلت اور لعنت کو بیان کیا اور اس آیت میں ان کی اُخروی ذلت کو بیان کرتے ہیں۔ (شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی ص ۶۷ ج ۴)

چنانچہ فرماتے ہیں: کہ یہ منافق لوگ جو منافقین اور معاندین کے بارہ میں اللہ کی سنت سے غافل ہیں وہ آپ ﷺ سے معاندانہ طور پر سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی آپ ان سے کہہ دیجیے کہ قیامت کے وقت کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اللہ نے کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی اور آپ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو جب سارے نبی گذر چکے اور نبی آخر الزمان ﷺ آچکے تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہی ہے اس فکر میں مت پڑو کہ قیامت کب آئے گی اس کا سامان کرو اور اس کی تیاری کرو تم سارے جہان کی قیامت کو کیا پوچھتے ہو تمہاری قیامت یعنی تمہاری موت کہیں سر پر نہ کھڑی ہو بیشک اللہ نے دور پھینک دیا ہے کافروں کو اپنی رحمت سے جو نبی کریم ﷺ کی نبوت اور قیامت کے منکر ہیں اور دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ان کے لیے تیار کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ مددگار جو ان سے عذاب کو ہٹا سکے جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے یعنی سوختہ کباب کی طرح بنا دیئے جائیں گے کباب کے گوشت کی طرح بار بار ان کو آگ پر رکھا جائے گا اور وہ اس وقت یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم دُنیا میں اللہ اور رسول کی تابعداری کرتے پھر جن کافروں نے ان کو گمراہ کیا تھا ان کی شکایت کریں گے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی پس ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا اے ہمارے پروردگار! ان کو ہم سے دو چند عذاب دے اور ان پر بہت ہی بڑی لعنت کیجیے خود بھی گمراہ رہے اور ہم کو بھی گمراہ کیا ان پر دو چند عذاب نازل کیجیے اور سخت لعنت کیجیے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ادب سکھاتا ہے کہ تم کافروں کی طرح یا قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے نبی کو کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچاؤ۔

| |
|---|
| يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا |
| اے ایمان والو! تم مت ہو ویسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو پھر بے عیب دکھایا ان کو اللہ نے ان کے |
| قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۞ ٦٩ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ |
| کہنے سے اور تھا اللہ کے ہاں آبرو رکھتا۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور |
| قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۞ ٧٠ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ |
| کہو بات سیدھی۔ کہ سنوار دے تم کو تمہارے کام، اور بخشے تم کو تمہارے گناہ۔ |
| وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۞ ٧١ |
| اور جو کوئی کہے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد۔ |

## خاتمہ سورت بر ترغیب از ایذاء رسول و ترغیب اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا . . . الی . . . فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾ ﴾

**ربط**: ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک منافقین کی انواع واقسام کی ایذاؤں کا ذکر تھا اور گذشتہ آیات میں ایذاء رسول کو موجب لعنت قرار دیا اب سورت کو اس مضمون پر ختم کرتے ہیں جو اس سورت کے متفرق مضامین کا خلاصہ ہے کہ رسول خدا کو ایذاء پہنچانا موجب ہلاکت ولعنت ہے اور تقویٰ اور رسول کی اطاعت موجب صلاح اور فلاح اور باعث رحمت اور کیمیاء سعادت ہے۔ ابتداء سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویٰ کا حکم تھا۔ اب آخر سورت میں اہل ایمان کو تقویٰ کا حکم دیا جس درجہ کا تقویٰ ہوگا اسی درجہ کا ایمان ہوگا اور ایمان اور تقویٰ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نبی کو اور اس کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہن کو کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچائے نبی کو اپنا روحانی باپ جانے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اپنی روحانی مائیں سمجھے۔ نبی پر طعن کرنا اور اس کو ایذاء پہنچانا یہ منافقین کا شیوہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دی تھی پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تو اس بات سے بری کر دیا اور ایذاء پہنچانے والے ہمیشہ کے لیے ملعون اور مغضوب ہوئے۔ اور وہ یعنی موسیٰ علیہ السلام اللہ کے یہاں بڑے آبرو والے تھے اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ تھا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا مرتبہ تو اللہ کے یہاں سب سے بڑھ کر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت اور عزت میں کوئی فرق نہیں آئے گا بنی اسرئیل نے موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں ایک مرتبہ ایک عورت کو رشوت دے کر الزام لگایا جیسا کہ قارون کے قصہ میں گذرا اور اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور ہمیشہ درست بات کہو زبان سے کوئی لفظ ایسا نہ نکالو کہ جو نبی کی ایذاء کا سبب بنے اور کوئی بات خلاف شرع تمہاری زبان سے نہ نکلے ایسی بات خدا اور اس کے رسول کی ایذاء کا سبب ہے اللہ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وہ بڑی کامیابی کو پہنچا خوب سمجھ لو کہ کامیابی کا دارومدار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے۔

**نکتہ**: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے دو طریقے ذکر فرمائے ایک تقویٰ اور ایک قول سدید۔ تقویٰ کے معنی خوف خداوندی کے ہیں جس کا تعلق قلب سے ہے اور قول سدید یعنی ٹھیک بات کہنا اس کا تعلق زبان سے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان باتوں کو اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دیں گے جب قلب درست ہو جائے اور زبان درست ہو جائے تو لامحالہ باقی اعمال درست ہو جائیں گے۔ اعمال کا دارومدار زیادہ تر انہی دو چیزوں پر ہے ایک دل اور ایک زبان جب یہ دونوں درست ہو جائیں گے تو باقی بھی درست ہو جائیں گے۔ تمام اعضا میں سب سے زیادہ تیز اور رواں زبان ہے ہر عضو تھک جاتا ہے مگر زبان بولنے سے نہیں تھکتی حدیث میں ہے:

((اذا اصبح ابن آدم فالاعضاء کلها تکفر اللسان فتقول اتق اللہ فینا فنحن بك فان استقمت استقمنا وان اعوججت اعوججنا)).

"جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کو قسم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے زبان ہمارے بارہ میں اللہ سے ڈر

کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں پس اگر تو درست ہوگی تو ہم سب درست رہیں گے اور اگر تو کج ہوگی تو ہم سب کج رہیں گے۔" (ماخوذ از تسہیل الاصلاح وعظ پنجم از دعوات عبدیت حصہ دوم)

| |
|---|
| اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ |
| ہم نے دکھائی امانت آسمان کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر سب |
| اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ |
| نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھاویں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے، یہ ہے |
| ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۟ۙ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ |
| بڑا بے ترس نادان۔ تا عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو اور عورتوں کو اور |
| الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ |
| شریک والے مردوں کو اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ ایماندار مردوں کو اور عورتوں کو۔ |
| وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۟ ع |
| اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ |

## ترغیب بر حفاظت امانت وترہیب از خیانت واضاعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ ... اِلٰی ... وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۟﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں طاعتِ خداوندی اور رسول اور ایمان اور تقویٰ اور قول سدید کی تاکید تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ طاعت خدا اور رسول اللہ کی ایک امانت ہے جس کو ایمان لا کر تم نے قبول کیا ہے یا وہ عہدِ الست ہے جس کو تم نے بلیٰ کہہ کہ قبول کیا ہے وہ تمہارے پاس خدا کی امانت ہے اور ظاہر ہے کہ تمام خوبیوں کی جڑ صفت امانت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ((لا ایمان لمن لا امانة لهٗ)) اس لیے آئندہ آیت میں امانت کا مرتبہ اور اس کی عظمت اور فخامت اور کرامت کو بیان کرتے ہیں کہ امانتِ الٰہیہ اس قدر عظیم اور ثقیل ہے کہ آسمان اور زمین بھی اس کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکے انسان نے چونکہ اس امانتِ الٰہیہ کو قبول کیا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ خدا کی اس امانت اور عہدِ الست کی پوری پوری حفاظت کرے مبادا اس ظلوم وجہول کی غفلت سے یہ امانت کہیں ضائع نہ ہو جائے اور مبادا شیطان تم کو دھوکہ دے کر خیانت پر آمادہ نہ کرے۔

کردہ بار امانت را قبول — از کشیدن پس نباید شد ملول

امانت کا صاحب امانت کو ادا کرنا اور صحیح سالم اس تک پہنچا دینا فرض اور واجب ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی امانت (عہد اطاعت) کی حفاظت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو اور اس کا حق ادا کرو تا کہ مورد عنایتِ خداوندی بنو اور اس کو ضائع کر کے مستحق عذاب نہ بنو خوب سمجھ لو کہ خدا اور رسول کو ایذاء پہنچانے والے اور یہ تمام منافقین اور منافقات اور مرجفین اور مرجفات سب بدعہد اور بے ایمان اور خائن ہیں ان سب نے اللہ کی امانت میں خیانت کی اللہ ان کو سزا دے گا البتہ جن مؤمنین اور مؤمنات سے اس امانت کے بارہ میں کوئی تقصیر اور کوتاہی ہوئی ہوگی اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرمائے گا اور ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ کا یہی مطلب ہے اور اس امانت کا خلاصہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ہے یعنی اقرار الوہیت اور اقرار رسالت جس کا حاصل ومحصول اطاعت وفرمانبرداری ہے جو بمنزلہ امانت کے ہے اس کی حفاظت واجب ہے اور اس میں خیانت ناجائز اور حرام ہے۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ حق جل شانہٗ نے اس سورت میں بار بار مؤمنین مخلصین کو ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کی نداء اور خطاب سے عزت بخشی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے اور حدیث میں ہے: ((لا ایمان لمن لا امانة له)) جن میں امانت کی صفت نہیں اس میں ایمان بھی نہیں اس لیے اب اس سورت کو امانت کی عظمت کے بیان پر ختم کرتے ہیں تا کہ اہل ایمان بحق ایمان اس امانت کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں اس لیے کہ امانت تمام خوبیوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق ہم نے اپنی بارگاہِ عظمت وجلال سے آسمانوں کے اور زمین کے اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی یعنی احکام شریعت کی اطاعت [1] اور بجا آوری کو جو بمنزلہ امانت کے ہے آسمان اور زمین پر اس طور پیش کیا کہ اگر تم نے ہمارے احکام اور اوامر اور نواہی کی تعمیل کی تو مستحق اجر اور ثواب کے ہو گے اور اگر نافرمانی اور حکم عدولی کی تو مستحق عذاب اور سزا کے ہو گے اور ہم نے جنت اور جہنم کو اسی ثواب اور عتاب کے لیے پیدا کیا ہے۔ پس اگر تم ہماری اطاعت کرو گے تو جزاء پاؤ گے اور اگر نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ غرض یہ کہ امانت خداوندی مراد ہے پس ہم نے اس امانت کو آسمان وزمین کے سامنے کر دیا اور ان کو دکھا دیا اور ان میں شعور اور ادراک بھی پیدا کر دیا۔ اور ماننے اور نہ ماننے کا اختیار بھی ان کو دے دیا اور کہہ دیا کہ یہ امانت تمہارے سامنے ہے اگر تم ہمارے احکام کی پابندی اس طرح اپنے ذمہ لیتے ہو تو لے لو اگر ان کے موافق عمل کیا تو اجر اور ثواب کے مستحق ہو گے اور اگر خلاف ورزی کی تو عذاب اور سزا کے مستحق ہو گے اور تم کو اس ذمہ داری قبول کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے غرض یہ کہ امانت سے تکلیف احکام خداوندی ہے یعنی احکام خداوندی کی تعمیل کو اس طرح اپنے ذمہ لے لینا اطاعت کی صورت میں مستحق ثواب ہوں اور معصیت کی صورت میں مستحق عذاب ہوں۔ پس ان سب نے اس امانت کے اٹھانے سے اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بولے کہ ہم میں اتنی طاقت اور قوت نہیں کہ تیری امانت کے بوجھ کو اٹھا سکیں اور اس ذمہ داری سے ڈر گئے کہ خدا جانے بعد میں کیا انجام ہو خدانخواستہ اگر یہ امانت ہمارے ہاتھ سے ضائع ہوگئی یا کماحقہ ہم اس امانت کی حفاظت نہ کر سکے یا غلطی سے اس میں خیانت کر بیٹھے تو نہ معلوم ہم پر کیا مصیبت نازل ہو اور بولے کہ اے خدا جس کام کے لیے آپ نے ہم کو پیدا کیا ہے اور جس کام پر آپ نے ہم کو لگا دیا ہے ہم اس پر راضی ہیں تیرے روبرو مسخر اور ذلیل اور پست ہیں اور ہر طرح سے تیرے مطیع اور فرمانبردار ہیں ہماری طبعی اور ذاتی کوئی خواہش نہیں ہم تیرا حکم ماننے والے ہیں جس شے پر آپ نے ہم کو مامور کر دیا ہے ہم

[1] کما روی ابن عباس و جماعة من الصحابة و اکثر السلف۔

اس میں تیری نافرمانی نہ کریں گے ہم تیرے حکم کے مسخر ہیں ہم نہ ثواب کے طلب گار ہیں اور نہ ہم میں آپ کے عذاب کے اٹھانے کی طاقت ہے ہم تیری تسخیر پر راضی ہیں مگر تیرے اوامر اور نواہی کی تکلیف (یعنی ان کی ذمہ داری) قبول کرنے کی ہم میں طاقت اور ہمت نہیں امانت کے بوجھ سے اس قدر ڈرے کہ عذاب کے خوف سے ثواب سے بھی دستبردار ہو گئے کہ خدا جانے بعد میں کیا انجام ہو اور نہ معلوم ہم سے اس امانت کی حفاظت ہو سکے یا نہ ہو سکے اور ہم اس کے حقوق ادا کر سکیں یا نہ کر سکیں اے پروردگار ہم نہ ثواب چاہتے ہیں اور نہ ہم میں آپ کے عذاب کی اور نہ آپ کے عتاب کی طاقت ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کا یہ اباء اور انکار ابلیس کی طرح اباء استکبار نہ تھا۔

بلکہ اباء استصغار اور انکار استحقار تھا کہ اپنے آپ کو اس بار امانت کے اٹھانے سے صغیر اور حقیر سمجھا جیسا کہ ﴿وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور اپنی اس کمزوری کے اظہار سے مقصود نیاز مندانہ اعتذار تھا۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۳۰ ج ۶)

غرض یہ کہ ان سب نے بار امانت کے اٹھانے سے عذر کیا اور آسمان و زمین کے بعد جب یہ امانت انسان پر پیش کی گئی تو انسان ناتواں ضعیف البنیان نے ہمت کر کے اس امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا اور خدا تعالیٰ کی اس پیش کردہ ذمہ داری کو قبول کر لیا اور انسان اپنے طبعی ذاتی مادہ انس کی وجہ سے شرمایا کہ اپنے پروردگار کی امانت کو کیسے واپس کروں اس لیے بصد شوق و رغبت مادۂ انس و محبت کی وجہ سے اپنے پروردگار کی پیش کردہ امانت کو سر اور آنکھوں پر رکھ لیا بلکہ ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کا نعرہ لگانے لگا بیشک انسان بڑا ہی ظالم تھا کہ جس نے اپنی جان پر ترس نہ کھایا اور اس کو اپنے اوپر رحم نہ آیا اور جس بوجھ کے اٹھانے سے آسمان اور زمین جیسے اجسام عظیمہ نے پہلوتہی کی اس ضعیف اور ناتواں نے باوجود اپنے ضعف اور ناتوانی کے بصد شوق و رغبت اس بوجھ کو اپنے سر پر اٹھا لیا اور اپنے ضعف اور ناتوانی پر نظر نہ کی اور بڑا ہی نادان تھا کہ اس امانت میں خیانت کے انجام پر نظر نہ کی اور نہ یہ خیال کیا کہ اندرونی یا بیرونی دشمن (نفس اور شیطان) ہماری تاک میں تو نہیں۔ صحیح سالم منزل طے کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ راستہ میں کوئی راہزن چھپا نہ بیٹھا ہو انسان بڑا ہی ظلوم و جہول یعنی بڑا ہی ستمگار اور بالکل ہی ناتجربہ کار تھا۔ نہ تو اپنی کمزوری پر نظر کی اور نہ کسی اندرونی اور بیرونی دشمن کا خطرہ محسوس کیا۔ بہرحال انسان نے اللہ کی اس امانت کو قبول کر لیا۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب انسان نے اللہ کی اس امانت کو قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انسان تیری اعانت کرنے والا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۳ ج ۳)

غرض یہ کہ انسان نے بار امانت تو اٹھا لیا مگر مشکل میں پڑ گیا جیسا کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(مصرعہ) کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اور یہ اٹھانا انسان کی فطرت اور صلاحیت کے بھی مناسب تھا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین نے اور پہاڑوں نے اس امانت کے ثقل پر نظر کی اس لیے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس امانت کے پیش کرنے والے پر نظر کی کہ وہ میرا پروردگار ہے غیرت اور حیاء کے مارے قبول کر لیا اور سمجھا کہ میرے ظلم اور جہالت کی تلافی اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کی مغفرت و رحمت سے ہو جائے گی۔ (تفسیر کبیر ص ۲۳۲ ج ۶)

**فائدہ:** ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ بظاہر یہ دونوں لفظ منقصت پر دلالت کرتے ہیں مگر اہل ذوق سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ درحقیقت کمال لطف و عنایت اور نوازش اور محبت پر مبنی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اے انسان اگرچہ تو عدالت اور علم کے ساتھ بالفعل

موصوف نہیں مگر تجھ میں عدل اور انصاف اور علم اور معرفت کی صلاحیت اور قابلیت موجود ہے اور تو نے اپنی رضا اور رغبت سے اس امانت کو قبول کیا ہے۔ پس تو [1] اللہ سے ڈر کہ اس کی امانت میں خیانت نہ ہو جائے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا کہ امانت کا حق ادا ہو۔

**ذکر انجام امانت:**

یہاں تک اس بات کو بیان کیا کہ انسان نے اس امانت کو اٹھالیا اور اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ اب آئندہ آیت میں اس امانت کے انجام کو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یہ امانت انسان پر اس لیے پیش کی تا کہ انسان کی طبیعت میں جو امانت اور خیانت کا مادہ چھپا ہوا ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ اور منافق کا نفاق اور مشرک کا شرک اور مؤمن کا اخلاص اندر سے نکل کر باہر آ جائے۔ حاصل کلام یہ کہ انسان نے اس امانت کو اٹھا تو لیا مگر اس کے حق میں اس کا انجام یہ ہے کہ بعض انسان اس امانت کی حفاظت کریں گے اور بعض اس میں خیانت کریں گے پس جس نے اس امانت کی حفاظت کی اور اس کا حق ادا کیا وہ مستحق نعمت اور کرامت ہوا۔ اور جس نے اس امانت میں خیانت کی اس نے اپنی عاقبت خراب کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ انسان کے اس امانت اٹھانے کا انجام یہ ہوگا کہ آئندہ چل کر اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو جنہوں نے دعویٰ تو محبت کا کیا مگر امانت میں خیانت کی۔ ظاہر میں وفادار بنے اور باطن میں غدار اور مکار بنے اور جھوٹ بولا اور اللہ اور اس کے رسول کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیا اور ایذائیں پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان بدعہدوں کو اور امانت میں خیانت کرنے والوں کو عذاب دے گا اور تا کہ اللہ تعالیٰ عذاب دے کفر اور شرک کرنے والے مردوں اور عورتوں کو جو ظاہراً اور باطناً دونوں طرح امانت سے منحرف ہو گئے اور کھلم کھلا اس کے منکر ہو گئے اور تا کہ اللہ تعالیٰ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں پر توجہ اور رحمت فرمائے اور اپنی عنایت سے ان کو نوازے جنہوں نے حتی المقدور اللہ کی امانت کی حفاظت کی اور اپنے عہد پر قائم رہے اور اپنی ذمہ داری کو حتی المقدور پورا کیا مگر بمقتضائے بشریت حقوق امانت میں کچھ تقصیر ہو جائے تو اس سے درگذر کرتا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امانت اوّل آدم علیہ السلام پر پیش ہوئی اور انہوں نے اس امانت کو قبول کیا اور وہ صادق اور امین تھے انہوں نے اس امانت کی حفاظت کی اور پھر وہ امانت آدم علیہ السلام سے ان کی ذریت کی طرف منتقل ہوئی ان کی اولاد میں سے بعض نے اس امانت کی حفاظت کی اور بعض نے اس میں خیانت کی۔ (تفسیر کبیر ص ۶۳۱ ج ۶)

## آیت امانت کی شیعی تفسیر یا تحریف

تفسیر قمی میں جو تفسیر اہل بیت کے نام سے مشہور ہے اس میں اس آیت کی عجیب و غریب تفسیر کی ہے وہ یہ کہ امانت سے مراد امامت اور خلافت ہے اور انسان سے ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین میں پہاڑوں پر پیش کیا مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑا ظلوم و جہول تھا اس نے اٹھالیا اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے بالفرض والتقدیر اگر یہ تفسیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آفرینش عالم سے پہلے سب کون و مکان حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] اس تفسیر سے مقصد یہ ہے کہ امانت کا گذشتہ آیت یعنی ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ کے ساتھ ربط ہے۔

بھی خلافت سے دستبردار ہو چکے تھے ان سب کی دستبرداری کے بعد اللہ نے خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پیش کی جس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اٹھالیا اور اٹھا کر اپنی ہی جان پر ظلم کیا نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو خلافت ملی وہ مغصوبہ نہ تھی بلکہ خدا کی پیش کردہ تھی۔ خدا کی طرف سے ان کو یہ خلافت ملی تھی جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی پیدائش سے پہلے ہی بصد رضا ورغبت دستبردار ہو چکے تھے۔ شیعوں کی یہ تحریف تو اہل سنت کو مفید ہے۔

## لطائف معارف

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل الاعمال بالاختیار ہیں یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے احکام شریعت کو بجالانا کیونکہ مطلق عبادت اور اطاعت سے کوئی شے خالی نہیں۔ چنانچہ حق جل شانہٗ فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۱۱) یعنی ہم نے آسمان اور زمین سے کہا کہ ہمارے احکام تکوینیہ کے لیے تیار ہو جاؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ سب نے عرض کیا ہم خوشی سے تیار ہیں معلوم ہوا کہ عابد اور مطیع تو تمام مخلوق ہے لیکن مکلف سب نہیں بجز انسان کے لہٰذا معلوم ہوا کہ تکلیف اور اطاعت میں فرق ہے اور جس امانت سے تمام عالم گھبرا گیا وہ تکلیف شرعی ہی ہے جس سے مراد عمل مع الاختیار ہے مطلب یہ کہ امانت سے وہ اختیاری اطاعت مراد ہے جو طبیعت کے مقتضا کے خلاف ہو یا تکلیف شرعی سے ثواب وعتاب کی اہلیت اور صلاحیت مراد ہے۔ جیسا کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ امانت کے معنی پرائی چیز کو اپنی خواہش سے روک کر رکھنے کے ہیں اور آسمان وزمین میں اپنی کوئی خواہش نہیں یا ہے تو وہی ہے جو خدا کا حکم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے یہ فرمایا تھا کہ ہمارے کچھ احکام تشریعیہ ہیں ان کا مکلّف بالاختیار ہونا کون قبول کرتا ہے یعنی جو شخص ان کا تحمل کرے گا اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کی جائے گی یعنی اس کی قوت ارادیہ ان احکام پر عمل کرنے کے لیے مجبور نہ ہوگی بلکہ عمل اور عدم عمل دونوں پر اس کو قدرت دی جائے گی پھر جو اپنے اختیار سے احکام کو بجالائے گا اس کو مقرب بنالیا جائے گا اور جو اپنے اختیار سے احکام میں کوتاہی کرے گا اس کو مطرود (مردود) کر دیا جائے گا اس سے سماوات اور ارض اور جبال اور تمام مخلوق ڈر گئی انسان اس کے لیے آمادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مکلّف بنا دیا یعنی اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کر دی گئی باقی مخلوق میں صفت اختیار اور عقل نہیں ہے وہ جن احکام تکوینیہ یا عبادت کو بجالاتے ہیں وہ ان کے لیے طبعی ہیں یعنی ان کی قوت ارادیہ اس کے خلاف کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی بخلاف انسان کے کہ جن احکام کا یہ مکلف ہے وہ اس کے لیے طبعی نہیں بلکہ اس کی قوت ارادیہ عمل اور عدم عمل دونوں کی طرف مائل ہوتی ہے اب اس کی تکلیف کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنے اختیار سے ایک جانب کو ترجیح دے یعنی جانب عمل کو مامورات میں اور جانب عدم عمل کو منہیات میں ترجیح دے اسی کا نام تحصیل عمل ہے پس امانت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات سے فرمایا کہ صفت اختیار ہے اور یہ صفت عقل ہے اس کو کون لیتا ہے جو اس کو لے گا وہ ہمارے احکام کا مکلف اور پابند بنا دیا جائے گا۔ اس سے سب ڈر گئے اور انسان تیار ہو گیا۔ (کذا فی التحصیل والتسہیل ص ۲۳ وعظ نمبر ۶۱ از سلسلہ تبلیغ)

نیز حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک دوسرے وعظ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد

ہے اور تکلیف شرعی سے مراد اعمال کو اپنے اختیار سے بجالانا ہے یعنی جو اپنے اختیار سے اطاعت کرے گا اس کو ثواب ملے گا اور جو اطاعت نہیں کرے گا اس کو عذاب ہوگا اس کو سن کر سب ڈر گئے نہ آسمان کو ہمت ہوئی اور نہ زمین کو اور نہ پہاڑوں کو۔ اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے سب ڈر گئے اور امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا مگر حضرت انسان فوراً بول اٹھے کہ ہم ہیں اس کے اٹھانے والے کچھ دیکھا نہ بھالا اور ہمت کر کے قبول کر لیا وجہ اس ہمت کی وہ ہے کہ جس کی طرف کسی صاحب دل نے اشارہ کیا ہے۔

آسمان بار امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

لفظ دیوانہ اس کی طرف اشارہ ہے یعنی جوش عشق اور محبت نے ایسا بیخود اور دیوانہ بنایا کہ بغیر سوچے سمجھے ہی قبول کر لیا آسمان و زمین میں عشق اور محبت کا مادہ نہ تھا اس لیے ان پر شعور غالب آیا اور بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا انسان پر عشق اور محبت کی وجہ سے بے شعوری غالب آئی اس لیے اقرار کر لیا۔ عشق سے خطاب کی لذت محسوس ہوئی اور اندازہ لگا لیا کہ جب خطاب میں لذت ہے تو جب مکلف ہونے کو مان لیں گے تو بار بار خطاب ہوگا اور خوب لطف آئے گا۔ اور بڑا مزہ ہوگا بعد میں چاہے دوزخ میں جلنا پڑے لیکن اس لذت کو نہ چھوڑنا چاہیے اور کچھ نہ سہی اس بہانہ سے بات ہی کرنے کا موقع ملا کرے گا جیسے کوئی مریض کسی طبیب پر عاشق ہو جائے اور علاج بھی اسی طبیب کا ہو تو مریض یہ دُعا کرے گا کہ اے اللہ میں بیمار رہوں تا کہ حکیم صاحب میرے پاس آتے رہیں ملائکہ میں بھی مادہ عشق کا نہیں عشق کے لیے جوش اور خروش اور شوق اور ہیجان اور ولولہ لازم ہے یہ مادہ انسان میں سب سے زیادہ ہے اسی وجہ سے اگر انسان کی تعریف میں بجائے حیوان ناطق کے حیوان عاشق کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے اور ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ میں کچھ اس کی بے وفائی کی طرف اشارہ ہے۔

ع که عشق آسان نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

ایک طرف عشق تھا اور ایک طرف انسانی کمزوری تھی عجب حال ہوا۔ نہ انکاری کنم نہ اینکاری کنم کا مضمون ہو گیا۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے غرض یہ کہ انسان نے نہ آگا دیکھا نہ پیچھا جوش عشق میں امانت کو اٹھا ہی لیا اسی کو فرمایا ہے ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ اس میں انسان کے عارف ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے پہچان لیا کہ اس تکلیف میں کیا دولت پنہاں ہے مگر یہاں ذکر صرف انسان کا اس لیے فرمایا کہ انسان صفت تکلیف میں اصل ہے اور جن اس کے تابع ہیں اس لیے اصل کو تو ذکر کیا اور تابع کو چھوڑ دیا اور انسان کے اصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق جل شانہٗ کی عنایتیں جس قدر انسان پر ہیں اتنی جن پر نہیں۔ جن دوسرے درجہ میں ہے۔ چنانچہ جو لوگ جنات کے جنات میں (یعنی جنت میں) جانے کے قائل ہیں وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ جنات جنت کے گردو پیش میں رہیں گے جیسے تابع لوگ رہا کرتے ہیں اس لیے ان کو خطاب میں شریک نہیں کیا گیا لیکن اثر خطاب اور حکم میں ضرور داخل ہیں کیونکہ تابع متبوع کے ساتھ اثر خطاب میں ضرور داخل ہوتا ہے اور انسان کے اصل ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۰) انسان کو حق تعالیٰ نے مکرم بنایا۔ اور حدیث میں ((انّ اللہَ خلق اٰدمَ علی صورتہ)) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو مظہر اتم بنایا حق جل شانہٗ کی صفات کمالیہ و جمالیہ کا ظہور پورا پورا انسان کے ذریعہ سے ہوا جیسا کہ حدیث میں ہے: ((کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اُعْرَفَ)).

اور اسی وجہ سے ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى﴾ (القیامہ: ۳۶) میں صرف انسان کا ذکر کیا۔ حالانکہ مکلف جن اور انس دونوں ہیں یعنی اس لیے کہ انسان اصل ہے اور جن تابع ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تبلیغ اوّل انسانوں ہی کو ہوئی اور پھر ثانیاً جنوں

کو ہوئی۔ کذا فی نقد اللبیب ص ۵ ۴ وعظ بستم از سلسلہ تبلیغ حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: امانت کیا چیز ہے پرائی چیز کو اپنی خواہش روک کر رکھنے کے ہیں اور آسمان اور زمین میں اپنی خواہش کچھ نہیں یا ہے تو وہی ہے جس پر وہ قائم ہیں انسان میں خواہش اور ہے اور حکم اس کے خلاف پرائی چیز کو یعنی حکم کو اپنے جی کے خلاف تھامنا بڑا زور چاہتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑنا اور ماننے والوں کا قصور معاف کرنا اب بھی یہی حکم ہے کہ اگر کسی کی امانت کو جان بوجھ کر ضائع کر دے تو اس کا بدلہ (ضمان اور تاوان) دینا پڑے گا اور اگر بلا اختیار ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ یعنی ضمان اور تاوان نہیں۔ (موضح القرآن بتوضیح یسیر)

سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی نظر خدا تعالیٰ کے پیش کرنے پر تھی کہ خدا تعالیٰ پیش کر رہا ہے امانت کے ثقل پر اس کی نظر نہ تھی حق تعالیٰ کے پیش کرنے کی لذت نے امانت کا بوجھ بھلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لطف ربانی بزبان عنایت بول اٹھا کہ اے آدم علیہ السلام امانت کا اٹھانا تیری طرف سے ہے اور نگہبانی میری طرف سے ہے چونکہ تو نے خوشی سے میری امانت کو اٹھالیا تو میں نے بھی تجھے اٹھالیا۔

راہ اورابدو تو ان پیمود  بار اورا بدو توان برداشت

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جب آسمان اور زمین اور پہاڑوں نے اس بار امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا تو انسان آگے بڑھا اور اپنے کاندھے پر اٹھا کر ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ (ق:۳۰) کا نعرہ لگانے لگا تو غیب سے آواز آئی کہ اے خاکی دلیر تجھ میں یہ قوت کہاں سے آئی تو یہ مشت خاک زبان حال سے بولا کہ یہ بار گراں یار مہربان کی مدد سے کھینچ سکوں گا۔ غرض یہ کہ انسان جس کے نام نامی پر ﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ (البقرہ:۳۰) کا پروانہ جاری ہو چکا تھا اس کے قامت سراپا استقامت کے سوا کسی قد پر امانت کا خلعت راس نہ آیا ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور کار خلافت کی انجام دہی کے لیے قوت علمیہ اور قوت عملیہ میں کمال درکار ہے۔ سو امتحان علم میں حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے بھی آگے نکلے۔ ﴿اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ (البقرہ:۳۱)۔ رہی قدرت سو فرشتوں میں یک طرفہ قدرت تھی ان میں اپنی ذاتی اور طبعی کوئی خواہش اور رغبت نہ تھی اور آدم علیہ السلام کی طبیعت اور فطرت میں رغبت اور میلان کا مادہ بھی تھا جو دونوں طرف چل سکے اور اس میں عجیب و غریب ملکات اور کمالات کی استعداد رکھ دی کہ مدارج عالیہ تک پرواز کر سکے اور فرشتوں کے کمالات اور مقامات معین ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ (الصافات:۱۶۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الحمد للہ کہ آج بروز دوشنبہ بوقت اذان عصر بتاریخ ۱۰ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۹۲ھ سورۂ احزاب کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔ والحمد للہ اولا و آخرا۔ اے اللہ! باقی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تفسیر سورۂ سبا

یہ سورت مکی ہے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے سوائے ایک آیت کے کہ اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے اور وہ یہ آیت ہے ﴿ وَ یَرَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ہُوَ الۡحَقَّ ۙ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۞ ﴾ علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور ﴿ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ﴾ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور ﴿ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ﴾ سے علماء اہل کتاب مراد ہیں جو مدینہ منورہ میں اسلام لائے جیسا کہ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے عام اہل ایمان اور عام اہل علم مراد ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۵۸ ج ۱۴)

اس سورت میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔ اس سورت کا نام سورۂ سبا ہے جس میں ملک سبا کی سرسبزی اور شادابی اور پھر اس کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے کہ تکبر اور ناشکری کی سزا میں کیسے پکڑے گئے۔

**(گذشتہ سورۃ سے ربط)** گذشتہ سورت کے اخیر میں امانت کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں یہ بتلایا کہ نفسانی شہوتیں اور دُنیاوی لذتیں ہی امانت میں خیانت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ قوم سبا جن کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا مگر وہ دُنیاوی عیش وعشرت میں ایسے مست ہوئے کہ اللہ کی امانت میں خیانت کر بیٹھے جس کا انجام تباہی اور بربادی ہوا۔ حق تعالیٰ نے قوم سبا کو جو نعمتیں دی تھیں وہ جنت کا نمونہ تھیں۔ کفران نعمت کی وجہ سے وہ جنت مبدل بہ جہنم ہوگئی اور رحمت وراحت مبدل بہ لعنت وزحمت ہوگئی۔ اور عزت مبدل بہ ذلت ہوگئی۔ اور گذشتہ سورت کے اخیر میں امانت کے بیان کے بعد اس میں خیانت کرنے والوں کو جو عذاب کی دھمکی تھی۔ ﴿ لِّیُعَذِّبَ اللّٰہُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ الۡمُشۡرِکٰتِ ﴾ (الاحزاب: ۷۳) سو اس سورت کے شروع میں اس عذاب کا ایک نمونہ بیان کر دیا کہ دیکھو قوم سبا نے کس طرح امانت الٰہیہ کو ضائع کیا تو وہ کس طرح تباہ اور برباد ہوئے اور سوائے حسرت کے ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہ لوگ خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں ایسے مست اور غرق ہوئے کہ آخرت سے غافل بلکہ اس کے منکر ہوگئے۔ اس لیے اس سورت کا آغاز حمد وشکر سے کیا کہ بندہ کو چاہیے کہ اللہ کی نعمت ملنے کے بعد منعم حقیقی کے حمد وشکر میں مشغول ہو اور دُنیا کو آخرت کا توشہ بنائے اور آخرت کی فکر کرے اور قوم سبا کے قصہ سے پہلے حق جل شانہ نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ ذکر فرمایا کہ ان دونوں برگزیدہ بندوں نے کس طرح اللہ کی امانت کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے ان دو بندوں پر نبوت ورسالت کے علاوہ ایسی دنیاوی سلطنت اور بادشاہت کا انعام فرمایا کہ اولین اور آخرین میں جس کی نظیر نہیں مگر دیکھو کہ یہ دونوں خدا کے کیسے پسندیدہ اور برگزیدہ بندے تھے کہ باوجود اس بے مثال بادشاہت کے لیل ونہار خدا کے حمد اور شکر میں اس کی عبادت اور طاعت میں مستغرق رہے جن کی دنیاوی شان وشوکت کا یہ عالم تھا کہ جن اور انس اور چرند اور پرند اور بر اور بحر اور ہوا اور فضاء اور خلاء سب ان کے لیے مسخر تھے مگر یہ دونوں باپ بیٹے عبودیت کے نشہ میں مست تھے۔ دُنیا داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے قدموں پر تھی اور ان دونوں کے سر خدا کے قدموں پر تھے۔

ان دو عبد منیب کے قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کا قصہ ذکر کیا۔ جنہوں نے دُنیاوی عیش وعشرت میں مست ہو کر خدا کی امانت کو ضائع کر دیا اور مستحق عذاب ہوئے اور حمد وشکر سے اعراض کی بدولت نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس سورت میں شروع سے لے کر اخیر تک تین مضمون بیان فرمائے توحید اور رسالت اور قیامت اور یہی تینوں مضمون امانت الٰہیہ کے جزء اعظم ہیں اور جو لوگ عیش پرستی میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں وہی لوگ قیامت اور حشر اور نشر کے زیادہ منکر ہوتے ہیں ان کی نظر صرف دُنیاوی لذتوں پر ہوتی ہے اس لیے اس سورت میں دلائل توحید کے علاوہ ان لوگوں کی خاص طور پر تہدید وتوبیخ کی گئی جو قیامت کے منکر تھے جو یہ کہتے تھے ﴿لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ﴾ ان کے جواب میں کہا گیا۔ ﴿قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ﴾ اس لیے اس سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر سے کیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ حمد وشکر کی مستحق صرف وہی ذات ہے جو آسمان وزمین کی مالک ہے اس لیے کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار ہے اس لیے اس سُورت میں دلائل توحید کے ساتھ دلائل قیامت کو بھی بیان کیا تاکہ مشرکین اور منکرین قیامت کا ردّ ہو جائے اور ان لوگوں کا بھی ردفرمایا کہ جو نبی کریم ﷺ کو مفتری اور ساحر اور مجنون کہتے تھے کہ جو شخص علم وحکمت کی باتیں پیش کرتا ہو اس کو مجنون کہنا خود اس کہنے والے کے دیوانہ اور مجنون ہونے کی دلیل ہے۔

**ربط:** نیز گذشتہ سورت کے اخیر میں ذکر تھا کہ کفار بطور تمسخر آپ ﷺ سے یہ سوال کرتے تھے کہ قیامت کب ہوگی۔ ﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ﴾ اور اس سُورت میں یہ ذکر فرمایا کہ کفار صراحۃً قیامت کے منکر ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ﴾ اس سورت میں ان کے اس صریحی انکار کو نقل کر کے اس کا جواب دیا۔ گذشتہ سورت میں کفار کے سوال کا ذکر تھا اور اس سُورت میں ان کے صریح انکار کا ذکر ہے۔

## آیاتها ۵۴ — ㉞ سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ ㊽ — رکوعاتها ۶

سورۂ سبا مکی ہے اس میں چون آیتیں اور ۶ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ لَهُ الْحَمْدُ

سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں اور اسی کی تعریف ہے

فِي الْاٰخِرَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ

آخرت میں۔ اور وہی ہے حکمتوں والا سب جانتا۔ جانتا ہے جو پیٹھتا ہے زمین میں

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ط

اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں،

وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ②

اور وہی ہے رحم والا بخشتا۔

## آغاز سورت بہ تحمید و توحید خداوند رب العزت

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ... الی... وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②﴾

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں پانچ سورتوں کو الحمد سے شروع فرمایا۔ ① سورۃ الفاتحہ۔ ② سورۃ الانعام ③ سورۂ کہف ④ چوتھی سورت یہ سورۂ سبا ہے ⑤ پانچویں سورت جو اس کے بعد آنے والی ہے یعنی سورۂ فاطر۔ جسے سورۂ ملائکہ بھی کہتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں لیکن بظاہر وہ نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک نعمت ایجاد اور ایک نعمت بقاء ایجاد کے معنی معدوم کو موجود کرنے کے ہیں اور بقاء کے معنی موجود کو باقی اور زندہ رکھنے کے اور زندہ رہنے کے سامان عطا کرنے کے ہیں اور پھر ایجاد اور بقاء کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی اور ایک اُخروی اور ایک روحانی اور ایک جسمانی پس ان پانچ سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے کہیں ایجاد کی نعمتیں اور کہیں بقاء کی نعمتیں ذکر کیں اور کہیں دنیاوی اور جسمانی نعمتوں اور کہیں اُخروی اور روحانی نعمتوں کا ذکر کیا جس سے ہر جگہ شکر کی ترغیب دینا مقصود ہے اس سورت کے شروع میں اول عالم دنیا کی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد عالم آخرت کی نعمت مغفرت اور ان کے رزق کریم کا اور دیگر معنوی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان لوگوں کی مذمت کی جو اخروی نعمتوں کے منکر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اسی خدائے برحق کے لیے سزاوار ہیں کہ جس کے ہاتھ میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور آخرت میں بھی اسی کے لیے حمد و ثناء ہے غرض یہ کہ دُنیا اور آخرت میں وہی حمد و ثناء کا مستحق اور سزاوار ہے۔ فرق اتنا ہے کہ دنیا میں ظاہراً کسی اور کی بھی تعریف ہو جاتی ہے مگر وہ درحقیقت اللہ ہی کے فعل کا پردہ ہوتی ہے اور آخرت میں کوئی پردہ نہیں اور نہ کوئی واسطہ ہے آخرت میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں نیز دنیا اور آخرت کی حمد میں ایک فرق یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی حمد بطور عبادت ہے اور اختیاری ہے اور آخرت میں اللہ کی حمد بطور لذت و فرحت ہے اور بمنزلہ سانس کے غیر اختیاری ہے اور وہی ہے حکمتوں والا جس نے آسمان اور زمین کو اپنی نعمتوں کا واسطہ اور پردہ بنایا اور سب چیزوں سے باخبر ہے وہ خوب جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز زمین سے نکلتی ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے جیسے بندوں کے اعمال اور ان کی دعائیں اور ان کے کلمات طیبہ اور ارواح طاہرہ اور وہ بڑا مہربان ہے اور کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ بندوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو رحمت کے پردہ میں چھپاتا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ
اور کہنے لگے منکر، نہ آوے گی ہم پر وہ گھڑی تو کہہ، کیوں نہیں قسم میرے رب کی البتہ آوے گی تم پر،
عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي
اس چھپے جاننے والے کی۔ غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر آسمانوں میں اور نہ
الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۟ۙ ③
زمین میں، اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی نہ اس سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب میں۔
لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ
تا بدلہ دیوے ان کو جو یقین لائے اور کیے بھلے کام۔ وہ جو ہیں ان کو ہے معافی اور
رِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
روزی عزت کی۔ اور جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو، ان کو بلا کی
عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤ وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ
مار ہے دکھ والی۔ اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ، کہ جو تجھ پر اترا
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ يَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥
تیرے رب سے وہی ٹھیک ہے اور سوجھاتا ہے راہ اس زبردست خوبیوں والے کی۔
وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ
اور کہنے لگے منکر، ہم بتاویں تم کو ایک مرد کہ تم کو خبر دیتا ہے جب تم پھٹ کر ہو جاؤ
كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑦ ۚ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
ٹکڑے ٹکڑے تم کو پھر نیا بننا ہے۔ کیا بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ؟
اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ
یا اس کو سودا ہے۔ کوئی نہیں! پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا۔ آفت میں ہیں اور صریح

| |
|---|
| الْبَعِيْدِ ⑧ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ |
| غلطی میں۔ کیا دیکھتے نہیں؟ جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے |
| السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ |
| آسمان و زمین۔ اگر ہم چاہیں دھنسا دیں ان کو زمین میں، یا گرا دیں ان پر |
| كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑨ ع |
| ٹکڑا آسمان سے۔ اس میں پتا ہے ہر بندے کو، جو رجوع رکھتا ہے۔ |

ع ۹/۷

## اثبات معاد مقرون بہ قسم برائے تہدید اہل کفر و عناد

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ . . . الی . . . اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑨ ع﴾

**ربط**: اُوپر تحمید اور توحید کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیت میں منکرین حشر کی ایک بیہودہ بات کا ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں اور بیہودگی پر تہدید بھی فرماتے ہیں۔ (شیخ زادہ ص ۹۷ ج ۴)

اور یہ بتلاتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی اور جو لوگ قیامت کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کی ضرور سزا ملے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کافر اور مشرک جو امانت کے ثواب اور خیانت کے عقاب کے منکر ہیں اور حیات دنیاوی پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی ہمیں کسی عذاب اور حساب کا ڈر نہیں اے پیغمبر آپ ان منکرین قیامت سے کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں قسم ہے میرے پروردگار کی وہ قیامت تم پر ضرور آئے گی اور وہ قیامت کے لانے پر قادر ہے کیونکہ وہ ایسا پروردگار ہے کہ جو ایسا غیب دان ہے کہ آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ اور کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے پوشیدہ نہیں مگر وہ سب لوح محفوظ میں ثبت ہے اور اس میں لکھی ہوئی ہے ہڈیاں اگرچہ ریزہ ریزہ ہو گئیں مگر سب اس کے علم اور قدرت سے غائب نہیں پہلی مرتبہ کی طرح پھر دوبارہ سب کو جمع کر کے زندہ کرے گا تاکہ ثواب عطا فرمائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے سو ایسے لوگوں کے لیے مغفرت ہے اور بہشت میں عزت کی روزی ہے بلا رنج و محنت ان کو روزی ملے گی۔ مغفرت تو بوجہ ایمان کے ہے اور عزت کی روزی عمل صالح کی وجہ سے ہے گویا کہ رزق کریم اطاعت کا انعام ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۴۹ ج ۷)

اور جو لوگ ہماری آیتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور ان کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے۔ امانت میں خیانت کی سزا ان کے سامنے آجائے گی اور جن لوگوں کو علم دیا گیا یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا علماء اہل کتاب وہ خوب جانتے ہیں کہ جو قرآن من جانب اللہ آپ کی طرف اتارا گیا کہ وہ بلاشبہ حق ہے اور ایسی خدا کی راہ دکھاتا ہے جو غالب ہے اور خوبیوں والا ہے یعنی جو اس قرآن کی ہدایت پر چلے گا وہ خدا تک پہنچ جائے گا یا یہ معنی ہیں کہ اہل علم اور اہل ایمان قیامت

کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ قرآن نے جس ثواب اور عقاب کی خبر دی تھی وہ بالکل حق ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں بطور مضحکہ اور تمسخر یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایسا شخص بتلادیں کہ جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو کر پوری طرح پراگندہ ہو جاؤ گے تو تم پھر از سر نو پیدا ہو گے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے یہ شخص تو ایک ناممکن اور محال کی خبر دیتا ہے کیا اس شخص نے خدا پر قصداً جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کسی قسم کا جنون ہے کہ جو کہتا ہے اس کو سمجھتا نہیں بلا قصد اس سے ایسی باتیں نکل رہی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب میں اور دور دراز گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور بہکی ہوئی باتیں کرتے ہیں اور حقیقت کو سمجھتے نہیں اور دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں امکان حشر کی ایک دلیل بیان کرتے ہیں۔ پس کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا جو ان کو سامنے اور پیچھے سے محیط ہے اور یہ سب ان دونوں میں محبوس ہیں چاروں طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہیں بھاگنے اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پھر بھی ہماری قدرت کے قائل نہیں ہوتے ہم تو ان کی سزا پر ہر وقت قادر ہیں چاہیں تو قارون کی طرح ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اگر چاہیں تو قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر کے ٹکڑے گرا دیں اور ان کو ہلاک کر دیں اور ابھی ان پر قیامت قائم کر کے سب کو تباہ اور برباد کر دیں پھر بھی یہ لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ بے شک اس میں یعنی آسمان و زمین میں عبرت ہے ہر اس بندہ کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہو کہ جو خداوند قدیر آسمان سے پتھر برسانے اور زمین میں دھنسانے پر قادر ہو اسے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے پورا عالم اس کی خدائی یعنی آسمان و زمین میں محصور اور محبوس ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قدرت کے دائرہ سے باہر نکل سکے عجیب بات ہے کہ یہ منکرین قیامت جس کے انگشت قدرت میں بند ہیں اسی کی قدرت کے منکر بنے ہوئے ہیں۔

---

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا

اور ہم نے دی داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی۔ اے پہاڑو! رجوع سے پڑھو اس کے ساتھ اور اڑتے جانورو! اور نرم کر دیا ہم نے

لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا

اس کے آگے لوہا۔ کہ بنا کشادہ زرہیں، اور اندازے سے جوڑ کر کڑیاں اور کرو تم سب کام

صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا

بھلا۔ میں جو کرتے ہو دیکھتا ہوں۔ اور سلیمان کے آگے باؤ، صبح کی منزل

شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ

ایک مہینے کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ اور بہا دیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلتے تانبے کا۔ اور جنوں میں

مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ

سے بعضے لوگ جو محنت کرتے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے اور جو کوئی پھرے ان میں

اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ⑫ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ

ہمارے حکم سے، چکھاویں ہم اس کو آگ کی مار۔ بناتے اس کے واسطے جو چاہتا

مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا

قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولھوں پر جمیں۔ کام کرو

اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬ فَلَمَّا قَضَيْنَا

داؤد کے گھر والو! حق مان کر۔ اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں حق ماننے والے۔ پھر جب تقدیر کی ہم نے

عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ

اس پر موت۔ نہ جتایا ان کو اس کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصا۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي

پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر خبر رکھتے ہوتے غیب کی، نہ رہتے

الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ⑭ ۭ

ذلت کی تکلیف میں۔

## قصہ داؤد و سلیمان علیہما السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ ... الٰی ... مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ⑭﴾

**ربط**: گذشتہ آیات میں آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾ یعنی آسمان و زمین کی پیدائش میں خدا کی قدرت کی نشانی ہے ہر عبد منیب کے لیے یعنی ہر اس بندہ کے لیے جو خدا کی طرف متوجہ اور ملتفت ہو۔ اب ان آیات میں دو خاص عبد منیب کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو خدا کی طرف خاص طور پر متوجہ اور ملتفت ہوئے یہ دو عبد منیب اللہ کے وہ خاص بندے تھے جن پر اللہ نے ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل فرمائیں اور نبوت کے ساتھ ان کے بے مثال سلطنت بھی عطا کی مگر باوجود دین و دُنیا کی نعمتوں کے جمع ہونے کے منعم حقیقی کے شکر سے غافل نہیں ہوئے اور اگر کسی وقت ذرا غفلت ہوئی تو سجدہ میں گر گئے اور استغفار کرنے

لگے چنانچہ داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ﴾ (ص:۲۴) اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے ﴿وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ﴾ (ص:۳۴)۔

نیز اس قصہ میں منکرینِ قیامت کا بھی جواب ہے کہ جب خدائے برتر اپنے کسی بندہ کے لیے پہاڑوں کو مسخر کرسکتا ہے اور لوہے کو موم کی طرح نرم بنا سکتا ہے تو کیا وہ خدائے قادر استخوانہائے انسانی اور عظام جسمانی یعنی انسانی ہڈیوں کو مع ان کے قوائے طبعی اور انسانی کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے ایک خاص بزرگی عطا کی کہ نبوت کے ساتھ ان کو سلطنت اور اس کا ساز وسامان بھی عطا کیا ہم نے ان کو جو نعمتیں عطا کیں ان میں ہر نعمت ان کی فضیلت اور کرامت اور ان کی نبوت کی دلیل تھی اور ہماری کمال قدرت کی بھی دلیل تھی۔

چنانچہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ اے پہاڑو تم بھی داؤد کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو کہ جب داؤد علیہ السلام اللہ کا ذکر کریں اور اس کی تسبیح میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور اسی طرح پرندوں کو بھی یہی حکم دیا کہ تم بھی ان کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً﴾ (ص:۱۸)

جب داؤد علیہ السلام اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی حقیقتاً باآواز بلند ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی ان کے ساتھ حقیقتاً تسبیح پڑھتے اور یہ تسبیح حقیقی تھی بزبان حال یا صدائے بازگشت نہ تھی یہ سب داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا اور خدا کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ جو خدا بے جان اور بے زبان چیزوں کو گویائی عطا کرسکتا ہے وہ مردوں کے بے جان اور بے زبان ریزوں کو کیوں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حسن صورت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا تھا کہ دنیا کی کوئی آواز اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے یا اللہ کی تسبیح کرتے تو درودیوار اور درخت اور پہاڑ ان کے ساتھ حقیقتاً تسبیح کرتے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کی طرح آواز کرتے محض صدائے بازگشت نہ تھی اس لیے کہ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا﴾ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی خاص فضیلت اور بزرگی کا بیان کرنا مقصود ہے پہاڑوں کی تسبیح سے محض ان کی آواز بازگشت مراد لینا بالکل بے معنی ہے۔ صدائے بازگشت فضیلت اور بزرگی کی چیز نہیں قرآن کریم میں ہے ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل:۴۴) یعنی ہر چیز حقیقتاً اللہ کی تسبیح وتحمید کرتی ہے مگر تم سمجھتے نہیں۔ اور اسی ناسمجھی کی وجہ سے کبھی اس کو تسبیح حالی کہتے ہو اور کبھی صدائے بازگشت۔ اللہ ان لوگوں کو عقل دے۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو حسن وجمال کا معجزہ عطا فرمایا اور داؤد علیہ السلام کو حسن صوت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا داؤد علیہ السلام اللہ کے خاص عبد منیب تھے جب خوش الحانی کے ساتھ زبور پڑھتے یا تسبیح پڑھتے تو ان کی منیبانہ اور خاشعانہ اور معجزانہ آواز سے پہاڑ اور درودیوار اور پرند بھی عبد منیب (خدا کی طرف رجوع کرنے والے) ہو جاتے اور ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح کرنے لگتے اور چرند اور پرند اور پہاڑوں کی تسبیح وتحمید سب حقیقی تھی جیسے ستون حنانہ کا رونا حقیقی تھا۔ اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام کی تسبیح وتحمید سے جمادات اور حیوانات کی تسبیح وتحمید داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھی۔

زصوت دلکشش جاں تازہ گشتے روان را ذوق بے اندازہ گشتے
سپہر چنگ پشت ازغنون ساز ازاں پرحال ترنشنودہ آواز

## داؤد علیہ السلام کی دوسری فضیلت کا ذکر

اور ایک فضیلت وکرامت ہم نے داؤد علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو بلا سبب ظاہری موم کی طرح نرم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ تم اس لوہے سے کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ کا لحاظ رکھو کہ نہ بہت بھاری ہو اور نہ بہت ہلکی ہو اور ایسی مضبوط ہو کہ اس کا پہننے والا تیر اور تلوار سے بچ سکے۔ یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لوہا بغیر آگ میں ڈالے اور بغیر ہتھوڑے کے کوٹے ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا اور تاگے کی طرح اس کو بٹ کر زرہ بنا لیتے تاکہ جہاد میں کام آویں اور اے آل داؤد کافروں کے مقابلہ اور ان کے وار کو روکنے کے لیے تو تم نے کشادہ زرہیں تیار کر لیں مگر نفس اور شیطان کا وار روکنے کے لیے بھی زرہیں تیار رکھو یعنی تم سب نیک عمل کرتے رہو کہ جس میں نفسانیت کا شائبہ نہ ہو تحقیق میں تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہوں کہ اس میں کوئی کمزوری تو نہیں کہ نفس وشیطان کے مقابلہ میں کہیں کمزور زرہ ثابت نہ ہو۔

**حکایت :** داؤد علیہ السلام زمانہ بادشاہت میں ہیئت بدل کر ملک میں پھرتے اور لوگوں سے بادشاہ کا حال دریافت کرتے تاکہ اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو اس کی اصلاح کر سکیں جس شخص سے بھی پوچھتے تو وہ داؤد علیہ السلام کی عبادت اور ان کی نیک خلقی اور عدل وانصاف کی تعریف کرتا ایک دن ایک فرشتہ انسان کی صورت میں ملا تو داؤد علیہ السلام نے اس کو اپنے سے انجان سمجھ کر اس سے اپنا حال پوچھا اس نے کہا کہ داؤد علیہ السلام سب آدمیوں سے بہتر ہے اور بہت اچھا ہے لیکن اس میں ایک خصلت ہے اگر وہ نہ ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ وہ خود بھی مسلمانوں کے بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس میں سے کھلاتا ہے اگر وہ خود اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے کھاتا تو بہتر ہوتا۔ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا شروع کی کہ مجھے کوئی ایسی حرفت سکھا دیں جس سے میں اور میرے اہل وعیال مستغنی ہو جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گذرا ﴿ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ ﴾ (الانبیاء:۸۰) کہ اللہ عزوجل نے لوہا ان کے لیے نرم کر دیا اور زرہ بنانے کی صنعت ان کو سکھلا دی چنانچہ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے اور اس کو فروخت کرتے اس میں سے ایک تہائی صدقہ کر دیتے اور ایک تہائی اہل وعیال پر خرچ کر دیتے اور ایک تہائی آئندہ زرہ بنانے کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زرہ چار ہزار درہم میں فروخت ہوتی۔

(تفسیر قرطبی ص ۲۶۶ ج ۱۴ و روح المعانی ص ۱۰۷ ج ۲۲)

## دوسرے عبد منیب کا ذکر

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ ﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر اپنے فضل وانعام کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں ان کے فرزند ارجمند سلیمان

علیہ السلام پر اپنے فضل وانعام کا ذکر فرماتے ہیں باپ اور بیٹے دونوں ہی عبد منیب تھے پہلی آیت میں منیب باپ کا ذکر فرمایا اب دوسری آیت میں منیب بیٹے کا ذکر کرتے ہیں ان دونوں کے ذکر سے مقصود عبدیت اور انابت الی اللہ کی برکات اور ثمرات کا بیان کرنا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دنیا اور آخرت کی سعادت کا سرمایہ عبدیت اور انابت الی اللہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور داؤد علیہ السلام کے بعد ہم نے ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ تھی اور شام کی رفتار ایک مہینہ تھی اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا ہوا کو جیسا حکم دیتے اس کے مطابق وہ چلتی۔ ﴿وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ﴾ (ص:۳۶) اس طرح ہوا کا مسخر ہونا یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کی فضیلت اور کرامت تھی۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبح کو دمشق سے اپنے تخت اور بساط پر بیٹھ کر ہوا میں روانہ ہوتے اور اصطخر فارس میں اتر کر قیلولہ کرتے اور دمشق اور اصطخر کے درمیان تیز رفتاری کے ساتھ کامل ایک ماہ کی مسافت ہے پھر شام کو اصطخر سے روانہ ہوتے اور رات کابل میں بسر کرتے اور اصطخر سے کابل تک تیز رفتاری کے ساتھ ایک ماہ کی مسافت ہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایسا مسخر کر دیا تھا کہ ایک دن میں دو مہینہ کی پیدل مسافت طے کرتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶۹ ج ۱۴)

غرض یہ کہ ہوا کو اور خلا کو سلیمان علیہ السلام کی سیر وسیاحت کے لیے مسخر کر دیا گیا تھا یہ منجانب اللہ ان کو ایک معجزہ عطا کیا گیا تھا۔ اور ایک فضیلت ہم نے سلیمان علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ ان کے لیے تانبے کا ایک چشمہ رواں کر دیا یعنی تانبے کی کان میں سے بہتا ہوا تانبا نکلتا تا کہ جو چاہیں اس سے بنا سکیں اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ صفاء کے قریب ملک یمن میں پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ نکالا تا کہ سانچوں میں ڈھال کر جو چاہیں اس سے بنا سکیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کو نرم کر دیا اور اس کا چشمہ جاری کر دیا۔

اور ایک فضیلت اور کرامت ہم نے سلیمان علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ جنات کو ان کے تابع فرمان کر دیا۔ چنانچہ جنوں میں سے کتنے ایسے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے اللہ کے حکم سے کام کرتے تھے یعنی جنات بحکم خداوندی سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر تھے اور سلیمان علیہ السلام کے حکم کے مطابق وہ خدمت اور محنت کرتے تھے اور کسی جن کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کر سکے اور جنوں میں جو ہمارے حکم سے سرکشی کرتا یعنی سلیمان علیہ السلام کی اطاعت اور فرمانبرداری سے روگردانی کرتا تو ہم اس کو چکھاتے آگ کی مار یعنی اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ معین تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہوتا تھا جو جن حکم عدولی کرتا تو فرشتہ اس کو آگ کا کوڑا مارتا جس سے وہ جن جل جاتا اس خوف سے جنات سلیمان علیہ السلام کے مطیع اور فرمانبردار تھے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے جنوں کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر فرمایا تھا۔ بناتے تھے وہ ان کے لیے جو کچھ وہ چاہتے تھے قلعے اور بڑی بڑی عمارتیں اور تصویریں اور پیتل اور تانبے سے طرح طرح کی مورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں مورتیں بنانا جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں جاندار کی مورت بنانا ناجائز ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تماثیل (مورتیں) جاندار کی نہ تھیں بلکہ درختوں وغیرہ کی مورتیں تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ نیک لوگوں کی مورتیں تھیں تا کہ لوگ ان کو دیکھ کر آخرت کی تیاری میں زیادہ کوشش کریں اور اس طرح کی تصویریں بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا مگر ہماری پاکیزہ شریعت میں منسوخ کر دیا گیا۔

اور بناتے تھے ان کے لیے تالاب جیسے بڑے بڑے لگن اور ایسی بڑی بڑی دیگیں بناتے کہ جو اپنی جگہ پر جمی ہوئی رکھی رہتیں

کہ کوئی ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے یمن کی طرف پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا جس کو جنات سانچوں میں ڈھال کر بڑی بڑی دیگیں تیار کرتے جس میں ایک لشکر کا کھانا پک سکے۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ملکی عمارات اور صنعتوں کے لیے جنات کو ان کے لیے مسخر کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام جس قسم کی عمارت کا اور جس قسم کی صنعت کا حکم دیں اس کو بے چون و چرا انجام دیں اور سلیمان علیہ السلام یہ تمام کام مسلمانوں سے نہیں لیتے تھے بلکہ جنات سے لیتے تھے اور بلا اجرت اور بلا تنخواہ کے لیتے تھے کسی جن کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ سلیمان علیہ السلام سے کوئی مطالبہ کر سکے اور ہڑتال کا خیال تو بالکل ہی ناممکن اور محال تھا جیسا کہ ﴿وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ کی تفسیر میں گزرا تمام جنات بحکم خداوندی سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ حکم سلیمانی سے سرتابی کر سکے۔

غرض یہ کہ ہم نے آل داؤد کو یہ فضیلتیں اور نعمتیں عطا کیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ اے آل داؤد شکر کے کام میں لگے رہو اور میرے بندوں میں سے شکر گزار بہت کم ہیں شکر سے نعمت باقی بھی رہتی ہے اور زیادہ بھی ہوتی ہے۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا ان کے حکم کے مطابق وہ خدمت انجام دیتے تھے جب سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی موت کو جنات پر مستور اور مبہم رکھیں تاکہ جن اسی طرح کام کرتے رہیں۔ پس جب ہم نے سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری کیا تو ایسے طور پر ان پر موت واقع ہوئی کہ جنات کو اس کی خبر نہ ہوئی جس کی صورت یہ ہوئی کہ جنات تعمیر کے کام میں مشغول تھے۔ سلیمان علیہ السلام حسب دستور ہیکل میں داخل ہوئے اور عصا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے جنات یہ سمجھے کہ یہ ہماری نگرانی کر رہے ہیں اسی حالت میں آپ علیہ السلام کی روح قبض ہو گئی اور اسی طرح سال بھر تک عصا کے سہارے کھڑے رہے جنات یہ سمجھتے رہے کہ آپ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ کام میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ عصائے سلیمانی کو کسی دیمک کے کیڑے نے کھایا وہ لکڑی ٹوٹی اور آپ علیہ السلام گر پڑے اب تک جنوں کو کسی نے سلیمان علیہ السلام کی موت کی خبر نہ دی تھی مگر گھن کے کیڑے نے جو اُن کے عصا کو کھا رہا تھا۔

پس جب اس عصا کے گر جانے سے سلیمان علیہ السلام گر پڑے تب جنوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا حال کھلا اور یہ بات گھن کے کیڑے کے کھانے کے حساب اور تخمینہ سے معلوم ہوئی کہ وفات پائے ہوئے ایک سال ہوا اور سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے جنوں نے یہ بھی جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اتنی مدت تک ذلت و خواری کی تکلیف میں نہ رہتے جنوں کا گمان تھا کہ وہ غیب کو جانتے ہیں اور لوگوں کے سامنے ایسا ہی ظاہر کرتے اور بہت سے جاہل آدمی بھی یہی گمان رکھتے تھے پس جب سلیمان علیہ السلام اس طرح سے گرے تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اگر جن غیب دان ہوتے تو سال بھر تک اس عذاب و خواری میں کیوں پڑے رہتے بلکہ جس روز انتقال ہوا تھا اسی روز بھاگ جاتے اور اس محنت اور مشقت سے چھٹکارا پا جاتے۔ سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں مشغول تھے تعمیر ہنوز نامکمل تھی کہ وقت آ پہنچا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس تدبیر سے کھڑا رکھا تاکہ ان کی موت کے بعد ان کے باقی ماندہ کام کی تکمیل ہو جائے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ۥ

قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی۔ دو باغ داہنے اور بائیں۔

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

کھاؤ روزی اپنے رب کی، اور اس کا شکر کرو، دیس ہے پاکیزہ، اور رب ہے گناہ بخشتا۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ

پھر دھیان میں نہ لائے، پھر چھوڑ دیا ہم نے ان پر نالہ زور کا اور دیئے ان کو بدلے ان دو باغوں کے دو اور باغ،

ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

جس میں کچھ ایک میوہ کسیلا اور جھاؤ اور کچھ بیر تھوڑے سے۔ یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو،

بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ

اس پر کہ ناشکری کی۔ اور ہم بدلہ اس کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔ اور رکھی تھی ہم نے ان میں اور ان

الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا

بستیوں میں جہاں ہم نے برکت رکھی ہے بستیاں راہ پر نظر آتیں اور منزلیں ٹھہرا دیں ہم نے ان میں چلنے کی پھرو

فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا

ان میں راتوں اور دنوں امن سے۔ پھر کہنے لگے اے رب! فرق ڈال ہمارے سفر میں، اور اپنا برا

اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کیا پھرکر ڈالا ہم نے ان کو کہانیاں، اور چیر کرکر ڈالا ٹکڑے۔ اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ

پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے کو جو حق سمجھے۔ اور سچ کر دکھائی ان پر ابلیس نے اپنی اٹکل

فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ

پھر اسی کی راہ چلے مگر تھوڑے سے ایماندار۔ اور اس کا ان پر کچھ

سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ

زور نہ تھا، مگر اتنے واسطے تا معلوم کریں ہم کون یقین لاتا ہے آخرت پر الگ اس سے جو رہتا ہے اس کی طرف سے دھوکے میں۔

ع ۲ ۱۲ ۸ وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۟ ۲۱ ع

اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

## قصہ قوم سبا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ... الٰى ... وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۟ ۲۱﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں منیبین اور شاکرین کا قصہ ذکر فرمایا جو بندے اللہ کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اب اس کے بالمقابل غیر منیبین اور غیر شاکرین کا ایک قصہ ذکر کرتے ہیں جو خدا کے ناسپاس اور ناشکرے تھے تا کہ لوگ اس سے نصیحت اور عبرت پکڑیں یعنی اہل سبا کا قصہ عبرت بیان کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ ناسپاسی اور ناشکری اور عدم انابت الی اللہ کا کیا انجام ہوتا ہے بعض مرتبہ عدم انابت کا وبال دُنیا ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اہلِ سبا کا قصہ بھی آیات قیامت میں سے ہے کہ حق جل شانہٗ نے ان کو جو سرسبز و شاداب باغات عطا کیے وہ نمونۂ جنت و بہشت تھے کفران نعمت کی وجہ سے نمونۂ دوزخ بنا دیئے گئے ناشکری اور ناسپاسی کی سزا میں اہل سبا کی جنت (باغ) کو جہنم سے بدل دیا گیا۔ غرض یہ کہ گذشتہ آیات میں داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا حال بیان کر کے کفار کو آگاہ کر دیا کہ خدا کے نیک بندے دُنیا کے طالب نہیں ہوتے بلکہ مولیٰ کے طالب ہوتے ہیں اور اس کے فرمانبردار اور شکر گذار بندے ہوتے ہیں۔ اب آئندہ آیات میں ناشکروں کا حال بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق قوم سبا کے لیے ان کے مکانات میں خدا کے لطف و کرم کی عظیم نشانی موجود تھی ہر طرف راحت کا سامان تھا تکلیف کا نام و نشان نہ تھا یعنی ان کی بستی کے دائیں اور بائیں جانب باغوں کی دو مسلسل قطاریں تھیں کہ میلوں تک اسی طرح چلی گئی تھیں دو طرفہ متصل باغات چلے گئے تھے کہ ہر جانب کی قطار حکم میں ایک باغ کے تھی۔ قرب اور اتصال کی وجہ سے ہر قطار مثل ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی۔

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنتان کا یہ مطلب نہیں کہ اس بستی کے یمین و شمال میں صرف دو باغ تھے۔ عراق میں بھی بہت سی ایسی بستیاں ہیں کہ جہاں صرف دو باغ نہیں بلکہ متعدد باغ ہیں صرف دو باغ کا ہونا قوم سبا کے لیے مخصوص نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس بستی کے یمین و شمال میں باغوں کی دو قطاریں متصل اور مسلسل میلوں تک اس طرح چلی گئی تھیں کہ ایک باغ دوسرے باغ سے متصل تھا اور ہر جانب کی ایک قطار بمنزلہ ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی۔ غرض یہ کہ یہ خطہ خدا کی رحمت سے نہایت سرسبز اور شاداب تھا آب و ہوا نہایت عمدہ تھی کیڑوں اور مکوڑوں اور مکھیوں اور مچھروں کا نام و نشان نہ تھا راستے پر امن تھے غرض یہ کہ راحت اور آرام کا اور ترقی اور تمدن کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا اور یہ تنعم اور خوشحالی سوائے قوم سبا کے اور کسی کو حاصل نہ تھی اور اس بے مثل لطف و عنایت کے بعد انبیاء علیہم السلام اور وارثانِ انبیاء علیہم السلام کی معرفت بطور تلطف ان کو یہ حکم ہوا کہ اپنے پروردگار کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر

کرو کہ اس نے بلا طلب کے اور بلا محنت اور مشقت کے تم کو کیسی کیسی نعمتیں دیں۔ کیا خوب پاکیزہ شہر ہے اور کیسا رب غفور ہے جس نے تم پر یہ رحمتیں اور نعمتیں مبذول کیں اور تمہاری کوتاہیوں پر مواخذہ نہیں کرتا اس پر ایمان لاؤ اور شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول بھیجے کہ ان کو حکم دیں کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کا شکر کریں پس ان لوگوں نے اللہ کی توحید سے اور اس کی عبادت سے اور اس کے شکر سے اعراض کیا اور اس سے منہ موڑا اور بجائے شکر گذاری اور اطاعت شعاری کے عیش و عشرت اور بدکاری کی طرف متوجہ ہو گئے پس اس اعراض اور روگردانی کے سزا میں ہم نے ان پر عذاب بھیجا اور جو انعام ان پر کیا تھا وہ ان سے واپس لے لیا اور عرم بند کا سیلاب ان پر چھوڑ دیا عرم دو پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا بند تھا جہاں تمام وادیوں کا پانی روکا گیا تھا کہ دور دور تک زمین اس سے سیراب ہوتی رہے اور اس بند کے تین دروازے تھے۔ اول اوپر کے دروازے سے پانی دیتے پھر دوسرے سے اور پھر تیسرے سے جیسی اور جتنی ضرورت ہوتی۔ قہر خداوندی سے جب وہ بند ٹوٹا تو سیلاب سے وہ تمام باغات غارت ہو گئے جو پہلے اس پانی سے سیراب ہوتے تھے اور یہ بند ملکہ بلقیس نے بنایا تھا جس کو سدم آرب کہتے تھے۔ اور پھر ہم نے ان دو رویہ باغوں کے بدلے میں جو عجیب و غریب فواکہ اور ثمرات پر مشتمل تھے ان کو بطور سزا ایسے دو باغ دے دیئے جن میں کوئی خیر اور خوبی نہ تھی جو ایسے تلخ اور بدمزہ تھے کہ جن کا کھانا ممکن نہ تھا اور ان میں کچھ جھاؤ کے درخت اور کچھ بیری کے جھاڑ تھے اور یہ تبدیلی اس کفران نعمت کی جزا تھی جس کی وجہ سے انہوں نے شکر سے منہ موڑا تھا اور ہم ناشکروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں کہ پھل دار میوے کے درخت ہٹا کر پیلو اور جھاؤ اور جھڑ بیر کے درخت پیدا کر دیئے اور ناشکری کی سزا میں اپنی نعمت ان سے چھین لی۔ خواہ دیر میں یا سویر میں۔

اب آئندہ آیات میں اہل سبا کی کثرت نعمت اور ان کی عیش و عشرت کو بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ان پر نعمت کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور پھر وہ کس طرح ان پر بند ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ہم نے اہل سبا اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی ایسی بستیاں آباد کر رکھی تھیں جو سر راہ ہونے کی وجہ سے نظر آتی تھیں قری مبارکہ سے سرزمین شام کی بستیاں مراد ہیں جن کی برکت سب کو معلوم ہے جو سر راہ ہونے کی وجہ سے دکھائی دیتی تھیں اور پاس پاس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے باہم ملی ہوئی تھیں کہا جاتا ہے کہ ملک سبا سے شام تک چار ہزار سات سو دیہات آباد تھے۔

اور ہم نے ان درمیانی بستیوں میں چلنے والوں کے لیے رفتار کی ایک حد اور اس کا ایک اندازہ رکھ دیا تھا کہ صبح کے وقت ایک بستی سے چلے اور قیلولہ کے وقت دوسری بستی میں پہنچ جائے اور وہاں پہنچ کر آرام سے کھا پی سکے اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ان بستیوں میں راتوں اور دنوں میں جہاں چاہو بے خوف و خطر چلو پھرو۔ سو ان نعمتوں اور راحتوں کا مقتضی تو یہ تھا کہ اللہ کی شکر گذاری کرتے مگر ان کو اس عیش و آرام میں مستی سوجھی اور کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں دوری ڈال دے یعنی سفر کی منزلوں میں فاصلہ پیدا کر دے ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچنے میں مباعدت پیدا کر دے بستیوں کے متصل ہونے سے سفر کا مزہ نہیں آتا جیسے بنی اسرائیل کو من و سلویٰ میں مستی سوجھی اور بقل اور قثاء اور فوم اور عدس کی درخواست شروع کر دی ایسے ہی ان کو اس آرام میں یہ مستی سوجھی اور یہ درخواست شروع کی کہ ہمارے سفروں کو دراز کر دے اور یہ درخواست کر کے انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آدمی کو جب نعمت خوب ملنے لگتی ہے تو اس سے اکتا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ سب تباہ اور برباد ہوئے۔

پس ہم نے اہل سبا کو لوگوں کے لیے کہانیاں بنا دیا کہ لوگ ان کو تباہی اور بربادی کے افسانے اور قصے بیان کریں اور ان

متکبرین کے ہم نے پرخچے اڑا دیئے اور ان کو پارہ پارہ کر دیا پورے طور پر پارہ پارہ کر دینا۔ عیش و عشرت کا تمام سامان ختم ہوا اور صرف زبانی افسانہ رہ گیا۔ قوم سبا کو اللہ تعالیٰ نے دو نعمتیں عطا کی تھیں ایک مکانات اور باغات کی راحت اور خوشحالی اور ایک سفر کی راحتیں کہ منزلیں قریب قریب تھیں۔ پہلی نعمت کی ناسپاسی کی وجہ سے سیل عرم نے مکانات اور باغات کو اجاڑ دیا اور دوسری نعمت کی ناسپاسی کی وجہ سے تتر بتر کر دیئے گئے اور دور دراز پھینک دیئے گئے ایک کہیں اور دوسرا کہیں۔ بے شک اس واقعہ میں ہر صبر کرنے والے کے لیے بہت سی عبرتیں ہیں کہ خدا جب چاہتا ہے تو نعمت اور راحت کو ذلت اور مصیبت سے بدل دیتا ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے اہل سبا کے کفر اور شرک اور نفس و شیطان کی پیروی کا ذکر فرمایا اب آگے شیطان کی طرف سے ان کے متعلق ایک خبر دیتے ہیں کہ شیطان نے ان کے متعلق جو گمان کیا تھا وہ سچ نکلا چنانچہ فرماتے ہیں اور تحقیق شیطان نے اپنا گمان ان کے حق میں سچ پایا۔ شیطان جب بارگاہ خداوندی سے مردود ہوا تو اس نے یہ کہا تھا کہ میں اولاد آدم کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا اور اس کا گمان یہ تھا کہ میں شہوت اور غصہ کی راہ سے انسان پر قابو پالوں گا یہ اس کا گمان تھا یقین نہ تھا آئندہ کا حال تو کوئی نہیں جان سکتا لیکن اس نے اپنے دل میں یہ گمان باندھا اور دُنیا میں آنے کے بعد اس نے اپنے اس گمان کو اولاد آدم پر سچا پایا سو لوگوں نے اس کی پیروی کی اور اس کی راہ پر ہوئے مگر ایمان والوں کا ایک گروہ سو وہ اس کی پیروی سے بچا رہا۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اس وقت یہ کہا: ﴿قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ ... الی ... ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۶۲) اور یہ کہا: ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ (الاعراف: ۱۷) اپنے اس گمان کو سچا پایا اور جن لوگوں کے بارہ میں ابلیس کا گمان پورا ہوا تو ابلیس کا ان لوگوں پر کچھ زور نہ تھا یعنی ابلیس نے ان کو کفر و شرک پر مجبور نہیں کیا تھا ان کے دل میں محض وسوسہ ڈالا تھا اور ظاہر نظر میں اس چیز کو ان کی نظر میں خوبصورت کر کے دکھلایا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیطان کو جو ہم نے وسوسہ ڈالنے کی قدرت عطا کی تو اس سے مقصود بندوں کا امتحان اور آزمائش ہے ہم نے حق کو براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے خوب روشن کر دیا اور بندہ کو عمل صالح کرنے کی پوری قوت اور قدرت عطا کی۔ لیکن شیطان کو صرف وسوسہ ڈالنے کی قدرت عطا کی تاکہ بندوں کا امتحان کریں اور آخرت پر ایمان لانے والوں کو ایسے لوگوں سے جدا اور ممتاز کر دیں جو آخرت کی طرف سے شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ کون آخرت پر ایمان لائے گا اور کون اس کا انکار کرے گا لیکن دُنیا کو اس کا علم نہ تھا اللہ نے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی قدرت دی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کون مؤمن ہے اور کون کافر ہے اور تیرا پروردگار ہر چیز کا نگہبان ہے وہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

تو کہہ، پکارو ان کو جن کو دعویٰ کرتے ہو، سوا اللہ کے وہ نہیں مالک ایک ذرہ بھر کے

فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ

آسمانوں میں نہ زمین میں، اور نہ ان کا ان دونوں میں ساجھا، اور نہ

مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ط

ان میں کوئی اس کا مددگار۔ اور کام نہیں آتی سفارش اس کے پاس مگر اس کو جس کے واسطے حکم دیا۔

حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا لا قَالَ رَبُّكُمْ ط قَالُوا الْحَقَّ ج

یہاں تک کہ جب گھبراہٹ اٹھائی جاوے ان کے دل سے کہیں کیا فرمایا تمہارے رب نے؟ وہ کہیں جو واجبی ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

اور وہ جو سب سے اوپر بڑا۔ تو کہہ، کون روزی دیتا ہے تم کو آسمانوں سے اور زمین سے؟

قُلِ اللّٰهُ لا وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ

بتا کہ اللہ! اور یا ہم یا تم بے شک سوجھ پر ہیں یا پڑے ہیں بہکاوے میں صریح۔ تو کہہ

لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ

تم سے نہ پوچھیں گے جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے نہ پوچھیں گے جو تم کرتے ہو۔ تو کہہ جمع کرے گا

بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ط وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ

ہم سب کو رب ہمارا پھر فیصلہ کرے گا ہم میں انصاف کا۔ اور وہی ہے نیاؤ چکانے والا سب جانتا۔ تو کہہ

اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ط بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

مجھ کو دکھاؤ تو جن کو اس سے ملاتے ہو ساجھی ٹھہرا کر۔ کوئی نہیں! وہی ہے اللہ زبردست حکمتوں والا۔

## اثبات توحید و توبیخ و تجہیل مشرکین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... الٰى ... بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾﴾

**ربط:** شروع سورت میں تحمید اور دلائل توحید کا ذکر فرمایا اور پھر داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر اپنے انعامات کا اور ان کی شکر گذاری کا ذکر کیا اور بعد از اں اہل سبا کا قصہ ذکر کیا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو بڑی نعمتیں عطا کی تھیں مگر کفر اور شرک اور کفران نعمت کی وجہ سے ان کی عزت و راحت مبدل بہ ذلت و مصیبت ہوگئی۔ پس جب شاکرین اور کافرین کا حال بیان ہو چکا تو اب ان آیات میں مشرکین کی توبیخ اور تجہیل فرماتے ہیں کہ کیسے نادان ہیں کہ جن بتوں میں ذرہ برابر قدرت نہیں ان کو خدا اور معبود اور منعم حقیقی کا شریک بنائے ہوئے

ہیں۔ (شیخ زادہ ص ۸۹ ج ۴)

غرض یہ کہ اس سے پہلے جو قوم سبا کا قصہ ذکر فرمایا اس سے مقصود مشرکین کی تنبیہ تھی اب آگے پھر مشرکین کو خطاب فرماتے ہیں کہ آڑے وقت میں سوائے خدا کے کوئی کام نہیں آتا۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! آپ ان مشرکین سے جن کی عبرت اور نصیحت کے لیے قوم سبا کا قصہ بیان کیا گیا یہ کہہ دیجیے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود گمان کیے ہوئے ہو اپنی کسی حاجت کے لیے ذرا ان کو پکارو تو سہی اور دیکھو کہ یہ کسی بات کا جواب بھی دے سکتے ہیں اور تمہارے کچھ کام آسکتے ہیں یا نہیں قوم سبا کے لوگ کافر اور مشرک تھے خدا کے قہر سے ان کو ان کا کوئی معبود نہ بچا سکا جن کو تم معبود گمان کرتے ہو یہ ذرہ برابر بھی آسمان اور زمین میں کسی چیز کے مالک نہیں اور جو چیزیں آسمان و زمین سے باہر ہیں ان کی ملکیت کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ پس جب کسی چیز کی ملکیت ہی نہیں رکھتے تو الوہیت کہاں سے رکھیں گے اور نہ ان میں سے زمین و آسمان کی تخلیق و تدبیر میں کوئی خدا تعالیٰ کا شریک ہے کہ اس کی بھی زمین و آسمان کی تخلیق میں کوئی شرکت ہو اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا معین اور مددگار ہے تو ایسے خیالی اور فرضی معبود تمہارے کیا کام آسکتے ہیں۔ لہٰذا اس کو معبود بنانا اور حاجت روائی کے لیے ان کو پکارنا ایں خیال است و محال است و جنوں کا مصداق ہے اور اگر ان مشرکین کا یہ گمان ہے کہ اگرچہ ہمارے معبود کسی چیز کے مالک نہ ہوں مگر عنداللہ یہ ہمارے شفعاء ہیں یعنی سفارشی ہیں ان کی سفارش ہم کو نفع پہنچا سکتی ہے تو مشرکین کا یہ گمان بھی غلط ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کے لیے شفاعت اور سفارش اور درخواست کی اجازت نہیں مگر جس کے لیے خدا تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دیں۔ بغیر اس کی اجازت کے وہاں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں وہاں تو کسی کو سفارش کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ مستقل خود مختار ہونے کا تو تصور بھی نہیں ہوسکتا۔

غرض یہ کہ مشرکین جن کو ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۸) کہتے ہیں وہ بذات خود ان کے کام نہیں آسکتے اور نہ بزور خدا سے کہہ کر ان کا کوئی کام کرا سکتے ہیں قیامت کے روز تمام اہل محشر مضطرب اور پریشان یعنی خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے ہوں گے کہ دیکھیے کیا حکم ہوتا ہے شفاعت کی اجازت ہوتی ہے یا نہیں اسی اضطراب اور پریشانی کی حالت میں حکم کے منتظر ہوں گے کہ دیکھیے بارگاہِ ربُّ العزت سے کیا حکم ہوتا ہے اور اسی انتظار میں رہیں گے۔

یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے اضطراب اور پریشانی دُور کر دی جائے گی اور ان کو شفاعت کی اجازت دے دیں گے اور وہ اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے تو باہم ایک دوسرے سے کہیں گے کہ شفاعت کے بارہ میں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا اور کیا حکم دیا تو ملاءاعلیٰ کے فرشتے جواب میں کہیں گے کہ اللہ نے نہایت حق اور درست حکم دیا ہے جو شفاعت کے مستحق ہیں ان کے لیے شفاعت کی اجازت دی ہے یعنی صرف اہل ایمان کے لیے شفاعت کی اجازت ہوئی ہے جن کے دل کفر اور شرک سے پاک ہیں۔ کافروں کے لیے شفاعت کی اجازت نہیں ہوئی یہ حکم ہوا ہے کہ مؤمنوں کی شفاعت کرو نہ کہ کافروں کی۔ اس لیے ہم کفار اور مشرکین کی شفاعت نہیں کرسکتے کافروں کے لیے شفاعت ممنوع اور بیکار ہے بتوں کو تو کچھ اختیار ہی نہیں اور فرشتے جن کی مورتیں بنا کر یہ ان کو پوجتے ہیں وہ فرشتے بھی بغیر خدا کی اجازت کے کسی کی شفاعت نہیں کرسکتے۔ لہٰذا فرشتوں کی شفاعت سے بھی ان کو فائدہ نہ ہوگا اور وہی ہے سب سے بلند اور برتر اس دن کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کی یہ مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے اس کی بارگاہ عالی میں لب کشائی کرسکے اور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے اس کی عظمت اور ہیبت کی کوئی انتہا نہیں وہ جو چاہے اپنے بندوں میں حکم جاری کرے۔

قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کو شفاعت کبریٰ کی اجازت ہوگی اس کے بعد انبیاء اور صلحاء اور ملائکہ کو مختلف قسم کی شفاعت کی اجازت ہوگی جو بھی شفاعت ہوگی وہ خدا کی اجازت سے ہوگی بالآخر گنہگار مسلمانوں کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی اور جس کے دل میں کچھ بھی ایمان ہوگا وہ انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جو کفر و شرک میں مبتلا رہے ان کے لیے اجازت نہ ہوگی۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ بتوں میں تو شفاعت کی صلاحیت ہی نہیں۔ رہے فرشتے سو وہ بغیر اذنِ خداوندی کے شفاعت نہیں کر سکتے۔

**فائدہ:** اس رکوع میں سات قُل مذکور ہیں اور اس کے بعد آخر سورت میں پانچ قُل مذکور ہیں گویا کہ یہ سورت قلہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں: "وسود نکند درخواست نزدیک اللہ تعالیٰ مگر برائے کسی کہ دستوری دادہ باشد برائے او اہل محشر مضطرب شوند تا آنگاہ کے اضطراب دور کردہ آید از دل ایشاں گویند چہ فرمودہ است پروردگار شما ملا اعلیٰ گویند فرمودہ است سخن راست یعنی اذن شفاعت داد واوست بلند مرتبہ بزرگ قدر" انتہیٰ

اور شاہ عبد العزیز قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں: ''سود نکند درخواست نزدیک اللہ تعالیٰ مگر برائے کسی کہ دستوری دادہ باشد برائے او۔ اہل محشر مضطرب شوند تا آنگاہ کہ اضطراب دور کردہ آید از دل ایشاں گویند چہ چیز فرمودہ است پروردگار شما ملا اعلیٰ گویند فرمودہ است سخن راست یعنی اذن شفاعت داد واوست بلند مرتبہ بزرگ قدر'' انتہی الکلام۔

**حاصل کلام** یہ کہ اس آیت میں قیامت کے دن کے ایک واقعہ کا ذکر ہے اور ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ﴾ کی ضمیر اہل محشر کی طرف راجع ہے جیسا کہ سورۂ نباء کی یہ آیت ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ (النباء: ۳۸) اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن پیش آئے گا اور اس آیت میں تقدیر کلام اس طرح ہے۔ لَا تنفع الشفاعة عندہٗ یوم القیٰمة الّا لمن اذن له ففزع ماورد علی القلوب من المهابة اذا ذهب الفزع عن قلوبهم سال بعضهم بعضا۔ (دیکھو صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۹۹ ج ۳)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں جس حکم کا ذکر ہے وہ آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دُنیا سے بھی متعلق ہے جیسا کہ احادیث کثیرہ سے معلوم اور مفہوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کے مقام عظمت و رفعت کو بیان کرنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے اور ان سے کلام کرتا ہے تو فرشتے اللہ کا کلام سن کر ہیبت کے مارے تھرا اٹھتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں اور ان پر ایک غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے پھر جب وہ گھبراہٹ دُور ہو جاتی ہے تو بعض بعض سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا تو حاملان عرش اور ملا اعلیٰ کے فرشتے اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو خبر دیتے ہیں کہ اللہ نے جو حکم دیا ہے وہ حق اور بجا اور درست ہے اور ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ﴾ کی ضمیر فرشتوں کی طرف راجع ہے اور ﴿فُزِّعَ﴾ سے اس خوف اور ہیبت کا دور ہونا مراد ہے کہ جو فرشتوں کو کلام الٰہی اور حکم خداوندی کے سننے کے وقت لاحق ہوتی ہے۔

دیکھو حاشیہ [1] صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۹۹ ج ۳ و حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۸۸ ج ۴۔

---

[1] قال الصاوی اختلف (المذکور فی الأیة) هل هذا الامر فی الآخرة اوالدنیا فقیل فی الآخرة ویؤیدہ ما فی سورة النباء ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ وعلی هذا فیکون فی الکلام حذف والتقدیر ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ ═

پس جب ملائکہ مقربین کی یہ حالت ہے تو مشرکین بتوں سے کیا اُمید رکھتے ہیں اور آیت کی یہ دوسری تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور مسروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما نے اختیار کیا ہے۔ اور حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ص ۳۸۱ ج ۱۳ کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور آیت کی تفسیر میں راجح قول بھی یہی ہے اور ﴿ قُلُوْبِهِمْ ﴾ کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہے اور ﴿ فُزِّعَ ﴾ سے اس خوف اور دہشت اور گھبراہٹ کا دُور ہونا مراد ہے جو فرشتوں پر کلام الٰہی کے سماع کے وقت طاری ہوتی ہے اور باقی اقوال جو آیت کی تفسیر میں وارد ہوئے ہیں وہ ان احادیثِ صحیحہ مذکور کے خلاف ہیں۔

لیکن اس ناچیز اور ہیچمداں کے نزدیک سب سے زیادہ راجح قول اوّل ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہما نے اختیار فرمایا کہ یہ آیت واقعہ آخرت سے متعلق ہے اس لیے کہ آیت کے سیاق وسباق کے زیادہ مناسب یہی ہے کہ اس کو آخرت وقیامت کا واقعہ قرار دیا جائے کیونکہ اس آیت کا تمام سیاق وسباق مشرکین کے اس قول کی تکذیب وتردید میں ہے جو یہ کہتے تھے ﴿ قَالُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾۔

اور اس کے جواب میں حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ دوسری آیتوں سے ملتا جلتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ (البقرہ: ۲۵۵) .... وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيَرْضٰى ﴾ (النجم: ۲۶) .... وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴾ (الانبیاء: ۲۸)۔

آیت میں اصل مقصود آخرت کا واقعہ بیان کرنا ہے لیکن آیت اپنے ظاہری الفاظ اور ظاہری مدلول کے اعتبار سے عام ہے دُنیا اور آخرت دونوں کی محتمل ہے دونوں معنی کی اس میں گنجائش ہے۔ پس جن احادیث میں وحی کے وقت فرشتوں کا ہیبت زدہ ہونا مذکور ہے وہ اس عموم کا ایک فرد ہے اس کے منافی اور مخالف نہیں۔ دیکھو حاشیہ ✿ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۹۹ ج ۳ و تفسیر مظہری ص ۲۶ ج ۸۔

---

= ﴿ عِنْدَهٗۤ ﴾ یوم القیامۃ ﴿ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ فَفَزِعَ ما ورد علی القلوب من لمهابة حتی اذا ذهب الفزع عن قلوبهم سائل بعضهم بعضا وقیل فی الدنیا ویؤیده ما ورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ اذا اراد ان یوحی بامر وتکلم بالوحی اخذت السمٰوٰت والارض منه رجفة او رعدة شدیدة خوفا من اللہ تعالیٰ فاذا سمع اهل السمٰوٰت ذلك صعقوا وخروا للہ سجدًا فیکون اول من یرفع راسه جبریل فیکلمہُ اللہ تعالیٰ ویقول له من وحیه ما اراد ثم یَمُرُّ جبریل بالملائکة کلما مر بسماء ساله ملائکتها ماذا قال ربنا یا جبریل فیقول جبریل قال الحق وهو العلی الکبیر قال فیقول کلهم کما قال جبریل فنیتی جبریل بالوحی حیث امره اللہ تعالیٰ آخر ما قال کذا فی حاشیه الصاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۹۹ ج ۳ وهکذا قال ابن الشیخ فی حاشیته علی تفسیر حیث. وقیل انما یریحون من غشیة تصیبهم عند سماع کلام اللہ تعالیٰ لما روی ابوهریرة عنه علیه الصلاة والسلام انه قال اذا قضی اللہ الامر فی السماء ضربت الملائکة باجنحتها هسالقوله کانه سلسلة علی صفوان ﴿ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ﴾ ذکر ابن الشیخ الحدیث الذی ذکره الصاوی)
(حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۹۰ ج ۴)

✿ علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ جلالین میں اوّل دو قول نقل کیے ہیں (جن کا ذکر کر چکے ہیں) پھر اخیر میں فرماتے ہیں: فتحصل ان الفزع علی القول بانه فی الآخرة یکون من جمیع الخلق وعلی القول بانه فی الدنیا والآخرة فرد اللہ علیهم بهذه الایة الشامة للامرین فتدبر۔ انتہی کلام ص ۲۹۹ ج ۳ =

**نکتہ** : ملائکہ مقربین۔ سوال کرنے والے فرشتوں کے جواب میں اجمالاً اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہ حق اور درست ہے اور اس کی تفصیل اور تصریح نہیں کرتے وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی غرض اور ان کا مقصود اس جواب سے ان کے خوف اور گھبراہٹ کو دُور کرنا ہے کہ تم گھبراؤ مت۔ اس لیے ملائکہ مقربین اس اجمال پر اکتفا کرتے ہیں اور حکم کی تفصیل نہیں بتلاتے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

گزشتہ آیات میں مشرکین سے بطور تبکیت وتوبیخ ایک سوال کا حکم تھا۔ اب آئندہ آیات میں مشرکین سے ایک دوسری توبیخ و تبکیت کے سوال کا حکم ہے۔ ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ. الخ ... بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

اے نبی ﷺ! آپ ان سے سوال کیجیے۔ اچھا بتلاؤ کہ تم کو روزی کون دیتا ہے آسمانوں سے کون تمہارے لیے مینہ برساتا ہے اور زمین سے کون تمہارے لیے سبزہ اگاتا ہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی روزی دیتا ہے۔ روزی کے جس قدر آسمانی یا زمینی اسباب ہیں وہ سب اسی کے ہاتھ میں ہیں اس سوال کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں اگرچہ کافر الزام کے ڈر سے زبان سے اس کا اقرار نہ کریں اور ان سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ اس مسئلہ توحید میں تحقیق ہم یا تم میں سے ایک فریق یا تو صریح ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں یہ تو ممکن نہیں کہ دونوں حق پر ہوں۔ اہلِ توحید اور اہلِ شرک دونوں حق پر ہوں یا دونوں غلطی پر ہوں۔ لامحالہ ایک حق پر ہوگا وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور دوسرا باطل پر ہوگا اور وہ گمراہ ہوگا اور دلائل سے توحید کا حق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

لہٰذا آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجیے کہ جب شرک کا باطل ہونا اور مشرک کا مجرم ہونا ثابت ہوگیا تو سن لو کہ قیامت کے دن تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس نہ ہوگی۔ ہر ایک اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ اور کہہ دیجیے کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے اور تمہارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور وہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور اس کے فیصلہ میں غلطی کا امکان نہیں یہاں تک مشرکین کے شبہات کے جوابات سے فراغت ہوئی۔ اب بطور زجر وتوبیخ فرماتے ہیں۔ اے نبی آپ ان مشرکین سے کہیے کہ اچھا جن کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرا کر خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ذرا مجھے یہ بھی تو دکھاؤ کہ وہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں ہرگز کوئی خدا کا شریک نہیں بلکہ وہ معبود برحق صرف ایک اللہ ہے جو غالب ہے اور حکمت والا ہے جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور اس کے احکام کی حکمت کی کوئی حد نہیں اور عزیز وحکیم کا شریک بنانا تمہاری صریح غلطی اور سینہ زوری ہے۔

---

= اور علیٰ ہٰذا قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں قول اوّل کو اختیار فرمایا اور اس کو ذکر کر کے دوسرے قول کو اس عنوان سے ذکر کیا۔ قلت وکذلک یاخذھم الغشیۃ کلما قضی اللہ امرا کما روی البخاری اذا قضی اللہ الامر فی السّماء ضربت الملائکۃ باجنحتھا اسی عموم کی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا احادیث کو نقل کر کے آخر میں یہ فرمانا ولاشک ان ھذا اولی ما دخل فی ھذہ الایۃ ص ۵۳۷ ج ۳ بھی اسی عموم کی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا، سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

نہیں سمجھتے۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ؟ اگر تم سچے ہو۔

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ۳ ع ۹ ۹

تو کہہ تم کو وعدہ ہے ایک دن کا نہ دیر کروگے اس سے ایک گھڑی اور نہ شتابی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ

اور کہنے لگے منکر ہم ہر گز نہ مانیں گے یہ قرآن، اور نہ اس سے

يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ

اگلا۔ اور کبھی تو دیکھے جب گنہگار کھڑے کیے گئے ہیں اپنے رب کے پاس۔ ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ

پر ڈالتا ہے بات۔ کہتے ہیں جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا

اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

بڑائی کرنے والوں کو اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار ہوتے۔ کہنے لگے بڑائی کرنے والے

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ

کمزور گنے گیوں کو، کیا ہم نے روک رکھا تم کو سوجھ کی بات سے۔ تمہارے پاس پہنچے پیچھے کوئی

بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ

نہیں تمہیں تھے گنہگار اور کہنے لگے کمزور گنے گئے

اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ

بڑائی کرنے والوں کو، کوئی نہیں! پر فریب سے رات دن کے، جب تم ہم کو حکم کرتے، کہ ہم نہ مانیں اللہ کو

وَ نَجْعَلُ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا

اور ٹھہراویں اس کے ساتھ برابر کے اور چھپے چھپے پچھتانے لگے۔ جب دیکھا عذاب۔اور ہم نے ڈالے ہیں

الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

طوق ، گردنوں میں منکروں کے۔ وہی بدلہ پاتے ہیں جو کرتے ہیں۔

## اثبات رسالت محمدیہ وعموم بعثت واثبات قیامت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ . . . الی . . . هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ ﴾

**ربط:** اُوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی رازقیت کا ذکر تھا۔اب آگے رسالت محمدیہ کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت فقط عرب کے لیے مخصوص نہیں بلکہ آپ کی بعثت تمام عالم کے لیے ہے۔انبیاء سابقین علیہم السلام کی طرح کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ بعثت سے مقصود ہی توحید اور تذکیر آخرت ہے اس لیے آئندہ آیات میں منکرین وحدانیت اور منکرین رسالت اور منکرین قیامت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں۔ (حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۹۲ ج ۴)

آئندہ آیات میں اوّل رسالت عامہ کا اعلان فرمایا اور پھر منکرین قیامت کا رد فرمایا۔

نیز گزشتہ آیات میں رزق حسّی کا ذکر تھا اور ان آیات میں رزق معنوی کا ذکر ہے اس لیے کہ جو ہدایت نبی کے واسطے سے لوگوں کو پہنچی وہ اللہ کا رزق معنوی ہے اور ان کی روحانی اور ابدی حیات کا سامان ہے گذشتہ کتابوں میں تحریف ہوگئی مگر یہ قرآن ابدی حیات کا سامان ہے قیامت تک اسی شان کے ساتھ محفوظ رہے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی ہم عزیز اور حکیم ہیں ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہم نے آپ کو تمام آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے نہ کہ کسی خاص قوم اور خاص حصہ ملک کیطرف۔ جب کہ آپ ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو خاص خاص قوموں اور خاص خاص مقامات کی طرف بھیجا گیا اور یہ فضیلت خاص آنحضرت ﷺ کی ہے کہ آپ تمام جن اور انس اور عرب اور عجم سے کی طرف مبعوث ہوئے۔

ترا دادند منشور سعادت وزاں پس نوع انساں آفریدند

پری راجملہ درخیل تو کردند پس آنگاہ ہے سلیمان آفریدند

ایمان لانے پر ہماری رضا اور ثواب کی خوشخبری دینے والا اور ایمان نہ لانے پر ہمارے غضب اور قہر سے ڈرانے والا ولیکن اکثر لوگ جانتے اور سمجھتے نہیں جانوروں کی طرح بے عقل ہیں ثواب اور عقاب کو نہیں سمجھتے اور جہالت کی حالت یہ ہے کہ یہ لوگ جب آپ ﷺ سے ثواب اور عقاب اور قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو بطور تمسخر آپ ﷺ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ یہ ثواب اور عذاب یا قیامت کا وعدہ پورا ہوگا ہمیں اس کا وقت بتلاؤ اگر تم سچے ہو آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تم سے ایک خاص دن کا پختہ وعدہ ہے جس کو اللہ نے کسی حکمت سے پوشیدہ رکھا ہے مگر اس کے علم میں معین ہے اس دن سے تم نہ ایک گھڑی پیچھے رہو گے اور نہ آگے بڑھو

گے۔ ایک لمحہ کی اس میں تقدیم وتاخیر نہ ہوگی۔ جمہور علماء کے نزدیک اس سے یوم قیامت مراد ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ موت کا وقت مراد ہے اللہ نے نہ کسی کو کسی کی موت کا وقت بتلایا اور نہ قیامت کا وقت بتلایا۔ اللہ نے کسی حکمت سے قیامت اور موت کے وقت کو پوشیدہ رکھا ہے خوب سمجھ لو کہ قیامت کا انکار اور حساب وکتاب سے بے فکری یہی کفر کی جڑ ہے۔

اب آئندہ آیات میں کفار کے عناد کو بیان کرتے ہیں کہ ان کو قیامت کے انکار پر کس درجہ اصرار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو لوگ کافر بنے ہیں جب وہ اس قسم کی آیتیں ﴿قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ سنتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے جو آخرت اور قیامت کی باتیں بیان کرتا ہے اور نہ اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو قرآن سے پہلے موجود ہے جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے کافروں کی یہ ساری زورازوری اور شوراشوری دُنیا ہی میں ہے وہاں جا کر یہ سب باتیں ختم ہو جائیں گی۔ کاش آپ اس وقت کی حالت کو دیکھتے کہ جب یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو اس وقت ان پر ایک سخت خوف کی کیفیت طاری ہوگی کہ آپس میں سوال وجواب کریں گے اور ایک دوسرے پر بات ڈالے گا جب کام بگڑ جاتا ہے تو ایک دوسرے پر الزام رکھتا ہے اس وقت کمزور متکبرین سے کہیں گے کہ تم ہماری بربادی اور تباہی کا سبب بنے اگر تم منحوس نہ ہوتے تو ہم مسلمان ہو جاتے اور متکبرین یعنی کفر کے سردار کمزوروں سے جو ان کے پیرو بنے ہوئے تھے جواب میں یہ کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو زبردستی ہدایت سے روکا تھا جب کہ ہدایت تمہارے پاس پہنچ گئی تھی اور حق تم پر واضح ہو گیا تھا ہرگز نہیں بلکہ تم خود ہی مجرم بنے اپنے اختیار سے تم نے حق کو ٹھکرایا ہم نے تم کو مجبور نہیں کیا بلکہ ظاہر میں بہکایا اور پھسلایا تھا اپنے خود کردہ کا الزام ہمارے سر کیوں لگاتے ہو اور اس کے جواب میں کمزور اپنے سرکشوں سے یہ کہیں گے بے شک تم نے ہم کو مجبور نہیں کیا بلکہ دن رات کی تمہاری مکاریوں اور چالاکیوں نے ہم کو ہدایت سے باز رکھا کہ تم دن رات ہم کو یہی حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو نہ مانیں اور اس کے لیے شریک اور ہمسر ٹھہرائیں اور دن رات تم ہم سے یہی کہتے تھے کہ یہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ مر کر خاک ہو جائیں گے نہ ثواب اور نہ عذاب جو کچھ کرنا ہے اس کے لیے کر لو آخرت کا نام نہ لو اور دونوں گروہ اس کہنے سننے کے بعد پشیمان ہوں گے اور جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو شماتت سے بچنے کے لیے اپنی پشیمانی کو ایک دوسرے سے چھپائیں گے اور ہم ان سب کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے تاکہ ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھ لیں اور پھر سب کو ایک دوسرے کے روبرو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیں گے۔ اور نہیں سزا دیے جائیں گے مگر ان کے اعمال کے مطابق ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق سزا ملے گی جس درجہ کا کفر اور مکر ہوگا اسی درجہ کی سزا ہوگی اور عذر کی کسی کو گنجائش نہ ہوگی۔

---

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر کہنے لگے ہیں وہاں کے آسودہ لوگ ہم تمہارے ہاتھ بھیجا

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۴ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ

نہیں مانتے۔ اور کہنے لگے ہم کو زیادہ ہے مال اور اولاد ، اور ہم پر

بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ وَ

آفت نہیں آتی تو کہہ ، میرا رب ہے جو پھیلا دیتا ہے روزی جس کو چاہے، اور ماپ کر دیتا ہے

لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع وَ مَآ اَمْوَالُکُمْ وَ لَآ اَوْلَادُکُمْ ۴ ع ۲ ۱۰

لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد

بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ز فَاُولٰٓئِکَ

وہ نہیں کہ نزدیک کر دیں ہمارے پاس تمہارا درجہ، پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا سو ان کو

لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِیْنَ

ہے بدلہ دونا ان کے کیے پر اور وہ جھروکوں میں بیٹھے ہیں خاطر جمع سے۔ اور جو لوگ

یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

دوڑتے ہیں ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہ مار میں پکڑے آتے ہیں۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ ط

تو کہہ، میرا رب پھیلا دیتا ہے روزی ، جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے اس کو۔

وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ج وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا۔

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ

اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو پھر کہے گا فرشتوں کو کیا یہ لوگ

کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ج بَلْ

تھے تم کو پوجتے؟۔ وہ بولے پاک ذات ہے تیری ہم تیری طرف ہیں، نہ ان کی طرف نہیں پر

کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ج اَکْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ

پوجتے تھے جنوں کو۔ یہ اکثر انہی پر یقین رکھتے ہیں۔ سو آج

لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

تم مالک نہیں ایک دوسرے کے بھلے کے ، نہ برے کے اور کہیں گے ہم ان گنہگاروں کو،

ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى

چکھو تکلیف اس آگ کی جس کو تم جھوٹ بتاتے تھے۔ اور جب پڑھی جاویں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ

ان پاس ہماری آیتیں کھلی، کہیں اور نہیں مگر یہ ایک مرد ہے کہ چاہتا ہے روک دے تم کو

عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَ

ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے۔ اور کہیں اور نہیں، یہ جھوٹ ہے باندھ لیا۔ اور

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

کہتے ہیں منکر ٹھیک بات کو جب پہنچے ان تک اور نہیں، یہ جادو ہے صریح۔

وَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ

اور ہم نے دی نہیں ان کو کچھ کتابیں جن کو پڑھتے ہیں اور بھیجا نہیں ان پاس تجھ سے پہلے

مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ

کوئی ڈرانے والا۔ اور جھٹلایا ہے ان سے اگلوں نے اور یہ نہیں پہنچے دسویں حصہ کو جو

اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ ع

ہم نے ان کو دیا تھا، پھر جھٹلایا میرے بھیجوں کو، تو کیسا ہوا بگاڑ میرا؟

## عیش پرستوں کے ایک شبہ کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ... الٰی ... فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾﴾

**ربط:** اُوپر کی آیتوں میں ان عیش پرستوں کے وبال اور نکال کا ذکر تھا کہ جو نبوت کے منکر تھے۔ اب ان آیات میں ان عیش پرستوں کا ایک شبہ ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ متکبرین کی اس قسم کی باتوں سے رنجیدہ اور ملول

نہ ہوں۔ مشرکین اور کفار اپنے مال و دولت کی کثرت پر فخر کرتے تھے اور اس کو اپنی مقبولیت کی دلیل قرار دیتے تھے ان آیات میں ان کے اس شبہ کو نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا کہ مال و دولت اور جاہ و حشمت اور کثرت اولاد کو اپنی مقبولیت اور افضلیت کی دلیل نہ سمجھیں مال و دولت کی قلت اور کثرت عزت اور حقارت کی دلیل نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اہل کفر کا یہ قدیم دستور ہے کہ وہ اپنی دُنیاوی خوشحالی سے عذاب آخرت کی نفی پر استدلال کرتے رہے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۵۰) نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں عذاب آخرت سے کوئی ڈرانے والا پیغمبر مگر یہی ہوا کہ وہاں کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو اور کہنے لگے کہ ہم لوگ مال اور اولاد میں سب سے زیادہ ہیں اللہ نے ہم کو مال و دولت اور عزت و وجاہت دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اور ہم تو کبھی بھی عذاب نہیں دیے جائیں گے۔ مال و اولاد کی کثرت اس امر کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہیں اے نبی آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تحقیق میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس کیلیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے ولیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ ناسمجھی کی بنا پر دُنیاوی رزق کی وسعت اللہ کے راضی ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں دنیاوی رزق کی فراخی اور تنگی کا دار و مدار اللہ کی حکمت اور مشیت پر ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو رزق زیادہ دیا اور کسی کو کم۔ مقصود بندوں کا امتحان ہے دُنیاوی رزق کی فراخی اور تنگی آخرت کی سعادت اور شقاوت کی دلیل نہیں اور اے منکرین آخرت خوب سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دے لیکن ہمارا مقرب وہ شخص ہے جو ایمان لایا اور جس نے نبی کی ہدایت کے مطابق نیک کام کیے ایمان اور عمل صالح یہ دونوں چیزیں ہمارے قرب کا ذریعہ ہیں نہ کہ مال و دولت اور کثرت اولاد سو ایسے لوگوں کے لیے ہماری بارگاہ سے دوہری جزا ہے بمقابلہ ان کاموں کے جو انہوں نے کیے اور وہ بہشت کے بالاخانوں میں بے خوف و خطر بیٹھے ہوں گے ان کو نہ کسی عذاب کا خوف ہوگا اور نہ نعمت کے منقطع ہونے کا ڈر ہوگا اور جو لوگ ہماری آیتوں کے رد کی کوشش میں اور ہمارے نبی کے ہرانے اور عاجز کرنے کی فکر میں رہے ایسے ہی لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور دُنیاوی مال و دولت ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل دُنیا کے ایک عام خیال کی تردید فرمائی ہے وہ یہ کہ عموماً اہل دنیا مال و دولت اور جاہ و حشمت اور کثرت اولاد کو باعث افضلیت خیال کرتے ہیں جیسا کہ ہمیشہ سے اہل دُنیا انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے کہتے رہے کہ ہم مال و دولت اور اولاد رکھتے ہیں ہمیں کیوں عذاب ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے روزی وسیع کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ کرتا ہے مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد لوگوں کو اللہ کے نزدیک کچھ عزت حاصل نہیں کرا سکتا بجز اس کے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور اللہ کے مقرب بنے مال اور اولاد قرب خداوندی کا ذریعہ نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح قرب خداوندی کا ذریعہ ہیں بلکہ بعض اوقات مال و اولاد عذاب اور مصیبت بن جاتے ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝﴾ (توبہ: ۵۵)۔۔۔۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (المومنون: ۵۶،۵۵)

بسا اوقات بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس بنگلہ بھی ہے اور موٹر بھی ہے مگر پریشانیوں میں اور مقدمات میں مبتلا ہیں۔ یہ لوگ

قابل رحم ہیں بہر حال قرب خداوندی کا ذریعہ اور وسیلہ ایمان اور عمل صالح ہے ایمان سے اللہ تعالیٰ سے تعلق درست ہوتا ہے اور عمل صالح سے عبدیت کا تعلق درست ہوتا ہے ہاں اگر مال و دولت کو اللہ کی راہ میں لگا دے تو اس سے اللہ کے یہاں عزت حاصل ہو سکتی ہے باقی محض مال اور اولاد کو عزت کا ذریعہ سمجھنا خیال خام ہے اسلام نے افضلیت کا اصل ایمان اور اعمالِ صالحہ کو قرار دیا ہے جو مہاجرین اولین میں علی سبیل الکمال والتمام پایا جاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مال اور اولاد سب کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مال و اولادت بمعنی دشمنند      گرچہ نزدیکت دو چشم روشنند

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ را یاد گیر      مال و ملک ایں جہاں برباد گیر

اے نبی! آپ ﷺ مومنین سے کہہ دیجیے کہ تحقیق میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کی فراخی اور تنگی اس کی مشیت اور حکمت کے تابع ہے فضیلت کی دلیل نہیں اور جو چیز تم خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ سو خدا تعالیٰ تم کو دنیا یا آخرت میں اس کا عوض اور بدلہ دے گا اور اس سے بہتر دے گا اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے جو خدا کے لیے خرچ کرو گے خدا اسکے عوض کا ذمہ دار ہے جن لوگوں نے مال و دولت کو ایمان اور ہدایت نبی ﷺ کے مطابق خرچ کیا آخرت میں ان کو نفع دے گا۔ اور جن لوگوں نے اپنا مال و دولت ہماری آیتوں کے رد کرنے میں اور نبی کے مقابلہ میں خرچ کیا۔ ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ قیامت کے دن اس کی ذلت اور فضیحت ان کے سامنے آجائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جس دن اللہ سب لوگوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں کو کہے گا کہ کیا یہ کافر تمہاری پرستش کیا کرتے تھے مشرکین کی غلطی ظاہر کرنے کے لیے فرشتوں سے سوال ہوگا۔ فرشتے جواب میں کہیں گے۔ اے اللہ تو پاک ہے اس سے کہ تیرے سوا کسی کو معبود بنایا جائے تو ہی ہمارا کارساز ہے نہ کہ یہ لوگ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ درحقیقت شیاطین کی عبادت کرتے تھے ان میں کے اکثر شیاطین کے معتقد ہیں ان کے کہنے پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے پس آج کے دن کسی کو کسی نفع اور نقصان کا کوئی اختیار نہیں کسی معبود باطل کو اپنے پرستش کرنے والے کے واسطے نہ نفع پہنچانے کی قدرت ہے اور نہ نقصان دور کرنے کی طاقت ہے۔ اور اس دن ہم ان لوگوں سے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ بے محل عبادت کو رکھ کر نقصان اٹھایا یہ کہیں گے کہ جس آگ کی تم تکذیب کرتے تھے اور اس کو جھوٹ جانتے تھے آج اس کے عذاب کا مزا چکھو اور بلا شبہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق ہیں دنیا میں ہمارے پیغمبروں کا مذاق اڑایا کرتے تھے جب ان کے سامنے ہماری کھلی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو یہ لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ نہیں ہے یہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے مگر تم جیسا ایک مرد ہے چاہتا یہ ہے کہ تم کو ان چیزوں کی عبادت سے روک دے جن کو تمہارے آباء و اجداد قدیم زمانہ سے پرستش کرتے چلے آرہے تھے یعنی اس مرد کا مدعا یہ ہے کہ تم کو بت پرستی سے روک دے اور اپنے خود ساختہ آئین کا تم کو تابع بنائے اور یہ کہا کہ نہیں ہے یہ کلام جو یہ مرد پڑھتا ہے مگر جھوٹ اپنی طرف سے بنا کر خدا کی طرف منسوب کر دیا گیا اور کافروں نے اس امر حق کی بابت یعنی قرآن کی بابت جب ان کے پاس پہنچا یہ کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے حالانکہ ان کو تو چاہیے تھا کہ اس نعمت غیر مترقبہ اور اس علم و ہدایت کی قدر کرتے اس لیے کہ ہم نے اس قرآن سے پہلے کفار مکہ کو ایسی کتابیں نہیں دی تھیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور اسے پڑھ کر شریعت الٰہی کا علم ہوتا اور نہ آپ سے پہلے ان کی جانب کوئی ڈرانے والا بھیجا جو ان کو حق کی دعوت دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا۔ بنی اسرائیل کی طرف تو رسول بھی آئے اور ان کی ہدایت کے لیے کتابیں بھی نازل ہوئیں۔ مشرکین عرب کے حق میں تو نبی کی بعثت اور

قرآن کا نزول بالکل ایک نئی نعمت اور دولت تھی ان کو چاہیے تھا کہ اس کی قدر کرتے اور اس پر ایمان لاتے مگر ان لوگوں نے اس کی قدر نہ کی اور جو ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی انبیاء کی تکذیب کی اور یہ مشرکین عرب تو اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے اگلے کافروں کو دیا تھا یعنی جو مال و دولت اور اولاد کی کثرت اور جسمانی قدرت ان کو دی تھی مشرکین عرب کو ان کا دسواں حصہ بھی نہیں دیا۔ پس اگلے کافروں نے میرے پیغمبروں کی تکذیب کی پس دیکھ لو کہ ان پر کیسا عذاب آیا کہ بالکل نیست و نابود کر دیئے گئے ان کی اجڑی ہوئی بستیوں سے عبرت پکڑو۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ

تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو، کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے کام پر دو دو اور ایک ایک پھر

تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ

دھیان کرو۔ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں۔ یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو، آگے آگے

يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝۴۶ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ

ایک بڑی آفت کے تو کہہ جو میں نے تم سے مانگا تھا کچھ نیگ۔ سو تمہیں کو پہنچے

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۴۷ قُلْ اِنَّ

میرا نیگ ہے اسی اللہ پر، اور اسی کے سامنے ہے ہر چیز۔ تو کہہ

رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۴۸ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ مَا يُبْدِئُ

میرا رب پھینکتا جاتا ہے سچا دین وہ جاننے والا چھپی چیزیں۔ تو کہہ آیا دین سچا۔ اور

الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيْدُ ۝۴۹ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ

جھوٹ کو نہ پہلا وار نہ دوسرا۔ تو کہہ اگر میں بہکا ہوں تو یہی کہ بھکوں گا اپنے بُرے کو۔

وَ اِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝۵۰ وَ لَوْ تَرٰٓى

اور اگر میں سوجھا ہوں تو اس سبب سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب۔ وہ سنتا ہے نزدیک۔ اور کبھی تو دیکھے

اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝۵۱ۙ وَّ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ

جب یہ گھبراویں گے، پھر بھاگے نہیں بچتے، اور پکڑے آئے نزدیک جگہ سے۔ اور کہنے لگے، ہم نے اس کو یقین مانا۔

وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ

اب کہاں ان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے دور جگہ سے اور اس سے منکر ہو رہے

قَبْلُ ۚ وَ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَ حِيْلَ بَيْنَهُمْ

آگے سے اور پھینکتے رہے بن دیکھے نشانے پر دور جگہ سے۔ اور اٹکاؤ پڑ گیا ان میں

وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

اور جو ان کا جی چاہے ان میں جیسا کیا گیا ہے ان کے راہ والوں سے پہلے۔ وہ لوگ تھے

فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ ﴿۵۴﴾ ع

دھوکے میں جو چین نہ لینے دیتا۔

ع ۶ ۱۲

## خاتمہ سورت برکلمہ حکمت وموعظت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ... الی... اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ ﴿۵۴﴾﴾

**ربط:** ابتدائے سورت سے یہاں تک توحید اور رسالت اور قیامت تینوں مضمون بیان ہوئے اب سورت کو ایک نصیحت پر ختم فرماتے ہیں جس سے توحید اور رسالت اور قیامت یعنی دین کے اصول ثلاثہ کی حقانیت واضح ہو جائے۔ ﴿اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ﴾ سے توحید کی طرف اشارہ ہے اور ﴿مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ﴾ سے رسالت کی طرف اشارہ ہے اور ﴿بَيْنَ يَدَیْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ سے یوم آخرت کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۲۴ ج ۷)

اور ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ﴾ سے مشرکین کے اس شبہ کو قطع کرنا ہے کہ آپ ﷺ کا فرمانا کسی طمع اور غرض پر مبنی نہیں بلکہ فقط تمہاری ہدایت اور اصلاح مقصود ہے۔

اور اس ذیل میں کافروں کے گزشتہ شبہ کا جواب بھی دے دیا گیا کہ مال اور اولاد کی کثرت کسی کو اللہ کے قہر اور عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ مال و دولت والے ہلاک ہوئے اور خدا کے رسول غالب ہوئے ان واقعات کے بیان کرنے کے بعد کافروں کو غور و فکر کرنے کی نصیحت کرتے ہیں تاکہ کافروں پر نبی کریم ﷺ کی حقانیت اور صداقت واضح ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! آپ ﷺ ان کافروں سے جو آپ کی نبوت کے منکر ہیں۔ کہہ دیجیے کہ میں تم کو ایک مختصر بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم محض خدا کے لیے دو دو یا ایک ایک کھڑے ہو پھر خدا کی طرف متوجہ ہو کر غور و فکر کرو اور ابتداء سے لے کر اس وقت تک میرے تمام احوال اور اطوار کو یاد کرو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے تمہارے اس ساتھی میں جنون کا نام و نشان نہیں جیسا کہ تم بغیر سوچے سمجھے گمان کئے ہوئے ہو اس کا حال دیکھو اور اس کا قال سنو اس کی ہر بات سے کمال عقل ظاہر ہے اس کی ہر بات حکمت اور ہدایت سے لبریز ہے وہ نہ مفتری ہے اور نہ دیوانہ ہے صرف خدا

کا رسول ہے اس کی کچھ شان نہیں سوائے اس کے کہ وہ تم کو آئندہ کے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہے اور آئندہ کی مصیبت اور آفت سے ڈرانا کمال عاقبت اندیشی ہے اور ناصح حقیقی ہونے کی دلیل ہے اے نبی آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس نصیحت پر کچھ بدلہ اور صلہ نہیں چاہتا جو کچھ کہتا ہوں اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے اور اس پر یہ کہتا ہوں کہ میں تم سے جو کچھ عوض اور بدلہ مانگوں وہ سب تمہارے واسطے ہے وہ تم ہی رکھو مجھے تم سے اجر کی طلب اور آرزو نہیں میرا اجر میرے اللہ پر ہے۔ اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے وہی مجھے میرے کام کا اجر دے گا اب بھی تم اگر نہ مانو تو تم جانو وہ میری نبوت اور صداقت اور اخلاص اور بے غرضی پر گواہ ہے اور آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ تحقیق میرا پروردگار اوپر سے مجھ پر حق پھینکتا جاتا ہے اور باطل پر گراتا جاتا ہے تاکہ باطل پاش پاش ہو جاوے وہ علام الغیوب ہے اس کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ حق کو اوپر سے اتارے گا اور باطل پر گرائے گا اور حق کے گرنے سے وہ باطل چور چور ہو جائے گا۔ اے نبی آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اب حق آ گیا اور اب اس کے سامنے باطل فروغ نہ پائے گا اور باطل کو نہ پہلی بار ظہور ہوتا ہے اور نہ دوسری بار۔ اب دن بدن باطل مٹتا چلا جائے گا اسی سے تم کو میری صداقت اور نبوت کا یقین ہو جانا چاہیے۔ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے گمان میں اس پر بھی میں گمراہ ہوں تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میں اپنی ذات پر گمراہ ہوں اس گمراہی کا ضرر مجھ کو ہی پہنچے گا۔ میری گمراہی سے تم کیوں اس قدر بیتاب اور پریشان ہو اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس سبب سے ہے کہ میرا پروردگار مجھ پر وحی بھیجتا ہے تحقیق میرا پروردگار سننے والا ہے اور میرے نزدیک ہے اس کی رحمت اور عنایت کبھی مجھ سے جدا نہیں ہوتی۔

## تتمہ تہدید منکرین و مکذبین

**ربط**: گزشتہ آیت میں منکرین اور مکذبین کی تہدید اور توبیخ تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ اب ان آیات میں اسی تہدید اور توبیخ کا تتمہ ہے۔ (شیخزادہ ص ۸۷ ج ۴)

جس کا حاصل یہ ہے کہ منکرین اور مکذبین کو یہ معلوم رہنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جب چاہے ان کو قریبی جگہ سے اور ان کے قدموں سے پکڑ کر زمین کے اندر پہنچا دے (ذکر روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما مشتمل بر قصۂ عجیبہ تفسیر عزیزی ص ۲۴۳) اس لیے اب آئندہ آیات میں کافروں کے حسرتناک انجام کو بیان فرماتے ہیں۔

اے پیغمبر کاش آپ اس وقت کو دیکھیں کہ جب یہ لوگ بروز قیامت یا بوقت موت گھبرائیں گے اور بھاگنے کی کوشش کریں گے پس بھاگ نہیں سکیں گے۔ عذاب سے بچ جانے کا کوئی مفر نہ ہوگا کسی طرف بھاگ کر نہیں نکل سکیں گے اور قریب ہی جگہ سے پکڑ لیے جاویں گے یعنی بہت ہی آسانی کے ساتھ فوراً گرفتار کر لیے جائیں گے اور اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم دین حق پر ایمان لے آئے اور یقین کر لیا کہ تیرے پیغمبروں نے جو کہا تھا وہ سب حق تھا اور تمنا کریں گے کہ ہم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور اتنی دور جگہ سے ایمان کا پکڑنا اور وہاں تک ان کا ہاتھ پہنچنا کیسے ممکن ہے ایمان کے پکڑنے کی قریبی جگہ تو دُنیا تھی اب جب کہ دُنیا سے چل کر دارِ آخرت میں پہنچ گئے تو یہ تو دار الجزاء ہے جو بہت ہی دور ہے اتنی دور سے ایمان کو کیسے پکڑ سکتے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ پہلے اس حق کا انکار کرتے تھے اور اس سے پہلے دُنیا میں بے دیکھے دور جگہ سے اٹکل کے تیر چلاتے تھے اور نبی کو ساحر اور شاعر اور مجنون بتلاتے تھے اور بعث اور حشر و نشر کا انکار کرتے تھے اور شہوات کے نشہ میں چور تھے اب آنکھیں

کھلیں تو ایمان کی سوجھی خوب سمجھ لو کہ اب تم ایمان کی جگہ سے بہت دور آ گئے ہو اتنی دور جگہ سے ایمان تک ہاتھ پہنچنا محال ہے اور اب ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا ہے قبول ایمان کے بارہ میں ان کی آرزو پوری نہ ہوگی ایمان حاصل کرنے کی جگہ دنیا تھی وہ دُور ہوگئی۔

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

جیسا کہ ان کے ہم مشرب کافروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا جو ان سے پہلے کفر کر چکے ان میں اور ان کی خواہشوں میں پردہ ڈال دیا گیا کہ ان کی آرزو پوری نہ ہوئی اور آخرت میں بھی ان کا ایمان مقبول نہ ہوگا۔

تحقیق یہ سب لوگ جب دُنیا میں تھے تو ایسے دریائے شک میں غرق تھے کہ جو ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔ اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہتا تھا اب جب کہ خدا اور رسول کی باتوں اور خبروں کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پردہ اٹھ گیا تو ایمان کی باتیں کرنے لگے جب ایمان کا وقت تھا تو سخت شک اور اضطراب میں پڑے رہے لہٰذا اب ایمان قبول نہ ہوگا۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ ﴾

---

الحمد للہ آج بتاریخ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ یوم پنجشنبہ بوقت ۷ بجے صبح سورۂ سبا کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

اے اللہ! اپنی رحمت سے اس کو قبول فرما اور باقی تفسیر کے اتمام اور اکمال کی توفیق عطا فرما اور اپنی عبدیت اور انابت اور شکر نعمت سے سرفراز فرما اور خاتمہ بالخیر فرما۔ آمین یارب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد و علیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین وَ علینا معھم یا ارحم الراحمین ○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تفسیر سورۂ فاطر

یہ سورت مکی ہے جس میں پینتالیس ۴۵ آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔ اس سورت کا نام فاطر ہے جس کے معنی خالق اور قاہر کے ہیں اس سورت میں خدا تعالیٰ کے فاطر اور قادر اور قاہر اور خالق اور رازق ہونے کا بیان ہے جس کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی رازقیت اور اس کی مشیت کو بیان فرمایا۔

اور اس سورت کا نام سورۃ الملائکہ بھی ہے چونکہ اس سورت میں ملائکہ کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کو سورۃ الملائکہ بھی کہتے ہیں۔ گزشتہ سورت میں اس امر کا ذکر تھا کہ مشرکین نے فرشتوں کو اپنا معبود ٹھہرایا ہے۔ اب اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ذکر کیا کہ وہ بھی اللہ کی ایک مخلوق ہے اور حکم خداوندی کے لیے مسخر ہے اور تابع فرمان الٰہی ہے دن رات اللہ کی عبادت اور بندگی میں لگے ہوئے ہیں وہ کیسے خدا ہو سکتے ہیں گذشتہ سورت میں یہ ذکر تھا کہ مشرکین فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ یَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اَہٰۤؤُلَآءِ اِیَّاکُمۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ﴾ (سباء: ۴۰) اس لیے اس سورت کے شروع میں فرشتوں کا احکام خداوندی کی تعمیل اور بجا آوری میں مشغول ہونا بیان کیا تا کہ ان کی عبدیت ظاہر ہو کہ فرشتے خدا کے بندے ہیں اور تابع فرمانِ الٰہی ہیں وہ کیسے کسی کو اپنی عبادت کا حکم دے سکتے ہیں۔

یہ سورت ان پانچ سورتوں کی آخری سورت ہے جن کا آغاز الحمد سے ہوا ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے چار نعمتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور تمام نعمتوں کی اصل یہی چار نعمتیں ہیں جن کا مجموعہ سورۂ فاتحہ میں مذکور ہے۔ پہلی نعمت ایجاد اوّل ہے اور دوسری نعمت بقاء اوّل ہے۔ اور تیسری نعمت ایجاد دوم ہے اور چوتھی نعمت بقاء دوم ہے تا کہ بندے ان نعمتوں سے آگاہ ہوں اور اللہ کی حمد و ثناء کریں۔ ایجاد اوّل اور بقاء اوّل سے دُنیاوی زندگی اور سامان حیات مراد ہے اور ایجاد دوم اور بقاء دوم سے اخروی زندگی اور آخرت کی بقاء اور دوام مراد ہے اور یہ ایجاد دوم اور بقاء دوم سب سے اعلیٰ اور ارفع نعمت ہے انسانی پیدائش اور دنیاوی زندگی کا آخری انجام یہی اخروی بقاء اور دوام ہے سورۂ سبا میں زیادہ تر دنیاوی زندگانی اور اس کی نعمتوں کا بیان تھا اور اس سورت میں زیادہ تر اُخروی اور روحانی زندگی اور اس کے بقاء اور دوام کا ذکر ہے اور اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اہل سعادت کے انعامات کو اور اہل شقاوت کی مصیبتوں اور ذلتوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا اس لیے کہ سعادت سے بڑھ کر کوئی رحمت اور نعمت نہیں اور شقاوت سے بڑھ کر کوئی ذلت اور مصیبت نہیں۔

سورۂ الحمد میں مبداء اور معاد کی تمام نعمتوں کا اجمالاً ذکر کیا اور باقی ان چار سورتوں میں کسی جگہ کسی نعمت کو تفصیل کے ساتھ اور کسی نعمت کو اجمال اور ایجاز کے ساتھ بیان کیا اور چونکہ یہ سورت ان پانچ سورتوں میں کی آخری سورت ہے جن کو الحمد سے شروع فرمایا اس لیے اس سورت میں آخری انجام یعنی سعادت اور شقاوت کا کافی بیان فرمایا لہٰذا عاقل اور دانا کا کام یہ ہے کہ انجام کی فکر کرے اور اللہ کے وعدہ کو حق جانے اور شیطان کے دھوکہ میں نہ آئے اور برے اعمال کو اچھا نہ سمجھے آخرت کی عزت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہے اور آخرت کی فکر اور اس کی تیاری یہی سعادت ہے اور آخرت کا انکار اور اس سے غفلت یہی شقاوت ہے۔

؎ مرد آخر بیں مبارک بندۂ ایست

آیاتها ۴۵ (۳۵) سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ (۴۳) رکوعاتها ۵

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۴۵ آیات اور ۵ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ

سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین جس نے ٹھہرائے فرشتے پیغام لانے والے جن کے

اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ

پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔ بڑھاتا ہے پیدائش میں جو چاہے، بے شک

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا

اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ جو کھول دے اللہ لوگوں پر کچھ مہر، تو کوئی نہیں

مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَ مَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ

اس کو روکنے والا اور جو روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اس کے سوا، اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيْمُ ② يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ

حکمتوں والا۔ لوگو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر۔ کوئی ہے

خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ

بنانے والا اللہ کے سوا روزی دیتا تم کو آسمان اور زمین سے۔ کوئی حاکم نہیں مگر وہ۔

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ

پھر کہاں سے الٹے جاتے ہو۔ اور اگر تجھ کو جھٹلادیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول تجھ سے پہلے۔

وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا

اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام۔ لوگو! بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے، سو نہ

تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤ اِنَّ

بہکاوے تم کو دنیا کا جینا۔ اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز۔ تحقیق

الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ

شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم سمجھ رکھو اس کو دشمن وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو

لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ⑥ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

اسی واسطے کہ ہوویں دوزخ والوں میں جو منکر ہوئے ان کو مار ہے

شَدِيْدٌ ۥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

سخت، اور جو یقین لائے اور کیے بھلے کام، ان کو ہے معافی اور نیگ

كَبِيْرٌ ؏ ⑦ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ ع ۱۴

بڑا۔ بھلا ایک شخص کہ بھلی سجھائی اس کو اس کے کام کی برائی، پھر دیکھا اس نے اس کو بھلا کیونکہ اللہ بھٹکاتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ

جس کو چاہے اور سجھاتا ہے جس کو چاہے۔ سو تیرا جی نہ جاتا رہے ان پر پچتا پچتا کر۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧

اللہ کو سب معلوم ہے جو کرتے ہیں۔

## تحمید خداوند حمید ومجید برائے اثبات توحید وتذکیر نعم وتحذیر از نقم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧ ﴾

**ربط:** گزشتہ سورت کے اخیر میں کفار ومشرکین کی ہلاکت کا ذکر تھا کہ ان پر اللہ کا قہر نازل ہوا اور ہلاک اور برباد ہوئے اور کافروں کی ہلاکت اور بربادی اللہ کی نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الانعام:۴۵)

اس لیے اس سورت کا آغاز اللہ کی حمد وثناء سے کیا گیا۔ (روح المعانی ص ۱۴۸ ج ۲۲)

اور اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر کرکے شکر پر متنبہ کیا اور ناشکری کے انجام سے ڈرایا۔

اس سورت کا زیادہ حصہ اثبات توحید اور ابطال شرک اور منکرین توحید اور منکرین قیامت کی تہدید اور توبیخ میں ہے اور بعض آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی کا ذکر ہے جو آپ ﷺ کو کفار کی تکذیب سے رنج وغم ہوتا تھا اور بعض آیات میں جزاء اور سزا اور ایمان اور عمل صالح کی عزت اور کفر اور اعمال سیئہ کی ذلت اور خواری کا بیان ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے اور دونوں سورتوں کے مضامین میں مناسبت ظاہر ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے حمد اور شکر سے شروع فرمایا اوّل اپنے آثار نعمت اور دلائل قدرت کو ذکر فرمایا تا کہ توحید ثابت ہو۔ بعدہٗ مسئلہ رسالت بیان فرمایا۔ ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اس کے بعد معاد کا مضمون بیان فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾۔

چنانچہ فرماتے ہیں: تمام تر حمد وثناء اسی خدائے پاک کے لیے لائق ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے چیر [1] کر آسمان اور زمین کو نکالا اور وجود کا لباس ان کو پہنایا تا کہ دُنیا اس کی قدرت کا جلوہ دیکھے اس لیے کہ یہ دونوں اس کی عجیب وغریب رحمتوں اور نعمتوں کے معدن اور مخزن ہیں جن کو دیکھ کر دُنیا کے عقلاء حیران اور سرگرداں ہیں کہ سارا جہان زمین کے فرش پر آسمان کی چھت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔

آسمان اور زمین کے اختلاط اور امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے جیسے مرد اور عورت کے اختلاط اور امتزاج سے بچہ پیدا ہوتا ہے آسمان بمنزلہ مرد کے ہے اور زمین بمنزلہ عورت کے ہے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین اس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اسی طرح سمجھو کہ علوی اور سفلی کے امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے آسمان بمنزلہ فاعل کے ہے اور زمین بمنزلہ قابل کے ہے اور زمین کے ثمرات بمنزلہ اولاد کے ہیں جس کا اصل سرچشمہ آسمان ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ (الذاریات: ۲۲)۔

پس تمام خوبی اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اس خدا کے لیے ہے جو فرشتوں کا پیدا کرنے والا ہے اپنے نبیوں کی طرف ان کو اپنا قاصد اور ایلچی بنانے والا ہے کہ آسمان سے اللہ کا پیغام لے کر جلد آسمان سے اُتریں اور پیغمبروں کو پہنچائیں تا کہ زمین سے گمراہی کی گندگی دور ہو اور وحی اور الہام اور رؤیائے صالحہ سے شیاطین کے وسوسوں کی ظلمت دور ہو پھر یہ فرشتے جو اللہ کا پیغام لے کر آسمان سے زمین پر اترتے ہیں اور پھر زمین سے آسمان پر چڑھتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے پروں والا اور بازو والا بنایا ہے تا کہ ان پروں کے ذریعے عالم بالا کی پرواز کر سکیں اور اللہ کا حکم لے کر آسمان سے زمین پر جلد پہنچیں۔ غرض یہ کہ فرشتوں کے پر اور بازو ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار اور یہ بازو ان کی خلقت کے مناسب ہیں جیسے ان کی خلقت نورانی ہے اسی طرح ان کے بازو بھی نورانی ہیں اور اصل حقیقت اور کیفیت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پھر خدا کے پیغمبر جنہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے وہی کچھ ان کا حال بتا سکتے ہیں فلسفی اور سائنس دان دائرہ محسوسات میں صرف اتنا بتلا سکتے ہیں کہ کبوتر کے دو بازو ہیں اور دو پر ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتا ہے مگر کس

---

[1] فطر کا اصل مادہ لغت میں شق کے لیے ہے چنانچہ انفطار اور تفطر اسی سے ماخوذ ہے۔ اس ترجمہ میں فاطر کے اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔

طرح اڑتا ہے اور اس کے طیران (اُڑنے کی) حقیقت اور کیفیت کیا ہے یہ بیان نہیں کر سکتا اور یہ فلسفی دو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور دو پیروں سے چلتا ہے مگر اپنے دیکھنے اور چلنے کی حقیقت اور کیفیت کے بتلانے سے قاصر اور عاجز ہے اور اگر اس فلسفی کی چار آنکھیں اور چار پیر ہوتے تو کیسے دیکھتا اور کیسے چلتا یا دو زبانیں ہوتیں تو کیسے بولتا یہاں فلسفی دم بخود ہے فلسفی خدا تعالیٰ کے متعلق تو خوب زبان چلاتا ہے ذرا اپنے متعلق بھی تو کچھ زبان چلائے اور ہلائے جو خدا دو پیر اور دو آنکھیں دینے پر قادر ہے وہی خدا چار آنکھیں اور چار پیر دینے پر بھی قادر ہے اور وہی خدا دونوں آنکھیں پھوڑ دینے اور دونوں ٹانگیں توڑ دینے پر بھی قادر ہے۔ ﴿يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اس کی قدرت کے اعتبار سے دو اور چار اور توڑنا اور پھوڑنا اور جوڑنا سب برابر ہے۔ اور بڑھاتا ہے وہ فاطر (قادر) پیدائش میں کمیت اور کیفیت اور صورت اور صفت کے اعتبار سے جو چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا فرشتوں کے تین چار بازو سن کر تعجب نہ کرنا چاہیے اس کی صنعت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا وہ قادر مطلق اور خالق مطلق ہے جس طرح چاہے بنائے اس نے اپنی قدرت اور حکمت سے جس مخلوق کی خلقت اور صنعت میں جتنی چاہی زیادتی کر دی کسی کو دو پایہ بنایا اور کسی کو چار پایہ اور کسی کو چہل پایہ (کنکھجورا) بنایا مکھی کی آنکھ بظاہر ایک دکھائی دیتی ہے مگر انکشافات جدیدہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جب بذریعہ خوردبین دیکھو تو اس کی آنکھیں آٹھ ہزار سے زیادہ نظر آتی ہیں۔ لوگوں کے حواس خمسہ کم و بیش اور مختلف ہیں کوئی کم دیکھتا ہے اور کوئی زیادہ اور کوئی کم سنتا ہے اور کوئی زیادہ۔ کسی کو عقل اتنی زیادہ دی کہ آسمان تک پرواز کر سکے۔ کسی کو بے بال و پر بنایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت سے فرشتوں کی خلقت میں تفاوت رکھا کسی کے دو اور کسی کے تین اور کسی کے چار بازو بنائے اور کسی کے اس سے بھی زیادہ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے شب معراج میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ اس کے چھ سو بازو ہیں۔

زجاج اور فراء اور جمہور مفسرین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ﴿يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ﴾ (فاطر:۱) میں جس زیادتی کا ذکر ہے وہ ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے ہر خلقت وصنعت اور قد و قامت اور حواس ظاہرہ اور باطنہ سب کو شامل ہے جس میں حسن صورت اور حسن سیرت اور آنکھوں کی ملاحت اور زبان کی حلاوت اور خوش آوازی اور نغمہ دلکش اور جسامت اور جسمانی قوت اور عقل کی جودت اور متانت وغیرہ وغیرہ سب ﴿يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ﴾ میں داخل ہے کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہیں اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں اسی عموم کو اختیار کیا ہے اسی طرح سمجھو کہ فرشتے اللہ کی ایک نورانی مخلوق ہے جو ہوا سے زیادہ لطیف ہے اور ان کی خلقت اور پیدائش میں اس نے اپنی حکمت سے تفاوت رکھا ہے کسی کو دو پر عطا کیے۔ اور کسی کو تین اور کسی کو چار اور کسی کو اس سے بھی زیادہ۔ وہ قادر مطلق اور حکیم مطلق ہے وہ اپنی پیدائش اور بناوٹ میں جو کمی اور زیادتی جانتا ہے اس پر کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں سارا عالم اس کی قدرت کے سامنے اور سارے عالم کی عقلیں اس کے علم وحکمت کے سامنے بے بال و پر ہیں کسی کی مجال نہیں اس کے آسمان قدرت وحکمت تک پرواز کر سکے۔ جسم انسانی کی طرح روح انسانی کی بھی ایک خاص شکل اور خاص ہیئت ہے مگر وہ لطیف اور مجرد من المادہ ہے اور لطافت کی وجہ سے ادراک اور احساس سے بالا اور برتر ہے روح کی شکل اور ہیئت کو انسان کی ظاہری ہیئت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اسی طرح فرشتوں کے پروں اور بازوؤں کو پرندوں کے پروں اور بازوؤں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

**نکتہ** طیور یعنی پرندے جسم خاکی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو خلاء میں پرواز کرنے کے لیے پر عطا کیے۔ فرشتے جسم نورانی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم بالا کی پرواز کے لیے نورانی پر عطا کیے جن کی دلفریبی کی کوئی حد نہیں جسم طیور چونکہ خاکی ہے اس لیے بالطبع مائل بہ سفل

(پستی) ہے اور ملائکہ نورانی ہیں اس لیے بالطبع مائل بہ علو (بلندی) ہیں۔ اور چونکہ فرشتے تدابیر عالم پر مامور ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو نورانی اور لطیف بال و پر عطا کیے تاکہ عالم علوی اور عالم سفلی کے ہبوط اور صعود میں ان کو مدد دیں۔ (ماخوذ از تفسیر عزیزی ص ۲۳۴)

اور وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ کوئی اس کی قدرت میں مزاحم نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جس جسمانی یا روحانی رحمت اور نعمت کا دروازہ کھول دے جیسے بارش اور روزی اور نعمت وصحت اور امن وعافیت اور علم وحکمت اور ایمان اور ہدایت اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ روک لے تو کوئی اس کو چھوڑنے والا نہیں اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے اس کا کھولنا اور بند کرنا سب حکمتوں پر مبنی ہے جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے کوئی فضیلت اور نعمت عطا کی اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے خدا نے کوئی نعمت اور فضیلت روک لی اسے کوئی دے نہیں سکتا تمام خزائن رحمت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

اے لوگو! جب تم نے دیکھ لیا کہ تمام نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے اسی کے دستِ قدرت میں ہیں تو تم اپنے اوپر اللہ کے انعام اور احسان کو یاد کرو۔ اور اپنے منعم اور محسن کا شکر کرو کہ اس نے تم کو عدم سے نکال کر وجود عطا کیا اور بے شمار نعمتیں تم کو عطا کیں اور اس نے تم کو رزق اور سامان بقاء دیا ہوشیار ہو جاؤ مطلب یہ ہے کہ نعمت کو یاد کر کے منعم کو پہچانو کہ کس نے تم کو یہ نعمت دی بھلا کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے کہ آسمان سے بارش برسائے اور زمین سے نباتات اگائے کوئی نہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جب اللہ کی حجت تم پر قائم ہوگئی تو پھر کہاں پھرے جاتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک میں اوندھے گرے جا رہے ہو۔ اب توحید کے بعد آپ ﷺ کی رسالت کو ذکر کرتے ہیں جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اگر یہ لوگ در بارۂ توحید و رسالت وقیامت آپ کو جھٹلائیں تو آپ ﷺ غم نہ کریں آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے انہوں نے صبر کیا آپ ﷺ بھی صبر کیجیے اور اگر دُنیا میں حق کا اثر ظاہر نہ ہوا تو آخرت میں تمام امور اسی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے نہ کہ اس کے غیر کی طرف۔ وہاں آپ ﷺ کو صبر کی جزاء اور ان کو تکذیب کی سزا دے گا آپ ﷺ نے نصیحت کر کے دنیا میں ان پر حجت قائم کر دی۔ اے لوگو! تحقیق دار آخرت اور قیامت اور جزا اور سزا کے متعلق اللہ کا وعدہ بالکل حق اور درست ہے پس یہ دنیاوی زندگی اور اس کی زینت اور آرائش اور اس کی عیش وعشرت اور آسائش تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے یہ دنیا فانی ہے دائمی نہیں اور ایسا نہ ہو کہ کوئی دھوکہ باز تم کو دھوکہ دے دے اور پیغمبروں کی پیروی سے تم کو روک دے اور آخرت سے تم کو بے فکر کر دے۔ تحقیق یہ شیطان تمہارے باپ کی طرح تمہارا بھی دشمن ہے۔ تمہاری تاک میں ہے۔ پس تم اس کو اپنا دشمن سمجھے رکھو کسی بات میں اس کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھنا۔ ہوشیار رہو اس کے کہنے سے اللہ کی معصیت نہ کرنا معصیت تو معصیت طاعت میں بھی اس سے ہوشیار رہو کہیں ریا اس میں داخل نہ کر دے۔ جز ایں نیست کہ یہ مکار اپنے گروہ کو دنیا کی دعوت دیتا ہے تاکہ انجام کار وہ لوگ بھی اس کے ساتھ دوزخ والوں میں ہو جائیں اور اس کے یاروں اور مصاحبوں میں سے ہو جائیں۔ پس خوب سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور شیطان کی دعوت دونوں تمہارے سامنے ہیں اور اس کا قبول کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ لہٰذا جو لوگ کافر ہوئے اور شیطان کے کہنے پر چلے ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جن لوگوں نے باوجود حق تعالیٰ کی تنبیہ اور نصیحت کے شیطان کا اتباع کیا وہ اہل شقاوت ہیں جن کا انجام دائمی عذاب ہے اور جن لوگوں نے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے واسطے مغفرت اور اجر عظیم ہے یہ لوگ اہل سعادت ہیں۔ جن کو وہم وگمان سے بڑھ کر نعمتیں ملیں گی پس کیا وہ شخص جس کو اس کے بُرے اعمال مزین اور آراستہ کر کے دکھلائے گئے اور پھر اس نے اس کو اچھا سمجھا ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جو اچھے اور بُرے

میں تمیز کرتا ہے ہرگز نہیں پس خوب سمجھ لو کہ یہ حق اور باطل کی تمیز من جانب اللہ ہے تحقیق اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ پس آپ کا نفس ان گمراہوں پر حسرتیں نہ کرے بلکہ خداوند علیم وخبیر پر چھوڑ دے کیوں کہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس کو اللہ خوب جانتا ہے لہٰذا آپ ﷺ ان کی گمراہی پر رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں بھلے اور بُرے کا فرق ان پر واضح ہو چکا تھا۔ اللہ کی حجت ان پر پوری ہو چکی اور اللہ کو پہلے سے اس کا علم تھا۔

## لطائف ومعارف

### ذکر اقوالِ مختلفہ دربارۂ حقیقت ملائکہ علیہم السلام

① اہل اسلام کے نزدیک ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام ہے جو نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور لطیف ہیں اور ہر صورت اور شکل میں نمودار ہو سکتے ہیں صورت اور شکل ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتی ہے کھانے اور پینے اور توالد اور تناسل سے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت سے پاک اور منزہ ہیں ذکر الٰہی ان کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو افعال قویہ پر قدرت دی ہے۔ اور یہ باتیں قرآن کریم کی بے شمار آیات اور بے شمار احادیث سے اور صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہیں اور تمام کتب سماویہ توریت اور انجیل اور زبور سب کی سب فرشتوں کے اقرار اور اعتراف اور ان پر ایمان کے بارہ میں متفق ہیں لہٰذا فرشتوں کا انکار اور فرشتوں کے نزول کا انکار سب کفر ہے اس لیے کہ یہ باتیں دلیل قطعی سے ثابت ہیں۔

② قدیم فلاسفہ کے نزدیک ملائکہ ارواح مجردہ کا نام ہے یعنی ایسے حقائق کا نام ملائکہ ہے جو بذات خود قائم ہوں اور لوازم مادہ سے بالکلیہ پاک اور بری ہوں اور وہ نفوس ناطقہ انسانی سے ایک علیحدہ نوع ہے جو صاحب ادراک وشعور ہے۔ یہ قدیم فلاسفہ کا مذہب ہے۔

③ اور فلاسفہ عصر سرے سے وجود ملائکہ کے منکر ہیں۔

④ اور نصاریٰ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ملائکہ ان نفوس ناطقہ کا نام ہے جو انسانی جسموں سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ نیک ہوں تو وہ ملائکہ ہیں اور اگر بد ہوں تو شیاطین ہیں۔

⑤ بعض بت پرستوں کا مذہب یہ ہے کہ ارواح کواکب کا نام ملائکہ ہے جو سعادت اور نحوست کا اثر دنیا پر ڈالتے ہیں۔

⑥ اور مجوس کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم کی اصل دو چیزیں ہیں۔ نور اور ظلمت نور ہمیشہ اخیار اور پسندیدہ لوگوں کو پیدا کرتا رہتا ہے یہ گروہ ملائکہ کا گروہ ہے۔ اور ظلمت خبیث اور شریر لوگوں کو پیدا کرتی ہے ان کا نام شیاطین ہے۔

⑦ نیچریوں کے نزدیک جو ہر چیز کو نیچر کا اثر مانتے ہیں۔ ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام نہیں بلکہ ان قوائے فطریہ کا نام ملائکہ ہے جو نیکی کی طرف میلان پیدا کرتی ہے اور جو قوتیں بُرائی کی طرف کھینچتی ہیں ان کا نام شیاطین ہے یہ زمانہ حال کے نیچریوں کا مذہب ہے جو سرسید علی گڑھی کے پیرو ہیں اور سرسید نے جس بے باکی سے ملائکہ اور شیاطین کے وجود کا انکار کیا ہے اور آیات اور احادیث میں جو تحریف کی ہے یہود اور نصاریٰ میں بھی اس تحریف کی نظیر نہیں۔

نیچریوں کا یہ عقیدہ صریح الحاد اور زندقہ ہے اور صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے سرسید کے نزدیک فرشتہ ایک قوت کا نام ہے جو دکھائی دینے کے قابل نہیں اور قرآن اور حدیث سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہے کہ فرشتہ ایک جسم لطیف کا نام ہے

جس کا دکھائی دینا ممکن ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام نے فرشتوں کا مشاہدہ کیا ہے اور مرنے کے وقت ہر شخص فرشتوں کو دیکھتا ہے اور قیامت کے دن کافر بھی فرشتوں کو دیکھیں گے۔ ﴿ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ ﴾ (الفرقان:۲۲) اور حدیث میں ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر اذان دیتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے۔

غرض یہ کہ نیچریوں کا یہ عقیدہ کہ ملائکہ قوائے فطریہ کا نام ہے۔ صریح آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے ازروئے اسلام ملائکہ ایک ایسی لطیف اور نورانی مخلوق کا نام ہے جو عالم مادی کے ظلمات سے پاک اور منزہ ہے اللہ کی مخلوقات کی کوئی شمار نہیں اس کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک نوع فرشتوں کی بھی ہے جو تمام انواع مخلوقات سے علیحدہ اور جدا ہے اور عالم مادی کی صفات اور کیفیات سے مبرا ہے۔

اب ہم چند آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہیں جو اس خیال خام کے قلع قمع کے لیے کافی ہیں۔

① ﴿ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾ (فاطر:۱)

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوائے فطریہ کے کچھ پر اور بازو لگا رکھے ہیں۔

② ﴿ وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ ﴾ (الزمر:۷۵)

"یعنی فرشتے عرش عظیم کو گھیرے ہوئے ہیں۔"

③ ﴿ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴾ (الحاقہ:۱۷)

قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے تو کیا عرش عظیم کو گھیرے میں لینے والے اور اس کو اٹھانے والے یہ قوائے فطریہ ہیں۔

④ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾ (التحریم:۴)

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ اور مؤمنین صالحین نبی کے دوست اور معین اور مددگار ہیں۔

⑤ ﴿ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ (الرعد:۲۳، ۲۴)

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر دروازہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور اہل جنت کو سلام کریں گے۔

⑥ ﴿ وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ﴾ (الزخرف:۷۷)

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اہل دوزخ قوائے فطریہ سے یہ درخواست کریں گے کہ آپ خدا تعالیٰ سے ہماری موت کا قطعی فیصلہ کرا دیجیے۔

⑦ ﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ (قٓ:۱۹)

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کے الفاظ اور حروف کی نگرانی کرتے ہیں۔

⑧ ﴿ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ﴾ (الانعام:۶۱)

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے اللہ نے قوائے فطریہ کو مقرر کیا ہے۔

⑨ ﴿ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (الانفطار:۱۰-۱۲)

کیا ان نیا چرہ کے نزدیک قوائے فطریہ ان کے اعمال کی کتابت کرتے ہیں۔

⑩ ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ﴾ (الحج:۷۵)

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض قوائے فطریہ کو اپنا ایلچی اور سفیر بنا رکھا ہے۔

⑪ ﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴾ (الانبیاء:۲۶)

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ خدا کے معزز بندے ہیں۔

⑫ ﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ﴾ (النازعات:۳۸)

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن قوائے فطریہ خدا کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

⑬ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾ (الاحزاب:۵۶)

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ)) پڑھتے رہتے ہیں۔

⑭ ﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝ ﴾ (الصافات:۱۶۵،۱۶۶)

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر وقت خدا تعالیٰ کے سامنے صف بستہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔

⑮ ﴿ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴾ (المومنون:۵۷)

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ مثلاً کشش ثقل اور قوت اتصال خوف خداوندی سے ڈرتے رہتے ہیں۔

⑯ ﴿ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ (حٰمٓ سجدہ:۳۰)

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ موت کے وقت اہل ایمان پر قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے ہر انسان کے قوائے فطریہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔

⑰ ﴿ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ ﴾ (القدر:۴)

کیا شب قدر میں قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے۔

⑱ ﴿ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ ﴾ (السجدہ:۱۱) ⑲ ﴿ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ﴾ (الانعام:۶۱)

کیا ان آیات کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کی روح قبض کرتے ہیں۔

⑳ ﴿ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴾ (الانفال:۵۰)

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ جب کفار کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ان کے منہ اور دُبر (سرین) پر کوڑے مارتے ہیں۔

㉑ ﴿ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴾ (المدثر:۳۰)

کیا جہنم پر انیس قوائے فطریہ کا پہرہ ہے۔

㉒ زنان مصر نے یوسف علیہ السلام کے جمال بے مثال کو دیکھ کر یہ کہا: ﴿ مَا هٰذَا بَشَرًا ۗ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴾ (یوسف:۳۱) یہ تو بشر نہیں

بلکہ فرشتہ ہے تو کیا زنان مصر کے نزدیک یوسف علیہ السلام کسی قوت فطریہ کا نام تھا اور کسی آدمی کا نام نہ تھا۔

الغرض اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جو اس جنون اور بکواس کو رڈ کرتی ہیں کہ ملائکہ قوائے فطریہ کا نام ہے۔ صرف قصہ پیدائش آدم علیہ السلام کو لے لیجیے جس میں ملائکہ کا سوال و جواب مذکور ہے کیا یہ سوال قوائے فطریہ کی طرف سے تھا۔ قرآن کریم میں ملائکہ کے انکار اور ان کی دشمنی اور عداوت کو کفر قرار دیا گیا ہے:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ○﴾ (البقرہ:۹۸)

کیا اس آیت میں قوائے فطریہ کی دشمنی کو کفر کہا گیا ہے۔ ہم نے آج تک کسی بیوقوف کو بھی نہیں سنا کہ وہ اپنے قوائے فطریہ یعنی قوت باصرہ اور قوت سامعہ اور قوت غاذیہ اور قوت دافعہ اور قوت مفکرہ کو اپنا دشمن سمجھتا ہو۔

ان احمقوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ کیا کراماً کاتبین اور ملائکۃ الموت اور منکر ونکیر اور جنت وجہنم کے فرشتے۔ کیا ان سب سے قوائے فطریہ مراد ہیں۔

## احادیثِ صحیحہ وصریحہ

اور جن احادیث صحیحہ وصریحہ میں ملائکہ اور ان کے اقوال اور افعال اور احوال کا ذکر آیا ہے وہ شمار سے باہر ہیں اور اس قدر صریح اور واضح ہیں کہ نہ مجال انکار کی ہے اور نہ گنجائش تاویل کی ہے۔ حدیث جبریل علیہ السلام جو ایک معروف و مشہور ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے جبریل امین علیہ السلام کا آنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت کے متعلق سوال کرنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا مذکور ہے کیا یہ سب سوالات قوائے فطریہ کی طرف سے تھے جو لباس جبریلی میں نمودار ہوتے تھے۔

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ○﴾ (الکہف:۵)

**اطلاع** جاننا چاہیے کہ ملائکہ کا وجود قرآن اور حدیث سے صراحۃً ثابت ہے خان بہادر سر سید علی گڑھی اپنی تفسیر میں شدّ ومد سے وجود ملائکہ اور وجود شیاطین کا منکر ہے اور آیاتِ قرآنیہ میں عجیب عجیب تاویلیں کرتا ہے۔ سر سید نے ملائکہ اور شیاطین کے بارہ میں جو تحریفات کی ہیں ان کا مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر حقانی کے مقدمہ میں نقل کر کے ان کا ہذیان اور بکواس ہونا ثابت کیا ہے ناظرین کرام مقدمہ تفسیر حقانی جو تفسیر کے ساتھ چھپا ہوا ہے از ص ۲۰ تا ص ۶۰ ملاحظہ کریں۔

واللہ الھادی الی سواء الطریق

## وجود ملائکہ پر فلاسفۂ حال کے شبہات اور ان کے جوابات

فلاسفۂ حال چونکہ سرے سے وجود ملائکہ کے قائل نہیں اس لیے ہم ان کے چند شبہات مع جوابات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

**پہلا شبہ:**

منکرین ملائکہ کا ایک شبہ یہ ہے کہ اگر ملائکہ (فرشتے) اللہ کی کوئی مخلوق ہے اور موجود ہے تو ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتی؟

## جوابات:

① یہ ہے کہ فرشتے بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتے ایک شیشہ میں صاف وشفاف ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی تو کیا اس وجہ سے کوئی فلسفی ہوا کے وجود کا انکار کر سکتا ہے۔

② فلاسفۂ حال اس بات کے قائل ہیں کہ یہ تمام عالم ایک غیر محسوس مادہ سے بھرا ہوا ہے جسے ایتھر کہتے ہیں۔

③ نیز بہت سے اجرام ہوائی ایسے ہیں کہ آلات کے ذریعہ سے تو محسوس ہوتے ہیں بغیر آلات کے محسوس نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ امر ممکن ہے کہ ہم کسی چیز کو آلات نہ ہونے کی وجہ سے نہ دیکھ سکیں اگرچہ وہ چیز فی الواقع موجود ہے۔

کھانے میں اگر سنکھیا اور زہر ملا دیا جائے تو بسا اوقات وہ اتنا قلیل ہوتا ہے کہ انسان اس زہر کو نہ قوتِ باصرہ سے محسوس کر سکتا ہے اور نہ قوتِ شامہ سے مگر بندر اس کو سونگھ کر فوراً پہچان سکتا ہے اور نیولا تو اسے دیکھ کر ہی پہچان لیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حق جل شانہٗ نے ان کا ادراک اور احساس انسان کو عطا نہیں فرمایا اور دوسری کمتر مخلوق کو اس کا ادراک عطا فرمایا ہے تو کیا اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ فرشتوں کا ادراک اور احساس حضرات انبیاء علیہم السلام کو عطا کیا ہو اور عام انسانوں کو ان کا ادراک نہ عطا کیا ہو۔ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جانوروں کو یہ احساس دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے۔ شہد کی مکھی کبھی راستہ نہیں بھولتی یہ قوت حافظہ انسان کو نہیں دی گئی۔ چیونٹی سوراخ کی گہرائیوں میں سے مٹھائی کی خوشبو محسوس کر لیتی ہے یہ اس کی قوت شامہ ہے بندر اور بہت سے حشرات الارض اندھیرے اور اُجالے میں یکساں دیکھتے ہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ ہزاروں میل کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو بغیر ریڈیو کے نہیں سنائی دے سکتیں ہزاروں میل کی آواز سننے کے لیے اس آلہ کا ہونا شرط ہے۔ لہٰذا جس کے پاس ریڈیو نہ ہو وہ ہزاروں میل کی آواز نہیں سن سکتا اسی طرح ممکن ہے کہ فرشتوں کے دیکھنے کے لیے کوئی خاص بینائی شرط ہو جو انبیاء علیہم السلام کو عطا کی گئی ہو۔ پس جس طرح ریڈیو کا انکار معتبر نہیں اسی طرح فرشتوں کا انکار بھی معتبر نہیں۔

## دوسرا شبہ:

یہ ہے کہ فرشتے ایسے قوی تصرفات پر کیسے قادر ہوئے جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں آتا ہے جیسے کسی فرشتہ یا جن کا طرفۃ العین میں تخت بلقیس کو سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دینا یا فرشتوں کا آسمان سے زمین پر اترنا اور پھر ان کا واپس ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔

## جواب:

یہ ہے کہ فرشتے غایت درجہ لطیف اور نورانی ہیں اور لطیف اور نورانی شئے کی تاثیر بھی نہایت قوی ہوتی ہے آگ اور بھاپ اور بجلی اور پانی کی طاقتوں کا حال ہماری نظروں کے سامنے ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں عنصر خاکی کو لے لیجیے۔ جس کی دیگر عناصر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں سوائے لطافت اور کثافت کے اور کیا فرق ہے بجلی کے کرشمے آج دنیا کے سامنے ہیں پس قوم ثمود کا فرشتہ کے چیخ مارنے سے کلیجے پھٹ کر مرجانا کیوں مستبعد سمجھتے ہو۔ بارود کو دیکھئے کہ ظاہر میں کچھ نہیں مگر ذرا آگ لگے تو اس میں اتنی قوت آجاتی ہے کہ پہاڑوں کو بھی اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ بھاپ اپنی لطافت کی وجہ سے ایک پوری ٹرین کو صدہا میل کھینچ کر لے جاتی ہے اور بجلی

کی قوت سے جرثقیل کے آلات بڑے بڑے جہازوں کو اوپر اٹھا لیتے ہیں تو اگر کوئی خدا کا فرشتہ قوم لوط کی بستیوں کو اٹھا کر الٹا کر دے تو کیوں انکار کرتے ہو۔

## تیسرا شبہ:

فرشتوں کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آیات اور احادیث سے ثابت ہے لیکن عقلاً شئی واحد کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا غیر معقول ہے۔ [1]

## جواب:

لطیف شئے کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آج کل بھی مشاہدہ سے ثابت ہے مادۂ اثیریہ (ایتھر) کا مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں نمودار ہونا اہل سائنس کے نزدیک مسلم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ اے بنی آدم یہ شیطان تمہارے وجود سے پہلے ہی تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن سمجھنا دوست نہ بنانا۔

وكان الفضل بن عياض يقول يا كذاب يا مفترى اتق الله و لا تسب الشيطان فى العلانية و انت صديقه فى السر. (تفسیر قرطبی ص ۳۲۳ ج ۱٤)

"(جو شخص شیطان کو برا بھلا کہتا) تو فضیل ابن عیاضؒ اس سے یہ کہتے کہ اے کذاب اور اے مفتری اللہ سے ڈر اور اعلانیہ طور پر شیطان کو برا مت کہہ۔ حالانکہ اندرونی طور پر تو شیطان کا سچا اور پکا دوست ہے۔"

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ

اور اللہ ہے جس نے چلائیں ہیں باویں پھر ابھارتیاں ہیں بدلی پھر ہانک لے گئے ہم اس کو ایک مر گئے دیس کو

فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨ مَنْ كَانَ

پھر جلائی ہم نے اس سے زمین اس کے مر گئے پیچھے، اسی طرح ہے جی اٹھنا۔ جس کو

يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ

چاہیے عزت، تو اللہ کی ہے عزت ساری اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا اور

[1] یہ مضمون اصول اسلام مصنفہ ناچیز میں بھی مذکور ہے۔ بمناسبت مقام یہاں ناظرین کرام کی سہولت کے لیے اس کا اعادہ کر دیا گیا۔ تاکہ مضمون سابق کی تکمیل ہو جائے۔

الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ

کام نیک اس کو اٹھالیتا ہے۔ اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے ان کو مار ہے۔

شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩

سخت۔ اور ان کا داؤ ہی ٹوٹے گا۔

## ذکر دلائل توحید مع دیگر مضامین مناسبہ مقام

### مثل ترغیب خشیت وفکر آخرت وترہیب از غفلت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا... الی... وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ﴾

**ربط:** اُوپر سے توحید کا مضمون چلا آ رہا ہے اب آگے پھر اپنے عجائب صنعت اور بدائع قدرت کو ذکر کرتے ہیں تا کہ ان میں غور وفکر کریں اور عبرت پکڑیں اور سعادت اور شقاوت کو سمجھیں اور آخرت کی فکر کریں جو منزل مقصود ہے اس لیے اب آئندہ آیات میں اثبات وحدانیت اور اثبات معاد اور حشر ونشر کے لیے اپنے دلائل قدرت کو ذکر کرتے ہیں جو قیامت کا نمونہ ہیں اور اللہ وہ ذات ہے کہ جو ہواؤں کو بھیجتا ہے یعنی وہ ہواؤں کو حکم دیتا ہے پس وہ فوراً رواں ہو جاتی ہیں پھر وہ بادل کو اٹھاتی اور ہنکاتی ہیں اور پھر جہاں حکم الٰہی ہوتا ہے وہاں اس کو پہنچاتی ہیں پھر ہم اس ابر کو ہنکا کر ایک مردہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر اس کے پانی سے زمین کو زندہ کرتے ہیں بعد اس کے مردہ اور افسردہ ہونے کے اور وہ مردہ زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے مردوں کو زندہ ہو کر جی اُٹھنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بعث اور نشور کا ارادہ فرمائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک بارش نازل کرے گا جو تمام زمین پر برسے گی اور تمام مردہ جسم اپنی قبروں سے اگ اٹھیں گے جس طرح دانہ زمین سے اگتا ہے۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اس کی قدرت کے لحاظ سے یہ اور وہ سب برابر ہیں اجزاء اور سحاب کو اور اجزاء اور اعضاء کو جمع کرنا اس کے نزدیک یکساں ہے پس جس طرح زمین پانی سے زندہ ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے دن بھی مردے ایک بارش کے پانی سے زندہ ہوں گے۔ لہٰذا جو شخص اللہ کے نزدیک عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اللہ کی اطاعت اور عبودیت کو لازم پکڑے اور لباس تقوی اختیار کرے اس لیے کہ تمام تر عزت بالذات حق تعالیٰ کے لیے ہے وہی عزیز مطلق ہے اس کے ساتھ تعلق سے عزت حاصل ہوتی ہے ؎

عزیزیکہ ازور گہش سر بتافت بہر در کہ شد، ہیچ عزت نیافت

جو دُنیا اور آخرت کی عزت کا خواستگار اور طلب گار ہے تو اس کو چاہیے کہ عزیز مطلق کی عبودیت اور اطاعت اختیار کرے جس درجہ کی عبودیت اختیار کرو گے اور جس درجہ کا تقویٰ اور پرہیز گاری لازم پکڑو گے اسی درجہ کی عزت تم کو حاصل ہوگی۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ﴾ (الحجرات:۱۳)۔

سچی عزت جس میں ذلت کا شائبہ نہ ہو اللہ کی اطاعت سے ملتی ہے اور اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر اگر دُنیا میں کوئی عزت نظر

آئے تو وہ جھوٹی عزت ہے حقیقی اور سچی عزت نہیں کافروں کو جو دنیا میں عزت حاصل ہے وہ اندرونی حقیقت کے اعتبار سے ذلت ہے۔ ﴿اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا﴾ (نساء:۱۳۹)... ﴿وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝۸۱ كَلَّا﴾ (مریم:۸۱) اور جن بتوں کو تم معبود بناتے ہو ان کے نزدیک تو عزیز اور ذلیل کا کوئی فرق نہیں اور نہ وہ کسی کے کلام کو سنتے ہیں اور نہ کسی کے عمل کو وہ جانتے ہیں۔

اب آئندہ آیات میں اللہ کے یہاں عزت حاصل کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں جس کا حاصل ذکر الٰہی اور اعمالِ صالحہ ہیں یعنی قولی اور فعلی اطاعت سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اللہ ہی کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمات۔ یعنی اس کی بارگاہِ قبولیت کی جانب بلند ہوتے ہیں پاکیزہ کلمات میں ذکر اللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تلاوت قرآن اور تسبیح و تہلیل اور تحمید و تمجید سب داخل ہیں۔ اور عمل صالح کو اللہ اوپر اٹھاتا ہے اور بلند کرتا ہے جس سے بندہ کے درجے بلند ہوتے ہیں پس جس کو عزت اور علو اور رفعت درکار ہو وہ ایمان لائے اور اللہ کا ذکر کرے اور اعمالِ صالحہ بجالائے۔

**نکتہ** کلمات اور اذکار کا تعلق چونکہ ذات باری تعالیٰ سے ہے ان کا اوپر کو چڑھنا ان کا ذاتی اور طبعی اقتضاء ہے اس لیے ان کے لیے صعود کا لفظ استعمال کیا گیا اور اعمالِ صالحہ کا تعلق بندہ سے ہے جو سفلی ہے اعمالِ صالحہ کا اُوپر کو چڑھنا ذاتی اور طبعی نہیں۔ بلکہ کسی کے سہارے ہے اس لیے اعمال صالحہ کے لیے لفظ رفع کا استعمال کیا گیا جس کے معنی اُوپر اٹھانے کے ہیں جس کے لیے کوئی اٹھانے والا چاہیے اور جو لوگ اس کے خلاف طریقہ اختیار کرتے ہیں مثلاً جو لوگ مکر اور فریب اور برائیوں میں لگے رہتے ہیں ان کے لیے کوئی عزت نہیں ایسے لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے جو ان کی ذلت وخواری کا پورا سامان ہوگا اور ان مکاروں کا مکروفریب عنقریب نیست اور نابود ہو جائے گا۔ اور الٹا انہیں پر پڑے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ

اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے، پھر بوند پانی سے، پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے۔

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ

اور نہ پیٹ رہتا ہے کسی مادہ کو اور نہ وہ جنتی ہے بن خبر اس کے۔ اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا

وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝۱۱

اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔

وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ ۖۗ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ

اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے پینے میں رچتا، اور یہ کھارا

أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً

کڑوا۔ اور دونوں میں سے کھاتے ہو گوشت تازہ اور نکالتے ہو گہنا جس کو

تَلْبَسُونَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ

پہنتے ہو۔ اور تو دیکھے جہاز اس میں چلتے ہیں پھاڑتے تا تلاش کرو اس کے فضل سے

وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ⑫ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُولِجُ النَّهَارَ فِي

اور شاید تم حق مانو۔ رات پیٹھاتا ہے دن میں اور دن پیٹھاتا ہے

الَّيْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذٰلِكُمُ

رات میں، اور کام لگایا سورج اور چاند ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہرائے وعدہ پر، یہ

اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ

اللہ ہے تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے۔ اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا، مالک نہیں

مِنْ قِطْمِيرٍ ⑬ ۚ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوا

ایک چھلکے کے۔ اگر تم ان کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار۔ اور اگر سنیں

مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَ لَا يُنَبِّئُكَ

پہنچیں نہیں تمہارے کام پر اور دن قیامت کے منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتادے گا تجھ کو

مِثْلُ خَبِيرٍ ⑭ ع ۲/۷ ۱۴

جیسا بتادے خبر رکھنے والا۔

## ذکر دلیل آخر بر توحید و امکان حشر و نشر و اثبات قضاء و قدر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ . . . الٰی . . . وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ⑭﴾

اب آئندہ آیات میں امکان حشر و نشر پر ایک اور دلیل ذکر کرتے ہیں جو توحید کی بھی دلیل ہے۔ اُوپر کی آیتوں میں دلائل آفاق کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں دلائل انفس کا ذکر کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۳۳ ج ۷)

اور اللہ ہی نے پہلے تم کو یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم کو نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑا جوڑا بنایا یعنی مرد وعورت بنایا جس سے باہم جفت ہوتے ہو اور کسی کو مرد بنانا اور کسی کو عورت بنانا حالانکہ مادہ دونوں کا ایک ہے یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ جنتی ہے مگر سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ پہلے ہی سے اس کو اس کا علم ہوتا ہے اور نہیں زندگی پاتا کوئی بڑی عمر والا اور نہ کم کی جاتی ہے کسی کی عمر مگر یہ سب پہلے سے لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے ہر ایک کی عمر اللہ کے علم میں مقرر اور مقدر ہے اور یہ سب اللہ پر بہت آسان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عمر کی کمی اور زیادتی سب اللہ کی قضاء وقدر سے ہے اس دلیل میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح انسان بتدریج قوت کی منزل کو پہنچتا ہے اسی طرح اسلام بتدریج ترقی کی منزل پر پہنچے گا۔

## ذکر دلیل:

اور دو دریا برابر نہیں ایک نہایت شیریں پیاس کو بجھانے والا جس کا پانی نہایت خوشگوار ہے اور دوسرا نہایت شور اور تلخ اور پھر تم ان دونوں میں سے ہر ایک سے تازہ گوشت یعنی مچھلی کھاتے ہو یہ اللہ کی نعمت بھی ہے اور اس کی قدرت کی دلیل ہے کہ مادہ دونوں کا ایک ہے مگر مزہ مختلف ہے۔

## دلیل آخر

اور پھر خاص کر تم دریائے شور سے زیور یعنی موتی اور مونگا نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے کہ ایک دریا سے مختلف قسم کے موتی نکل رہے ہیں یہ کسی مادہ اور ایتھر کا اقتضاء نہیں بلکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے یہ سب اللہ کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ کسی دریا کا پانی شیریں بنایا اور کسی کا تلخ اور پھر دریاؤں میں مختلف قسم کی مچھلیاں اور مختلف قسم کے موتی پیدا کیے۔

## دلیل دیگر:

اور اے مخاطب دیکھتا ہے تو دریا میں کشتیوں کو کہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم ان میں سفر کر کے اللہ کے فضل کو یعنی معاش کو تلاش کرو یعنی بحری تجارت کر سکو اور تاکہ تم پھر سے اس نعمت پر خدا کا شکر کرو کہ دریا جیسی ہولناک اور خطرناک چیز کو تمہارے لیے ایک نعمت اور منفعت کا ذریعہ بنا دیا۔ غرض یہ کہ سمندر سمندر ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں لیکن ہم نے اپنی قدرت سے کسی کو میٹھا کر دیا اور کسی کو کڑوا مگر قابل انتفاع دونوں ہیں۔ دونوں میں مچھلیاں نہیں جن کو تم مزے سے کھاتے ہو اور موتی وغیرہ بھی دونوں سے نکلتے ہیں اور کشتیاں بھی دونوں میں چلتی ہیں اور تم طرح طرح سے فائدے اٹھاتے ہو یہ سب کچھ ہم نے اس لیے کیا تاکہ تم ہماری قدرت پر ایمان لاؤ اور ہماری نعمتوں کا شکر کرو اور ایمان اور عمل صالح سے ہماری بارگاہ میں عزت حاصل کرو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات میں مؤمن اور کافر کی مثال ہے کہ ان دونوں میں برابری کی کوئی صورت نہیں اس لیے کہ ایک حلاوت ایمان کی وجہ سے آب شیریں ہے اور دوسرا کفر اور معصیت کی تلخی کی بنا پر آب شور ہے۔

آں آب حیات آمد وایں نقش سراب ست　　　　این عین خطا باشد وآں محض صواب ست

## دلیل دیگر:

اور وہی خدائے برحق ہے کہ جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ سردی میں رات بڑھ جاتی ہے اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور گرمی میں دن بڑھ جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ دن رات کا مجموعہ تو چوبیس گھنٹہ ہی رہا مگر سردی میں

رات کی گھڑیوں میں زیادتی ہوگئی اور گرمی میں دن کی ساعت میں زیادتی ہوگئی۔ دن اور رات میں یہ کمی اور زیادتی یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے رات کے تاریک اجزاء کو دن میں داخل اور شامل کر کے ان کو روشن کر دیتا ہے اور بعض اوقات دن کے روشن اجزاء کو رات میں داخل اور شامل کر کے ان کو تاریک کر دیتا ہے یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے جس طرح امکنہ کا اختلاف خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے اسی طرح ازمنہ کا اختلاف بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

## دلیل دیگر:

اور اسی خدا نے سورج اور چاند کو اور تمام کواکب اور نجوم کو اپنے حکم کا تابع بنایا اسی کے حکم کے مطابق ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا۔ یعنی قیامت تک اسی طرح حرکت کرتے رہیں گے اور اپنے مقرر وقت پر طلوع و غروب کرتے رہیں گے۔ طلوع اور غروب کا اختلاف اور دن اور رات اور سردی اور گرمی کا اختلاف یہ سب کچھ شمس و قمر اور کواکب اور نجوم کی طبیعت اور مادہ کا اقتضاء نہیں اور نہ ان کی ذاتی تاثیر ہے بلکہ سب خداوند قدیر کی تسخیر ہے اس دلیل میں اشارہ اس طرف ہے کہ رات اور دن کی طرح کبھی کفر کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی اسلام کا۔ اللہ کے یہاں ہر ایک کی مدت مقرر ہے۔ یہی تمہارا خدائے پروردگار ہے جس کی قدرت اور نعمت کے کرشمے تمہاری نظروں کے سامنے ہیں اسی کے لیے بادشاہی ہے اسی کی اطاعت میں اور اسی کے ذکر میں عزت ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ اس قدر حقیر اور ذلیل ہیں کہ ایک گٹھلی پر جو باریک چھلکا ہوتا ہے اس کے بھی مالک نہیں ایک حقیر اور فقیر کو اپنا حاجت روا بنانا سراسر ذلت ہے یہ بت تو ایسے عاجز ہیں کہ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ یہ تو دُنیا میں ان کا حال ہوا اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا صاف انکار کر دیں گے بلکہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے۔ ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○﴾ (الاحقاف:۶) اور کہیں گے ﴿مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾ (یونس:۲۸)۔

اور ہم نے تم کو شرک کی حقیقت اور انجام سے آگاہ کر دیا ہے ہوش میں آجاؤ۔ خداوند خبردار کی طرح کوئی تم کو آگاہ نہیں کر سکتا۔ اگر دُنیا اور آخرت کی عزت چاہتے ہو تو خداوند علیم و خبیر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔

## فائدہ جلیلہ:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آفتاب و ماہتاب حسب حکم خداوندی گردش کرتے رہتے ہیں۔ فلاسفہ مغرب نے ایک شوشہ یہ چھوڑا ہے کہ آفتاب زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔

## جوابات:

① یہ ہے کہ فلاسفہ مغرب کا یہ خیال محض ایک تخمینہ اور اٹکل ہے جس پر کسی قسم کی بھی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ (الزخرف:۲۰) یہ کفار محض اٹکل سے باتیں کرتے ہیں اگر فلاسفہ مغرب کا یہ خیال صحیح ہوتا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے تو لامحالہ زمین کے گھومنے سے قطب ستارہ ضرور متبدل ہوتا رہتا حالانکہ وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتا ہے اور ٹھیک اسی جگہ رہتا ہے جہاں پہلے تھا بلکہ جو لوگ زمین کے شمال اور جنوب میں رہتے ہیں ہر ایک کی جہت متبدل ہو جانی چاہیے۔ حالانکہ تمام سال میں ہم کسی وقت کسی کی جہت کو متبدل نہیں پاتے پس ثابت ہوا کہ زمین کی گردش کا خیال بالکل غلط ہے۔

② نیز اگر زمین گردش کرتی تو لازم تھا کہ دریاؤں اور کنوؤں کے پانے منقلب ہو جاتے بلکہ گھڑوں اور کٹوروں کے پانی پلٹ جاتے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ کرۂ زمین آفتاب کے گرد بہت زور سے چکر لگاتا ہے۔ بالکل غلط اور باطل ہے۔

③ نیز جدید فلاسفہ کے نزدیک آفتاب سے زمین تک ساڑھے نو کروڑ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ بھی محض اٹکل ہے جس پر دلیل کوئی نہیں نہ عقلی اور نہ تجربی پس اگر زمین آفتاب کے گرد گردش کرے تو زمین اس گردش سے آفتاب کے گرد جو دائرہ بنائے گی وہ ستاون کروڑ سے زیادہ کا دورہ ہوگا لہٰذا فلاسفہ عصریہ بتلائیں کہ آپ کو ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلہ کا اور ستاون کروڑ سے زیادہ دورہ کا علم کیسے ہوا اس بارے میں آپ کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل تجربی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑮

لوگو! تم ہو محتاج اللہ کی طرف۔ اور اللہ وہی ہے بے پروا سب خوبیوں سراہا۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑯ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

اگر چاہے تم کو لے جاوے اور لے آوے ایک نئی خلقت۔ اور یہ اللہ پر

بِعَزِيْزٍ ⑰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى

مشکل نہیں۔ اور نہ اٹھاوے کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے کوئی بوجھوں مرتا اپنا بوجھ

حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ

اٹھانے کا کوئی نہ اٹھاوے اس میں سے کچھ، اگرچہ ہو ناتے والا تو تو ڈر سنا دیتا ہے ان کو جو

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى

ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے۔ اور کھڑی رکھتے ہیں نماز۔ اور جو کوئی سنورے گا، تو یہی کہ سنورے گا

لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ⑲ۙ

اپنے بھلے کو۔ اور اللہ کی طرف ہے پھر جانا۔ اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا۔

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ⑳ۙ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ㉑ ۚ وَمَا يَسْتَوِي

اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا اور نہ سایہ اور نہ لون۔ اور برابر نہیں

الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ

جیتے اور نہ مردے۔ اور اللہ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنانے والا

مَّنۡ فِي الۡقُبُوۡرِ ㉒ اِنۡ اَنۡتَ اِلَّا نَذِيۡرٌ ㉓ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا

قبر میں پڑوں کو۔ تو تو یہی ہے ڈر کی خبر سنانے والا ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دے کر، خوشی

وَّنَذِيۡرًا ؕ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ㉔ وَاِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ

اور ڈر سناتا۔ اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈرانے والا۔ اور اگر وہ تجھ کو جھٹلاویں

فَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۚ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ

تو آگے جھٹلا چکے ہیں ان سے اگلے پہنچے ان پاس رسول اُن کے لے کر کھلی باتیں

وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ㉕ ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَكَيۡفَ

اور ورق اور چمکتی کتاب۔ پھر پکڑا میں نے منکروں کو، تو کیسا ہوا

كَانَ نَكِيۡرِ ㉖ ع

ع ۳ ۱۲ ۱۵

بگاڑ میرا

## ذکر فقر واحتیاج بشر واستغناء خداوند برو بحر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ ... الی ... فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ㉖﴾

**ربط**: اُوپر سے منکرین توحید کا رد چلا آ رہا ہے اب یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ متکبر اور مغرور ہیں اور دراہم معدودہ کے نشہ میں چور ہیں اور خدا کی پکڑ سے بے فکر ہیں اور اس کی یاد سے دُور ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ کل عالم اپنے وجود میں اور اپنی بقاء میں اللہ کا محتاج ہے اور خاص کر انسان تو سب سے زیادہ حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے اور خداوند ذوالجلال۔ غنی مطلق اور بے نیاز مطلق ہے جب چاہے پکڑ سکتا ہے اللہ کو نہ کسی کے مال و دولت کی حاجت ہے اور نہ کسی کی عبادت کی حاجت ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے پس اگر تم کو دُنیا اور آخرت کی عزت مطلوب ہے تو اس کا ذریعہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ بندہ سر سے پیر تک حاجتوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ خدائے برحق کے تعلق ہی سے اس کو عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے لوگو! تمام مخلوقات میں تم ہی سب سے زیادہ اللہ کے محتاج ہو آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات اور ہوا اور پانی کے بغیر تم زندہ نہیں رہ سکتے اور کمال احتیاج کمال ذلت کی دلیل ہے ہر مخلوق اللہ کی محتاج ہے مگر انسان کے برابر کوئی محتاج نہیں دُنیا سے اگر انسان معدوم ہو جائے تو کسی مخلوق کا کوئی نقصان نہیں لیکن اگر ہوا اور پانی اور حیوانات اور نباتات میں سے کسی چیز کی کمی ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا پس تمام مخلوقات میں سے کمال احتیاج انسان ہی میں منحصر ہے اور کمال حاجت کمال ذلت کی دلیل اور علامت ہے اور اللہ ہی ہر طرح بے نیاز ہے اسے تمہاری عبادت اور بندگی کی بھی حاجت نہیں۔ اور وہ

ہر طرح ستودہ ہے اور کمال بے نیازی اور کمال ستودگی یہی کمال عزت ہے کہ تمام مخلوق ہر حال میں اس کی محتاج ہے اور اس کے سامنے ذلیل وخوار ہے وہ غنی مطلق اگر چاہے تو تم کو صفحہ ہستی سے لے جائے اور تم سب کو عدم اور فنا کے گھاٹ اتار دے اور تمہارے بدلہ میں دوسری مخلوق لے آوے جو اللہ کی اطاعت کرے اور تمہاری طرح اس کی نافرمانی نہ کرے اور یہ بات اللہ پر کچھ دشوار نہیں بلکہ بہت آسان ہے جس مخلوق کو چاہے مٹائے اور جس کو چاہے پیدا کرے۔ لہٰذا تم کو اس عزیز مطلق کے قہر اور غضب سے ڈرنا چاہیے اور خوب سمجھ لو کہ قیامت کے دن تمہاری محتاجی اور لاچارگی میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گا۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ خدا کے قہر اور غضب کے بوجھ کو اٹھا سکے دنیا میں تو دوسرے کا بوجھ اٹھانا ممکن ہے۔ مگر آخرت میں یہ ممکن نہیں اور اگر کوئی نفس جو اپنے گناہوں سے مر رہا ہو کسی دوسرے کو اپنا بوجھ بٹانے کے لیے پکارے تو اس میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا۔ اگر چہ وہ اس کا قرابتی ہو کوئی کسی کا جواب بھی نہ دیگا ہر ایک اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار ہو گا حتیٰ کہ اولاد بھی ماں باپ سے عذر کرے گی کہ ہم میں آپ کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں۔

**فائدہ:** اور قرآن وحدیث میں جو یہ آیا ہے جو دوسروں کو گمراہ کرے گا اور وہ اس کے کہنے سے گنہگار ہو گا تو اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس کی گردن پر لادا جائے گا سو وہ درحقیقت دوسرے کا بوجھ نہیں بلکہ اپنے اغواء اور بہکانے کا بوجھ ہے جس کو یہ اٹھائے گا اور یہ بوجھ اسی کے فعل کا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ (العنکبوت: ۱۳) مُضلّین پر دوہرا بوجھ ہوگا ایک اپنے ذاتی گناہوں کا اور دوسرا بوجھ دوسروں کے اضلال اور اغواء کا۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ آپ ﷺ کی یہ ہدایت اور نصیحت اگر چہ انذار کامل ہے یعنی پورا ڈرانا ہے مگر ان ضدی اور عنادی لوگوں کے حق میں مؤثر اور کارگر نہیں جو آخرت کے منکر ہیں جز ایں نیست کہ آپ کا انذار یعنی آپ ﷺ کا ڈرانا اور نصیحت کرنا انہیں لوگوں کے حق میں مفید ہے جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں اور ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں ایسے لوگ گناہوں کے بوجھ سے پاک اور ہلکے ہو جاتے ہیں اور جو شخص ایمان لا کر اور اعمالِ صالحہ کر کے پاکی حاصل کرے تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاکی حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو غنی حمید ہے اس کو اس کی پاکی سے کوئی نفع نہیں اور سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اس وقت ایمان اور عمل صالح کا فائدہ حاصل ہوگا جو کفر اور معصیت سے پاک ہوگا وہ جنت میں جا سکے گا اور جس نے دنیا میں اللہ کے سامنے عاجزی اور مسکنت کی ہوگی اس کو وہاں عزت حاصل ہوگی۔ اب آئندہ آیت میں مؤمن اور کافر کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے یعنی جیسے اندھا اور بینا یکساں نہیں اسی طرح مؤمن اور کافر بھی یکساں نہیں جیسے نابینا سیاہی اور سفیدی کے فرق کے ادراک سے قاصر ہے اسی طرح کافر حق اور باطل کے فرق کے ادراک سے قاصر ہے۔ بینا اور نابینا اگر چہ بہت سے اوصاف میں ایک دوسرے کے شریک ہیں لیکن دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جیسے عالم اور جاہل میں فرق ہے اسی طرح مؤمن اور کافر میں بھی فرق ہے اور نہ تاریکیاں اور روشنی برابر ہیں یعنی باطل اور حق برابر نہیں اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہیں یعنی ثواب اور عقاب برابر نہیں اور زندہ اور مردے برابر نہیں مؤمن روح ایمان سے زندہ ہے اور کافر روح ایمان سے خالی ہونے کی وجہ سے مردہ اور بے جان ہے۔ اور مردوں کو زندہ کرنا اور ان کو سنانا خدا کی قدرت میں تو ہے مگر بندہ کی قدرت نہیں کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو سنائیں جو قبروں میں مردہ پڑے ہوئے ہیں۔ نبی کا کام یہ ہے کہ اللہ کا پیغام کافروں کے کان تک پہنچا دے باقی کافروں کے مردہ دلوں کا زندہ کرنا یہ نبی کی قدرت میں

نہیں۔اے نبی! آپ تو فقط ڈرانے والے اور خدا کی خبر پہنچانے والے ہیں۔ایمان کی روح کسی کے دل میں ڈال کر اس کو زندہ کر دینا اور اس کو سنا دینا اور منوا دینا یہ آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں یہ ہمارا کام ہے اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی بات کو نہ مانیں تو غم نہ کریں۔باقی احادیث میں جو مردوں کو سلام اور کلام کا خطاب آیا ہے سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں جو پڑا ہے وہ اس کا دھڑ ہے وہ نہیں سنتا۔(باقی مفصل بحث سورۂ نمل کے اخیر میں گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے)

ابتدائے کلام میں مؤمن اور کافر کو اعمی اور بصیر کے ساتھ تشبیہ دی یہ تشبیہ باعتبار باطن کے تھی اور اخیر آیت میں زندہ اور مردہ کے ساتھ تشبیہ دی اور یہ تشبیہ پہلی تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہے۔اس تمام کلام سے مقصود آنحضرت ﷺ کی تسلی اور تسکین ہے کہ آپ کا کام کلام حق کو ان کے کانوں تک پہنچا دینا ہے باقی دل میں اتارنا یہ ہمارا کام ہے تحقیق ہم نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا جن کے دل زندہ ہیں یا جن میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہے وہ کچھ سن لیں گے اور آپ ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجنا یہ کوئی عجیب بات نہیں آپ سے پہلے کوئی اُمت ایسی نہیں کہ جس میں خدا کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔پھر ان میں بھی بکثرت کافر گذرے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی اُمت میں بھی جو مردہ دل ہیں وہ ایمان نہ لاویں گے۔اور اگر قریش مکہ آپ کی تکذیب کریں تو نہ تعجب کیجیے اور نہ غم کیجیے ان سے پہلے لوگ بھی پیغمبروں کی تکذیب کر چکے ہیں ان کافروں کے پاس بھی ان کے رسول واضح معجزات اور اللہ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے مگر ان کی قوموں نے بھی کفر کیا تو پھر پکڑا میں نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا۔پس دیکھ لو کہ میرا عذاب ان پر کیسا ہوا ان آیات سے مقصود آپ ﷺ کی تسلی ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں ہر پیغمبر کی آمد کے بعد لوگ دو گروہ ہو گئے۔بعضے ایمان لائے اور بعضوں نے تکذیب کی اور اپنے انجام کو پہنچے ان سب کے بعد ہم نے آپ کو یہ کتاب منیر (قرآن کریم) دی اگر یہ لوگ اس کی تکذیب سے باز نہ آئے تو ہو سکتا ہے کہ ان کا بھی وہی انجام ہو۔

| |
|---|
| اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا |
| تو نے نہ دیکھا؟ کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی ، پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح |
| اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا |
| ان کے رنگ، اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح ان کے رنگ، |
| وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ |
| اور بھجنگ کالے۔ اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپایوں میں کئی |
| اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ |
| رنگ کے ہیں اسی طرح۔ اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔ تحقیق اللہ |

عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

زبردست ہے بخشنے والا۔

## تہدید بر غفلت از عدم نظر در آثار قدرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً... الٰی... اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾﴾

**ربط:** اُوپر سے توحید کا مضمون چلا آ رہا ہے۔ اب ان آیات میں منکرین توحید کی تہدید ہے کہ آثار قدرت ان کی نظروں کے سامنے ہیں اگر ذرا نظر اٹھا کر دیکھیں تو فوراً سمجھ میں آ جائے کہ توحید حق ہے اور شرک باطل ہے اور مخلوقات میں جو اختلاف اور تفاوت ہے وہ سب اسی کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے کسی بے شعور مادہ ایتھر اور نیچر کا اثر نہیں اس لیے آئندہ آیات میں پھر اپنی انواع قدرت کو ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی شئے سے مختلف قسم کی چیزیں پیدا کرتا ہے کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اسی ایک پانی سے زمین سے قسم قسم کے پھل نکالے جن کی رنگتیں مختلف ہیں اور ہر ایک کا مزہ اور اس کی خوشبو دوسرے سے جدا ہے۔ باعتبار کیت کے اور باعتبار کیفیت کے اور باعتبار صورت کے اور باعتبار لذت کے ہر پھل دوسرے پھل سے مختلف ہے حالانکہ مادہ سب کا ایک ہے اور اسی طرح پہاڑوں میں مختلف قسم کی اور مختلف رنگتوں کی راہیں اور گھاٹیاں ہیں بعضی سفید اور بعضی سرخ اور طرح طرح ان کے رنگ ہیں اور بعضے بہت سخت سیاہ ہیں اور ہر ٹکڑے کی تاثیر مختلف ہے اسی طرح دلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ اور اسی طرح لوگوں میں سے اور حیوانات میں سے اور چوپایوں میں سے مختلف رنگ والے ہیں جس طرح لوگوں کی اَلسنہ اور الوان یعنی ان کی زبانیں اور رنگتیں مختلف ہیں اسی طرح دواب اور انعام کی ایک جنس بلکہ ایک نوع کی رنگتیں مختلف ہیں یہ سب خدا کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ اصل مادہ سب کا ایک ہے مگر صفات اور کیفیت مختلف ہیں ظاہر ہے کہ یہ اختلافات خود بخود تو پیدا نہیں ہو گئے حالانکہ مادہ سب کا ایک ہے تو یہ بوقلمونی کہاں سے آئی اور علیٰ ہذا زمین کے ٹکڑوں میں اختلاف کہ کسی زمین سے زعفران پیدا ہوتا ہے اور کسی سے انار اور انگور اور جھڑ بیر۔ یہ اختلاف بھی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے ورنہ طبیعت اور مادہ میں سب یکساں ہیں اور علت فاعلیہ بھی سب کی ایک ہے معلوم ہوا کہ یہ رنگ برنگ کا اختلاف اس کی قدرت کی گلکاری ہے۔

اسی طرح بندوں کے احوال * مختلف ہیں کوئی خدا سے ڈرتا ہے اور کوئی نہیں ڈرتا۔ جز ایں نیست کہ اللہ کے بندوں میں سے بن دیکھے اللہ سے صرف وہی لوگ ڈرتے ہیں جو صاحب علم اور صاحب فہم ہیں جو اللہ کی شان عظمت کو جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں وہی خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جس درجہ کا علم اور معرفت ہے اسی درجہ کی خشیت ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) پس عند اللہ کرامت اور فضیلت بقدر تقویٰ

---

* قال الامام القرطبی فی تفسیر قولہ تعالیٰ: ﴿كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ قولہ کذالک ھنا تم الکلام ای کذلک تختلف احوال العباد فی الخشیۃ ثمّ استانف فقال: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۴۳ ج ۱۴)

ہے اور تقویٰ بقدر علم ہوتا ہے نہ بقدر عمل۔ پس جس کا علم اور اس کی معرفت زیادہ ہوگی اسی کو اللہ کا خوف زیادہ ہوگا اور جس کا علم کمتر ہوگا اس کا خوف بھی کمتر ہوگا حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا علم رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کا خوف رکھتا ہوں۔ (رواہ البخاری) اور جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو اس کا علم بھی کم ہو جاتا ہے۔

علم چند آنکہ بیشتر خوانی  چوں عمل در تو نیست نادانی

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ علم تو ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندے کے قلب پر ڈال دیتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی نور سے مراد نور فہم اور نور معرفت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ (العنکبوت: ۴۳) معلوم ہوا کہ عالم وہ ہے جو عاقل اور فاہم ہو بغیر عقل اور فہم کے محض الفاظ قرآنی اور الفاظ نبوی کو یاد کر لینے کا نام علم نہیں اللہ کے نزدیک عالم وہ ہے جو اللہ کی عظمت شان اور جلالت قدر کو جانتا ہو اور اس سے ڈرتا ہو اور اس کے احکام پر چلتا ہو باقی جو شخص رسمی طور پر عالم اور فاضل کہلاتا ہو مگر خدا سے نہ ڈرتا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔

آیت میں خشیت سے خوف تعظیم مراد ہے یعنی دل پر خدا کی عظمت اور جلال کا خوف اس قدر غالب ہو کہ ہر وقت اس بات سے ڈرتا رہتا ہو کہ حقوق ربوبیت میں کوئی تقصیر نہ ہو جائے اور کوئی بات خلاف ادب نہ سرزد ہو جائے اور حدود و فرائض سے قدم باہر نہ ہو جائے۔

بے شک اللہ بڑی عزت والا ہے جو اس سے نہ ڈرے اسے پکڑنے والا ہے اور جو بندہ اس سے ڈرے اور اپنی تقصیر پر توبہ کرے تو اسے معاف کرنے والا ہے پس جس ذات کی یہ شان ہے اس سے خوف اور خشیت فرض اور لازم ہے۔

## لطائف و معارف

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ جز ایں نیست کہ خدا کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں اس آیت میں علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو اللہ کی عظمت اور جلال کا اور اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا علم ہو۔ اور پھر وہ اللہ کے حکموں پر چلتے ہوں جس درجہ کا علم ہو اسی درجہ کا اس کو خوف ہوگا۔ خشیتِ خداوندی علم اور معرفت پر موقوف ہے۔ علم خشیت کے لیے شرط ہے مگر علت تامہ نہیں جیسے طہارت نماز کے لیے شرط ہے مگر نماز کے لیے علت تامہ نہیں اور جس علم کے بعد خوف خداوندی حاصل نہ ہو تو سمجھ لو کہ وہ علم اللہ کے نزدیک معتبر نہیں اور ایسے عالم جو خدا سے نہ ڈرتے ہوں وہ اللہ کے نزدیک عالم نہیں اگرچہ دنیا ان کو علامہ کہتی ہو۔

علم چند آنکہ بیشتر خوانی  چوں عمل در تو نیست نادانی

نیز علم سے وہ علم مراد نہیں جو محض قال کے درجہ میں ہو بلکہ وہ علم مراد ہے جو حال کے درجہ میں ہو اور ظاہر و باطن اس کے رنگ میں رنگین ہو گیا ہو۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً﴾ (البقرہ: ۱۳۸)

علمے کہ راہ حق ننماید جہالتست

علم رابر دل زنی یارے بود  علم رابرتن زنی مارے بود
جان جملہ علمہا این است ایں  کہ بدانی من کیستم در یوم دیں

علم دین سے مقصود تزکیۂ نفس اور اصلاح عمل ہے ورنہ ہیچ ہے۔ جیسے علم طب سے مقصود جسمانی صحت کی حفاظت ہے محض دواؤں کے نام اوران کے خواص یاد کر لینا مقصود نہیں یہ ناممکن ہے کہ واقع میں کوئی شراب پیے اوراس کونشہ نہ ہو۔ اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی حقیقتاً علم دین کا ایک جام پیے اوراس پر دین کا نشہ اورسکر نہ آئے۔ عالم دین خدا کے نزدیک وہ ہے کہ علم دین اس کے دل میں گھر کر گیا ہومحض باتیں بنانے اور لمبی تقریر کرنے سے اللہ کے نزدیک عالم نہیں ہوجاتا اگر واقع میں دل میں خشیت اور خوف خداوندی ہوتا تو معاصی پر جرات نہ کرتا۔ حدیث میں ہے: ((اللّٰھم انی اسألك من خشیتك ماتحول به بینی وبین معاصیك))۔

معلوم ہوا کہ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس سے بندہ اور معصیت کے درمیان حیلولت واقع ہوجائے اور اگر اسے یہ خشیت حاصل نہیں کہ جو عاصی اور معاصی کے درمیان حائل ہوتو سمجھ لو کہ اسے صحیح علم بھی حاصل نہیں عالم کو چاہیے کہ رسمی طور پر تحصیل علم کو مقصود نہ جانے بلکہ خشیت کو مقصود جانے۔ اور تحصیل خشیت کا اہتمام کرے اور خشیت مقصودہ اور مطلوبہ وہ ہے جو نفس اور شیطان اور معصیت سے حجاب بن جائے۔

**نکتہ :** اس آیت میں لفظ ﴿اِنَّمَا﴾ آیا ہے جو قصر اور حصر کے لیے ہے بظاہر ﴿اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ خشیت الٰہیہ صرف علماء میں منحصر ہے یعنی جہلاء کو خشیت نہیں ہوتی۔ سو جاننا چاہیے کہ اس آیت میں کلمہ ﴿اِنَّمَا﴾ ایسا ہے جیسے ﴿اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾ میں لفظ ﴿اِنَّمَا﴾ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ﴿تَذَکُّر﴾ کے لیے عقل کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر عقل کے تذکر ممکن نہیں اسی طرح اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خشیتِ خداوندی کے حصول کے لیے خدا کی عظمت اور جلال کا علم ضروری ہے خواہ وہ علم تعلم سے حاصل ہوجائے یا کسی کی فیض صحبت سے یا حق تعالیٰ کی توفیق سے یا اس کی عنایت سے یا کسی باطنی جذبہ سے۔

**نکتہ دیگر:** ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَفُوۡرٌ﴾ یعنی اللہ بڑی عزت والا اور غلبہ والا اور بڑا زبردست ہے لہٰذا اس سے ڈرنا چاہیے۔ اور وہ بڑا بخشنے والا ہے وہ اپنے سے ڈرنے والوں کو بخش دیتا ہے عزیز کے لفظ سے خشیت کی ضرورت کو بیان کیا اور غفور کے لفظ سے خشیت کے ثمرہ کو بیان فرمایا۔

**نکتہ دیگر:** عزیز کے بعد غفور کا لفظ اس لیے فرمایا تاکہ غلبہ خوف سے نا اُمیدی کی کیفیت نہ پیدا ہوجائے۔ نا اُمیدی سے بچانے کے لیے اپنی مغفرت اور رحمت کی اُمید دلائی۔ اشارہ اس طرف ہے کہ شان عزت وحکومت کی بنا پر اول کچھ باز پرس ہوگی مگر بعد میں انتہا رحمت پر ہوگی۔ لہٰذا تم مایوس نہ ہونا۔ اپنے ایمان کو خوف اور رجاء کے درمیان رکھو اس کی عزت وجلال پر نظر کر کے ڈرتے رہو بے فکر نہ ہوجاؤ اور اس کی مغفرت اور رحمت پر نظر رکھو اور اس سے ناامید نہ ہوجاؤ۔

**نکتہ دیگر:** ﴿اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا﴾ وجہ اس قصر اور حصر کی یہ ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ اور انبیاء سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں پس جس عالم میں خوف خداوندی نہ ہو وہ انبیاء کا وارث نہیں اور آیت میں علماء سے وہی علماء مراد ہیں جو علم اور عمل دونوں میں انبیاء کے وارث ہوں محض رسمی علماء مراد نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ خوف خداوندی سے دین بھی درست ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ لہٰذا اگر ایسی پاکیزہ زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو تو علم دین حاصل کرو اور اس پر عمل کرو یہاں تک کہ وہ عمل تمہارا حال ہوجائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کیا کچھ ہمارا دیا

سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ

چھپے اور کھلے امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جو کبھی نہ ٹوٹے۔ تا پورے دے اُن کو نیگ اُن کے

وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ

اور بڑھتی دیوے اپنے فضل سے، تحقیق وہ ہے بخشنے والا قبول کرتا۔ اور جو ہم نے تجھ پر اتاری

اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کتاب، وہی ٹھیک ہے سچا کرتی آپ سے اگلی کو۔ مقرر اللہ اپنے

بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا

بندوں سے خبر رکھتا ہے دیکھتا۔ پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ جو چنے ہم نے اپنے

مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ

بندوں میں سے، پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر، اور کوئی ان میں ہے کہ

سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ ؕ جَنّٰتُ

آگے بڑھ گیا لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی۔ باغ ہیں

عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ

بسنے کے، جن میں جاویں گے وہاں گہنا پہنائے گا ان کو کنگن سونے کے اور موتی۔

وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا

اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہے۔ اور کہیں گے شکر اللہ کا جس نے دور کیا ہم سے

الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ لا الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ

غم۔ بیشک ہمارا رب بخشتا ہے قبول کرتا۔ جس نے اتارا ہم کو رہنے کے گھر میں

مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ

اپنے فضل سے۔ نہ پہنچے اس میں ہم کو مشقت، اور نہ پہنچے ہم کو اس میں تھکنا۔ اور جو

كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ

منکر ہیں ان کو ہے آگ دوزخ کی، نہ ان پر تقدیر پہنچتی ہے کہ مر جاویں اور نہ ان پر ہلکی ہوتی ہے

عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿٣٦﴾ ۚ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ

وہاں کی کچھ کلفت، یہی سزا دیتے ہیں ہم ہر ناشکر کو۔ اور وہ چلاتے ہیں

فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ

اس میں اے رب! ہم کو نکال، کہ ہم کچھ بھلا کام کریں، وہ نہیں جو کرتے تھے، کیا

نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا

ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو جتنے میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو، اور پہنچا تم کو ڈر سنانے والا۔ اب چکھو کہ کوئی نہیں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾ ع

گنہگاروں کا مددگار۔

## مدح وثناء علماء وصلحاء اُمت وتوصیف وشان علم نبوت وترغیب برتجارت آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ ... الی ... فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾﴾

**ربط**: گزشتہ آیت یعنی ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ میں علماء کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں علماء کی اور ان مؤمن بندوں کی مدح فرماتے ہیں جو کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے وارث وہی علماء ہیں جو نبی کے علم پر عمل بھی کرتے ہیں اور ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ امت کے طبقات مختلف ہیں: ① بعض نہایت پسندیدہ اور سابق بالخیر ہیں اور ② بعض ظالم ہیں اور ③ بعض درمیانہ ہیں۔ منزل مقصود سب کی آخرت ہے اور یہ دنیا دار تجارت ہے اور پہلا گروہ اس تجارت میں سب سے زیادہ کامیاب ہے اور یہ سابق بالخیرات کا گروہ ہے جو فضیلت اور مرتبہ میں سب سے فائق ہے اور دوسرا گروہ مقتصد (درمیانہ) ہے

اللہ ان کی کوتاہیوں کو معاف کرے گا۔

اس لیے اب آئندہ آیات میں آخرت کی تجارت اور اس کی کامیابی کا طریقہ بتلاتے ہیں تحقیق جن بندوں کی یہ صفت ہے کہ وہ یہ سمجھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں کہ یہ ہمارے پروردگار کی نازل کردہ کتاب ہے اور اس کے موافق عمل بھی کرتے ہیں اور اس کے احکام کے پیچھے پیچھے ❁ چلتے ہیں اور نماز بھی درست رکھتے ہیں یعنی اس کی پابندی کرتے ہیں اور اس کے حقوق ادا کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ظاہر اور پوشیدہ طور پر ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اگر پوشیدہ خرچ کرنے کا موقع ہے تو پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور اگر اعلانیہ خرچ کرنے کا موقع ہے تو اعلانیہ خرچ کرتے ہیں جس طرح بھی میسر ہوا اگرچہ عام طور پر افضل صدقہ وہی ہے جو پوشیدہ ہوا ایسے ہی لوگ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کوئی خسارہ نہ ہوگا اس سے آخرت کی تجارت مراد ہے اور اس تجارت کا انجام اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان تاجران آخرت کو پورا پورا اجر دیں گے بلکہ اپنے فضل سے اور زیادہ دیں گے جتنے کا استحقاق ہے اس سے زیادہ ملے گا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت فرمانے والے ہیں۔ کوتاہیوں سے درگذر فرماتے ہیں اور بڑے قدردان ہیں کہ وہم وگمان سے بڑھ کر دیتے ہیں لہٰذا جو تم کو ملے اس کو خدا کا فضل سمجھو اپنا استحقاق نہ سمجھو۔

اس آیت میں آخرت کی تجارت کے نفع اور کامیابی کی اُمید کا طریقہ بتلایا کہ ان تین کاموں کے کرنے سے آخرت کی تجارت میں کامیابی کی اُمید اور توقع ہے۔ ① ایک تلاوت قرآن پاک جو تمام اذکار اور عبادات نافلہ کی جڑ ہے اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے اور خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف ہے۔ ② دوسرے نماز کی درستی اور پابندی جو تمام فرائض اور جسمانی عبادتوں کی جڑ ہے اور دین کا ستون ہے اور ③ تیسرے ظاہر اور پوشیدہ طور پر خیرات وصدقات کرنا جس میں تمام مالی عبادتیں آگئیں سو جو لوگ یہ تین کام کرتے ہیں وہ اُمید رکھتے ہیں کہ ان کی تجارت میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا معلوم ہوا کہ توقع اور امید کے لیے عمل ضروری ہے ورنہ بغیر عمل کے نہ تجارت ہے اور نہ کوئی اُمید کی جاسکتی ہے بغیر عمل کے اُمید اور توقع نہیں بلکہ محض تمنا اور آرزو ہے بغیر زراعت کے پیداوار کی توقع رکھنا اس کا نام اُمید نہیں بلکہ ایک خیال خام ہے اسی طرح بغیر اعمال صالحہ کے رحمت اور مغفرت کی امید رکھنا یہ امید نہیں بلکہ ایک خیال خام ہے۔ (ماخوذ از رجاء الغیوب ملقب بہ صحیح امید وعظ نمبر ۷ ۱۴۔ از مواعظ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ از سلسلۂ تبلیغ)

**حکایت** امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حق جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا کہ آپ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ قریبی راستہ کون سا ہے فرمایا تلاوت قرآن یعنی قرآن کا اور میرے کلام کا پڑھنا۔ عرض کیا: بِفَهمٍ اَوْ بِلَافَهمٍ۔ سمجھ کر یا بلا سمجھ کر۔ ارشاد ہوا بِفَهمٍ اَوْ بِلَافَهمٍ۔ یعنی سمجھ کر ہو یا بلا سمجھ کر ہو۔ دونوں طرح موجب قرب ہے یہاں تک توحید کا مضمون بیان ہوا۔ اب نبوت ورسالت کا مضمون بیان کرتے ہیں۔ اور اے پیغمبر جو کتاب ہم نے وحی کے ذریعہ تجھ پر نازل کی ہے وہی حق ہے اور اپنے سے پہلی نازل کردہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئی تھی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حال جاننے والا اور دیکھنے والا ہے کہ کون اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب کرتا ہے اور کون اس کا اتباع کرتا ہے اور کون اس سے انحراف کرتا ہے پھر پیغمبر کے بعد ہم نے اپنے بندوں میں سے اس آخری کتاب ہدایت کا یعنی قرآن کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے دُنیا

---

❁ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿ يَتْلُوْنَ ﴾ کا مادہ تلاوت بھی ہے جس کے معنی قراءت کے ہیں اور تلو بھی ہے جس کے معنی اتباع اور پیروی اور پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں اور آیت میں جو لفظ یتلون آیا ہے وہ دونوں معنی کو شامل ہے اس لیے کہ محض تلاوت اور محض قراءت بدون عمل اور اتباع کے چنداں مفید نہیں۔ واللہ اعلم

میں سے اسی میراث کے لیے منتخب کیا یعنی ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو یعنی اہل ایمان کو اس قرآن کا وارث بنایا یعنی ہم نے ایسی اُمت کو اس کتاب ہدایت وسراپا خیر وبرکت کا وارث بنایا جو مجموعی ہیئت سے تمام امتوں سے بہتر اور برتر ہے اور ایمان لانے والے کافروں کے لحاظ سے برگزیدہ ہوتے ہیں لیکن اس کے سب افراد یکساں نہیں ان کی تین قسمیں ہیں ان میں سے بعض تو ظالم ہیں کہ فرائض اور واجبات کے بھی تارک ہیں باوجود ایسی کتاب کے وارث ہونے کے پھر بھی برائیوں اور گناہوں سے دستکش نہیں ایمان کے ساتھ گناہ بھی کرتے ہیں اور اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں اور گناہوں کے بعد توبہ بھی کر لیتے ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ﴾ (التوبہ:۱۰۶)

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝﴾ (الزمر:۵۳)

اور بعض ان میں سے متوسط اور درمیانہ رو ہیں نہ تو پورے اطاعت گذار اور نہ بالکل گناہوں میں غرق کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ﴾ (التوبہ:۱۰۲) اور بعض ان میں سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور آگے بڑھنے والے ہیں جو میدان اطاعت میں سب سے آگے نکل گئے یہ اللہ کے کامل بندے ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں اوروں سے سبقت لے گئے یہ گروہ جنت میں بلا حساب وکتاب داخل ہوگا۔ اور مقتصد یعنی میانہ رو سے محاسبہ ہوگا اور ظالم اپنے ظلم اور بدعملی کی وجہ سے حزن اور غم کو پہنچے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنص صریح اُمت مرحومہ کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے جن میں اعلیٰ گروہ سابقین اوّلین کا تھا۔ اور وہ صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ مخصوص تھا اور اس گروہ کو مقربین بھی کہا گیا ہے اور دوسرا گروہ اوسط اور میانہ رو ہے وہ اصحاب الیمین اور ابرار کے نام سے پکارا گیا ہے اور سب سے کم تیسرا گروہ ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو ایمان اور اعتقاد صحیح رکھتا ہے مگر اعمال میں اس سے کوتاہی واقع ہوتی ہے اور بالآخر بذریعہ توبہ واستغفار اور بذریعہ ندامت اس کا تدارک کرتا ہے اور خلیفہ راشد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سابقین میں سے ہو۔ (ازالۃ الخفاء)

اور یہ خدا تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے کہ ساری دنیا میں سے اس امت کو اس نعمت اور کرامت کے لیے منتخب فرمایا۔ کہ میراث کی طرح بلا مشقت ومحنت ان کو ایسی کامل کتاب عطا کی پس اللہ تعالیٰ کا اس امت کو اپنے اس عظیم عطیہ کے لیے منتخب کرنا یہ خدا تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے یا یہ معنی ہیں کہ بعض بندوں کا خیرات اور نیکیوں میں سب سے سبقت لے جانا اور آگے بڑھ جانا یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اگر خدا تعالیٰ کی توفیق نہ ہوتی تو خیرات میں سبقت نہ کر سکتے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ آیت میں جن تین قسموں کا ذکر ہے وہ سب اہل ایمان کی قسمیں ہیں اور بعض علماء نے (آیت میں جو ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ کا ذکر ہے) اس کو کافر پر محمول کیا ہے اور اہل نجات صرف دو فریق ہیں۔ مُقْتَصِدٌ اور سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ﴾۔ یہ دو گروہ تو جنت میں داخل ہوں گے اور اس قول کی بنا پر پہلا فریق یعنی ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ جنت میں داخل نہ ہوگا اور یہ قول احادیث صریحہ وصحیحہ کے خلاف ہے۔

محققین کے نزدیک صحیح اور راجح قول پہلا قول ہے اور اسی کو امام ابن جریر اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے اور آیات کا سیاق وسباق بھی اسی کو مقتضی ہے کہ آیت میں جن تین اقسام کا بیان ہوا ہے وہ سب اہل اصطفاء اور اہل ایمان ہی کی اقسام کا بیان ہے جو اس

کتاب ہدایت پر ایمان لائے اور اس کے وارث بنے اور وارث وہ ہے جس کا نسب صحیح ہو اور وہ صحیح النسب اہل ایمان کا گروہ ہے مگر سب ورثاء ایک رتبہ کے نہیں ہوتے ان کی تین قسمیں ہیں۔ ذوی الفروض۔ اور عصبات اور ذوی الارحام۔ ابتداء آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کا ذکر فرمایا جن کو اس نے اپنی رحمت سے اس کتاب کا وارث بنایا پھر ان برگزیدہ بندوں کی تین قسمیں بیان کیں سب سے اوّل ﴿مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ کو ذکر کیا اور پھر ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ کو اور پھر ﴿سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ﴾ کو۔ معلوم ہوا کہ ظالم اور مقتصد اور سابق بالخیرات۔ یہ تینوں قسمیں اہل ایمان کی ہیں جو خدا تعالیٰ کے نزدیک من حیث الایمان والاسلام پسندیدہ اور برگزیدہ ہیں اور ظاہر ہے کہ کافر اور منافق کسی صورت میں خدا کے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ نہیں ہو سکتا اور نہ کافر اور منافق کا دین خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے معلوم ہوا کہ ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ ❁ سے کافر مراد نہیں بلکہ گنہگار مسلمان مراد ہے جس نے گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کیا۔ قرآن کریم میں ظالم کا اطلاق کافر پر بھی آیا ہے اور گنہگار پر بھی۔ اس لیے کہ ظلم کے درجات ہیں۔ شرک ظلم عظیم اور معصیت اور گناہ اس سے کم کا ظلم ہے بلکہ قرآن کریم میں ظلم کا اطلاق خلافِ اولیٰ پر بھی آیا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ﴿رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ﴾۔

بہر حال شروع آیت میں ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا﴾ سے اُمت محمدیہ کے تمام مسلمان مراد ہیں جو علی اختلاف المراتب اس کتاب ہدایت کے وارث بنے اور یہ سب اہل نجات ہیں۔ اور بالآخر سب جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ اخیر آیت میں ہے۔ ابتداء آیت میں اجمالاً اہل ایمان اور اہل اسلام کو ذکر کیا جو اس کتاب ہدایت کے وارث بنے۔

بعد ازاں اہل ایمان کی اقسام کا بیان فرمایا کہ وہ تین قسمیں ہیں۔ ظالم اور مقتصد اور سابق بالخیرات۔ اور یہ تینوں گروہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے پھر جب اہل اسلام کی اقسام کے بیان سے فارغ ہوئے تو اس کے بالمقابل اہل کفر اور دوزخیوں کا بیان شروع فرمایا۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ آیت میں جن اقسام ثلاثہ کا ذکر ہے وہ سب اہل اصطفاء یعنی اہل اسلام کے اقسام ہیں اب اخیر میں ان اقسام ثلاثہ کی نجات اور دخول جنت کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا... الخ﴾ یہ تینوں گروہ بالآخر ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اس آیت میں ﴿يَدْخُلُوْنَهَا﴾ کی ضمیر اصناف ثلاثہ کی طرف راجع ہے لہٰذا ﴿يَدْخُلُوْنَهَا﴾ کی ضمیر کو صنف اخیر یعنی سابق بالخیرات کے ساتھ مخصوص کرنا تخصیص بلا دلیل ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان اور ابو الدرداء اور ابن مسعود اور عقبہ بن عمرو اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے کہ ﴿يَدْخُلُوْنَهَا﴾ کی ضمیر اصناف ثلاثہ کی طرف راجع ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۴۶ ج ۱۴)

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ یعنی اس امت کو کتاب ہدایت کا وارث بنانا یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اب اس آیت میں اس فضل کبیر کے نتیجہ کو بیان فرمایا کہ ان تینوں گروہوں کا انجام بخیر ہوگا اور یہ سب علی حسب المراتب ضرور جنت

---

❁ جن علماء نے اس آیت میں ''ظالم'' سے کافر مراد لیا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں جن اقسام ثلاثہ کا ذکر ہے یہ وہی اقسام ثلاثہ ہیں جو سورۂ واقعہ میں مذکور ہیں ﴿وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾ مگر احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہی معلوم ہوا ہے کہ سورۂ فاطر کی آیت میں ظالم سے گنہگار مسلمان مراد ہے۔ آیات کی تفصیل کے لیے تفسیر ابن جریر و ابن کثیر و تفسیر قرطبی دیکھیں۔

میں داخل ہوں گے اور یہ وارثان قرآن جنت کے وارث ہوں گے اور داخل ہونے کے بعد ان کو بادشاہوں کی طرح خالص سونے اور صاف موتیوں کے زیور پہنائے جائیں گے۔ اور جنات عدن میں ان کا لباس حریری ہوگا اور یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر یہ کہیں گے حمد ہے اس خدا کی جس نے ہم سے غم کو دور کیا یہاں آنے کے بعد کوئی فکر اور غم نہیں بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور بڑا قدردان ہے کہ اس نے ہمارے گناہوں کو تو معاف کر دیا اور معمولی حسنات پر وہم و گمان سے بڑھ کر اجر عطا کیا ایسا پروردگار جس نے اپنے فضل سے ہم کو دار قیام اور دوام میں اتارا جہاں ہم کو نہ کوئی مشقت پہنچی ہے اور نہ تھکان۔ اس گھر میں نہ کوئی رنج و غم ہے اور نہ کوئی محنت و مشقت ہے اور نہ کوئی کام سے تھکنا ہے اور نہ کسی قسم کا فکر اور اندیشہ ہے۔ یہاں تک تو اہل ایمان اور اہل سعادت کی تینوں قسموں کی جزاء کا بیان ہوا۔ اب آگے ان کے برخلاف اہل کفر اور اہل شقاوت کی جزاء و سزا کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کر کے برگزیدہ افراد ہوئے ان کے لیے آتش دوزخ ہے ان کا کام کبھی تمام نہ ہوگا۔ جو مر ہی جائیں اور نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی۔ ہم ہر کفر کرنے والے کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور یہ کفار جو دوزخ میں پڑے ہوئے ہوں گے فریاد کے لیے دوزخ میں چیخیں ماریں گے اور شور و غل مچائیں گے اور کہیں گے کہ اے پروردگار اب ہم کو جہنم سے نکال دے اور دوبارہ ہم کو دنیا میں بھیج دے وہاں پہنچ کر ہم نیک کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو پہلے دُنیا میں کیا کرتے تھے اب ہم دوبارہ واپسی کے بعد پہلے جیسے عمل نہ کریں گے۔

## جوابِ خداوندی

جواب ملے گا کیا ہم نے اس دنیا میں تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکے چنانچہ جن لوگوں نے دنیا میں ہدایت پائی ان کو بھی تو اتنی ہی عمر ملی تھی جتنی تم کو ملی تھی مگر تم نے اس کو غفلت میں کھو دیا اور پھر ہم نے صرف عمر اور وقت ہی دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمہارے پاس ہماری طرف سے ڈرانے والا بھی آیا جس نے تم کو خواب غفلت سے خوب جھنجھوڑا اگر تم پھر بھی ہوش میں نہ آئے سو اب اس نہ ماننے کا مزہ چکھو اس لیے کہ یہاں ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو ان کو عذاب سے چھڑائے کیونکہ اس مدت میں تم پر اللہ کی حجت پوری ہو گئی اور تم نے نہ کوئی عبرت پکڑی اور نہ کسی کی نصیحت پر کان دھرا ایسی حالت میں کون تمہاری مدد کر سکتا ہے ایسے سرکشوں کا کوئی مددگار نہیں لہٰذا اب دنیا میں دوبارہ واپسی ممکن نہیں جو خود ہی اپنی جان پر ظلم کرے اس کا کون مددگار ہو سکتا ہے۔

## لطائف و معارف

﴿ اَوَ لَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ ﴾ اس آیت میں دو جملے مذکور ہیں ایک ﴿ اَوَ لَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ ﴾ اور دوسرا ﴿ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ ﴾ اور یہ عطف من قبیل عطف الخاص علی العام ہے۔

اور آیات میں نذیر سے مراد نبی اور اس کے نائبین ہیں جنہوں نے احکام الٰہی کی تبلیغ کی اور راہ حق کی دعوت دی اور بعض کہتے ہیں کہ نذیر سے بڑھاپا اور ہم عمروں کی موت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے میں اور ہم عمروں کی موت سے بھی تمہاری غفلت نہ گئی

اور آنکھ نہ کھلی کہ کچھ آخرت کا سامان کرتے بڑھاپا آ جانے کے بعد کس چیز کا انتظار رہ گیا۔ اللہ کی حجت تو بلوغ سے بھی پوری ہو جاتی ہے کیونکہ تذکر اور نصیحت کے لیے بلوغ کا زمانہ بھی کافی ہے لیکن اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تو مزید الزام کا مستوجب ہے اس لیے کہ تذکر کی مدت انتہا کو پہنچ گئی اور حجت پوری ہوگئی جوانی میں جب معاش کو سمجھ سکتا ہے تو معاد کو کیوں نہیں سمجھ سکتا۔

اور ﴿ اَوَ لَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ ﴾ میں خطاب اگر چہ کفار کو ہے مگر مقصود سب کو سنانا ہے اس لیے کہ اصل علت غفلت ہے جس میں سب شریک ہیں اگر چہ مراتب غفلت میں فرق ہے تا کہ سب سن لیں اور متنبہ ہو جائیں۔ دیکھئے عدالت میں جب مجرم کو سزا دی جاتی ہے تو اس کا اعلان کیا جاتا ہے جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ مجرم نہیں وہ بھی سن لیں اور متنبہ ہو جائیں اور غفلت میں نہ رہیں غرض یہ کہ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ عمر کے ہر جز کو عمر کا جزء اخیر سمجھو غفلت سے تنبہ کا یہ بہترین طریقہ ہے آیت میں اجمالاً اس طریق کی طرف اشارہ فرمایا کہ غفلت سے تنبہ کا طریقہ تذکر ہے اور حدیث میں اس کا صراحۃً حکم دیا۔ چنانچہ فرمایا: (( اذا قمت فی صلاتك فصل صلاۃ مودع )) یعنی جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو ایسی طرح نماز پڑھو جیسے دُنیا کو رخصت کر رہے ہو یعنی یہ سمجھو کہ یہ عمر کا جزء اخیر ہے حدیث میں اگر چہ نماز کا ذکر ہے مگر یہ علت ہر عمل میں پائی جاتی ہے اس لیے زکوٰۃ اور حج اور روزہ وغیرہ سب میں یہی مضمون پیش نظر رہنا چاہیے اس تنبہ اور استحضار کا فائدہ یہ ہوگا کہ طول اَمل کے مفاسد سے محفوظ ہو جائے گا یا کم از کم کمی ہی آ جائے گی۔ بیمہ کمپنی کی بنا ہی تمام تر طول اَمل پر ہے جس کی حقیقت قمار یعنی جُوا ہے۔ آپ خود دیکھ لیجیے کہ جو شخص بیمہ کراتا ہے کمپنی والے کیسی کیسی شرطیں لگاتے ہیں اور ڈاکٹروں سے اس کے قویٰ کا معائنہ کراتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے۔ (( اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء و اذا امسیت فلا تحدث نفسك بالصباح )) یعنی جب تو صبح کرے تو اپنے نفس سے شام کے منصوبوں کی باتیں نہ کرنا اور جب تو شام کرے تو صبح کے منصوبوں کی باتیں نہ کرنا۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ موت کو یاد رکھو اور موت کے تذکر اور تفکر کو اپنا حرز جان بناؤ جس درجہ کا تذکر ہوگا اسی درجہ تقلیل معاصی میں مفید اور معین ہوگا۔ ملخص از وعظ نمبر ۱۴۸ مسمی بہ دواء العیوب ملقب بہ شام خورشید۔

## فائدہ دربارۂ تقویٰ

معاصی دو قسم کے ہیں: ایک وہ ہیں کہ جن کے چھوڑنے میں تکلیف ہے۔ دوم وہ کہ جن کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف نہیں جیسے ڈاڑھی منڈانا۔ جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا۔ شیخی مارنا۔ ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا۔ اس قسم کے گناہوں کو یکلخت ترک کر دینا چاہیے اور پہلی قسم کے گناہوں کو بتدریج کذا فی شام خورشید ص ۳۴ وعظ نمبر ۱۴۸ از مواعظ تبلیغ۔

**نکتہ** اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تین قسموں کو بیان کیا اور سب سے پہلے ظالم کو ذکر کیا۔ اس کی یا تو یہ وجہ ہے کہ دُنیا میں ظالموں کی کثرت ہے یا یہ اشارہ ہے کہ ظالم ظلم اور معصیت کی وجہ سے اہل اصطفاء سے خارج نہیں ہوا بلکہ ایمان کی وجہ سے وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے جس درجہ کا ایمان ہے اس درجہ کا وارث ہے جب تک ایمان ہے جنت کی وراثت سے محروم نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۳۸

اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ

وہی ہے جس نے کیا تم کو قائم مقام زمین میں۔ پھر جو کوئی ناشکری کرے تو اس پر پڑے اس کی ناشکری۔

وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ

اور منکروں کو نہ بڑھے گا ان کا انکار سے، اُن کے رب کے آگے مگر بیزاری۔ اور منکروں کو نہ بڑھے گا

كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

اُن کے انکار سے مگر نقصان۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اپنے شریک جن کو پکارتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي

اللہ کے سوائے۔ دکھاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انہوں نے زمین میں ؟ یا کچھ ان کا ساجھا ہے

السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ

آسمانوں میں ؟ یا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب سو یہ سند رکھتے ہیں اس کی، کوئی نہیں پر جو وہ بتاتے ہیں

الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝۴۰ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ

گنہگار ایک دوسرے کو، سب فریب ہے۔ تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ۬ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ

اور زمین کو کہ ٹل نہ جاویں۔ اور اگر ٹل جاویں تو کوئی نہ تھام سکے ان کو اس کے

بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۱

سوا۔ وہ ہے تحمل والا بخشتا۔

## بیان علم وحلم خداوندی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الی ۔۔۔ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝﴾

**ربط:** اُوپر اکثر آیات میں اثباتِ توحید اور ابطال شرک اور دلائل قدرت اور صفات کمال کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے علم کو اور اپنے حلم کو بیان کرتے ہیں کہ وہ باوجود علیم وقدیر ہونے کے حلیم وغفور بھی ہے مجرمین کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا ۝ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝﴾ (مریم:۸۹۔۹۱)

ان کے شرک کا مقتضی تو یہ تھا کہ آسمان وزمین پھٹ جائیں لیکن اللہ کے حلم کی وجہ سے تھمے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ان آیات کے اخیر میں ہے ﴿اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی تمام پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ دنیا میں واپس جانے کے بعد بھی وہی کرو گے جو پہلے کرتے تھے اور تمہارا یہ وعدہ کہ ہم دنیا میں واپسی کے بعد نیک عمل کریں گے سیاسی لوگوں کی طرح جھوٹا وعدہ ہے جس سے مقصود وقتی طور پر جان خلاص کرنی ہے سو وہ اگر تم کو پھر دنیا کی طرف واپس کردے تو اسے معلوم ہے کہ تم دُنیا کی واپسی کے بعد بھی عمل صالح نہ کرو گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُھُوْا عَنْہُ وَ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ﴾ (الانعام:۲۸) اس لیے کہ وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ ان کے سینوں میں کفر اور مکر اور جھوٹ چھپا ہوا ہے۔

اس خدا نے تم کو زمین میں پہلی اُمتوں کا قائم مقام بنایا اور تصرف اور اختیار اور اقتدار کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں دیں اور یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی مگر ایمان نہ لائے۔ پس جو شخص کفر کرے تو اس کے کفر کا ضرر اسی پر پڑے اور نہیں زیادہ کرتا کفر اور شرک کافروں کے حق میں مگر آخرت کے خسارہ اور نقصان کو اور بسا اوقات کفر کا نقصان دنیا میں بھی ظاہر ہوجاتا ہے پس آپ ﷺ ان نادانوں کی توبیخ اور سرزنش کے لیے ذرا ان سے یہ کہیے کہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ جن کو تم شریک ٹھہرائے ہوئے ہو اور اللہ کے سوا ان کو اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے ہو ذرا مجھے ان کے حال سے آگاہ کرو اور مجھے دکھلاؤ کہ وہ کیا چیز ہے جو انہوں نے زمین میں سے پیدا کی ہے اور زمین کا وہ کون سا حصہ اور جزء ہے جو ان کا بنایا ہوا ہے یا آسمانوں کی پیدائش میں ان کا کوئی حصہ ہے کہ انہوں نے بھی کوئی آسمان بنایا ہے۔ بہرحال شرک کے لیے ان کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ نقلی۔ کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس میں شرک کا صحیح ہونا لکھا ہو۔ اور اس میں شرک کی تعلیم وتلقین مذکور ہو پس وہ اس کتاب سے کسی روشن دلیل پر ہوں جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ یہ کفر اور شرک ٹھیک اور درست ہے مگر ان میں کوئی بات بھی نہیں مگر کافر اور ظالم آپس میں مکروفریب کی رو سے ایک دوسرے سے وعدہ کرتے ہیں کہ یہ بت تمہاری شفاعت کریں گے یہ سب خیال خام ہے اللہ کے حلم سے دھوکہ میں پڑ گئے ہیں اس کی قدرت پر نظر نہیں کرتے کیا اس قدرت عظیم میں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو روکے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں۔ یعنی اللہ کی قدرت عظیم کا ایک کرشمہ ہے کہ آسمان وزمین باوجود بڑے بڑے اجسام ہونے کے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں کسی کی یہ مجال نہیں کہ ذرہ برابر اپنی جگہ سے جنبش کرسکے اور اگر آسمان وزمین اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی مجال نہیں کہ ان کو روک سکے۔ اور تھام سکے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (الحج:۶۵)... ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ﴾ (الروم:۲۵)

**خلاصہ** یہ کہ شرک پر کوئی دلیل نہیں بلکہ شرک تو فساد عالم اور اس کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے ان کے کفر کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ غضب الٰہی جوش میں آتا اور ان پر قہر خداوندی نازل ہوتا لیکن حلم الٰہی کی وجہ سے قہر خداوندی کا نزول رکا ہوا ہے اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار ہے مجرمین کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا اور آمرزگار ہے کفر اور معصیت کو دیکھتا ہے مگر عذاب میں جلدی نہیں کرتا ورنہ اگر چاہتا تو ایک دم سے ان پر آسمان گرا دیتا یا زمین میں ان کو دھنسا دیتا۔ نافرمانوں کو چاہیے کہ عذاب نہ آنے کو اللہ کے حلم اور بردباری کی دلیل سمجھیں اس کے عفو کلی کی دلیل نہ سمجھیں۔

جب تک دُنیا قائم ہے اسوقت تک آسمان اور زمین اپنی جگہ قائم ہیں جب قیامت ہوگی تو اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔

## فائدہ جلیلہ در بارۂ حرکت آسمان وزمین:

جمہور علماء اسلام کا یہ مذہب ہے کہ نہ آسمان حرکت کرتا ہے اور نہ زمین (روح المعانی [*] ص ۱۸۸) قدیم فلاسفہ آسمان کو متحرک اور زمین کو ساکن کہتے ہیں اور جدید فلاسفہ آسمان کے وجود کے تو قائل نہیں اور زمین کو آفتاب کے گرد متحرک مانتے ہیں جس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

**فائدہ دیگر:** حق جل شانہٗ کے اس قول ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ آسمان اور زمین کا قیام اور بقاء سب اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے اس میں فلاسفہ کے اس قول کے رد کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آسمان وزمین کے حدوث کی تو علت ہے مگر بقاء کی علت نہیں۔ (تفسیر عزیزی ص ۲۴۳)

عمارت کو اپنے وجود اور حدوث میں بانی کی ضرورت ہے اپنے بقاء میں عمارت کو بانی کی ضرورت نہیں۔

حکماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ جو علت حدوث کی ہے وہی علت بقاء کی ہے۔ عالم کو اپنے وجود اور بقاء میں باری تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو زمین کو اپنے روشن ہونے اور روشن رہنے میں آفتاب کی شعاعوں سے نسبت ہے زمین اپنی روشنی کے وجود اور حدوث میں بھی آفتاب کی تجلی اور اس کے طلوع کی محتاج اور اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے آفتاب اپنی حرکت طلوعی میں زمین کو روشنی عطا کرتا ہے اور حرکت غروبی میں اپنے عطیہ کو زمین میں سے واپس لے لیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح زمین ابتداء اپنے روشن ہونے میں آفتاب کی محتاج ہے اسی طرح زمین اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے۔

**فائدہ:** ایک روایت میں ہے کہ منجانب اللہ موسیٰ علیہ السلام کو دو شیشے دیئے گئے کہ ان کو ہاتھ میں تھامے رکھیں اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو سونے نہ دو تین راتیں تو اس طرح گذار دیں بالآخر نیند کا غلبہ ہوا اور شیشے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! بالفرض اگر مجھ پر نیند اور اُونگھ آتی تو شیشہ کی طرح یہ آسمان وزمین ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ (تفسیر عزیزی ص ۲۴۳)

---

[*] قال الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ المشهور عند السلف ان السمٰوٰت لاتدور وانها غیر الافلاك و کثیر من الاسلامیین ذهبوا الی انها تدور وانها لیست غیر الافلاك واما الارض فلا خلاف بین المسلمین فی سکونها والفلاسفة مختلفون والمعظم علی السکون ومنهم من ذهب الی انها متحرکة وان الطلوع والغروب بحرکتها ورد ذالك فی موضعه کذا فی روح المعانی ص ۱۸۸ ج ۲۲۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى

اور قسم کھاتے تھے اللہ کی، تاکید کی قسمیں اپنی، اگر آوے ان پاس کوئی ڈر سنانے والا، البتہ بہتر راہ چلیں گے

مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ ﴿۴۲﴾

اور کسی ایک امت سے۔ پھر جب آیا ان پاس ڈر سنانے والا۔ اور زیادہ ہوا ان کا بدکنا۔

اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا

غرور کرنا ملک میں، اور داؤ کرنا برے کام کا۔ اور برائی کا داؤ الٹے گا

بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ

اسی داؤ والوں پر۔ پھر اب وہی راہ دیکھتے ہیں اگلوں کے دستور کی سو تو نہ پاوے گا اللہ کا دستور

تَبْدِيْلًا ۚ۵ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي

بدلتا۔ اور نہ پاوے گا اللہ کا دستور ٹلتا۔ کیا پھرے نہیں

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْٓا

ملک میں کہ دیکھیں آخر کیسا ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے تھے؟ اور تھے

اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ

ان سے سخت زور میں۔ اور اللہ وہ نہیں جس کو تھکاوے کوئی چیز آسمانوں میں

وَ لَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ

اور نہ زمین میں۔ وہی ہے سب جانتا کر سکتا۔ اور اگر پکڑ کرے اللہ لوگوں کو

بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى

ان کی کمائی پر، نہ چھوڑے زمین کی پیٹھ پر ایک ہلنے چلنے والا، پر ان کو ڈھیل دیتا ہے ایک ٹھہرے ہوئے

اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع ۵/۱۷

وعدہ تک، پھر جب آیا ان کا وعدہ تو اللہ کی نگاہ میں ہیں اس کے سب بندے۔

## تشنیع وتقریع بر کفر ومکر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ . . . الی . . . فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیۡرًا ﴾

**ربط**: گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ یہ مشرکین کفر وشرک کی وجہ سے بھی قہرالٰہی کے مستحق ہیں لیکن اللہ کے حلم سے بچے ہوئے ہیں۔ اب آئندہ آیات میں ان کے مکروفریب اور ان کی بدعہدی کو بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ بدعہدی کی وجہ سے مستحق قہر وغضب ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یہ مشرکین عرب آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھایا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کی طرف سے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آتا تو ہم ہدایت اختیار کرنے میں پہلی امتوں سے بڑھ کر ہوتے یعنی یہود ونصاریٰ کی طرح تکذیب نہ کرتے بلکہ ان سے بہتر ہوتے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِنۡ کَانُوۡا لَیَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ اَنَّ عِنۡدَنَا ذِکۡرًا مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ لَکُنَّا عِبَادَ اللّٰہِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴾ (الصافات:۱۶۹)

یعنی اگر ہمارے پاس اوّلین جیسی کوئی ہدایت اور نصیحت ہوتی تو بے شک ہم اللہ کے مخلص بندوں میں سے ہو جاتے۔ پس جب خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کامل ترین نذیر آ گیا اور اپنے ساتھ ایک کتاب ہدایت بھی لے کر آیا تو ساری قسمیں اور سارے وعدے بھلا دیئے اور اس نذیر کے آنے سے بجائے ہدایت اور رغبت کے ان کی نفرت میں اور زیادتی ہوگئی۔ اور اس کی دشمنی پر کمربستہ ہوگئے اور زمین میں سرکشی کرنے لگے اور اس نذیر کے ہلاک کرنے کے بُرے بُرے مکر کرنے لگے اور لوگوں کو راہِ حق سے روکنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے لگے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ کافر کفر بھی کرتے ہیں اور عہد شکنی بھی کرتے ہیں اور استکبار کا شکار ہیں اور مکار اور مسخرے ہیں کہ قہر خداوندی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں اور دین کے خلاف سازشوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اور نہیں گھیرتا برا مکر مگر خود مکاروں کی جان کو۔ اُلٹی چالیں اُلٹی چال کرنے والوں ہی پر پڑا کرتی ہیں۔ حق اور صواب کو چالوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ وقتی طور پر اپنی چالاکیوں پر خوش ہولیں مگر انجام کار دیکھ لیں گے کہ مکر کا نقصان مکار ہی پر پڑتا ہے۔ پس کیا یہ مکار اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے کافروں اور مکاروں کے ساتھ برتا گیا۔ پس اے نبی! آپ ﷺ اللہ کے دستور میں نہ کوئی تبدیلی پائیں گے یعنی کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اللہ کے دستور کو بدل دے اور نہ پاوے گا تو اللہ کے دستور کو ٹلتا ہوا۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کے دستور کو اور قانون عذاب کو کافروں اور مکاروں سے پھیر کر دوسری طرف لے جائے اور ان سے دفع کر کے غیروں پر رکھ دے بلکہ وہ عذاب اسی قوم پر واقع ہوگا جس کے لیے مقرر ہو چکا ہے یہ ناممکن ہے کہ عذاب مستحق سے ہٹ کر غیر مستحق پر واقع ہو جائے۔ تبدیل سے مراد عذاب کو رحمت سے بدل دینے کے ہیں اور تحویل سے عذاب کو مجرمین سے غیر مجرمین کی طرف منتقل کر دینے کے ہیں۔

کیا یہ کفر کرنے والے زمین میں پھرے نہیں کہ دیکھیں کہ آخر کیا انجام ہوا ان سے پہلے کفر کرنے والوں اور مکر کرنے والوں کا اور وہ لوگ ان سے قوت اور جسامت اور مال ودولت میں بہت زیادہ تھے مگر باوجود اس کے اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکے اور خدا کے مقابلہ میں ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور کوئی چیز آسمانوں اور زمین میں ایسی نہیں کہ خدا تعالیٰ کو پکڑنے سے عاجز کر سکے بے شک وہ دانا اور توانا ہے نہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اس کی قدرت سے خارج ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے

پکڑنے لگے اور اپنے علم کے موافق ان کو کفر اور معصیت پر مہلت نہ دے تو زمین کی پشت پر کسی جاندار کو زندہ باقی نہ چھوڑے لیکن وہ اپنے حلم کی وجہ سے ان کو ایک میعاد معین تک مہلت دے رہا ہے اگر کفر اور معصیت کی نحوست سے انسان ہلاک ہوتے وحیوانات بھی ہلاک ہو جاتے۔ جیسے نوح علیہ السلام کے زمانہ میں کفر کی نحوست سے جانور بھی ہلاک ہوئے تو اس وقت بھی اگر کفر اور معصیت کے وبال میں پکڑیں تو سب نیست و نابود ہو جائیں۔ بارش اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جو تمام حیوانات کے لیے سامان حیات ہے پس اگر خدا تعالیٰ بندوں کی بداعمالی کی وجہ سے آسمان سے بارش روک لے تو سب حیوانات مر جائیں پس جب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آئے گا تو پھر ایک دم کی مہلت نہ ملے گی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو دیکھنے والا ہے اور جاننے والا ہے کہ کون ہلاکت کا مستحق ہے اور کون نجات کا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

---

الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ یوم چہارشنبہ بوقت ۴ بجے سورۃ الملائکہ کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔ فللہ الحمد اولاً و آخراً۔ اے اللہ! اپنی رحمت سے باقی تفسیر کے اتمام کی بھی توفیق دے اور ایمان پر قائم رکھ اور اعمالِ صالحہ اور اپنی مرضیات پر چلنے کی بھی توفیق دے۔ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد و علیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین وَ علینا معھم یا ارحم الراحمین ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# تفسیر سُورۂ یٰسٓ

یہ سُورت مکی ہے اس میں تراسی ۸۳ آیتیں اور پانچ ۵ رکوع ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰسین ہے جو شخص اس سورت کو ایک بار پڑھے گا اللہ اس کو دس قرآن کا ثواب عطا کرے گا۔ (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سُورت کو قرآن کا قلب (دل) فرمایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دل پر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور روحانی زندگی کا دارومدار ایمان پر ہے جس کے اہم ترین اصول تین ہیں۔ توحید اور رسالت اور قیامت۔ اس سورت میں ایمان کے ان تین اہم اصول کو جو دین کا دل اور جان ہیں نہایت مدلل اور مفصل بیان کیا گیا ہے اور ان سب کی جڑ حشر و نشر کا اقرار اور آخرت کی فکر اور تیاری ہے جو اس سورت میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے اور منکرین حشر کے شبہ کا نہایت مدلل اور مکمل اور مفصل جواب دیا گیا ہے اور ایمانی حیات کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ خدا سے ڈرتا ہو اور آخرت کا یقین رکھتا ہو اور اس کی فکر اور تیاری میں ہو اور ظاہر ہے کہ خوف خدا اور آخرت کا یقین اور اس کی فکر یہی سارے دین کا دل ہے جس پر روحانی زندگانی کا دارومدار ہے جس دل کو آخرت

کا فکر ہے وہ دل تو زندہ ہے ورنہ مردہ ہے۔

دین کے اصول تین ہیں توحید اور رسالت اور قیامت۔ سورت کا آغاز رسالت کے مضمون سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید کو بیان کیا پھر اخیر میں حشر ونشر اور معاد جسمانی پر مفصل اور مدلل کلام کیا اور اسی پر سورت کو ختم کیا۔

**ربط سورت:** گزشتہ سورت میں زیادہ تر توحید اور رسالت کا مضمون تھا اور اخیر سورت میں مستکبرین اور منکرین نبوت کی تہدید تھی ﴿ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ﴾ (المومن:۲۱) اب اس سورت کو اثبات رسالت اور مستکبرین کی تہدید سے شروع فرماتے ہیں اور حسب سابق آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ان مستکبرین کے انکار اور استکبار سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ اور پھر ان مستکبرین اور مستہزئین کی تہدید اور عبرت اور نصیحت کے لیے اصحاب قریہ کا قصہ ذکر فرمایا پھر اخیر سورت تک اثبات توحید اور اثبات حشر ونشر کا مضمون چلا گیا جس پر دل اور روح کی زندگی کا دارومدار ہے۔

**ربط دیگر:** گزشتہ سورت میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا: ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَئِنْ جَآءَھُمْ نَذِیْرٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَھْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ ﴾ (الفاطر:۴۲) اب اس سورت میں قسم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو بیان کیا اور ﴿ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ ﴾ سے یہ بتلایا کہ کفار جس انذار کے انتظار میں تھے تو ان کے حسب انتظار ان کے انذار کے لیے یہ نبی آ گیا ہے اب چاہیے کہ حسب وعدہ اس منذر برحق پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں اور منذر برحق کی تکذیب سے انذار اور تخویف کے لیے اصحاب قریہ کا قصہ ذکر فرمایا تا کہ اس کو منذر برحق سمجھ کر آخرت کا راستہ معلوم کریں۔

---

## اٰیَاتُھَا ۸۳ — (۳۶) سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ (۴۱) — رُکُوْعَاتُھَا ۵

سورۂ یٰسین مکی ہے اس میں ۸۳ آیات اور ۵ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

یٰسٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۙ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ

قسم ہے اس پکے قرآن کی۔ تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے اوپر

مُّسْتَقِیْمٍ ؕ ﴿۴﴾ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ

سیدھی راہ کے۔ اتارا زبردست رحم والے کا کہ تو ڈراوے ایک لوگوں کو کہ ڈر نہ سنا

اٰبَآؤُھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِھِمْ فَھُمْ

ان کے باپ دادوں نے سو وہ خبر نہیں رکھتے ثابت ہو چکی ہے بات ان بہتوں پر، سو وہ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ

نہ مانیں گے۔ ہم نے ڈالے ہیں ان کی گردنوں میں طوق، سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھر

فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ

ان کے سر الٹ رہے ہیں۔ اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے

سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ وَ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ

دیوار پھر اوپر سے ڈھانک دیا سو ان کو نہیں سوجھتا۔ اور برابر ہے تو نے ان کو ڈرایا

اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ

یا نہ ڈرایا یقین نہیں کرتے۔ تو تو ڈر سنادے اس کو جو چلے سمجھانے پر،

وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪ اِنَّا

اور ڈرے رحمٰن سے بن دیکھے۔ سو اس کو دے خوشخبری معافی کی اور عزت کے نیگ کی۔

نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ۗ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ

ہم ہیں جو جلاتے ہیں مردے اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے، اور ان کے پیچھے نشان رہے۔ اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے

فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ⑫ ع ۱/۱۲ ۱۸

ایک کھلی اصل میں۔

## اثبات رسالت محمدیہ موکد بقسمے کہ آں دلیل نبوت است

### ومقرون بہ بیان تفاوت استعداد در قبول حق وہدایت وتہدید

### مکذبین نبوت ومنکرین قیامت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿يٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② ... الٰى ... وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ⑫﴾

**ربط** : گزشتہ سورت میں کفار کے استکبار اور انکار کا ذکر تھا کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں اور آپ ﷺ کو جھوٹا بتلاتے ہیں اب اس سورت میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو قسم کے ساتھ بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: یٰسٓ۔ اس کی مراد

اور اس کے معنی کو اللہ ہی خوب جانتا ہے یٰسین حروفِ مقطعہ میں سے ہے جو خزانہ غیب کا ایک سر مکتوم ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک اس کی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عکرمہ اور ضحاک اور حسن بصری اور سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ یٰسین کے معنی یا انسان کے ہیں اس لیے کہ آپ ﷺ سیّد البشر اور سید الانس والجان ہیں لفظ یٰسین یا انسان کا مخفف ہے اور انسان سے انسان کامل مراد ہے جس کا مصداق محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

قسم ہے اس قرآن حکیم کی جو غایت درجہ محکم ہے اور سراپا علم و حکمت ہے اس کا ہر حرف علم اور حکمت کا منبع اور سرچشمہ ہے جہاں باطل کا اور سحر کا کہیں گذر نہیں اور نہ اس میں شعر و شاعری کا کوئی شائبہ ہے جس کو یہ نبی امی تم کو پڑھ کر سنا رہا ہے۔ اے نبی آپ ﷺ بلا شبہ خدا کے پیغمبروں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں جو سیدھا خدا تک پہنچانے والا ہے۔ صراط مستقیم سے دین اسلام اور دین حق مراد ہے اور یہ کفار ٹیڑھے راستہ پر ہیں یعنی دین باطل پر ہیں صراط مستقیم پر استقامت ہی منزل مقصود تک پہنچاتی ہے اور یہی قرآن حکیم جو علم اور حکمت سے بھرا پڑا ہے آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل ہے اور آپ ﷺ کی گفتار اور کردار بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ آپ حق پر ہیں اور سیدھی راہ پر ہیں اور یہی راہ خدا تک پہنچانے والی ہے جس نے اس راہ سے اعراض اور انحراف کیا وہ گمراہ ہوا۔

**نکتہ:** ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ قسم ہے اور ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۭ﴾ جواب قسم ہے۔ اس قسم سے ایک تو کفار کا رد مقصود ہے جو قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ یہ رسول نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں قسم کھا کر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو بیان کیا کہ آپ ﷺ بلا شبہ اللہ کے رسول ہیں دوم یہ کہ یہ قسم دراصل جواب قسم کی دلیل ہے۔ دلائل نبوت اور براہین رسالت میں سب سے بڑی دلیل آپ ﷺ کی نبوت کی یہ قرآن حکیم ہے جس طرح توریت اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت کی دلیل تھی اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر یہ قرآن آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے اور اس کے بعد کا یہ جملہ ﴿عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ پہلے جملہ کی تاکید ہے اس لیے کہ جو رسول ہوگا وہ ضرور راہ راست پر ہوگا۔ ان آیات میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر آپ ﷺ کی رسالت کو بیان کیا قرآن حکیم آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی علمی دلیل ہے یہ آنحضرت ﷺ کی خاص خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو قسم کے ساتھ بیان کیا آپ ﷺ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کی رسالت کو قسم کھا کر نہیں بیان فرمایا اور اس کے بعد آنے والے جملہ ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا﴾ سے بتلایا کہ نبی کا کام اِنذار ہے نہ کہ اِجبار یعنی نبی کا کام فقط ڈرانے کا ہے باقی ہدایت دینا یہ اللہ کا کام ہے اور یہ قرآن حکیم ایسے رب العزت کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے جو بڑا ہی مہربان ہے اور یہ قرآن تیری نبوت کا سب سے بڑا نشان ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا فرمان ہے۔ یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ اس قوم کو عذاب خداوندی سے ڈرائیں جن کے قریبی آباؤ اجداد قریبی زمانہ فترت میں کسی رسول کے ذریعہ خدا کے قہر سے نہیں ڈرائے گئے پس وہ حق اور ہدایت سے غافل اور بے خبر ہیں اس لیے وہ اس بات کے محتاج تھے کہ کوئی ہادی برحق آئے اور ان کو خدا کا راستہ بتلائے اور خواب غفلت سے ان کو بیدار کرے سو اس عزیز رحیم نے اپنی رحمت سے آپ ﷺ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

**تنبیہ:** کوئی اس سے یہ خیال نہ کرے کہ آپ ﷺ صرف عرب کے لیے مبعوث ہوئے تھے آپ ﷺ تو سارے ہی عالم کے لیے مبعوث ہوئے مگر چونکہ آپ ﷺ عربی تھے اس لیے آپ ﷺ کی دعوت اور خطاب کے بالذات اور اول مخاطب عرب

تھے جو دوسروں کی نفی پر دلالت نہیں کرتا اس لیے کہ آپ ﷺ کی عموم بعثت بیشمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف:۱۵۸)... وغیر ذالك من الأیات ﴾ جس میں ساری دُنیا شریک ہے یہ کتاب حکمت جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے وہ بلاشبہ اپنی ذات سے تمام عالم کے لیے اور عرب وعجم کے لیے باران رحمت اور مشعل راہ ہے لیکن البتہ تحقیق ان میں سے اکثر لوگوں پر جو نفس اور شیطان کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں، پہلے ہی سے تقدیری طور پر۔ ان پر کلمہ حق اور حکم محکم جاری ہو چکا ہے اور حق القول سے کلمہ حق ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ (ھود:۱۱۹) مراد ہے اور اس کے ہم معنی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (یونس:۹٦) جیسی آیتیں مراد ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافروں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے پس یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ لہٰذا اے نبی آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ ازل میں جانتا ہے کہ یہ لوگ کفر اور عناد پر رہیں گے جیسے ابوجہل اور ابی بن خلف اور عتبہ اور شیبہ وامثالہم۔ ان میں سے اکثروں پر خدا کا کہا پورا ہوا جو ازلی بدنصیب اور دل کے اندھے تھے ان کو آفتاب ہدایت کی روشنی سے فائدہ نہ ہوا۔

اب آئندہ آیات میں اس بات کی علت بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لائیں گے سو عالم اسباب میں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عناد کی وجہ سے توفیق خداوندی سے محروم کر دیئے گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق ہم نے اپنی کسی حکمت اور مصلحت سے ان بدبختوں کی گردنوں میں بڑے بھاری طوق ڈال دیئے ہیں اور ایسے چپکا اور چمٹا دیئے ہیں کہ وہ ان کی گردنوں سے نہ نکل سکیں پس وہ طوق ان کی گردنوں سے لپٹ گئے ہین اور ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں جو خوب اچھی طرح ان کی گردنوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور وہ ان میں بہت سخت جکڑے ہوئے ہیں۔ پس ان کی حالت اور کیفیت یہ ہے کہ ان کے سر اوپر کو اُلَل کر رہ گئے ہیں یعنی اُوپر اٹھ گئے ہیں۔ لہٰذا اب وہ اپنا سر نیچے نہیں جھکا سکتے اور ایسے سخت جکڑے ہوئے ہیں کہ اب وہ اپنا سر ہلا بھی نہیں سکتے جیسے کسی جانور کو جب پانی یا چارہ دینا منظور نہیں ہوتا تو اس کا منہ بند کر دیتے ہیں اور سر اس کا باندھ دیتے ہیں تاکہ وہ جانور نہ سر ہلا سکے اور نہ ہاتھ ہلا سکے یہی حال ان معاندین کا ہے جو نفسانیت اور عناد کے طوقوں میں ایسے جکڑ دیئے گئے ہیں کہ وہ حق کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے ان آیات مین جو مثال ذکر کی گئی ہے وہ اس کافر کی ہے جس نے حق کو خوب پہچان لیا اور پھر بجائے اس کے قبول کرنے کے اس کی دشمنی اور عداوت پر تل گیا۔

اور علاوہ ازیں ہم نے ایک آڑ اور بڑی دیوار تو ان کے سامنے کھڑی کر دی ہے اور ایک آڑ اور بڑی دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی ہے اور پھر اس کے علاوہ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَّعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ (البقرہ:۷) تاکہ آنکھ پس پردہ کی کسی چیز کو نہ دیکھ سکے لہٰذا ایسی حالت میں یہ لوگ حق کو نہیں دیکھ سکتے جب آگے اور پیچھے سے دیوار حائل ہو اور اوپر سے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا تو پھر راہ کیسے نظر آئے۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے ان کی شقاوت ازلیہ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ فرض کرو کسی کے گلے میں اتنا بڑا طوق ہے کہ وہ ٹھوڑی تک اس میں جکڑا ہوا ہے تو لامحالہ اس کا منہ اُوپر کو اُلَل جائے گا اور وہ اپنے زیر قدم اور پاس کی راہ کو بلکہ کسی چیز کو بھی نہ دیکھ سکے گا اور مزید برآں جب آگے اور پیچھے بڑی بڑی دیواریں کھڑی کر دی جائیں اور اُوپر سے آنکھوں پر کوئی پردہ ڈال دیا جائے تو پھر دور اور نزدیک کی کسی چیز کے نظر آنے کی کوئی صورت نہیں۔

کفار کی اس کیفیت اور حالت کو بیان کرنے سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے کہ آپ ﷺ ان کے ایمان لانے کی اُمید نہ رکھیں ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگ چکی ہے اور آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے۔ اور جب یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ گئے تو ایسوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ اب ان میں ایمان کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی اور یہ برابری ان کے حق میں ہے نبی کے حق میں نہیں نبی کو بہر حال انذار کا اجر ملے گا۔ اللہ کے علم ازلی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ کفر پر مریں گے ایسے لوگوں کو انذار اور تبلیغ اتمام حجت کے لیے ہے ہاں البتہ آپ ﷺ کا ڈرانا صرف ایسے شخص کو سودمند ہو سکتا ہے جس میں ایمان اور قبول حق کی کوئی صلاحیت تو موجود ہو اور وہ وہ شخص ہے کہ جو نصیحت کی پیروی کرے یعنی نصیحت کو سنے اور اس کے سمجھنے کی کوشش کرے اور سمجھ میں آ جانے کے بعد اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور بغیر دیکھے غائبانہ خدا سے ڈرتا ہو۔ خدا سے بغیر دیکھے ڈرنا اور بغیر دیکھے آخرت اور قیامت کے احوال اور اہوال سے ڈرنا کہ دیکھئے آخرت میں مجھ پر کیا گزرے گی یہ خوف ہی طلب حق پر آمادہ کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ڈرانا ایسے ہی شخص کو سودمند ہو سکتا ہے کہ جو طالب حق ہو اور خدا سے ڈرتا ہو اور جو شخص سرے ہی سے خدا کا قائل نہ ہو یا اس کے دل میں خدا کا ڈر ہی نہ ہو اس کو ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے۔ پس ایسے خدا ترس بندہ کو گزشتہ تقصیرات پر خدا کی مغفرت کی اور طاعات پر آئندہ زمانہ میں بڑے اچھے ثواب اور انعام کی خوشخبری سنا دیجیے جو اس کو اس عالم سے گزرنے کے بعد ملے گا۔

بے شک ہم قیامت کے دن مردوں کو دوبارہ زندہ کریں گے تاکہ دنیا میں انذار اور تبشیر کے ثمرہ کو ظاہر کریں اور یہ ثمرہ دوبارہ زندگی ہی میں ظاہر ہوگا اور ہم یعنی ہمارے کراماً کاتبین ہمارے حکم سے ان کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں جو انہوں نے اپنی زندگی میں کیے اور ان آثار و نشانات کو بھی لکھتے جاتے ہیں جو انہوں نے اپنے مرنے کے بعد چھوڑے۔ آثار سے وہ اعمال مراد ہیں جن کا اثر مرنے کے بعد بھی باقی رہے جیسے علم دین کے بارہ میں کوئی کتاب لکھی یا کوئی ناول اور ڈرامہ لکھا یا مسجد اور دینی مدرسہ بنا کر چھوڑا یا سینما اور کالج بنا کر چھوڑا۔ اسی کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ غرض یہ کہ لفظ آثار عام ہے خواہ وہ آثار حسیہ ہوں یا معنویہ۔ سب کے سب نامہ اعمال میں درج ہیں اور مذکورہ بالا تمام چیزیں ان الفاظ کے عموم میں داخل ہیں۔ حتیٰ کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جاتے وقت جو قدم زمین پر پڑتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں ان پر بھی اجر ہے جیسا کہ بعض احادیث صحیحہ میں آیا ہے: ((دیارکم تکتب لکم اثارکم)) اس لیے کہ محققین کے نزدیک ﴿ اٰثَارَهُمْ ﴾ سے مطلق آثار مراد ہیں خواہ وہ آثار حسی ہوں یا معنوی اس لیے ﴿ اٰثَارَهُمْ ﴾ میں وہ نشان قدم بھی داخل ہوں گے جو طاعت اور معصیت اور مسجد اور سینما کی طرف چلنے میں ظاہر ہوں۔

اور ہمارا علم اسقدر وسیع اور محیط ہے کہ ہم اس کتابت کے محتاج نہیں جو وقوع عمل کے بعد ہوئی ہے کیونکہ ہم نے تو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے سب چیزوں کا علم ہے اور ہر چیز پہلے ہی سے ہمارے احاطہ علم میں ہے مگر جزاء اور سزا وقوع کے بعد ملتی ہے۔ ہر چیز وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وقوع کے بعد نامہ اعمال میں لکھی ہوئی ہے امام مبین سے لوح محفوظ مراد ہے جو کتاب اعمال کے علاوہ ہے جس میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور جو قیامت کے دن بندوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ ⑬

اور بیان کرو ان کے واسطے ایک کہاوت لوگ اس گاؤں کے جب آئے اس میں بھیجے ہوئے۔

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ

جب بھیجے ہم نے ان کی طرف دو تو ان کو جھٹلایا پھر ہم نے زور دیا تیسرے سے تب کہا ہم

اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ⑭ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ

تمہاری طرف آئے ہیں بھیجے۔ وہ بولے تم تو یہی انسان ہو جیسے ہم، اور

الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ⑮ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ

رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا، تم سارا جھوٹ کہتے ہو۔ کہا ہمارا رب جانتا ہے

اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ⑯ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑰ قَالُوْٓا

ہم بیشک تمہاری طرف بھیجے آئے ہیں۔ اور ہمارا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا کھول کر۔ بولے

اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا

ہم نے نامبارک دیکھا تم کو۔ اگر تم نہ چھوڑو گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور تم کو لگے گی ہمارے ہاتھ سے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑱ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ

دکھ کی مار۔ کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے۔ کیا اس سے کہ تم کو سمجھایا؟ کوئی نہیں! پر تم

قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ⑲ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ

لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا۔ بولا،

يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ⑳ ۙ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ

اے قوم! چلو راہ پر ان بھیجے ہوؤں کے۔ چلو راہ پر ایسوں کی، جو تم سے نیگ نہیں مانگتے اور

مُّهْتَدُوْنَ ㉑

راہ سوجھے ہیں۔

# قصہ اصحاب القریہ برائے عبرت ونصیحت مکذبین رسالت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ... الٰی ... وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝﴾

**ربط**: گذشتہ آیات میں معاندین اور مکذبین رسالت کا ذکر تھا۔ اب آگے ان کی تہدید اور عبرت کے لیے ایک آبادی کا قصہ بیان کرتے ہیں تاکہ مشرکین مکہ کو معلوم ہو جائے کہ متکبرین اور منکرین نبوت کا کیا انجام ہوتا ہے اور ایسوں کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے اس قصہ کے ذکر کرنے سے مسئلہ نبوت ورسالت کی تائید اور تکذیب کرنے والوں کی تہدید مقصود ہے تاکہ مکذبین رسالت اس سے عبرت پکڑیں۔ اور جان لیں کہ ذکر اور نصیحت سے اعراض کا کیا انجام ہوتا ہے۔

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں جس قریہ کا ذکر ہے اس سے شہر انطاکیہ مراد ہے جو شام کے علاقہ میں ایک بستی ہے اور اس قصہ میں جن مرسلین کا ذکر ہے ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مراد ہیں جو شہر انطاکیہ میں وعظ اور نصیحت اور تبلیغ اور دعوت کی غرض سے آئے تھے۔ تاکہ وہاں کے بت پرستوں کو توحید اور رسالت اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے کچھ پہلے ان تین حواریوں کو انطاکیہ کی طرف بھیجا کہ ان کو دین حق کی دعوت دیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان حواریوں کو اللہ کے حکم سے بھیجا تھا اس لیے ﴿اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ﴾ میں ان کے ارسال کو خداوند ذوالجلال کی طرف سے منسوب کیا گیا غرض یہ کہ اس رکوع اور جن کو مرسلین کہا گیا وہ خداوند کے بلاواسطہ رسول نہ تھے بلکہ نائب رسول یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے اور وہ تینوں عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ اور ایلچی تھے ان کی طرف سے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی اور ان کی شریعت کے اتباع کی دعوت دیتے تھے اس لیے اہل قریہ نے ان مبلغین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام اور وکیل سمجھ کر ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کہا۔ اہل قریہ کی طرف سے ظاہر میں یہ خطاب حوارئین کو تھا مگر در پردہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تھا اس لیے کہ اصل رسول تو عیسیٰ علیہ السلام تھے اور یہ حواری ان کے وکیل اور قائم مقام اور نمائندہ تھے اور مرسل اور مرسلین کے معنی فرستادہ کے ہیں۔ خواہ خدا تعالیٰ کے رسول مرسل ہوں یا کسی نبی کے فرستادہ ہوں۔ لفظ مرسل کا اطلاق سب پر آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی ایک جماعت آئی تو یہ فرمایا: ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ (الذاریات: ۳۱) اس آیت میں مرسلین سے فرشتے مراد ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے بھیجا تھا۔

اور ملکہ بلقیس نے جو سلیمان علیہ السلام کے پاس قاصد اور ایلچی بھیجے تھے ان پر بھی مرسلین کا اطلاق آیا ہے: ﴿وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝﴾ (النمل: ۳۵)۔

اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان آیات میں مرسلین سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ مراد ہوں۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں شخص بلاواسطہ خدا کے رسول تھے اس قریہ والوں کی طرف اوّل دو سول بھیجے گئے۔ جیسے اہل مصر کی طرف اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ (دیکھو تفسیر [1] قرطبی ص ۱۴ ج ۱۵)

---

[1] قال الامام القرطبی قیل هم رُسُلٌ من الله علی الابتداء وقیل ان عیسی علیه السلام بعثهم الی انطاکیة للدعاء الی الله تعالی وهو قوله تعالی اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ واضاف الرب ذلك الی نفسه لان عیسیٰ علیه السلام ارسلهما بامر الرب وکان ذلك حین رفع عیسیٰ الی السماء آه (تفسیر قرطبی ص ۱۴ ج ۱۵)

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسی قریہ والوں کی طرف اوّل دو رسول بھیجے پھر بعد میں ان کی تائید اور تقویت کے لیے تیسرا رسول بھیجا۔ تینوں نے مل کر ان بت پرستوں کو توحید کی دعوت دی۔ اہل قریہ نے ان کے جواب میں کہا ﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کہ تم لوگ تو ہم ہی جیسے بشر اور آدمی ہو۔ اہل قریہ کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تینوں شخص بلا واسطہ خدا کے رسول تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل انطاکیہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ نہ تھے پس اگر یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ اور ایلچی یا ان کے فرستادہ ہوتے تو اہل قریہ ان سے یہ نہ کہتے ﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کیونکہ آدمی کی طرف سے آدمی کے ایلچی ہونے کے وہ بھی منکر نہ تھے نیز اگر وہ تینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوتے تو وہ خود کہتے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ پیام لے کر آئے ہیں اور ہم ان کے قاصد اور ایلچی ہیں اس لیے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس قریہ سے قریہ انطاکیہ مراد نہیں بلکہ گزشتہ زمانہ کی کوئی بستی مراد ہے جہاں یہ واقعہ گذرا ہے اور ہم کو اس کی تفصیل اور تعیین معلوم نہیں نیز یہ بستی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والی بستیوں میں سے ہے۔ منکرین اور مکذبین رسالت سے نہیں اور نہ یہ بستی عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اس رکوع میں جس قریہ کا قصہ ذکر کیا گیا ہے اس سے انطاکیہ مراد نہیں بلکہ پہلے زمانہ کی کوئی بستی مراد ہے جس کا ہمیں علم نہیں اور یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے زمانہ کے مکذبین رسالت کا ہے جہاں اول بار خدا تعالیٰ نے دو رسول بھیجے اور پھر ان کی مدد کے لیے تیسرا رسول بھیجا پھر ان تین رسولوں کی مدد کے لیے شہر کے کنارہ سے ایک مرد صالح آیا جس نے رسولوں کی اطاعت اور اتباع کے متعلق نہایت معقول اور مدلل تقریر کی جس پر نادانوں نے برافروختہ ہو کر اس مرد صالح کو قتل کر دیا یا خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت اور عنایت سے اس کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ بہر حال اس قریہ سے قریہ انطاکیہ مراد نہیں بلکہ کوئی اور بستی مراد ہے اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ یہ قصہ کس بستی کا ہے اور کن رسولوں اور پیغمبروں کے زمانہ کا یہ واقعہ ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بستی کی تعیین سے سکوت کیا جائے اس لیے کہ ان آیات کی تفسیر اس قریہ کی اور رسولوں کی تعیین پر موقوف نہیں اس قصہ کے بیان سے منکرین رسالت کی تہدید مقصود ہے وہ بہر صورت حاصل ہے۔

مقصود کفار مکہ کو سنانا ہے کہ سن لیں منکرین نبوت و رسالت کا یہ انجام ہوتا ہے جو اہل قریہ کا ہوا پس اے ہمارے نبی! آپ ﷺ یہ قصہ اہل مکہ کو سنا دیجیے تاکہ جو ایمان کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ ایمان لے آئیں اور جو کٹر کافر ہیں وہ روز بد کے لیے تیار ہو جائیں غرض یہ کہ آیات قرآنیہ تعیین قریہ کے بارے میں مبہم ہیں اس لیے اب ہم بھی تعیین سے سکوت کرتے ہیں اور قرآن کریم نے جس اجمال اور ابہام کے ساتھ اس قصہ کو ذکر کیا ہے اسی کے مطابق ہم اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حق جل شانہٗ فرماتے ہیں: اے نبی! آپ ﷺ ان مکذبین رسالت کے لیے اگلوں کی تکذیب اور ان کی بد انجامی کی ایک داستان بیان کیجیے جس سے ان کو معلوم ہو کہ ان سے پہلے ایک قوم نے پیغمبروں کی تکذیب کی پھر وہ لوگ قیامت سے پہلے ہی دنیاوی عذاب میں گرفتار ہوئے یعنی ان کے سامنے اس بستی والوں کا حال بیان کر۔ جس میں تین رسول آئے تھے۔ اول بار ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے پس لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور سنتے ہی فوراً ان کی تکذیب کر دی۔ پھر دوسری بار ہم نے تیسرے رسول سے ان کو قوت دی۔ ان دونوں کی تائید اور تقویت کے لیے تیسرے کو ہم نے وہاں جانے کا حکم دیا تاکہ تین کے جمع ہو جانے سے دعوت اور تبلیغ میں قوت پیدا ہو۔ پس ان تینوں رسولوں نے بستی والوں سے کہا کہ ہم تینوں من جانب اللہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ تم کو خدا کا راستہ بتلائیں۔ بت پرستی کو چھوڑو اور توحید و رسالت پر ایمان لاؤ

اہل قریہ نے جواب دیا کہ تم کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تم ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ صفات بشریہ میں ہم اور تم یکساں ہیں۔ پس خدا نے تم کو نبوت اور رسالت کے ساتھ کیوں خاص کیا اور علاوہ ازیں مسئلہ نبوت و رسالت سرے ہی سے غلط ہے اس لیے کہ تمہارے قول کی بنا پر نبوت کا دارومدار وحی الٰہی ہے اور اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز یعنی وحی اور کتاب نازل نہیں کی جیسے یہود نے عناد میں کہا تھا۔ ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام:۹۱) اسی طرح ضد اور عناد میں ان لوگوں نے بھی یہی کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ ہم خدا کے فرستادہ ہیں اور خدا نے بذریعہ وحی کے ہم کو یہ حکم دیا ہے یہ سب غلط ہے وحی کوئی چیز نہیں۔ اور بولے کہ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ نے ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے اور ہم پر یہ وحی نازل کی ہے۔ اللہ کو اگر پیغام دینا منظور ہوتا تو کسی فرشتہ کو بھیجتا انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی جھوٹ نہیں بنایا بلکہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھیجا ہے بلاشبہ ہم تمہاری طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں سو وہ ہم نے تم تک پہنچا دیا ہے اور ہمارا کام تو صرف اللہ کے پیغام اور احکام کو ٹھیک پہنچا دینا ہے اب آگے ماننا اور نہ ماننا وہ تمہارا کام ہے اس کے بعد شاید اہل شہر قحط اور دیگر مصائب میں مبتلا کر دیئے گئے ہوں۔ جیسا کہ اللہ کی سنت ہے کہ عذاب نازل کرنے سے پہلے نافرمانوں کو قحط وغیرہ میں مبتلا کرتے ہیں۔ تاکہ متنبہ ہو جائیں۔ مگر وہ بدبخت الٹا پیغمبروں پر الزام لگانے لگے اور بولے کہ تحقیق ہم نے تم کو منحوس پایا۔ کہ تمہاری وجہ سے ہم کو یہ نحوست پہنچی جب سے تمہارے منحوس قدم اس شہر میں آئے بارش نہیں برسی اور ہماری سب کھیتیاں خشک ہو گئیں اور قوم میں نااتفاقی ہو گئی اور بولے کہ تحقیق ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ جب سے تم آئے ہو ہم طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں جب سے تم اس شہر میں آئے ہو اس وقت سے بارش نہیں ہوئی اور ہماری سب کھیتیاں خشک ہو گئیں۔ اگر تم اپنے اس دعوے سے اور اپنی اس تبلیغ اور دعوت سے اور ایسی باتوں سے باز نہ آئے تو سن لو کہ ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور تمہارا کام تمام کر دیں گے اور بلکہ اس سے پہلے ہی تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی یعنی طرح طرح سے ہم تم کو ستائیں گے۔ ان رسولوں نے کہا کہ تمہارا یہ شگون بد اور یہ نحوست سب تمہارے ساتھ ہے ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ نحوست جو تم کو پہنچی ہے۔ وہ تمہاری طرف سے آئی ہے اور اس پر ڈھٹائی یہ ہے کہ ڈراتے اور دھمکاتے ہو ہم کو۔ ہم اللہ کے فرستادہ ہیں اور مجسم رحمت ہیں حق اور ہدایت لے کر آئے ہیں جس چیز کو تم نے نحوست سمجھا ہے وہ محض تمہارا گمان ہے اور اپنی وہمی اور خیالی نحوست کو ہماری طرف منسوب کرنا یہ بھی تمہارا خواب وخیال ہے جس پر عقلاً ونقلاً کوئی دلیل نہیں نحوست کا اصل منشا کفر اور معصیت ہے جو تمہیں چمٹا ہوا ہے کیا محض اس لیے کہ ہماری طرف سے تم کو نصیحت کی گئی ہے تم ہمیں الزام دینے لگے اور نصیحت اور دعوت حق کو نحوست بتلانے لگے اور ہمیں دھمکانے اور ڈرانے لگے تمہاری یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ تم خود حد سے گذر جانے والے لوگ ہو اور یہ مصیبت اور نحوست تمہارے افعال بد کا نتیجہ ہے بلاوجہ اور بلادلیل تم اس کو ہماری طرف منسوب کرتے ہو اور ہماری نصیحت کو نحوست کا سبب بتلانے لگے ہو۔ اور ہم جو کہہ رہے ہیں وہ سامان سعادت وسعودت ہے نہ کہ نحوست۔ اور جب اس گفتگو کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی تو اسی اثنا میں ایک چوتھا شخص یعنی ایک مرد کامل منتہائے شہر سے مرسلین کی تائید اور اعانت کے لیے دوڑتا ہوا آیا۔ اور لوگوں کو نصیحت کرنے لگا اور یہ کہا کہ اے میری قوم عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم خدا کے ان فرستادوں کا اتباع اور ان کی پیروی کرو جو حق دے کر تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں لہٰذا ان کا کہنا مانو۔ بالکل سچے لوگ ہیں۔ خدا کی طرف سے تمہارے پاس نیک پیغام لے کر آئے ہیں اور تم کو صدق اور امانت اور عفاف اور صلہ رحمی اور مکارم اور محاسن اعمال اور توحید اور حسن عبادت کا حکم دیتے ہیں جس سے مقصود محض تمہاری خیر خواہی ہے اور جو شخص ایسی پاکیزہ باتوں کا حکم دے وہ کبھی

منحوس نہیں ہوسکتا۔ عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسی پاکیزہ ہستیوں کا اتباع عقلاً واجب ہے اور ان کی پیروی سراسر خیر و برکت ہے اور باعث سعادت ہے اور اس سے اعراض نحوست ہے نیز ان کے واجب الاتباع ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ عقل سلیم یہ حکم دیتی ہے کہ ایسے ناصح مخلص کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجرت اور معاوضہ نہیں مانگتا۔ وہ ناصح مخلص ہے وہ تم سے نہ مال کا طالب ہے اور نہ جاہ کا طالب ہے۔ بے غرض ہے حرص اور طمع سے بالکلیہ پاک ہے محض تمہاری شفقت اور خیر خواہی کے لیے تم نادانوں کی طرف سے یہ مشقتیں برداشت کر رہا ہے ایسے شخص کی پیروی میں کیا تردد ہے مخلص اور بے غرض ناصح کا اتباع عقلاً واجب ہے اور علاوہ ازیں ان کے واجب الاتباع ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ خود راہ راست پر ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں اور تم کو بھی راہ راست پر چلانا چاہتے ہیں لہٰذا ان کے اتباع اور پیروی سے گریز میں تمہارے لیے کوئی عذر نہیں مگر ان بدبختوں اور بدعقلوں نے ایک نہ سنی۔ بالآخر اس چوتھے شخص کو شہید کر ڈالا۔ جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔

**نکتہ** حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایسی آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کلمہ حق کو بہ شہادت قلبی پہچان لیتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کر کے خلق اللہ کو کلمہ حق کی دعوت دیتی ہے۔ آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے بعد جو مراتب و منازل ہیں وہ ان کو عطا کیے جائیں گے اور یہ صفت خلافت خاصہ کے لوازم میں سے ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ

اور مجھ کو کیا ہے؟ کہ میں بندگی نہ کروں اس کی جس نے مجھ کو بنایا اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے بھلا میں پکڑوں

دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ

اس کے سوا اوروں کو پوجنا کہ اگر مجھ پر چاہے رحمٰن تکلیف ، کچھ کام نہ آوے مجھ کو ان کی سفارش

شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ

اور نہ وہ مجھ کو چھڑاویں تو تو میں بھٹکا رہوں صریح میں یقین لایا

بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ

تمہارے رب پر، مجھ سے سن لو حکم ہوا کہ چلا جا بہشت میں بولا کسی طرح میری قوم

يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا

معلوم کریں کہ بخشا مجھ کو میرے رب نے اور کیا مجھ کو عزت والوں میں اور اتاری نہیں ہم نے

عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾

اس کی قوم پر اس کے پیچھے کوئی فوج آسمان سے اور ہم اتارا نہیں کرتے

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً عَلَي

یہی تھی ایک چنگھاڑ، پھر تبھی سب بجھ رہے کیا افسوس ہے

الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ

بندوں پر کوئی رسول نہیں آیا ان پاس جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے کیا نہیں

يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ ۭ

دیکھتے؟ کتی کھپا چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں؟ کہ وہ ان پاس پھر نہیں آتے

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع ۲ ۲۰ ۱

اور ساروں میں کوئی نہیں جو اکٹھے نہ آویں ہمارے پاس پکڑے۔

## بقیہ قصہ مرد صالح مشتمل بر پند ونصائح برائے اصلاح قوم

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿وَمَا لِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ . . . الٰی . . . وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴾

**خلاصۂ کلام** یہ کہ منتہائے شہر سے ایک مرد صالح دوڑتا ہوا آیا اور اپنی قوم کو نصیحت کرنے لگا کہ تم مرسلین کی پیروی کرو کیونکہ یہ لوگ خود غرضی سے بالکلیہ پاک ہیں جو مانع اتباع ہے اس لیے کہ وہ تم سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں مانگتے ﴿لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ (القصص: ۸۳) کے مصداق کامل ہیں اور خود حق اور راہ راست پر ہیں اور تم کو بھی حق اور راہ راست کی دعوت دے رہے ہیں جو اتباع اور پیروی کا داعی اور مقتضی ہے اور میں نے تو حق کو پہچان لیا اور دل وجان سے اس کو قبول کر لیا اور جو بات میں نے اپنے لیے پسند کی ہے وہی تمہارے لیے پسند کرتا ہوں اور آخر مجھے کیا ہوا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد تمہاری طرح شرک اور بت پرستی میں مبتلا رہوں اور کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور پردۂ عدم سے نکال کر وجود کا خلعت مجھ کو پہنایا اور نیست سے ہست کیا ہم پر خالص حق اسی ذات کا ہے جس نے ہم کو پیدا کیا جس میں میں اور تم برابر ہیں ایک بندہ اور پروردہ اپنے آقا اور مربی سے کیسے آزاد ہو سکتا ہے بندہ پر حق ہے کہ وہ اپنے خالق کی بندگی کرے جس نے اس کو وجود بخشا اور پالا اور آخر کار اس چند روزہ زندگی کے بعد پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جس خالق اور فاطر کے پاس سے تم آئے تھے پھر اسی کی طرف تم کو جانا اور لوٹنا ہے اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے کیا منہ دکھاؤ گے تم اس کے دائرۂ حکومت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے وہی ہمارا مبدأ ہے اور وہی ہمار امنتہا ہے تم ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے خالق اور فاطر کے پیغام کو سنے اور اپنے مبدأ اور معاد کو پہچانے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے: ((کل مولود یولد علی الفطرۃ)) اور قرآن کریم میں ہے: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ وہ انسان ہی کیا ہوا جسے اپنے خالق اور مربی سے انس نہ ہو۔

**نکتہ** ﴿وَمَا لِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اس مرد صالح نے بات اپنے اوپر رکھ کر قوم کو سنا دی اور ﴿وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ سے قوم کو خطاب کیا کہ اپنے مآل اور انجام کی فکر کرو۔

یہ تو خالق کے مستحق عبادت ہونے کو بیان کیا۔ اب آگے بت پرستی کا رد ہے کہ تمہارے یہ بت کسی طرح لائق عبادت نہیں کیا میں اپنے خالق اور فاطر کو چھوڑ کر ان بتوں کو اپنا معبود بنا لوں جو بالکل عاجز ہیں کہ باختیار خود اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتے اور جن کی درماندگی اور عاجزی کی یہ کیفیت ہے کہ اگر خدائے مہربان اپنی کسی رحمت اور حکمت سے کسی وقت مجھے کسی تکلیف اور ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے تو میرے لیے ان بتوں کی نہ تو کوئی سفارش کام آئے گی اور نہ یہ بت اپنی قدرت یا قوت سے مجھے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکیں گے تحقیق میں ایسی حالت میں اگر ان کو معبود مان لوں تو صریح گمراہی میں جا پڑوں تم لوگ غور نہیں کرتے کہ تم کیسی صریح گمراہی میں مبتلا ہو میری نصیحت کو گراں نہ جانو میں تمہارا صریح خیر خواہ ہوں تحقیق میں تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا ہوں جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو پرورش کرتا ہے پس تم میری بات سنو اور تم بھی اپنے خالق اور پروردگار پر ایمان لے آؤ۔ **(یا یہ معنی ہیں)** کہ اگر تم ایمان نہیں لاتے تو تم میرا کلمہ ایمان سن لو اور میرے ایمان پر گواہ ہو جاؤ تا کہ تم دنیا اور آخرت میں میرے ایمان کی گواہی دے سکو۔

**نکتہ** ﴿بِرَبِّكُمْ﴾ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو میرا خالق اور پروردگار ہے وہی تمہارا بھی پروردگار ہے پھر اس

سے برگشتگی کی کیا وجہ پس جب مرد صالح نے اپنا کلام نصیحت التیام اس حد تک پہنچا دیا تو اہل قریہ سن کر غصہ میں جامہ سے باہر ہو گئے اور اس مرد صالح و ناصح پر ٹوٹ پڑے اور پتھروں سے یا گلا گھونٹ کر نہایت بے دردی سے اس کو مار ڈالا۔

اور بعض علماء سلف جیسے [1] حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ اہل قریہ اس مرد صالح کو ابھی قتل کرنے نہ پائے تھے اس کے مار ڈالنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ صحیح سالم آسمان پر اٹھالیا اور اس کو یہ حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ دُنیا کے جیل خانہ سے تو نکل آیا اب ہمارے مہمان خانہ میں قیام کر کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۟ۙ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۟ۚ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۟ۙ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۟﴾ (الفجر) جنت میں داخل ہونے کے بعد اس مرد صالح کو پھر اپنی قوم کی فکر ہوئی اور کہنے لگا کاش میری قوم جانتی کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور انبیاء علیہم السلام کے اتباع کی برکت سے میری مغفرت کر دی اور مجھ کو عزت اور کرامت والوں میں سے بنا دیا اگر میری قوم کو میرا حال معلوم ہو جائے تو وہ سب ایمان لے آئیں پس جب اہل قریہ مرسلین کی تکذیب کر چکے اور خدا کے ایک ولی کے قتل کے درپے ہوئے تو غضب الٰہی جوش میں آیا کہ ان سنگدلوں سے اس کا انتقام لیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اس مرد صالح کے قتل کے بعد یا اس کے رفع الی السماء کے بعد یا تکذیب مرسلین کے بعد یا اس سارے ماجرے کے بعد ہم نے اس خبیث قوم سے انتقام لینے کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہمیں اتارنے کی حاجت اور ضرورت تھی ان کا ہلاک کرنا کچھ مشکل نہ تھا کفار خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں خدا کی نظر میں اس قدر ذلیل اور حقیر ہیں کہ ان کے ہلاک کرنے کے لیے آسمانی لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے خدا تعالیٰ کے لیے تو آسمان اور زمین کا اور سارے عالم کا تباہ کرنا بھی مشکل نہیں ایک بستی کی تو حقیقت ہی کیا ہے اور اہل قریہ کے ہلاک کرنے کے لیے کچھ نہیں ہوا مگر صرف ایک چیخ کافی ہوئی چنانچہ جبریل امین علیہ السلام نے یا کسی اور فرشتہ نے اس شہر کے کنارہ پر ایک چیخ ماری جس سے یکلخت سب کے سب تباہ اور برباد ہو گئے پس ناگاہ اسی وقت سب بجھے ہوئے ہو گئے جبریل علیہ السلام اور فرشتہ کی ایک کرخت آواز سے سب کے کلیجے پھٹ گئے اور بجھی ہوئی آگ کی طرح سب ٹھنڈے ہو گئے اور حیات کی حرارت ختم ہوئی اور کوئی باقی نہ بچا خدا تعالیٰ دشمنوں سے اپنے دوستوں کا اس طرح انتقام لیتا ہے سن لو اور سمجھ لو مطلب یہ ہے کہ ہماری حکمت اور مصلحت اس بات کو مقتضی نہیں کہ کسی قوم کے ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر اتاریں اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی ہمارے نزدیک تو سارے جہان کا ہلاک کرنا بھی آسان ہے ہمارے نزدیک سب ہیچ اور ناچیز ہیں گذشتہ قوموں نے جب خدا کی نافرمانی کی اور پیغمبروں کا مقابلہ کیا تو خدا تعالیٰ نے کسی قوم کو ہوا سے تباہ کیا اور کسی قوم پر پتھر برسائے اور کسی قوم کو سخت آواز نے پکڑا اور کسی کو زمین میں دھنسایا اور کسی کو دریا میں غرق کیا۔

غرض یہ کہ گذشتہ قومیں اس طرح ہلاک کی گئیں، ان کے ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نازل نہیں کیا گیا۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ﴾ (العنکبوت: ۴۰)

خدا تعالیٰ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے اس لیے گذشتہ قوموں کے ہلاک کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے یہ اسباب پیدا

---

[1] قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الحسن لما اراد القوم ان یقتلوه رفعه الله الی السّماء فهو فی الجنة لایموت الا بفناء السماء.
(تفسیر قرطبی ص ۱۹ ج ۵)

کیے ورنہ خدا تعالیٰ کو تو اس کی بھی ضرورت نہ تھی وہ چاہتا تو دم کے دم میں سب کا دم نکل جاتا۔

اور جنگ بدر اور جنگِ احزاب اور جنگِ حنین میں فرشتوں کے جو لشکر اتارے گئے اس سے آنحضرت ﷺ کا اعزاز اور اکرام مقصود تھا یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی آپ کی عظمت شان اور جلالت قدر کے اظہار کے لیے فرشتوں کے لشکر اتارے گئے نیز یہ معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دلجوئی اور ان کی قدر افزائی کے لیے تھا ورنہ ابو جہل کا لشکر ہلاک کرنے کے لیے فرشتوں کے لشکر کی ضرورت نہ تھی غرض یہ کہ جنگ بدر اور جنگِ احزاب میں فرشتوں کا لشکر اتارنا محض آنحضرت ﷺ کے شرف اور کرامت اور جلالت شان کو ظاہر کرنے کے لیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بشارت اور ان کی سکینت اور طمانیت کے لیے تھا کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران:۱۲۶) ورنہ ہزار کافروں کے ہلاک کرنے کے لیے ایک فرشتہ بھی کافی تھا قوم لوط کی تمام بستیوں کو یکلخت اوپر سے نیچے پھینک دیا۔ (دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازیؒ ص ۵۷ ج ۷ حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۱۲۷ ج ۴)

**خلاصۂ کلام** یہ کہ جنگِ بدر میں جو فرشتوں کا لشکر اُتارا گیا اس سے قریش کے لشکر کو ہلاک کرنا مقصود نہ تھا بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامت تھی محض صحابہ کی تقویت قلوب کے لیے فرشتوں کا لشکر اتارا گیا اور کفار قریش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں مارے گئے اور قید کیے گئے۔ (دیکھو روح المعانی ص ۲ ج ۲۳ و روح البیان ص ۳۶۸ ج ۷)

اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب قریہ کی سرکشی اور شرارت کی سزا کے لیے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ اس کی ضرورت تھی ایک تند آواز نے سب کا خاتمہ کر ڈالا فرشتہ کی ایک چیخ سب کی ہلاکت کے لیے کافی ہوئی۔

**نکتہ** اور ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ میں ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ کی قید شاید اس لیے لگائی گئی تاکہ اشارہ ہو جائے کہ اگرچہ بعد میں بھی اس قسم کے لوگ ہوئے کہ جو اس قسم کے عذاب کے مستحق ہوئے مگر ہم نے اپنی رحمت سے ان کے ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اب آگے ان کے اس عمل بد پر اظہار افسوس کا بیان ہے اے حسرت و افسوس تو کہاں ہے یہ وقت تیرے حاضر ہو جانے کا ہے تو حاضر ہو کر ان بندوں اور گندوں پر نازل ہو جا جو خدا کے نبیوں کی تکذیب اور استہزاء میں اور خدا کے ولیوں کی تذلیل اور تحقیر میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔

ان سرکشوں کا حال یہ ہے کہ نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے انبیاء اور اولیاء کے ساتھ استہزاء اور تمسخر بھی ان کی حسرت کا سبب بنا پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ حاضرین گذشتہ امتوں کے حال بداعمال سے بھی عبرت نہیں پکڑتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو تکذیب رسل اور ان کے ساتھ استہزاء کی سزا میں غارت اور ہلاک کر ڈالا اور باوجود اس کے پھر بھی تکذیب رسل اور ان کے ساتھ استہزاء سے باز نہیں آتے کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو سرکش ہلاک کر دیئے گئے اور عذاب کی چکی میں پیس دیئے گئے اور ان کا قصہ ختم ہوا اب وہ لوٹ کر ان کی طرف نہیں آتے یعنی وہ پھر دنیا میں ان کے پاس نہیں آتے جو آ کر لوگوں کو اپنا حال بتلائیں مرنے کے بعد کسی مردہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ باختیار خود عالم آخرت سے عالم دنیا میں دو چار گھنٹے ہی کے لیے آ جائے اور جن مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا قرآن اور حدیث ثابت ہے وہ محض اللہ کے حکم سے کسی حکمت کی بنا پر تھا باختیار خود نہ تھا اور کوئی نہیں مگر قیامت کے دن سب کے سب جمع کر کے ہمارے حضور میں حاضر کیے جائیں گے اور اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے اور مجرم تو پابجولاں زنجیروں میں جکڑے ہوئے حاضر کئے جائیں گے اپنے انجام کو سوچ لیں۔

وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ
اور ایک نشانی ہے ان کو زمین مردہ اس کو ہم نے جلایا اور نکالا اس میں سے اناج سو اسی میں سے
یَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِیْهَا
کھاتے ہیں اور بنائے ہم نے اس میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بہائے اس میں
مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا
بعضے چشمے کہ کھاویں اس کے میووں سے اور وہ بنایا نہیں ان کے ہاتھوں نے پھر کیوں
یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ
شکر نہیں کرتے پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو اگتا ہے زمین میں
وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ
اور آپ ان میں اور جن چیزوں میں کہ ان کو خبر نہیں اور ایک نشانی ہے ان کو رات ادھیڑ لیتے ہیں ہم اس سے
النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ
دن پھر تبھی یہ رہ جاتے ہیں اندھیرے میں اور سورج چلا جاتا ہے اپنی ٹھہری راہ پر یہ
تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ
سادھا ہے اس زبردست باخبر کا اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک
كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ
کہ پھر آرہے جیسے ٹہنی پرانی نہ سورج کو پہنچے کہ پکڑلے چاند کو
وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَ اٰیَةٌ
اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں اور ایک نشانی ہے
لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ
ان کو کہ ہم نے اٹھا لی ان کی نسل اس بھری کشتی میں اور بنا دیئے ہم نے ان کو

مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا

اس طرح کے جس پر چڑھتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان کو ڈبا دیں پھر کوئی نہ پہنچے ان کی فریاد کو اور نہ

هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

وہ خلاص کیے جاویں مگر ہم اپنی مہر سے اور کام چلانے کو ایک وقت تک۔

## ذکر دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت وامکان حشر ونشر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ... الٰى... وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں ان سرکشوں کا حال بیان کیا جو توحید کے بھی منکر تھے اور نبوت و رسالت کے بھی منکر تھے اور حشر ونشر کے بھی منکر تھے اب آگے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرتے ہیں جس سے توحید ثابت ہو اور شرک کا ابطال ہو اور حشر ونشر کا امکان ثابت ہو۔

(نیز) گذشتہ مضمون کے ختم پر یہ فرمایا ﴿وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ جس سے ان کفار کو تنبیہ تھی جو معاد کے منکر اور اس سے غافل تھے۔ اب آگے دلائل قدرت کو ذکر کرتے ہیں تاکہ حشر ونشر کا اقرار کریں اور آخرت کی کچھ فکر کریں اور ان دلائل قدرت کے ضمن میں اپنی نعمتوں کو بھی شمار کیا تاکہ اپنے منعم حقیقی کو پہچانیں اور اس کا شکر کریں اور کفر اور کفران سے باز آجائیں اور منعم حقیقی کی توحید کے قائل ہوں اور منعم حقیقی کے مرسلین یعنی خدا کے فرستادوں کی دعوت وتبلیغ کی طرف کان لگائیں تاکہ راہِ راست پر چل سکیں اور منعم حقیقی کو راضی کر سکیں بعد ازاں حق تعالیٰ نے کفار ناہنجار کی طعن آمیز باتوں کو نقل کر کے ان کا جواب دیا اور جس شبہ کی بناء پر دوبارہ زندہ ہونے کو وہ محال سمجھتے تھے اس شبہ کا مفصل اور مدلل جواب دیا اور اس مضمون پر سورت کو ختم کیا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ قادر مطلق ہے وہ بلاشبہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے شبہ اور وسوسہ میں نہ پڑو اور اس مقام پر جس قدر دلائل قدرت ذکر کئے ان میں سے ہر دلیل کے ضمن میں متعدد دلائل ہیں ہر دلیل متعدد دلائل کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

### دلیل اوّل:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ... الٰى... وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾

یہ اس کی قدرت کی پہلی دلیل ہے کہ اللہ کی آیات قدرت میں سے ایک زمین ہے جو ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے اس کے حالات میں غور کر لو کہ ہم خشک زمین کو تر وتازہ کر کے اس میں قسم قسم کے پھل اور غلے پیدا کرتے ہیں جو تمہاری زندگی کا سامان ہے تاکہ تم لوگ اس میں سے کھاؤ اور شکر کرو مگر افسوس تم شکر نہیں کرتے تمام عالم مل کر بھی ایک پھل پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ پس خوب سمجھ لو کہ جو ذات زمین سے غلوں اور پھلوں کے نکالنے پر قادر ہے وہ زمین سے مردوں کو نکالنے پر بھی قادر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ان کافروں کے لیے خدا کی قدرت کی ایک عظیم نشانی مردہ زمین ہے یعنی خشک اور بے گھاس زمین ہے جس کو بارش کے ذریعہ ہم نے زندہ اور سرسبز کیا اور اس میں سے دانہ نکالا یعنی غلہ اور اناج نکالا پس اسی دانہ سے یہ لوگ کھاتے اور زندہ رہتے ہیں اور اسی زمین میں ہم نے قسم

قسم کے باغات بنائے کھجوروں کے اور انگوروں کے کسی زمین میں انگور پیدا ہوتا ہے مگر خرما پیدا نہیں ہوتا جیسے کابل کی زمین اور کسی زمین میں کھجور پیدا ہوتا ہے اور انگور پیدا نہیں ہوتا جیسے مدینہ کی زمین یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کسی مادہ اور ایتھر کا تقاضہ نہیں اور زمین میں ہم نے چشمے جاری کیے جن میں سے اکثر کا پانی شیریں اور خوشگوار ہے جو نالوں اور نہروں اور ندیوں کی طرح جاری ہے تاکہ لوگ ان باغات کے پھلوں سے کھائیں جن کو اللہ نے پیدا کیا اور یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا اور نہ ان کے معبودوں نے تخم ریزی اور آبپاشی کی بظاہر اگرچہ ان کے ہاتھوں نے کی ہے مگر غلوں اور پھلوں کا پیدا ہونا یہ تو خدا ہی کے دست قدرت کا کرشمہ ہے پس کیا یہ لوگ اللہ کی ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے جس نے یہ نعمتیں پیدا کیں اور خالص اللہ کی عبادت نہیں کرتے کہ جو ان نعمتوں کا خالق ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام متقابل اور متضاد انواع واقسام کو پیدا کیا از قسم نباتات جن کو زمین اگاتی ہے کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا کوئی شیریں اور کوئی تلخ اور خود آدمیوں کی ذاتوں میں سے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو عرب اور کسی کو عجم اور کسی کو شامی اور کسی کو حبشی۔

اور ان چیزوں سے جن کو یہ نہیں جانتے مختلف اقسام پیدا کیں جیسے اس نے قسم قسم کے چرند اور پرند اور حشرات الارض پیدا کیے پس جو ذات تنہا ان بے شمار مخلوقات کی خالق ہے اس کی عبادت کریں اور اسی کو خدائے وحدہٗ لاشریک مانیں مخلوقات میں ایک دوسرے کا مقابل موجود ہے مگر خدا تعالیٰ کا کوئی مقابل نہیں کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الذاریات: ۴۹) پس جس ذات کا کوئی جوڑ اور مقابل نہیں وہی لائق پرستش ہے زوجیت مخلوق کی صفت ہے اور فردیت خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی صفت ہے۔

## دلیل دوم:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ ... الی ... وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝﴾

یہ اس کی قدرت کی دوسری دلیل ہے کہ اس نے لیل و نہار کو اور شمس و قمر کو پیدا کیا دن رات کا یکے بعد دیگرے آنا اور رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی اور آفتاب و ماہتاب کا ایک خاص روشنی پر رہنا جس میں نہ کبھی کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے جس کی حقیقت کے ادراک سے دنیا کی عقلیں حیران ہیں تمام عالم مل کر بھی اس پر قادر نہیں کہ لیل و نہار اور طلوع و غروب میں کوئی تغیر کر سکے۔

گذشتہ آیت میں زمین کی نشانی کا ذکر فرمایا جو باشندگانِ عالم کا مکان ہے اب آئندہ آیت میں لیل و نہار کی نشانی کو ذکر فرماتے ہیں جو لوگوں کے لیے زمان ہے اور مکان اور زمان میں مناسبت ظاہر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ان کے لیے ہماری قدرت کی ایک نشانی رات ہے جس کے اندر سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں یعنی اس میں سے دن کی روشنی کو کھینچ لیتے ہیں پس وہ اس وقت تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں سَلَخ کے معنی لغت میں بدن سے پوست (کھال) اتار لینے کے ہیں زمانہ اور وقت میں اصل ظلمت یعنی تاریکی ہے اور آفتاب کی روشنی امر عارضی ہے اور آفتاب اور دن کی روشنی رات کے وقت کو بمنزلہ پوست کے ساتر ہے یعنی اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ اس روشنی کو اس وقت اور زمانہ سے یا اس ہوا اور خلا سے یا روشنی کے مکان سے کھینچ لیتا ہے تو لوگ اسی دم تاریکی میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان پر رات آ جاتی ہے دن کی روشنی رات کو کھال کی طرح اپنے اندر چھپائے ہوئے تھی جب خدا

تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کھال کو اتار لیا تو رات نمودار ہوگئی جس طرح جانور کی کھال کھینچ لینے سے اندر کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے اسی طرح جب خلاء اور ہوا سے روشنی کھینچ لی گئی تو اندر سے ظلمت اور تاریکی اور اندھیرا ظاہر ہو گیا اور لوگ روشنی سے نکل کر تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو گئے پس سمجھ لو کہ جس ذات کے ہاتھ میں ان تقلبات اور تصرفات کی باگ ہے وہی تمہارا معبود برحق ہے۔

غرض یہ کہ آیت ہذا یعنی ﴿نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ﴾ میں جو لفظ نسلخ بطور استعارہ استعمال کیا گیا بقدر ضرورت حضرات مدرسین کے لیے اس کی تشریح کر دی گئی حضرات اہل علم اس کی تفصیل کے لیے روح المعانی اور حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی دیکھیں۔

اور اللہ کی قدرت کی ایک نشانی آفتاب ہے جو بحکم خداوندی اپنی قرار گاہ یعنی اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے جو اس کے لیے مقرر ہے یہ اندازہ ہے جو مقرر کردہ ہے خدائے غالب اور باخبر کا یعنی آفتاب کی یہ سیر خدائے عزیز کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور علیم وحکیم کا مقرر کیا ہوا ہے جس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں یہ سب خداوند عزیز وعلیم کی تسخیر ہے آفتاب کی مجال نہیں کہ خدا کی مقرر کردہ سیر سے ذرہ برابر انحراف کر سکے خدا تعالیٰ نے جو اس کی چال مقرر کر دی ہے ذرہ برابر اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا خدا کے حکم کے مطابق طلوع وغروب کرتا ہے حق جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے آفتاب کے نور کی ایک خاص حد اور خاص مقدار مقرر فرما دی ہے اسی طرح اس کی حرکت اور مسافت کی بھی ایک حد مقرر فرما دی ہے اور یہ سب کچھ اس علیم وقدیر کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے آفتاب باذن خداوندی اسی طرح چلتا رہے گا اور مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اس کو حکم ہوگا کہ جہاں سے تو آیا ہے یعنی جدھر سے تو غروب ہوا ہے ادھر ہی لوٹ جا پس اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔

"مستقر" کے معنی قرار گاہ یعنی منتہائے سیر کے ہیں جہاں پہنچ کر اس کا دورہ ختم ہو جاتا ہے اس آیت میں لفظ مستقر سے یا تو ① روزانہ کا منتہائے سیر مراد ہے یا ② سال بھر کا منتہائے سیر مراد ہے یعنی منازل بروج مراد ہے جن کو آفتاب سال بھر میں قطع کرتا ہے آفتاب برابر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک سال میں اس کا دورہ بروج ختم ہوتا ہے ③ یا مستقر سے دائرہ نصف النہار مراد ہے جہاں پہنچ کر آفتاب کا ارتفاع اور بلند ہونا ختم ہو جاتا ہے اور انحطاط اور زوال شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ غروب ہو جاتا ہے ④ یا مستقر سے منتہائے عمر دنیا یعنی روز قیامت مراد ہے جو آفتاب کی سیر وحرکت کا منتہیٰ ہے قیامت تک آفتاب اسی طرح چلتا رہے گا جب قیامت آجائے گی اس وقت اس کا طلوع اور غروب ختم ہو جائے گا اس وقت آفتاب کو قرار حاصل ہو جائے گا جب قیامت آجائے گی تو آفتاب ٹھہر جائے گا اور اس کی حرکت باقی نہ رہے گی اور روز قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے کہ اس روز بساط عالم ہی لپیٹ دی جائے گی ⑤ یا مستقر شمس یعنی آفتاب کی قرار گاہ اور منتہائے سیر سے عرشِ الٰہی مراد ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ آفتاب غروب کے بعد ہر رات عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں جا کر سجدہ کرتا ہے اور طلوع کے لیے اذن مانگتا ہے تو اس کو اذن دیا جاتا ہے تب وہ طلوع کرتا ہے الیٰ آخر الحدیث معلوم ہوا کہ آفتاب کا مستقر زیر عرش ہے اور یہ آفتاب کا مستقر مکانی ہے جیسا کہ روز قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے عام معنی مراد لیے جائیں جو ان تمام امور کو شامل ہوں جو ماقبل میں ذکر کیے گئے یعنی مستقر سے مطلق قرار گاہ اور ٹھکانا مراد لیا جائے خواہ وہ حرکت یومیہ کے اعتبار سے ہو یا سالانہ دورہ کے اعتبار سے ہو یا منتہائے عمر دنیا کے اعتبار

سے ہو اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آفتاب کی رفتار اور حرکت کے لیے جو نقطہ اور حد متعین کر دی ہے آفتاب قیامت تک اپنی حد معین پر باذن خداوندی اسی طرح برابر حرکت کرتا رہے گا یہ سب عزیز و علیم کی تقدیر اور تسخیر ہے کوئی اس میں ذرہ برابر تغیر و تبدل نہیں کر سکتا البتہ جب خدا تعالیٰ خود چاہیں گے تو اس نظام کو درہم برہم کر دیں گے طلوع و غروب کا یہ نظام خدا تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔

اس آیت میں آفتاب کے جریان اور استقرار کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں قمر کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ سورج کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور چاند کی سیر اور رفتار کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں جن کو وہ برابر طے کرتا رہتا ہے منازل قمر اٹھائیس ۲۸ ہیں ہر رات قمر ایک منزل میں نزول کرتا ہے نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے ابتداء میں ماہتاب کا نور شب بہ شب زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ چودھویں رات میں اس کا نور پورا ہو جاتا ہے پھر اس میں کمی شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اخیر ماہ میں چاند کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح باریک اور پتلا ہو جاتا ہے ہر ماہ [1] کے آخر میں اور ہر ماہ کے شروع میں چاند کمان کی طرح باریک ہو جاتا ہے اخیر مہینہ میں جب چاند باریک اور پتلا ہو جاتا ہے تو دو رات کے لیے پوشیدہ ہو جاتا ہے پھر شروع مہینہ میں بشکل ہلال ہو کر ظاہر ہوتا ہے چاند کا اس طرح گھٹنا اور بڑھنا یہ بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے غرض یہ کہ شمس اور قمر دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر ایک کی سیر اور رفتار کے لیے اور طلوع اور غروب کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے لہٰذا نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور اس کی منزل میں نزول کر جائے اور اس کی حد میں داخل ہو جائے اور نہ چاند کی یہ مجال ہے کہ وہ سورج کو پکڑ سکے حالانکہ ماہتاب تیز رفتار ہے اور آفتاب سست رفتار ہے سورج سال بھر میں اپنی منزلیں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں اپنی منزلیں قطع کر لیتا ہے غرض یہ کہ دونوں کی سیر اور رفتار اللہ تعالیٰ کی تسخیر اور تقدیر کے تابع ہے دونوں کا ایک منزل میں جمع ہونا ناممکن اور محال ہے اور ایک کا دوسرے کے وقت میں ظہور اور طلوع ناممکن ہے خدا تعالیٰ نے زمین کے جس خطہ اور حصہ میں طلوع و غروب کا جو نظام مقرر کر دیا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں ردوبدل کر سکے اور نہ رات کی یہ مجال ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے یعنی یہ ممکن نہیں کہ دن پورا ہونے سے پہلے ہی رات آ جائے دن ہو یا رات اپنے مقرر وقت سے پہلے نہیں آ سکتا۔

چاند اور سورج سب کے سب اپنے اپنے آسمان میں یا اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے اور گھومتے اور چلتے رہتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ یا مدار سے باہر قدم نکال سکے اور کسی سیارہ سے جا کر ٹکرا جائے سب ستارے آفتاب و ماہتاب وغیرہ اپنے اپنے آسمان میں تیرتے رہتے ہیں جیسے مچھلیاں پانی میں تیرتی رہتی ہیں۔

غرض یہ کہ چاند اور سورج اور سیارات سب کے سب حسب تسخیر خداوندی اپنے اپنے چرخ اور اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے کوئی سیارہ دوسرے سیارہ سے مزاحم نہیں ہو سکتا ہر سیارہ اپنی جگہ اس طرح حرکت کرتا رہتا ہے کہ گویا کہ مچھلیاں دریا میں تیرتی پھرتی ہیں۔

---

[1] قال ابن الشیخ حتی صار القمر فی اخر الشھر واول الشھر الثانی فی دقتہ واستقواتہ واصفرارہ کالعرجون القدیم روح البیان ص ۳۹۹ ج ۷۔

## لطائف و معارف

① ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا... الخ﴾ سے معلوم ہوا کہ چاند اور سورج حرکت کرتے رہتے ہیں اور آسمان اور زمین ساکن ہیں۔

② شمس اور قمر اور ہر سیارہ کی خدا تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جو ان کو معلوم ہے اسی کے مطابق وہ حرکت کرتے ہیں اور بے شمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ شمس اور قمر اور کواکب اور نجوم اور جمادات اور نباتات میں ایک قسم کا شعور اور ادراک ہے یہ سب چیزیں اللہ کی تسبیح اور تحمید کرتی ہیں اور اس کو سجدہ کرتی ہیں۔

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴)

## سجود الشّمس

③ اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ آفتاب غروب کے بعد عرش کے نیچے جاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے طلوع کی اجازت مانگتا ہے سو اس کو مل جاتی ہے مگر قیامت کے قریب جب وہ زیر عرش سجدہ کرے گا اور چلنے کی اجازت چاہے گا تو اس کو اجازت نہ ملے گی اور یہ کہا جائے گا کہ جدھر سے آیا ہے ادھر ہی پھر لوٹ جا اور وہیں سے طلوع کر چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور کسی کا ایمان قبول نہ ہوگا۔

④ انسان کی طرح کائنات عالم کے لیے تسبیح و تحمید اور رکوع و سجود ثابت ہے مگر ہر نوع کا رکوع اور سجود اس کے جسم اور وجود کے لائق اور مناسب ہے۔

مثلاً انسان کے سجدہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے لیکن شمس اور قمر اور شجر و حجر کا سجدہ ان کی شان کے لائق ہے جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے انسان کی تسبیح اور تحمید کے معنی یہ ہیں کہ وہ زبان سے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہے مگر شجر اور حجر اور پہاڑوں کی تسبیح اور تحمید کے یہ معنی نہیں۔ ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ (النور: ۴۱)

بہر حال سجود شمس حق ہے اب رہا یہ امر کہ وہ سجدہ روحانی ہے یا جسمانی ہے آنی ہے یا زمانی ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو — کہ کس نہ کشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

### دلیل سوم:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۴۱ ... الی... اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝۴۴﴾

یہ اس کی قدرت کی تیسری دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدرت سے گراں بار کشتیوں کو دریا میں چلاتا ہے جن پر تم لمبے لمبے سفر

کرتے ہوا گر وہ غرق کر دے تو کون ہے جو تمہاری فریاد رسی کر سکے یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ تمہیں غرق نہیں کرتا یہ گراں بار کشتیاں اس کی قدرت کی بھی دلیل ہیں اور اس کی نعمت اور رحمت کی بھی دلیل ہیں ایک سمندر میں بڑے سے بڑے جہاز کی ایک تنکے کے برابر بھی حقیقت نہیں اللہ کی رحمت سے سہولت کے ساتھ سفر طے ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا کہ وہ بھری ہوئی کشتی گہرے پانی میں تخت کی طرح چلتی ہے جس کا آغاز نوح علیہ السلام سے ہوا اور اس کے علاوہ ہم نے ان کے لیے کشتی کی مانند ایسی چیز پیدا کی جس پر وہ سواری کر سکیں جیسے اُونٹ اور گھوڑے اور خچر وغیرہ وغیرہ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾ سے وہ تمام قسم کے جہاز اور کشتیاں مراد ہیں جو کشتی اوّل کے بعد اس کی مماثلت اور مشابہت میں بنائی گئیں یہ معنی ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۵ ج ۱۵)

بہر حال لوگوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر گذار ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے بر اور بحر میں تمہاری سواری اور بار برداری کا انتظام کر دیا اور اگر ہم چاہیں تو اہل کشتی کو دریا میں غرق کر دیں پس کوئی نہ ان کے لیے فریاد رس ہو جو ان کو غرق سے بچا لے اور نہ یہ لوگ مصیبت اور آفت سے چھٹکارا پا سکتے ہیں مگر یہ کہ رحمت کریں ہم اپنی طرف سے اور فائدہ پہنچاویں ان کو ایک وقت مقرر تک دنیوی زندگی تک یعنی جب ہم ان کو ایک خاص وقت تک فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو ان کو نہیں ڈبوتے یہ سب ہماری رحمت اور عنایت ہے ورنہ وہ تو کفر اور شرک کی وجہ سے غرق ہی کے مستحق تھے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور جب کہیے ان کو بچو اپنے سامنے آئے سے اور اپنے پیچھے چھوڑے سے شاید

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا

تم پر رحم ہو اور کوئی حکم نہیں پہنچتا ان کو اپنے رب کے حکموں سے جس کو

عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ

ٹلا نہیں رہتے اور جب کہیے ان کو خرچ کرو کچھ اللہ کا دیا

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ

کہتے ہیں منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلاویں ایسے کو کہ اللہ چاہتا

اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

تو اس کو کھلاتا تم لوگ تو نرے بہک رہے ہو۔

# کفار کی سرکشی اور سنگدلی کا بیان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿ وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَ مَا خَلْفَکُمْ . . . الی . . . اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں دلائل قدرت کو اور اپنی نعمتوں کو ذکر کیا کہ کفر اور شرک سے باز آ جائیں اور منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہوں اب آئندہ آیات میں کفار کے عناد اور ان کی سنگدلی کو بیان کرتے ہیں کہ بڑے ہی سرکش ہیں کتنے ہی دلائل بیان کرو مگر ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا اپنی جہالت اور ضلالت پر سختی سے جمے ہوئے ہیں نہ آگے کی فکر ہے نہ پیچھے کی فکر ہے نہ پچھلے گناہوں کا خیال ہے اور نہ آئندہ گناہوں کی بدانجامی سے خطرہ ہے نوبت بایں جا رسید کہ ضد اور عناد میں ان چیزوں سے بھی اعراض کرتے ہیں کہ جو عقلاء عالم کے نزدیک بلکہ ان کے نزدیک بھی مسلم اور مستحسن اور قابل فخر ہیں مثلاً جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں کچھ خرچ کرو (جو ان کے نزدیک بھی کار خیر ہے) تو بطور تمسخر یہ کہتے ہیں کہ ہم کیوں خرچ کریں خدا خود قادر ہے وہ صاحب احتیاج کی حاجت کو پورا کر سکتا ہے تو جب خدا ہی نے ہمیں دیا تو ہم کیوں دیں مگر نادان یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ کسی کو رزق نہیں دیتے یہ سارا عالم، عالم اسباب ہے سارا عالم اسباب و وسائل کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اسباب و وسائل کو خدا تعالیٰ نے اپنی داد و دہش کا روپوش اور واسطہ اور ذریعہ بنایا ہے اللہ کی تقدیر اور اس کی مشیت کا کسی کو علم نہیں اسباب کے پردہ میں اس کی مشیت کا ظہور ہوتا ہے زمین سے غلہ پیدا ہوتا ہے در اصل اگانے والا خدا تعالیٰ ہے مگر زمین اس کی نعمت رزق کا واسطہ ہے اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ فقراء کو دیا کریں اصل دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اغنیاء کے ہاتھ اللہ کی عطاء کا واسطہ اور ذریعہ ہیں ان کے واسطہ سے فقراء کو رزق پہنچتا ہے آخر ان دولت مندوں کو جو رزق مل رہا ہے وہ بھی اسباب و وسائل کے واسطہ سے مل رہا ہے بلا واسطہ خدا تعالیٰ ان کو رزق نہیں دے رہا ہے اور آسمان سے کوئی خوان ان کے گھر میں نہیں اتر رہا ہے بادشاہ بعض دفعہ خزانچی سے دلواتا ہے دونوں صورتوں میں وہ بادشاہ ہی کی عطاء ہے خزانچی عطاء شاہی کا ایک واسطہ ہے یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو مختلف قسم پر پیدا کیا ہے کسی کو امیر اور کسی کا فقیر اور امیر کو یہ حکم دیا کہ ہماری عطاء کردہ دولت میں سے کچھ حصہ فقیروں اور مسکینوں پر خرچ کرے مختلف قسم کی مخلوق پیدا کرنے سے اللہ کا مقصود بندوں کا امتحان ہے کہ کون بخل کرتا ہے اور کون اس کی دی ہوئی نعمت اور دولت کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے پس تعجب ہے کہ ان لوگوں میں نہ کوئی تقویٰ ہے اور نہ خوف خدا ہے کہ حکم خداوندی پر چلیں اور نہ مخلوق پر رحم ہے بڑے ہی سنگدل ہیں اور اپنے بخل کے لیے خدا کی مشیت کو بہانہ بناتے ہیں تاکہ فقیروں کو دے کر اپنے مزوں اور چٹخاروں اور گلچھروں میں فرق نہ آئے۔

خدا نے جو امیروں کو فقیروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے بندو! میں نے تم کو جو مال و دولت دیا ہے اسکا اصل مالک میں ہوں میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری اس دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ میرے غریب بندوں کی مدد میں خرچ کرو جس طرح میں تمہاری ذات کا مالک ہوں اسی طرح تمہارے پاس جو دولت ہے اس کا مالک بھی میں ہی ہوں اور یہ تمام مال و دولت جو تمہارے ہاتھ میں ہے وہ سب میری امانت ہے جب چاہوں واپس لے سکتا ہوں میں نے ہی تو دیا ہے میرے حکم کے مطابق خرچ کرو میری مشیت کو بہانہ نہ بناؤ میں نے اپنی حکمت سے کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر بنایا تم کون ہو جو ہماری مشیت میں دخل دو ہم نے جو حکم دیا اس کی تعمیل کرو تم ہمارے بندے ہو اور ہم تمہاری جان و مال کے مالک ہیں ہمارا حکم ہے کہ ہماری دی ہوئی دولت میں سے

تم فقیروں کی امداد کرو ہماری مشیت یہ ہے کہ ہم کسی حکمت اور مصلحت سے بعض بندوں کو بعض بندوں کے ہاتھ سے رزق پہنچانا چاہتے ہیں۔

اب آئندہ آیات میں ان کی سنگدلی کو بیان کرتے ہیں کہ کیسے ہی خطروں سے ان کو ڈرایا جائے تو ڈرنا تو کیا ان باتوں کو سنتے تک نہیں چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب ان سنگدلوں سے کہا جاتا ہے کہ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے ہاتھوں کے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے یعنی دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرو یا اس عذاب سے ڈرو جو تم سے پہلے تکذیب کرنے والے گروہوں پر آچکا ہے اور اس عذاب سے جو تمہارے پیچھے یعنی آخرت میں آنے والا ہے یعنی ایمان لے آؤ شاید تم پر رحم ہو تو [1] ڈرنا تو کیسا ان باتوں کو سنتے تک نہیں اعراض کرتے ہیں اور التفات بھی نہیں کرتے اور اس نصیحت کی کوئی تخصیص نہیں وہ تو ایسے سنگدل ہیں کہ کوئی نشانی اللہ کی نشانیوں میں سے ان کے پاس نہیں آئی مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس کی طرف التفات نہیں کرتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم کو جو روزی دی ہے اس میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں اس کے محتاج بندوں پر خرچ کرو تو یہ کافر اہل ایمان سے بطور طعن واستہزاء کہتے ہیں ہم کیوں ایسے شخص کو کھانا دیں کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ خود اس کو کھانا دے دیتا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان کافروں کو کچھ خیر و خیرات کرنے کو کہتے جو ان کے نزدیک بھی امر مستحسن ہے اور وہ خود اس پر فخر کرتے ہیں تو بطور طعن مسلمانوں سے یہ کہتے کہ تم یہ کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ ہی سب کو روزی دیتا ہے پس جب خدا نے ان کو روزی نہیں دی تو ہم کیوں دیں اگر خدا کو دینا ہوتا تو وہ خود دے دیتا ہم تو خدا کی مشیت پر چلتے ہیں جسے خدا نے کھانے کو نہیں دیا ہم بھی اس کو نہیں دیتے اے گروہ مؤمنین! تم صریح گمراہی میں ہو کہ تم ہم کو مشیتِ الٰہی کے خلاف کرنے کا حکم دیتے ہو۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ کافروں کے قول کا تتمہ نہیں بلکہ اللہ عزوجل کا قول ہے جس سے کافروں کے شبہ اور وسوسہ کا رد ہے اور اللہ کی طرف سے کفار کو خطاب ہے کہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو کسی کو یہ علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ فلانے کے حق میں کیا چاہتا ہے اپنے بخل اور خست کے لیے اور نیک کام نہ کرنے کے لیے خدا کی تقدیر اور مشیت کو بہانہ بنانا یہ صریح گمراہی ہے مثلاً اگر ان کا کوئی بچہ بھوکا ہو تو اسے بھی کھانا نہ دینا چاہیے اور یہی کہہ دینا چاہیے کہ اگر خدا اسے کھانا دینا چاہتا تو خود کھلا دیتا سب کو معلوم ہے کہ اللہ نے ساری مخلوق کو یکساں نہیں بنایا بعضوں کو مالدار اور بعضوں کو فقیر بنایا تاکہ فقیر صبر کریں اور امیر شکر کریں اور امیروں کو حکم دیا کہ ہماری دی ہوئی دولت میں سے محتاجوں کی مدد کریں پس خدا کی مشیت اور تقدیر کو بہانہ بنانا اور خیر وخیرات کے بارہ میں خدا نے جو حکم دیا ہے اس کو چھوڑ دینا یہ محض خطا اور صریح ظلم و جفا ہے اور کھلی گمراہی ہے۔

درویش راخدا بتوانگر حوالہ کرد | تا کار اوبسازد وفارغ کندلش
از روئے بخل گر نشود ملتفت بدو | فردا بود ندامت واندوہ حاصلش

قیل ان ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ کان یطعم مساکین المسلمین فلقیہ ابوجھل فقال یا ابابکر اتزعم ان اللہ قادر علی اطعام ھٰؤلاء قال نعم قال فمابالہ لم یطعمھم قال ابتلی قومابالفقر و

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَاِذَا قِیْلَ﴾ کی جزاء محذوف ہے۔ کما قال القرطبی والجواب محذوف والتقدیر ﴿اِذَا قِیْلَ لَهُمْ ذٰلِكَ﴾ اعرضوا دلیلہ قولہ بعد ﴿وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ﴾ فاکتفی بھذا عن ذالك۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۶ ج ۱۵)

قوما بالغنی وامر الفقراء بالصبر وامر الاغنیاء بالا عطاء فقال واللہ یا ابابکر ما انت الافی ضلال اتزعم ان اللہ قادر علی اطعام ھٰؤلاء وھو لا یطعمھم ثم تطعمھم انت فنزلت ھذہ الآیۃ ونزل قولہ تعالٰی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی الاٰیات (تفسیر قرطبی ص ۳۷ ج ۱۵)

"روایت کیا گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اتفاق سے ابوجہل آپ کو مل گیا اور کہنے لگا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا تمہارا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالٰی ان کے کھانا کھلانے پر قادر ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں بلا شبہ اللہ تعالٰی ان کے کھلانے پر قادر ہے ابوجہل نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ نے ان کو بھوکا رکھا اور کھانے کو نہیں دیا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے کسی قوم کو اللہ نے فقر سے آزمایا اور کسی قوم کو اللہ نے مالداری سے آزمایا اور فقراء کو صبر کا حکم دیا اور دولت مندوں کو شکر اور جود وکرم کا حکم دیا ابوجہل نے کہا اے ابوبکرؓ خدا کی قسم تو خالص گمراہی میں ہے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالٰی ان فقیروں کے کھانا کھلانے پر قادر ہے اور باوجود قدرت کے پھر ان کو کھانا نہیں دیتا اور پھر تو ان کو کھانا کھلاتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اَنْفِقُوْا ... الٰی قولہ ... اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ ﴾ (لیل: ۵، ۶) .... الٰی اٰخر الاٰیات۔

اللہ تعالٰی نے کسی کو تندرستی اور توانائی عطا کی اور کسی کو بیماری اور لاچاری اور اسی طرح کسی کو امیری دی اور کسی کو فقیری اور کسی کو حسن وجمال عطا کیا اور کسی کو سیاہ فام بنایا یہ اختلاف اور تفاوت اور تنوع معاذ اللہ کسی بخل اور خست پر مبنی نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت پر ہے خداوند ذوالجلال کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں اور اس کے جود وکرم کی انتہا نہیں اس نے جس کسی کو فقیر اور نادار بنایا وہ حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے برخلاف ان لوگوں کے جو فقراء اور مساکین کے نہ دینے کے لیے خدا کی مشیت کا حوالہ دیتے ہیں یہ سراسر بخل اور خست پر مبنی ہے اور صریح جہالت اور ضلالت اور حماقت ہے اور فقراء اور مساکین کی امداد کے بارہ میں ان لوگوں کا یہ کہنا کہ اگر اللہ چاہتا تو خود ان کو کھلا دیتا یہ سب ان کی سنگدلی اور بے رحمی کی دلیل ہے یہ تمام عالم خیر وشر کا اور پاک اور ناپاک کا مجموعہ ہے جس میں عطر اور گلاب بھی ہے اور پاخانہ اور پیشاب بھی ہے سب خدا ہی کی مشیت سے ہے اس نے پاک اور پاکیزہ چیزوں کے استعمال کا حکم اور ناپاک اور گندی چیزوں کے استعمال کو منع فرمایا بندہ کا کام یہ ہے کہ خدا کے حکم پر چلے نہ کہ اس کی قدرت اور مشیت کو اپنے برے فعل کے لیے بہانہ بنائے۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ مَا یَنْظُرُوْنَ

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو یہی راہ دیکھتے ہیں

اِلَّا صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً تَاْخُذُھُمْ وَھُمْ یَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

ایک چنگھاڑ کی جو ان کو پکڑے گی جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے پھر نہ سکیں گے

تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ ع ۱۸/۳/۲

کہ کچھ کہہ مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر جاویں گے اور پھونکا جاوے نرسنگا پھر تبھی وہ

مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ

قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے کہیں گے اے خرابی ہماری! کس نے اٹھا دیا

مَّرْقَدِنَا سكتة هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ

ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے یہ وہ ہے جو وعدہ دیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا بھیجے ہوؤں نے یہی ہوگی

اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ

ایک چنگھاڑ پھر تبھی وہ سارے ہمارے پاس پکڑے آئے پھر آج کے دن

لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ

ظلم نہ ہوگا کسی جی پر کچھ اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے تحقیق

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ ج هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ

بہشت کے لوگ آج ایک دھندے میں ہیں باتیں کرتے وہ اور ان کی عورتیں

ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا

سایوں میں تختوں پر بیٹھے ہیں تکیے لگائے ان کو وہاں ہے میوہ اور ان کو ہے جو

يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ صلے سَلٰمٌ قف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ

مانگ لیں سلام بولنا ہے رب مہربان سے اور تم الگ ہو جاؤ آج

اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا

اے گنہگارو! میں نے نہ کہہ رکھا تھا تم کو؟ اے آدم کی اولاد! کہ نہ پوجو

الشَّيْطٰنَ ج اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ لا وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ط هٰذَا صِرَاطٌ

شیطان کو وہ کھلا دشمن ہے تمہارا اور یہ کہ پوجو مجھ کو یہ راہ ہے

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا

سیدھی اور وہ بہکا لے گیا تم میں سے بہت خلق کو پھر کیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا

تم کو بوجھ نہ تھی یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا پیٹھو اس میں

الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ

آج کے دن بدلہ اپنے کفر کا آج ہم مہر کر دیں گے ان کے منہ پر

وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾

اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور بتاویں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے

وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾

اور اگر ہم چاہیں مٹادیں ان کی آنکھیں پھر دوڑیں راہ لینے کو پھر کہاں سے سوجھے

وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّ لَا

اور اگر ہم چاہیں صورت بدل دیں ان کی جہاں کی تہاں پھر نہ سکیں گے چلنا نہ وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ ع وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ ع ۱۷

الٹے پھریں اور جس کو ہم بوڑھا کریں اوندھا کریں خلقت میں پھر کیا بوجھ نہیں رکھتے

وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ

اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں یہ تو نری سمجھوتی ہے اور قرآن ہے

مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لا لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾

صاف تا ڈر سناوے اس کو جس میں جان ہو اور ثابت ہو بات منکروں پر

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا

اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنا دیئے ان کو اپنے ہاتھوں بنائے سے چوپائے پھر وہ ان کا

مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَ

مال ہیں اور عاجز کر دیا ان کو ان کے آگے، پھر ان میں کوئی ہے ان کی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں اور

لَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ

ان کو ان میں فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے اور پکڑے ہیں

دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ

اللہ کے سوا اور حاکم کہ شاید ان کو مدد پہنچے نہ سکیں گے ان کی مدد کرنی اور

هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا

یہ ان کی فوج ہوکر پکڑے آویں گے اب تو غم نہ کھا ان کی بات سے ہم جانتے ہیں جو

يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾

چھپاتے ہیں اور جو کھولتے ہیں۔

## منکرین حشر ونشر کی تہدید اور وعید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ ... الٰی ... اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں زیادہ تر دلائل توحید کا ذکر تھا اور اس سے ذرا پہلے ﴿وَ اِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ میں مسئلہ حشر ونشر کا ذکر تھا۔ اب پھر مسئلہ حشر ونشر کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور ان کا ایک سوال نقل فرماتے ہیں ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ یعنی یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اس کے وقت کے اظہار سے مصلحتاً اعراض فرمایا اور اجمالی طور پر صرف اتنا بتادیا کہ قیامت ناگہاں آئے گی جب لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوں گے ناگہاں صور پھونکا جائے گا اور پھر اس دن کے بعض ہولناک واقعات سے آگاہ کردیا اور بعد ازاں حشر ونشر کے مکذبین اور مستہزئین پر تہدید فرمائی اور بتلایا کہ تم عذاب آخرت کے منکر ہو یہ بھی ممکن ہے کہ خدائے قہار کی طرف سے دنیا ہی میں تم پر کوئی عذاب آجائے اور اپنے اس ارشاد ﴿وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ ... الخ﴾ میں دُنیاوی عذاب سے تہدید ہے کہ تم آخرت کے عذاب کا انکار کرتے ہو خدا کی قدرت سے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تم پر دنیا ہی میں کوئی عذاب بھیج دے خدا تعالیٰ دُنیا ہی میں تمہارے طمس اور مسخ پر قادر ہے اور اس کے بعد ﴿وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ﴾ سے بڑھاپے کے تغیر کو ذکر کیا جو طمس اور مسخ کے قریب قریب ہے اور طمس اور مسخ کا ایک نمونہ ہے اس

قسم کی باتوں سے قرآن بھرا پڑا ہے یہ سب خدا کی قدرت کے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ ہیں اور حق شناسی کے لیے کافی اور شافی ہیں مگر یہ معاندین قرآن کریم کے اس قسم کے حقائق اور معارف کو اور حکمت اور موعظت کی باتوں کو سن کر یہ کہتے ہیں کہ یہ سب شاعرانہ باتیں جن کو محمد (ﷺ) شاعرانہ رنگ میں بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ان کی یہ بات بالکل بیہودہ اور غلط ہے ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ ہم نے اپنے نبی کو ہرگز شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ منصب نبوت کے لائق اور مناسب ہے یہ قرآن تو خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو حکمت اور موعظت سے بھرا پڑا ہے پھر اس کے بعد شرک کی بُرائی بیان کی اور دلائل قدرت سے توحید کا اثبات فرمایا اور اسی پر سورت کو ختم کیا۔

**ربط دیگر:** گزشتہ آیات میں ان کے بخل اور خست کو اور نصیحتوں اور ہدایتوں سے اعراض کو بیان کیا اب آئندہ آیات میں ان کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے اعراض کی اصلی وجہ یہ ہے کہ آخرت پر ایمان نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے خاتم الانبیاء ﷺ کے وقت تک تمام انبیاء علیہم السلام قیامت کی اور آخرت کی جزاء وسزا کی متواتر اور برابر خبر دیتے چلے آئے جس میں ذرہ برابر شک نہیں مگر یہ گمراہ اس کو بعید سمجھتے ہیں اور نہایت بیباکی سے یہ کہتے ہیں کہ کہاں ہے وہ قیامت کا وعدہ جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو تو دکھلاؤ حق تعالیٰ فرماتے ہیں یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک سخت آواز کا جو یکایک ان کو آکر ایسی حالت میں پکڑ لے گی کہ یہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے اور اپنے دنیاوی کاروبار میں مشغول ہوں گے ﴿صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ سے نفخۂ اولیٰ مراد ہے اسرافیل علیہ السلام جب پہلی بار صور پھونکیں گے تو اس کی سخت آواز سے سب فنا ہو جائیں گے پس اس وقت نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کو واپس ہو سکیں گے اس سخت آواز کے بعد جہاں ہوں گے وہیں مر جائیں گے اور اتنی مہلت بھی نہ ملے گی کہ اپنے معاملہ کو پورا کر سکیں۔ کیا اس عذاب کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اور پھر چالیس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے پھر یکایک اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں گے اور نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان جو چالیس سال کی مدت ہوگی اس میں کافروں سے عذاب اٹھالیا جاوے گا اور وہ اس عرصہ میں آرام سے سوتے رہیں گے جب نفخۂ ثانیہ کے بعد قبرستان سے اٹھائے جائیں گے اور میدان حشر اور حساب و کتاب کا ہولناک منظر دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے جگا دیا ہم تو آرام سے سو رہے تھے کس نے ہم کو جگایا اور ہم کو اس مصیبت کے میدان میں لا کھڑا کیا تو اس وقت فرشتے یا اہل نجات ان کو جواب دیں گے کہ یہی وہ قیامت ہے جس کا رحمن نے تم سے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا مگر تم نے نہ مانا اور پیغمبروں کی تکذیب کی۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نہیں ہوگا یہ نفخۂ ثانیہ مگر ایک سخت آواز پھر سب کے سب یکلخت ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس اس دن جو جزاء کا دن ہے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور نہیں جزاء دیئے جاؤ گے آج اے اہل محشر! مگر جو کام تم کرتے تھے کافروں کو جو سزا ملے گی وہ ان کے عمل کے مطابق ہوگی مگر اہل ایمان کو علاوہ جزاء کے اپنے مزید فضل سے وہ ثواب عطا کرے گا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا کافروں کے ساتھ معاملہ عدل کا ہوگا اور اہل ایمان کے ساتھ معاملہ فضل در فضل کا ہوگا اس لیے اب آگے اہل جنت کا انعام اور ان کی عیش و عشرت کو بیان کرتے ہیں کہ تحقیق اہل جنت اس روز عیش و راحت کے شغل میں ہوں گے اور شاداں و فرحاں ہوں گے خدا کی مہمانی ہوگی اور عیش و کامرانی کی کوئی انتہاء نہ ہوگی اہل جنت اور ان کی بیبیاں سایوں میں شاہانہ تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور ان کے لیے جنت میں قسم قسم کے پھل ہوں گے جن کا دُنیا میں تصور بھی نہیں اور اس کے علاوہ جس

چیز کی وہ خواہش کریں گے وہ ان کے لیے حاضر کردی جائے گی اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کے لیے رب رحیم کی طرف سے بلاواسطہ سلام ہوگا۔

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنی عیش و عشرت میں ہوں گے کہ یکایک ان پر ایک نور ظاہر ہوگا تو وہ لوگ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اللہ عزوجل کی تجلی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے یہ فرمائے گا: السلام علیکم یا اهل الجنة. "سلام ہو تم پر اے اہل جنت" پس تمام اہل جنت اس نور کے دیکھنے میں مشغول ہوجائیں گے اور کسی چیز کی طرف التفات نہیں کریں گے یہاں تک کہ وہ نور ان سے مستور ہوجائے گا مگر اس نور کی برکتیں باقی رہ جائیں گی۔ (دیکھو تفسیر قرطبی [1] ص ۴۵ ج ۱۵)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی نعمت و کرامت کو بیان کیا اب آئندہ آیات میں اہل جہنم کی ذلت و خواری کو بیان کرتے ہیں [2] چنانچہ میدان حشر میں جب اہل جنت کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا تو اس وقت کافروں کو یہ حکم ہوگا کہ اے مجرمو! آج تم نیکوں سے علیحدہ ہوجاؤ دُنیا میں اگرچہ ملے جلے تھے مگر اب تمہارا ٹھکانہ علیحدہ ہے اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے جدا کردیا جائے گا۔ پس اے مجرمو! آج تم اہل جنت سے الگ ہوجاؤ اب تمہارے لیے خاص طور پر سزا کا حکم ہونے والا ہے پھر فرشتوں کی زبانی ان کو ملامت اور سرزنش ہوگی اور یہ کہا جائے گا کہ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرنا تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری بندگی کرنا یہی سیدھا راستہ ہے مگر تم اس دشمن کے کہنے پر چلے اور میرے عہد و پیمان کو پس پشت ڈال دیا اور تحقیق اس شیطان نے تم میں سے بہت سی گزشتہ مخلوق کو گمراہ کر ڈالا جن کے گمراہی اور انجام بد سے تم کو قرآن میں بار بار آگاہ کردیا گیا پس کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے تھے کہ اپنے دشمن کے فریب میں نہ آؤ کہ گزشتہ مخلوق کی طرح گمراہ ہوجاؤ اور مستحق عذاب ہوجاؤ اچھا اب اپنی گمراہی کا مزہ چکھو لو یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا رہا آج اپنے کفر اور معصیت کی بنا پر اس میں گرو اور اب اس میں داخل ہوجاؤ یہ تمہارے کفر کا بدلہ اور نتیجہ ہے اس سرزنش اور ملامت کے بعد مجرمین اپنے کفر اور شرک کا انکار کریں گے اور قسمیں کھا کر یہ کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام: ۲۳) خدا کی قسم ہم بتوں کو نہیں پوجتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے جیسے دُنیا میں ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تھی آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے تاکہ وہ جھوٹ نہ بول سکیں اور ان کے ہاتھ خود ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں خود ہمارے سامنے گواہی دیں گے ان تمام کاموں کی جو وہ کیا کرتے تھے زبان اور پاؤں خود بخود بولیں گے اور اپنی گفتار اور کردار کی خود بخود گواہی دیں گے کہ ہم نے یہ کہا تھا اور یہ کیا تھا جس میں ان مشرکین اور مجرمین کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہ ہوگا اور کفار اپنے اختیار سے بات کرنے پر قادر نہ ہوں گے خود ان کے اعضاء اور جوارح بولیں گے جب کفار کراماً کاتبین کی گواہی کو نہ

---

[1] قال القرطبی رحمه الله و روی من حدیث عبدالله البجلی رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال بینا اهل الجنة فی نعیمهم اذ سطع لهم نور فرفعوا رؤسهم فاذا الرب قد اطلع علیهم من فوقهم فقال السلام علیکم یا اهل الجنة فذلك قوله تعالیٰ: ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ فینظر الیهم وینظرون الیه فلا یلتفتون الی شیٔ من النعیم ما داموا ینظرون الیه حتی یحتجب عنهم فیبقی نوره وبرکاته علیهم فی دیارهم ذکره الثعلبی والقشیری ومعناه ثابت فی صحیح مسلم وقد بیناه فی یونس عند قوله ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (تفسیر قرطبی ص ۴۵ ج ۱۵)

[2] یقال لهم هذا عند الوقوف للسؤال حین یؤمر باهل الجنة الی الجنة ای اخرجوا من جملتهم ..... یمتاز المجرمون بعضهم من بعض فیمتاز الیهود فرقه والنصاریٰ فرقة والمجوس فرقة فی النار بیتا تدخل فیه ویر دبابه فتکون فیه فیه ابدا لاتریٰ ولاتُریٰ۔ (تفسیر قرطبی ص ۴۶ ج ۱۵)

مانیں گے تو اللہ تعالیٰ خود کافروں کے اعضاء اور جوارح سے ان کے اعمال کی گواہی دلوائے گا اور ان کے اعضاء اور جوارح کو گویائی عطا کرے گا اور فقط ہاتھ اور پاؤں کی گواہی نہ دیں گے بلکہ باقی اعضاء بھی گواہی دیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۲۰) جو اعضاء اور رجوارح دنیا میں ان کے مددگار تھے آج وہ خود ان کے خلاف گواہی دیں گے دنیا میں زبان ان کے حکم سے بولتی تھی اب آخرت میں اللہ کے حکم سے بولے گی گویائی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے عطا کردے جیسا کہ قرآن کریم میں منصوص ہے ﴿قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۲۱) غرض یہ کہ قیامت کے دن کافر کی گویائی ختم کردی جائے گی اور اس کے اعضاء اور جوارح کو گویائی عطا کردی جائے گی تاکہ اس پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے یہ عذاب تو آخرت میں ہوگا اور اگر ہم چاہتے تو دنیا ہی میں ان کی آنکھیں پٹ کردیتے یعنی اگر ہم چاہتے تو دُنیا ہی میں ان کی ظاہری آنکھیں بھی پٹ کردیتے اور مطلق اندھا بنادیتے تو پھر راستہ کی طرف دوڑتے کہ راستہ دیکھ پائیں لیکن پھر کہاں راستہ پائیں جب آنکھ ہی نہ رہی تو راستہ کہاں سے نظر آئے یعنی جس طرح دنیا میں ہم نے ان کو دل کا اندھا بنادیا کہ راہ حق ان کو نظر نہیں آتی اسی طرح اگر چاہتے تو ہم دنیا میں ان کو ظاہری آنکھوں کا بھی اندھا بنادیتے۔

اور اسی طرح اگر ہم چاہتے تو ہم انہی کہ جگہ پر ان کی صورتیں مسخ کردیتے پھر وہ نہ آگے چلنے پر قادر ہوتے اور نہ پیچھے لوٹنے پر قادر ہوتے یعنی اگر ہم چاہتے تو ان کے کفر اور عناد کی وجہ سے ان کی آنکھوں کو مٹادیتے یعنی ان کے چہرہ کو ایک مسطح تختہ بنادیتے کہ آنکھ اور پلک کا اس میں نام ونشان نہ رہے یا ان کی صورتیں بدل ڈالتے اور انسانی صورت کے علاوہ کسی حیوانی یا جمادی صورت میں تبدیل کرتے ہم اس پر قادر تھے لیکن ہم نے اپنی رحمت سے ایسا نہیں کیا یہ ہماری عنایت ہے کہ ہم نے ان کو بینائی عطا کی کہ یہ دیکھتے اور چلتے اور پھرتے رہیں اور ہماری قدرت سے ان باتوں کو مستبعد نہ سمجھو آخر دیکھ لو کہ جس کی عمر ہم دراز کرتے ہیں یعنی جسے ہم بہت بوڑھا کردیتے ہیں تو خلقت اور بناوٹ میں اس کو اوندھا اور الٹا کردیتے ہیں کہ وہ دن بدن کمزور ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی قوت نامیہ اور باصرہ گھٹتی چلی جاتی ہے جتنی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنا ضعف بڑھتا جاتا ہے پس کیا اپنے اس تغیر اور تبدل کو دیکھ کر لوگ سمجھتے نہیں کہ خدا تعالیٰ تمہارے طمس اور مسخ پر بھی قادر ہے کیا ان کفار کو اتنی عقل نہیں کہ اپنی اس ترقی معکوس کو دیکھ کر یہ سمجھ لیں کہ ہمارے وجود کی باگ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جب چاہے ہماری صورت اور ہیئت کو تبدیل کرسکتا ہے اتنا نہیں سمجھتے کہ جو صورت بنانے پر قادر ہے وہ صورت کے بدلنے پر قادر ہے۔

نزد قدرت کارہا دشوار نیست　　　کار اُور احاجتے درکار نیست

غرض یہ کہ قرآن کریم اس قسم کی حکمت اور عقل ودانائی اور نصیحت اور موعظت کی باتوں سے بھرا پڑا ہے جن کا عین حقیقت اور عین حکمت ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے مگر یہ کفار نابکار جب ان حکمت اور موعظت کی باتی باتوں کو سنتے ہیں اور جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سب شاعرانہ خیالات اور تک بندیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس بات کا رد فرماتے ہیں اور نہیں سکھائی ہم نے اپنے نبی کو شاعری اور نہ وہ آپ ﷺ کی طبیعت اور فطرت کے لائق اور مناسب ہے آپ ﷺ کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ سرتاپا حقیقت اور واقعیت اور صداقت اور حکمت اور موعظت ہوتا ہے اور شاعری کا دارومدار تکلف اور تصنع اور تخیل اور مبالغہ اور تعلّی اور تفاخر پر ہوتا ہے اور نبی ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

اور علیٰ ہذا اس قرآن کو شاعری سے کوئی واسطہ نہیں، نہیں ہے یہ قرآن جس کو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کیا اور جو ہم نے آپ ﷺ کو سکھایا مگر خالص پند ونصیحت ہے اور وہ ایسی کتاب ہے جو دن رات عبادت خانوں اور خلوت خانوں میں پڑھی جاتی ہے اور حقائق اور معارف اور احکام اور حدود کو ظاہر کرتی ہے تا کہ یہ کتاب ہدایت وحکمت اور صحیفۂ موعظت اس شخص کو ڈراوے جو زندہ دل ہے اور حق وباطل کے فرق کو سمجھتا ہے اور کافروں اور منکروں پر جن کے دل آثار حیات سے خالی ہیں اور حقیقت کے اعتبار سے مردہ ہیں ان پر اس روشن کتاب سے اللہ کی حجت پوری ہو کہ قیامت کے دن وہ یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں کسی نے نہیں سمجھایا اور نہیں بتلایا ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کی نصیحت اور ہدایت کے لیے ایسی واضح روشن کتاب نازل کردی جو دین اور دنیا کی نصیحتوں اور ہدایتوں پر مشتمل ہے اور ان پر اپنی حجت پوری کردی مگر یہ نادان اس روشن کتاب کو کبھی شعر اور کبھی سحر اور کبھی کہانت بتلاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُمّی بنایا ہے خط وکتابت سے آپ کو کوئی واسطہ نہیں تا کہ لوگوں پر اللہ کی حجت پوری ہو اور لوگ سمجھ جائیں کہ اس اُمّی (ان پڑھ) کی زبان فیض ترجمان سے جو حقائق ومعارف کا دریا بہہ رہا ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے بندہ کا ساختہ وپرداختہ نہیں اور یہ قرآن جو اسی نبی امی پر نازل ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ وہ سراسر اُمورِ حکمت وموعظت اور احکام ہدایت پر مشتمل ہے اور دنیا اور آخرت کی سعادت کی کنجی ہے اس کو شعر اور سحر اور کہانت سے کیا واسطہ ہے مدت العمر آپ ﷺ نے کبھی کوئی شعر نہیں بنایا آپ خود تو کیا شعر کہتے کسی کا شعر اگر آپ ﷺ اپنی زبان سے پڑھتے تو وہ آپ کی زبان سے اس طرح نکلتا کہ اس کا وزن صحیح سالم نہ رہتا۔

**فائدہ:** اور بعض آیاتِ قرآنیہ اور بعض کلمات نبویہ ﷺ اگرچہ اوزان شعریہ پر موزون ہیں لیکن ان کو شعر نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ ان کی موزونیت اتفاقی ہے من حیث الشعریت اور بالقصد نہیں اللہ تعالیٰ کا یا اس کے رسول کا مقصود افادۂ علم وحکمت ہے اس کو شعر کے ارادہ اور قصد سے بطرز شعر نہیں لایا گیا اس کی موزونیت محض اتفاقی ہے متکلم کا ہرگز یہ مقصود نہیں کہ اس کلام کی موزونیت من حیث الشعریت ہو خاص کر جب کہ قرآن خود اس کے شعر ہونے کی نفی کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے شاعر ہونے کی نفی کرتا ہے جب تک کوئی شخص قول موزون کہنے کا ارادہ نہ کرے وہ شاعر نہیں ہوتا اور جو کلام موزون بلا قصد زبان پر جاری ہو جائے وہ شعر شمار نہیں ہوتا شعر اور شاعری کے لیے موزونیت کا قصد اور ارادہ شرط ہے اتفاقیہ زبان سے کسی موزون کلام کا نکل جانا اس سے کسی کے نزدیک کوئی شاعر نہیں ہو جاتا اور نہ وہ اتفاقی کلام موزون شعر کہلاتا ہے۔

## رجوع بسوئے مضمون وحدانیت وتذکیر نعمت

اُوپر سے سلسلۂ کلام دلائل قدرت اور تذکیر نعمت کا چلا آ رہا ہے اخیر میں مشرکین کے اس قول کی تردید کی کہ جو قرآن کریم کے ان دلائل اور براہین کو شاعرانہ تخیلات بتلاتے تھے اب پھر انہی دلائل قدرت اور انواع واقسام کی نعمتوں کے ذکر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان معاندین کے اعراض وتکذیب سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: کیا انہوں نے دیکھا اور جانا نہیں کہ ہم نے ان کے نفع کے لیے ایسی چیزیں پیدا کیں کہ جن کو خاص ہمارے ہاتھوں نے بنایا کوئی دوسرا آدمی اس میں شریک نہیں اور نہ معین ومددگار رہے یعنی ہم نے ان کے لیے خاص اپنے دست قدرت سے مویشی اور چوپائے پیدا کیے پھر ہمارے مالک بنانے سے یہ لوگ ان چوپایوں کے مالک ہو گئے یعنی ان سے نفع اٹھاتے ہیں اور پھر

ان مویشیوں کو ہم نے ان کے لیے تابع بنا دیا کہ جس طرح چاہیں ان سے کام لیں اور فائدہ اٹھائیں پس بعض ان میں سے ان کی سواریاں ہیں جن سے سواری کا کام لیتے ہیں اور بعض مویشی ایسے ہیں جن کو کھاتے ہیں یعنی جن کا گوشت کھاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان لوگوں کے لیے ان میں فوائد ہیں جیسے صُوف اور اُون اور چربی اور پینے کی چیزیں ہیں یعنی دودھ پھر بھی یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے جس نے ان کو یہ نعمتیں عطا کیں بلکہ بجائے شکر کے کفر اور شرک میں مبتلا ہیں اور سوائے خدا کے اور معبود بنا رکھے ہیں شاید ان معبودوں کی طرف سے ان کی کوئی مدد کی جائے اس امید پر ان کو معبود بنایا ہے شاید کسی مصیبت کے وقت یہ ان کے کام آویں اور ان کی مدد کریں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ معبود ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے محض پتھر ہیں جس کا جی چاہے ان کو توڑ دے اور ان پر جو چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے تو ان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ مکھی سے چھین لیں اور بلکہ یہ بت پرست خود ہی اپنے بتوں کے لیے مفت کی ایک فوج بنے ہوئے ہیں دنیا میں اپنے باطل معبودوں کا ایک لشکر ہیں جو ان کے سامنے حاضر رہتے ہیں مگر مدد کچھ نہیں کر سکتے یا یہ معنی ہیں کہ آخرت میں ہر معبود باطل آگے آگے جہنم میں ہوگا اور یہ اس کے پرستار بمنزلہ لشکر کے اس کے پیچھے پیچھے ہوں گے۔

مشرکین کی ان کفریات اور خرافات سے آنحضرت ﷺ کو صدمہ ہوتا تھا تو آئندہ آیت میں آپ کی تسلی فرماتے ہیں پس غم میں نہ ڈالیں آپ کو ان کی خرافات باتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ وہ صاحب اولاد ہے اور اس کے شریک ہیں یا آپ ﷺ کو شاعر اور ساحر اور مجنون کہتے ہیں آپ ﷺ ان کی باتوں سے آزردہ اور غمگین نہ ہوں ہم ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتے ہیں یہ بچ کر ہم سے کہاں جائیں گے۔

بے شک ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ بغض اور عداوت یہ دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ کلمات کفر شرک زبان سے یہ ظاہر کرتے ہیں ہم سب کا بدلہ لیں گے آپ ﷺ غمگین نہ ہوں ان پر اللہ کا محاسبہ ہے وہ وقت پر ان سے حساب لے گا اور ان کو سزا دے گا آپ ﷺ ان کی خرافات پر صبر کیجیے۔

آشکارو نہاں ہرچہ کر دی و گفتی
جزا دہد بتو دانائے آشکار و نہاں

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ

کیا دیکھتا نہیں آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا ایک بوند سے پھر تبھی ہو گیا جھگڑتا

مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ

بولتا اور بٹھاتا ہے ہم پر کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون جلاوے گا ہڈیاں

وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ

جب کھوکھری ہوگئیں تو کہہ ان کو جلاوے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار اور وہ سب

خَلْقٍ عَلِيْمُ ۝٧٩ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ

بنانا جانتا ہے جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ پھر

اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝٨٠ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اب تم اسی سے سلگاتے ہو کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین

بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝٨١ اِنَّمَآ

نہیں سکتا کہ بناوے ایسے آدمی کیوں نہیں اور وہ ہے اصل بنانے والا سب جانتا

اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٨٢ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ

اس کا حکم یہی ہے جب چاہے کسی چیز کو کہ کہے اس کو ہو وہ ہوجاوے سو پاک ہے وہ ذات

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٨٣ ع

جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

## منکرین حشر کا ایک شبہہ یا وسوسہ کا جواب

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ ... الی ... فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٨٣﴾

**ربط:** گذشتہ آیات میں دلائل اور براہین سے وحدانیت کو ثابت کر دیا اور اس ضمن میں انکار حشر کا بھی ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں ثبوت حشر ونشر پر دلائل قائم کرتے ہیں اور منکرین حشر کے ایک شبہ اور استبعاد کا جواب دیتے ہیں یہ لوگ حشر ونشر کو ناممکن اور محال اور بعید از عقل جانتے تھے اور عجیب عجیب باتیں کرتے تھے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز اُبی بن خلف یا عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی لے کر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا جبکہ سرداران قریش بھی موجود تھے اس ہڈی کو ہاتھ میں لے کر ریزہ ریزہ کرتا جاتا تھا اور ہوا میں اڑاتا جاتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ اے محمد! کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ خدا ان متفرق ریزوں کو دوبارہ زندہ کرے گا آپ نے فرمایا ہاں بے شک تجھ کو مارے گا اور دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر تجھ کو جہنم میں دھکیلے گا یہ آیتیں یعنی ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ سے اخیر سورت تک اس کے بارہ میں نازل ہوئیں جن میں اس کے اس استبعاد کا مکمل اور مفصل اور مدلل جواب دیا گیا اور ایسا کافی اور شافی جواب دیا گیا کہ جس میں کسی جدید اور قدیم فلسفی کو بھی دم مارنے کی مجال نہیں جو شخص اس دلیل کو کسی نمرود صفت کے سامنے پیش کرے گا تو وہ ﴿فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ﴾ کی حالت کا مشاہدہ کرے گا۔

حق جل شانہٗ نے منکرین حشر کے اس استبعاد کے جواب میں جو ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو خدا تم کو پہلی بار ایک نطفہ اور پانی کے ایک ناپاک قطرہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری بار تمہارے پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت جسم انسانی کے مختلف اور متفرق اجزاء کا مجموعہ ہے اور انسان کے اعضاء متفرقہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اس ایک قطرہ آب (نطفہ) میں سر اور آنکھ اور کان اور ہاتھ اور کمر اور ٹانگوں اور پیروں کے تمام اجزاء لطیفہ جمع ہیں اور یہ تمام اجزاء لطیفہ اجزاء ارضیہ سے مستحیل شدہ ہیں اس لیے کہ منی کے تمام اجزاء دراصل غذا سے پیدا شدہ ہیں پس جو خدائے علیم و قدیر پہلی بار جسم کے ان اجزاء متفرقہ سے انسان کو پیدا کرسکتا ہے وہ مرنے کے بعد گلی اور سڑی ہڈیوں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے آدمی کو دوبارہ بھی زندہ کرسکتا ہے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا خدا کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہے دوسرا جواب اللہ تعالیٰ نے اس استبعاد کا یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سرسبز درخت سے آگ نکالی پس جو خدا سبز درخت سے آگ نکال سکتا ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد پیدا کرسکتا ہے اور جو بار اول انسان کو نطفہ جیسی ناچیز شئے سے پیدا کرسکتا ہے وہ دوسری بار انسان کو گلی سڑی ہڈیوں سے بھی پیدا کرسکتا ہے اور پھر ﴿ اَوَ لَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ سے استبعاد کا تیسرا جواب دیا خاص حجت کے بعد ایک عام حجت ذکر فرمائی کہ وہ خدا جس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے آسمان و زمین جیسی باعظمت مخلوق کو پیدا کیا وہ کیوں ایک انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوگا اس کی قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو اس کا صرف یہ کہنا کافی ہے کہ ہو جا وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا بھی اس کی قدرت میں ہے اس جواب کے بعد اپنی قدرت کے آثار عجیبہ کو ذکر کیا اور اس مضمون پر سورت کو ختم کیا۔

## فائدہ جلیلہ در بارۂ معاد جسمانی

ناظرین کرام ان آیات کی تفسیر کو بغور و فکر پڑھیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن اور حدیث میں جس معاد اور حشر کی خبر دی گئی ہے وہ حشر جسمانی ہے اس جسم انسانی کی بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندہ کی جائیں گی اور روح کا دوبارہ تعلق انہی اجزاء ترابیہ کے ساتھ ہوگا جن سے دنیاوی جسم مرکب ہے اور اسی بدن عنصری کے ساتھ علی وجہ الکمال والتمام انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حشر کے بعد جو جسم عطا ہوگا وہ ہو بہو پہلے جسم کے پورا پورا مشابہ ہوگا جو اس کو دُنیا میں حاصل تھا اور اسی حشر جسمانی پر تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا تمام صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا اور تمام اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے صرف فلاسفہ معاد جسمانی کے منکر ہیں اور معاد روحانی کے قائل ہیں اور فلاسفہ جو معاد جسمانی کے منکر ہیں ان کا انکار اس بات پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک اعادۂ معدوم محال ہے جس پر فلاسفہ آج تک کوئی دلیل قائم نہیں کر سکے تفصیل کے لیے روح المعانی دیکھیں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر معاد جسمانی اور روحانی کے متعلق مفصل کلام کیا ہے۔

کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ ہم نے اس کو ایک بوند سے پیدا کیا کہ جو بظاہر ایک بے روح چیز ہے اور اس میں ہوش و حواس اور اعضاء اور جوارح کچھ بھی نظر نہیں آئے۔ پس جب وہ قدرت الٰہی سے پیدا اور زندہ ہو گیا حالانکہ وہ اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا تو بڑا جھگڑالو ظاہر ہوا کہ کمال بے ادبی اور رغایت حماقت اور بوسیدہ عقل سے ہماری قدرت میں جھگڑنے لگا اور ہمارے لیے ایک مثال بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور ایک بوسیدہ ہڈی کو ہاتھ میں لے کر یہ کہنے لگا کہ ان بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ

کرے گا جیسے اُبی بن خلف یا عاص بن وائل یا دونوں جو بعث اور حشر کے منکر تھے وہ یہی کہتے تھے۔

اے ہمارے نبی! آپ ﷺ اس سے کہہ دیجیے کہ ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو اول مرتبہ پیدا کیا اور وہ ہر مخلوق کو اور ہر قسم کی پیدائش کو تفصیل کے ساتھ خوب جانتا ہے کوئی مخلوق اپنی پیدائش سے اتنی آگاہ نہیں جتنا کہ خالق اپنی مخلوق اور اس کی پیدائش سے آگاہ ہے اس کو ذرہ ذرہ کی کنہ وحقیقت کا کمال علم حاصل ہے اور ذرّ ذرہ اس کے قبضہ قدرت میں مسخر ہے جو ذرہ ہوا میں اڑتا پھرتا ہے وہ بھی اسی کے قبضہ قدرت میں مسخر ہے وہ جب چاہے ان ہوا کے ذرات کو جمع کر کے زندہ کر سکتا ہے اور یہ تمام ذرات جو ہوا میں اور خلاء میں پراگندہ ہیں وہ سب اس کو تفصیل کے ساتھ معلوم ہیں وہ ہر شخص کے اجزاء کو متفرق اور پراگندہ ہونے کی حالت میں خوب جانتا اور پہچانتا ہے وہ ان اجزاء کے جمع کرنے اور اکٹھا کرنے اور ملانے پر خوب قادر ہے جس طرح وہ ان اجزاء کے متفرق کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ ان کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے آخر کیا یہ نطفہ انسان کے متفرق اجزا کا مجموعہ نہیں جن سے یہ انسان پیدا ہوا ہے۔

بوسیدہ ہڈیوں کا دوبارہ زندہ کر دینا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ انسان کے جسم میں اجزاء بسیطہ کو ایک نطفہ کی شکل میں نکال کر انسان کو پیدا کرنا عجیب وغریب ہے یہ نادان انسان اپنی اصل خلقت کو بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کے تمام بدن سے ذرات بسیطہ اور اجزاء لاتتجزّٰی کو نطفہ کی شکل میں جمع کیا اس نطفہ میں تمام جسم کے اجزاء لاتتجزّٰی جمع ہیں اس نطفہ میں آنکھ اور کان اور منہ اور ہاتھ اور پیر اور کمر اور پیٹ اور ٹانگیں سب جمع ہیں اور سب اللہ کے علم میں ہیں جس طرح ایک تخم میں درخت کی تمام شاخیں اور پتے اور پھول اور پھل ذرات بسیطہ اور لاتتجزّٰی کی شکل میں اجمالاً موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ تمام اعضاء انسانی کے ذرات بسیطہ اور اجزاء لاتتجزّٰی اجمالاً نطفہ میں جمع ہوتے ہیں یہ ناپاک اور گندہ قطرہ جب رحم میں داخل ہو جاتا ہے تو چند ماہ میں اس سے ابی بن حلف اور عاص بن وائل جیسا جھگڑالو انسان پیدا ہوتا ہے اور ایک بوسیدہ ہڈی کو ہاتھ میں لے کر اڑاتا ہے اور خداوند قدیر کے عجز کے لیے ایک مثال بیان کرتا ہے اور اس وقت اس کی عقل ایسی بوسیدہ اور پراگندہ ہو جاتی ہے کہ اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے کہ خدا نے مجھ کو کس طرح پیدا کیا ہے۔

جس ذات نے اس کو پہلی بار نطفہ سے (یعنی جسم کے اجزاء متفرقہ) بنایا اور پہلی بار اس کو پیدا کیا ہے وہی ذات پاک دوسری بار بھی اس کے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے زندہ کرنے پر قادر ہے انسان جس طرح اپنی اشیاء مملوکہ اور مصنوعہ کے اجزاء متفرقہ کے جمع اور تفریق پر قادر ہے تو اس بوسیدہ عقل والے کو خدا تعالیٰ کی جمع وتفریق میں کیوں شبہ لاحق ہوا ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ خدا تعالیٰ پر کوئی شے پوشیدہ نہیں وہ اپنی مخلوقات کی حقیقت اور کیفیت سے پورا پورا خبردار ہے بخلاف بندہ کے کہ اس کو اپنی مصنوعات کی بھی پوری خبر نہیں ہوتی بندہ کا علم اور اس کی قدرت گھٹتی اور بڑھتی ہے اور خدا تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت ازلی اور ابدی ہے وہ اپنی ہر مخلوق کو مجملاً اور مفصلاً خوب جانتا ہے اس کی قدرت کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا سب برابر ہے۔

**دوسرا جواب:**

اور خدائے قادر وہ خدا ہے کہ جس نے تمہارے لیے سرسبز اور ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی پس تم اس درخت سے آگ جلاتے ہو اس درخت سے مرخ اور عفار کا درخت مراد ہے جو سرزمین حجاز میں پیدا ہوتا ہے وہاں جب کسی کو آگ نہیں ملتی

تو وہ ان درختوں کے پاس آ کر ان کی دو شاخیں لے کر آپس میں رگڑتا ہے تو اس سے آگ پیدا ہوتی ہے جیسے چقماق کے پتھر سے آگ نکالی جاتی ہے اسی طرح اس سرسبز درخت سے آگ نکالی جاتی ہے حالانکہ آگ اور پانی ایک دوسرے کی ضد ہیں خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ مرخ اور عفار کی دو سرسبز ٹہنیاں جن سے پانی ٹپکتا ہو آپس میں رگڑنے سے ان میں سے آگ نکل پڑتی ہے پس جو خدا ایک سرسبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے تو جو چیز پہلے زندہ اور تر و تازہ اور پھر خشک ہوگئی اس کو دوبارہ حسب سابق طراوت اور تازگی پر لانے پر کیوں قادر نہیں۔

## تیسرا جواب:

﴿ اَوَ لَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ﴾

کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین جیسے اجسام عظیمہ پیدا کیے وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے پانچ سات فٹ کے انسان کو دوبارہ پیدا کر دے کیا جس خدا نے اتنے بڑے بڑے اجسام آسمان اور زمین بنائے کیا وہ مثل بشر کے دوبارہ بنانے پر قادر نہیں حالانکہ آسمان و زمین اتنے بڑے ہیں کہ روئے زمین کے اربہا ارب انسان خدا کی پیدا کردہ زمین پر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے خوان میں چند دانے پڑے ہوں اگر روئے زمین کے درختوں کے پتے اور کیڑے اور مکوڑے اور حیوانات اور سمندر کی مچھلیاں اور بیابانوں کے ذرات کو جمع کیا جائے تو روئے زمین کے اربہا ارب انسانوں کو ان سے وہ نسبت بھی نہ ہوگی جو ایک کو ایک ارب سے ہوتی ہے پس جو خدا اس غیر محدود کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اسے روئے زمین کے انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے ہاں کیوں نہیں وہ بلاشبہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور کیوں نہ ہو وہ تو تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور ہر چیز کی حقیقت اور کنہ کو جاننے والا ہے اسے انسان کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا عدم سے نکال کر وجود میں لانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کسی آلہ اور امداد کی ضرورت نہیں بلکہ جو چیز اس کے علم میں ہے اس سے یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے اسے کسی چیز کا پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں اس کی ایجاد اور تخلیق کے لیے صرف اس کا ارادہ اور مشیت کافی ہے پس تم کو چاہیے کہ اپنی بوسیدہ عقل کو چھوڑو اور اس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لاؤ اور اس ذات کی تسبیح و تقدیس کرو جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی اور ملکیت ہے اور اس کے ملکوت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اور یقین رکھو کہ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اگرچہ تم اس وقت دوبارہ زندگی کا لاکھ انکار کرو مگر جانا تم کو اسی کے پاس ہے جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا دوبارہ زندہ ہو کر اسی کے سامنے پیش ہونا ہے اس وقت تم کو اپنے کفر اور انکار کی سزا ملے گی۔ یہ آیتیں ابی بن خلف کے بارہ میں یا عاص بن وائل کے بارہ میں یا دونوں کے حق میں نازل ہوئیں جو کچھ بھی ہو آیات مذکورہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں اور ہر منکر بعث کا جواب ہیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین بعث و حشر کے ایک استبعاد اور وسوسہ کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم اور قدرت ہر ہر ذرہ کو محیط ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو پہلی بار وجود عطا کیا اور زندگی بخشی اور جب تک چاہا اس کو زندہ رکھا اسی طرح مرنے کے بعد جب چاہے گا اس کو زندہ کرے گا اس لیے کہ وہ اس کے ہر ہر ذرہ کو خوب جانتا ہے جہاں وہ متفرق پڑا ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ گذشتہ اُمتوں میں سے ایک شخص پر

موت آئی جو بدعمل تھا اس نے اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو لکڑیوں کا ایک بڑا انبار جمع کرنا اور پھر اس میں آگ لگانا جب آگ خوب تیز ہوجائے تو مجھ کو اس میں ڈال کر جلا دینا یہاں تک کہ جب میرا گوشت پوست سب کوئلہ ہوجائے تو اس کو باریک پیس کر آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں اڑا دینا اس کے اہل وعیال نے حسب وصیت اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا اللہ تعالیٰ نے بحر و بر کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کے ذرات کو جہاں جہاں ہوں جمع کر کے حاضر کریں جب وہ تمام ذرات جمع ہوگئے تو اللہ نے ان کو زندہ ہوجانے کا حکم دیا اس طرح سے وہ شخص دوبارہ زندہ ہو کر موجود ہوگیا اللہ عزوجل نے اس سے پوچھا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی اس نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے یہ حرکت تیرے خوف کی وجہ سے کی اور تو اندرون حال کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ (رواہ احمد والبخاری ومسلم وغیرہم)

قطرہ کو در ہوا شد یا کہ ریخت — از خزینہ قدرت تو کے گریخت
گر در آید در عدم یا صد عدم — چوں بخواہد او کند از سر قدم

غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو عقل سلیم دی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہزار بار پیدا کرنے اور ہزار بار موت دینے اور ہزار بار زندہ کرنے پر قادر ہے اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے نہ محال ہے اور نہ بعید ہے۔

———✻———

**الحمدللہ!** کہ آج شب یکشنبہ میں بعد نماز عشاء بتاریخ ۲۵ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۳ھ کو سورۂ یٰسین کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ والحمدللہ اوّلاً و آخرًا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

و یارب یسرلی اتمام تفسیر بقیة القرآن الکریم فانك انت المیسر لکل عسیر و علی ما تشاء قدیر وبالاجابة جدیر.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۂ صافات

سورۂ صافات بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

**ربط سورت:** گذشتہ سورت میں زیادہ تر تین مضمون تھے توحید، رسالت اور قیامت پہلی سورت کا آغاز مضمون رسالت سے فرمایا اور اس سورت کا آغاز توحید کے مضمون سے فرمایا اس سورت میں بھی انہی تین مضامین کا بیان ہے دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں لہٰذا دونوں سورتوں میں مناسبت ظاہر ہے پہلی سورت میں مبدأ اور معاد کی تحقیق زیادہ تھی اور اس سورت میں توحید اور رسالت کی تحقیق زیادہ ہے۔

نیز مشرکین بت پرستی کرتے تھے اور توحید کے منکر تھے اور ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے کہ وہ قضاء وقدر میں شریک ہیں اس لیے ان کی پرستش کرتے تھے اور جنوں اور شیاطین کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ یہ آسمان پر جا کر کچھ اوپر کی خبریں لا کر لوگوں کو دیتے ہیں اور کاہنوں کے بھی بڑے معتقد تھے اور قیامت کے منکر تھے اس سورت میں مشرکین کی ان تمام باتوں کا دلائل اور براہین سے ردّ ہے۔

| آیاتہا ۱۸۲ | (۳۷) سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ (۵۶) | رکوعاتہا ۵ |
|---|---|---|

سورۂ صافات بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝۲ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝۳ اِنَّ اِلٰهَكُمْ

قسم صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر۔ پھر پڑھنے والوں کی یاد کر۔ بے شک حاکم تمہارا

لَوَاحِدٌ ۝۴ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵

ایک ہے رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے اور رب مشرقوں کا

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝۶ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

ہم نے رونق دی ورلے آسمان کو ایک رونق جو تارے ہیں اور بچاؤ بنایا ہر شیطان

مَّارِدٍ ۝٧ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ۝٨

سرکش سے سن نہیں سکتے اُوپر کی مجلس تک اور پھینکے جاتے ہیں ہر طرف سے ہانکے گئے

دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝٩ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ

اور ان کو مار ہے ہمیشہ مگر جو اُچک لایا جھپ سے پھر پیچھے لگا اس کو

شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝١٠

انگارہ چمکتا

## اثبات توحید اور منکرین حشر کی تردید اور تہدید اور وعید

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝١ ... الٰی ... فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝١٠﴾

قسم ہے ان فرشتوں کی جو بارگاہ الوہیت اور مقام عبودیت میں اپنے اپنے مقام پر درجہ بدرجہ صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور حکم الٰہی کے منتظر رہتے ہیں اور اس کھڑے ہونے میں آداب عبودیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں جیسے دنیا میں اہل دُنیا عبادت میں خدا کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں آگے آنے والا ہے ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ﴾۔

پس جس طرح ہم صف باندھ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح فرشتے قطار باندھ کر اللہ کا حکم سننے کے انتظار میں صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ فرشتے بوقت عبودیت اللہ کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور مل کر کھڑے ہوتے ہیں جیسے نمازی نماز میں اور مجاہدین جہاد میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ کے حکم سے اجرام علویہ اور سفلیہ کی تدبیر پر مامور ہیں وہ ان شیاطین کو ڈانٹ کر بھگاتے اور ہنکاتے ہیں جو اوپر جا کر چوری چھپے سے اللہ کی باتیں اور آسمان کی خبریں سننا چاہتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ اور آسمانوں میں فرشتوں کی جو باتیں ہو رہی ہیں ان میں سے کوئی بات سن کر لے بھاگیں اور کاہنوں کے کانوں میں اس کا القاء کریں کہ آسمانوں میں یہ باتیں ہو رہی ہیں جیسا کہ اسی آیت میں آگے آنے والا ہے ﴿وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا﴾ اس کلمہ سے ان بے ادب کافروں کا رد مقصود ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی شیطان آپ ﷺ کے پاس آکر آپ ﷺ کو غیب کی خبریں سنا جاتا ہے اس کے ابطال کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہاں تک شیطانوں کی رسائی نہیں عالم بالا کی خبریں ان کو حاصل نہیں ہو سکتیں اگر کوئی شیطان ملاء اعلی کی طرف جانے کا قصد کرتا ہے تو وہ ایک آتشیں شعلہ سے مار بھگا دیا جاتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو بادلوں کو ہنکاتے ہیں اور جس زمین پر بارش کا حکم ہوتا ہے وہاں ان کو لے جاتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جنات اور شیاطین کو بنی آدم کے ایذا اور تکلیف پہنچانے سے ڈانٹتے اور روکتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو شیاطین کو الہامات فاسدہ کے القاء سے روکتے ہیں

اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو ذکر الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور لیل و نہار اللہ کی تسبیح و تقدیس میں اور اس کی یاد میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں آنے والا ہے ﴿ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴾ **یا یہ معنی ہیں کہ** قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ کا حکم سننے کے منتظر رہتے ہیں پھر جب وہ حکم اوپر سے اتر جاتا ہے تو ایک دوسرے کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ **یا یہ معنی ہیں کہ** قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوتے ہیں اور کلماتِ الٰہیہ کی ان پر تلاوت کرتے ہیں عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور مسروق اور سعید بن جبیر اور عکرمہ اور مجاہد اور قتادہ اور سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس آیت میں صافات اور زاجرات اور تالیات سے ملائکہ کی اقسام مراد ہیں جو مقام عبودیت میں تعمیل حکم کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور بادلوں کو ڈانٹ کر چلاتے ہیں اور خدا کا ذکر کرتے ہیں۔

غرض یہ کہ ان قسموں سے خواہ فرشتے مراد ہوں یا عبادت گذار انسان مراد ہوں یا غازی اور مجاہدین مراد ہوں جو جہاد میں گھوڑوں کو ہنکاتے ہیں اور میدان جہاد میں صف بستہ ہو کر کافروں کا مقابلہ کرتے ہیں اور پھر گھوڑوں کو للکار کر اور ہنکا کر دشمن پر حملہ کرتے ہیں اور اس حالت میں وہ اللہ کے ذکر سے غافل نہیں یا علماء ربانیین مراد ہوں جو وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کی معصیت سے زجر اور توبیخ کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی ان پر تلاوت کرتے ہیں اور یاد الٰہی سے غافل نہیں رہتے اور اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں یہ الفاظ اپنے عموم کی وجہ سے ان تمام معانی کو محتمل ہیں اور یہ تمام چیزیں قابل قسم ہیں کہ اللہ کے نزدیک باعظمت اور باتوقیر ہیں اور آیات قدرت بھی ہیں بہرحال جو بھی مراد ہو اللہ تعالیٰ ان قسموں کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

بے شک تمہارا معبود اپنی ذات و صفات میں اور اپنے اقوال و افعال میں ایک ہے یعنی یکتا اور یگانہ ہے یہ جواب قسم ہے قسم کھا کر اپنی توحید الوہیت کو بیان فرمایا اب آئندہ آیات میں اپنی توحید ربوبیت کو بیان کرتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے تمام فرشتے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ البتہ خدائے برحق ایک ہے اور وہی آسمان و زمین کا خالق ہے اور وہی سارے عالم میں متصرف ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ رب السماوات والارض ہے اور تمام ثوابت اور سیارات سب اس کے حکم کے سامنے مسخر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وہی رب ہے آسمانوں کا اور زمین کے درمیان تمام چیزوں کا اور وہی رب ہے تمام مشرقوں کا آفتاب اور ماہتاب اور جو کوکب ہر روز جس مشرق سے بھی طلوع کرتا ہے وہ اسی کے حکم سے طلوع کرتا ہے۔

**نکتہ**: مشارق کا ذکر کیا اور فقط اسی کے ذکر پر اکتفا کیا اور مغارب کا ذکر نہ کیا اس لیے کہ دو ضدوں میں سے ایک ضد کا ذکر دوسری ضد کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے ﴿ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ ﴾ (النحل: ۸۱) میں فقط حر کا ذکر کیا مراد حر اور برد دونوں ہی ہیں۔

یا یہ وجہ ہے کہ اس لفظ سے کواکب پرستوں کی رد کی طرف اشارہ ہے جو کواکب کی الوہیت کے قائل تھے سو ان کی الوہیت کا ظاہراً احتمال ان کے طلوع اور نورانیت سے ہوسکتا ہے نہ کہ غروب سے اس لیے کہ غروب سے ان کی نورانیت اور تاثیر ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں گذرا ﴿ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴾ (الانعام: ۷۶) اور غروب ایک قسم کی دناءت اور پستی و زوال ہے غروب کی حالت میں کواکب کی الوہیت کا ظاہراً بھی کوئی امکان نہیں اس لیے مغارب کا ذکر نہیں کیا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھا کر اپنی توحید کو بیان فرمایا قرآن کریم میں جا بجا اس قسم کی قسمیں جواب قسم کی تاکید اور اہتمام کے لیے لائی گئی ہیں اور عموماً جس جگہ بھی قسم لائی گئی ہے وہ درحقیقت جواب قسم کی دلیل ہے اس لیے کہ فرشتوں کا مقام عبودیت میں صف بستہ کھڑا ہونا اور آسمانوں کا پہرہ دار بننا اور ہر وقت اللہ کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہنا یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ایک ہے جس کی تعظیم میں یہ فرشتے

صف بستہ اور اس کی اطاعت اور عبودیت میں کمر بستہ اور اس کی قدرت اور عظمت اور جلال کے سامنے دست بستہ ہیں معلوم ہوا کہ فرشتوں میں الوہیت کی صلاحیت نہیں بہر حال آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز رب نہیں۔

اب آئندہ آیات میں دلائل قدرت اور براہین الوہیت کا نمونہ بیان فرماتے ہیں تحقیق ہم نے آسمان دُنیا کو جو ان کے سروں سے بہت قریب ہے ستاروں کے ذریعہ زینت بخشی جو ہماری قدرت کا عجیب منظر ہے کہ ان کے سروں پر آسمان سائبان اور چھت کی طرح روشن اور مزین ہے ہم نے اپنی قدرت اور حکمت سے آسمان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ستاروں کے ذریعہ ان سے نزدیک تر آسمان کو آرائش دی یہ چیزیں خود بخود نہیں ہو گئیں مطلب یہ ہے کہ یہ کواکب آسمان دُنیا کی آرائش اور زینت ہیں اور ہم نے ان ستاروں کے ذریعہ آسمان کو ہر شیطان سرکش کی رسائی سے محفوظ کر دیا کہ کسی شیطان کی وہاں تک رسائی نہ ہو سکے شیاطین میں یہ طاقت نہیں کہ ملاء اعلیٰ تک یعنی فرشتوں کی مجلس اعلیٰ تک رسائی پا سکیں اور ان کی باتوں کو سن سکیں یعنی شیاطین میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اوپر جا کر کان لگا کر ملاء اعلیٰ کی باتوں کو سن سکیں کواکب کے ذریعہ ہم نے آسمانوں کو شیاطین کی رسائی سے محفوظ کر دیا ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ ستارے رب نہیں اور نہ وہ الوہیت میں شریک ہیں اور نہ تغیرات عالم میں مؤثر ہیں۔

اور اگر شیاطین اُوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہیں سے بھگانے اور دھتکارنے کے لیے ہر طرف سے مارے جاتے ہیں تو وہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں پاتے اور فرشتے دھکے دے کر ان کو بھگا دیتے ہیں اور شیاطین کے لیے اس دنیوی عذاب کے علاوہ ایک اُخروی عذاب ہے جو ان کو لازم ہو گا اور وہ کبھی ان سے منقطع نہ ہو گا۔

غرض یہ کہ کسی شیطان کی یہ مجال نہیں کہ ملاء اعلیٰ تک پہنچ کر اور وہاں بیٹھ کر ان احکام کو سن سکے جو تدبیر عالم کے متعلق جاری ہوتے ہیں مگر یہ کہ کسی وقت کوئی شیطان چوری چھپے سے کوئی بات اچک کر لے جائے اور سن کر وہاں سے بھاگے تو ایک روشن شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے جس سے وہ کبھی مارا جاتا ہے اور کبھی بچ جاتا ہے اور نیچے والے کو وہ خبر پہنچا دیتا ہے اور جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے ان آیات سے مقصود اللہ کی کمال عظمت وقدرت کو بیان کرنا ہے کہ ہم نے آسمان دُنیا کو کواکب سے مزین اور آراستہ کیا اور پھر ان کواکب کو آسمان تک شیاطین کی رسائی سے حفاظت کا ذریعہ بنایا اور ہر طرف سے رجم کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین جس طرف سے بھی جاتے ہیں تو ان پر رجم ہوتا ہے اور استماع پر قادر نہیں مگر شاذ و نادر کبھی کوئی بات لے اڑتے ہیں اور اس کو جادوگروں اور کاہنوں پر القاء کرتے ہیں وہ اس میں سو جھوٹی باتیں ملا کر مشہور کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں متعدد جگہ اس بات کا ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان دُنیا کو کواکب (ستاروں) کے ذریعہ زینت بخشی اور ان کو سرکش شیطانوں سے حفاظت کا ذریعہ بنایا کہ شیاطین آسمانوں تک نہ پہنچ سکیں اور اگر کسی وقت کوشش کر کے آسمان کے قریب پہنچ جائیں تو ستاروں سے ہلاک کر دیئے جائیں مطلب یہ ہے کہ ستاروں کے پیدا کرنے میں دو فائدے ہیں: ایک تو یہ کہ آسمان دُنیا کی زینت بنیں اور دنیا والوں کو جگمگاتی ہوتی قندیلیں دکھاویں دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نیلگوں سطح پر نہایت آبدار جواہر چمک رہے ہیں جس سے آسمان نہایت خوبصورت اور روشن نظر آتا ہے۔ دوسرا فائدہ کواکب کا یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے آسمان کی حفاظت ہو جائے کہ شیاطین وہاں پہنچ کر کوئی خبر نہ لے سکیں جس کی تفصیل سورۂ حجر کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

علماء اسلام میں مشہور قول یہ ہے کہ ستارے آسمان میں گڑے ہوئے ہیں اور بعض علماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ ستارے آسمان و

زمین کے مابین معلق ہیں اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ آفتاب وغیرہ آسمان دنیا سے نیچے ہیں ان علماء کے نزدیک آسمان دنیا کے لیے آفتاب اور ماہتاب کی زینت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دیکھنے والوں کو آسمان دنیا ہی کی زینت دکھائی دیتی ہے اگرچہ وہ آسمان اوّل سے نیچے ہیں اور فلاسفہ متاخرین کہتے ہیں کہ کواکب فضاء میں قوت جاذبہ کے تناؤ پر قائم ہیں نہ کہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں سو یہ امر اہل اسلام کے نزدیک عقلاً جائز ہے اور قدرت خداوندی کے تصرف میں داخل ہے اور قوت جاذبہ ایک سبب عادی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اگر کسی دلیل قطعی سے یہ امر ثابت ہو جائے کہ کواکب فضاء ہی میں معلق ہیں تو جن آیات میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کواکب کو آسمان دنیا کی زینت بنایا ہے ان کے یہ معنی بیان کیے جائیں گے کہ ظاہری رویت اور مشاہدہ کے اعتبار سے وہ آسمان کی زینت ہیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خبر تو یہ دی ہے کہ اس نے کواکب سے آسمان کو زینت دی جس کا یہ بیان ہوا اور دوسری خبر اس نے یہ دی ہے کہ اس نے کواکب کو شیاطین کے روکنے کے لیے اور ان کو سنگسار کرنے کے لیے بنایا ہے تاکہ وہ ملائکہ کی باتیں چوری سے سننے کے لیے آسمان کے قریب نہ پہنچ سکیں۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بڑے بڑے سیارے جیسے چاند اور سورج ان کی سنگساری کے لیے اوپر سے نیچے پھینکے جاتے ہیں تاکہ یہ شبہ کیا جائے کہ اگر بڑے بڑے ستارے زمین پر پھینک دیے جائیں تو زمین کو بڑا نقصان پہنچے اور آبادی تباہ ہو جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کواکب سے شعلے جدا ہو کر شیاطین کو سنگسار کرتے ہیں اور انہی شعلوں کو ہم شہاب ثاقب یا ٹوٹے ہوئے ستارے کہتے ہیں جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ٹوٹنے والے اور گرنے والے ستارے یہ کواکب نورانیہ نہیں بلکہ کواکب نورانیہ کی شعاعیں اور شعلے ہیں جو شیاطین پر گرتے ہیں اور ان کو ہلاک کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انہی تاروں کی روشنی سے آگ نکلتی ہے جس سے شیطانوں کو مار پڑتی ہے جیسے سورج اور آتشی شیشہ سے انتہائی یعنی اصل ستارے اپنے حال پر رہتے ہیں اور جو شعلے ان کی روشنی سے نکلتے ہیں ان سے شیاطین کو مارا جاتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ستارے دو قسم کے ہیں ایک بڑے بڑے جو لوگوں میں معروف و مشہور ہیں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے ان کو اللہ تعالیٰ نے فضاء آسمانی میں معلق کر دیا ہے اس قسم کے ستاروں کو اللہ تعالیٰ شیاطین کے رجم کے لیے تیار کرتا ہے یا وہ پہلے سے موجود ہیں مگر نظر نہیں آتے لیکن جب وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں تو حرکت کی تیزی کی وجہ سے شعلہ کی صورت میں ہو کر شیاطین پر گرتے ہیں۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کے لیے بنایا ہے اور شیاطین کی سنگباری کے لیے بنایا ہے بڑے بڑے ستارے آسمان کی زینت ہیں اور چھوٹے چھوٹے ستارے شیاطین کی سنگساری کے لیے ہیں لہٰذا یہ تحقیق موجودہ علم الافلاک کے اصول مسلمہ کے بھی خلاف نہ ہوگی فرق صرف اتنا ہوگا کہ علماء علم الافلاک کے نزدیک چھوٹے چھوٹے ستارے جب کسی وقت زمین کے قریب ہو جاتے ہیں تو زمین کی کشش کے باعث زمین کی طرف ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں جب یہ ستارے زمین کے قریب ہو جاتے ہیں تو زمین ان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ یہ ستارے اللہ کے حکم سے شیاطین کو سنگسار کرنے کے لیے پھینکے جاتے ہیں اور فلاسفہ عصر نے جو زمین کے لیے قانون کشش بنا رکھا ہے ان کے پاس اس کی دلیل قطعی تو کیا ہوتی اثبات کشش کے

لیے ان کے پاس کوئی دلیل ظنی بھی نہیں یہ محض ان کا گمان اور تخمینہ ہے جس کا ماننا عقلاً ضروری نہیں اور نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ یہ ستارے خاص خاص اوقات ہی میں کیوں زمین کے قریب ہوجاتے ہیں۔

② حق جل شانہٗ کے اس ارشاد سے یعنی ﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا﴾ سے ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ کواکب آسمان دنیا میں ہیں اور اہل ہیئت کواکب کے جدا جدا آسمان پر ہونے کے قائل ہیں لیکن ان کے پاس نہ کوئی دلیل قطعی ہے اور نہ کوئی دلیل ظنی ہے۔

③ جنات اور شیاطین کا مادہ اگرچہ ناری اور آتشی ہے مگر شہاب ثاقب سے ان کا جل جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ انسان کا اصل مادہ خاک ہے مگر اینٹ اور پتھر کے مارنے سے وہ زخمی ہوجاتا ہے اور کبھی ہلاک بھی ہوجاتا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ

اب پوچھ ان سے یہ مشکل ہیں بنانے، یا جتنی خلقت ہم نے بنائی ہم نے ہی ان کو بنایا ہے ایک گارے

لَّازِبٍ ⑪ بَلْ عَجِبْتَ وَ یَسْخَرُوْنَ ۪⑫ وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ۪⑬

چپکتے سے بلکہ تو رہتا ہے اچنبھے میں اور وہ کرتے ہیں ٹھٹھے اور جب سمجھایئے نہیں سوچتے

وَ اِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ۪⑭ وَ قَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۚۖ⑮

اور جب دیکھیں کچھ نشانی ہنسی میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں یہ جادو ہے کھلا

ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ⑯ اَوَ اٰبَآؤُنَا

کیا جب ہم مر گئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو پھر اٹھانا ہے کیا اور ہمارے باپ دادوں کو

الْاَوَّلُوْنَ ؕ⑰ قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۚ⑱ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ

اگلے تو کہہ ہاں! اور تم ذلیل ہوگے سو وہ تو یہی ہے ایک جھڑکی

فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ⑲ وَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ⑳ هٰذَا یَوْمُ

پھر تبھی یہ لگیں گے دیکھنے اور کہیں گے اے خرابی ہماری یہ آیا دن جزا کا یہ ہے دن

الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۠㉑ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ

فیصلے کا جس کو تم جھٹلاتے تھے جمع کرو گنہگاروں کو اور

ع ۱ ۲۱ ۵

اَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى

ان کے جوڑوں کو اور جو کچھ پوجتے تھے اللہ کے سوا پھر چلاؤ ان کو

صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا

راہ پر دوزخ کی اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے کیا ہوا تم کو

تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى

ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے کوئی نہیں وہ آج آپ کو پکڑواتے ہیں اور منہ کیا بعضوں نے

بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا

بعضوں کی طرف لگے پوچھنے بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنے سے وہ بولے!

بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

کوئی نہیں! پر تم ہی نہ تھے یقین لانے والے اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا

بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾

پر تم ہی تھے لوگ بے حد چلنے والے سو ثابت ہوئی ہم پر بات ہمارے رب کی ہم کو مزہ چکھنا

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

پھر ہم نے تم کو گمراہ کیا ہم تھے آپ گمراہ سو وہ اس دن تکلیف میں شریک ہیں

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ

ہم ایسا کچھ کرتے ہیں گنہگاروں کے حق میں وہ تھے کہ ان سے جب کوئی کہتا کسی کی بندگی نہیں

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ

سوا اللہ کے تو غرور کرتے اور کہتے کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے ٹھاکروں کو کہے سے ایک شاعر

مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا

دیوانے کے کوئی نہیں! وہ لایا ہے سچا دین اور سچا مانا ہے رسولوں کو بے شک تم کو چکھنی

الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا

دکھ والی مار اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے مگر

عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ

جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے وہ جو ہیں ان کی روزی ہے مقرر میوے

وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿۴۲﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۴۳﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿۴۴﴾

اور ان کی عزت ہے باغوں میں نعمت کے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے لوگ لیے

يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴿۴۶﴾

پھرتے ہیں ان کے پاس پیالے شراب نتھری کے سفید رنگ مزہ دیتے پینے والوں کو

لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿۴۷﴾ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ

نہ اس میں سر پھرتا ہے اور نہ وہ اس سے بہکتے ہیں اور ان کے پاس ہیں عورتیں

الطَّرْفِ عِينٌ ﴿۴۸﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿۴۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ

نیچی نگاہ رکھتیاں بڑی آنکھوں والیاں گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے پھر منہ کیا ایک نے دوسرے

بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿۵۱﴾

کی طرف لگے پوچھنے بولا ایک بولنے والا ان میں مجھ کو تھا ایک ساتھی

يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿۵۲﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا

کہتا کیا تو یقین کرتا ہے کیا جب مر گئے اور ہوئے مٹی اور ہڈیاں

أَإِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ أَنتُم مُّطَّلِعُونَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ

کیا ہم کو بدلا ملنا ہے کہنے لگا بھلا تم جھانک کر دیکھو گے پھر جھانکا تو اس کو دیکھا

فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللَّهِ إِن كِدتَّ لَتُرْدِينِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا

بیچوں بیچ دوزخ کے بولا قسم اللہ کی! تو تو لگا تھا کہ مجھ کو گڑھے میں ڈالے اور اگر نہ ہوتا

نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ۙ

میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا ان میں جو پکڑے آئے کیا اب ہم کو نہیں مرنا

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ

مگر جو پہلی بار مر چکے اور ہم کو تکلیف نہیں پہنچتی بے شک یہی ہے

الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا

بڑی مراد ملنی ایسی چیزوں کے واسطے چاہئے محنت کریں محنت والے بھلا یہ بہتر ہے مہمانی

اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ

یا درخت سے ہنڈ کا ہم نے اس کو رکھا ہے خراب کرنا ظالموں کا وہ ایک درخت ہے

تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ۙ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾

نکلتا ہے دوزخ کی جڑ میں اس کا شگوفہ جیسے سر شیطانوں کے

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ؕ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ

سو وہ کھاویں گے اس میں سے پھر بھریں گے اس سے پیٹ پھر ان کو اس کے

عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ۚ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾

اوپر ملونی جلتے پانی کی پھر ان کو لے جانا آگ کے ڈھیر میں

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ۙ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

انہوں نے پائے اپنے باپ دادے بہکے ہوئے سو وہ انہی کے قدموں پر دوڑتے ہیں

وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ۙ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ

اور بہک چکے ہیں ان سے آگے بہت لوگ پہلے اور ہم نے بھیجے ہیں ان میں

مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ۙ اِلَّا عِبَادَ

ڈر سنانے والے اب دیکھ کیسا ہوا آخر ڈرائے ہوؤں کا مگر جو بندے

ع ۳ ۵۳

اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾

اللہ کے ہیں چنے

## منکرین حشر اور مکذبین رسالت کی تردید اور ان کی جہالت اور حماقت کا اظہار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا ... الٰى ... اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾

یہاں تک توحید کا مضمون تھا۔ اب آگے ان لوگوں کی تردید فرماتے ہیں جو حشر ونشر کے منکر تھے اور اس کو محال اور ناممکن بتلاتے ہیں اور کافروں کی سرکشی کو بیان کرتے ہیں کہ باوجود ان قاہرہ قدرتوں کے خدا کے قادر ہونے کا یقین نہیں آتا اور حشر ونشر کو محال بتلاتے ہیں اور قیامت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس جب دلائل مذکورہ سے حق جل شانہ کی کمال قدرت ظاہر ہوگئی تو جو لوگ دار آخرت کے منکر ہیں اور حشر ونشر کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں کیا یہ لوگ پیدائش میں مضبوط اور سخت تر ہیں یا وہ چیزیں جن کی پیدائش کا ابھی ذکر ہوا وہ زیادہ مضبوط اور سخت ہیں جیسے آسمان اور زمین اور پہاڑ ظاہر ہے کہ ان اجسام عظیمہ کے مقابلہ میں انسان جیسے ضعیف البنیان ہستی کی کیا حقیقت ہے جو طلب معاش میں رات دن مرتا کھپتا پھرتا ہے تحقیق ہم نے انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے جو آسمان اور زمین سے کسی طرح سخت اور مضبوط نہیں ہوسکتا اور انسان کا اصل مادہ زمین ہے اور پانی ہے پس جب انسان ابتداء زمین کے اجزاء سے پیدا کیا گیا تو اس کے دوبارہ زمین سے پیدا ہونے کا کیوں انکار کرتے ہو اور کیوں اسے محال ٹھہراتے ہو اور اگر یہ خیال ہے کہ فاعل کو ان چیزوں پر قدرت نہیں تو جو خدا آسمان وزمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو ان کے اجزاء کو دوبارہ ملانے اور ان میں زندگی ڈالنے پر بھی قادر ہے قدرت اس کی صفت ذاتی ہے جس کی نسبت تمام چھوٹی اور بڑی چیزوں کے ساتھ برابر ہے اور یہ امر بالکل بدیہی ہے اس کا انکار قابل تعجب معلوم ہوتا ہے اور آپ کا کافروں سے استفسار تحصیل علم کے لیے نہیں بلکہ بطور تعجب ہے آپ کو اس بات سے تعجب آتا ہے کہ باوجود یہ کہ قدرتِ الٰہیہ کے آثار ظاہر اور روشن ہیں تو پھر دوبارہ زندہ ہونے کو کیوں محال سمجھتے ہیں اور اس انکار سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ بعث اور حشر ونشر کا تمسخر کرتے ہیں یعنی اس کا ٹھٹھا اور مذاق اڑاتے ہیں اور جب ان کو دلائل عقلیہ سے بعث اور حشر ونشر کا امکان سمجھایا جاتا ہے تو سمجھتے نہیں دیدہ دانستہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جو نبی کی صداقت پر دلالت کرے تو بنا کر تمسخر کرتے ہیں گویا کہ ہنسی اور ٹھٹھے کو دعوت دے کر بلا رہے ہیں اور بجائے تصدیق کے ٹھٹھوں میں اسے اڑانے کی کوشش کرتے ہیں ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نشانی سے مراد انشقاق قمر ہے اور کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو بدیہی اور حسی چیز کا اس طرح سے انکار صریح جہالت اور حماقت ہے اور برابر یہی کہے چلے جاتے ہیں کہ کیا جب ہم مرگئے اور مٹی اور خاک ہوگئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے یا جو ہمارے گذشتہ آباؤ اجداد جو ہم سے سالہا سال پہلے مرچکے اور مختلف مواضع میں دفن ہوچکے وہ بھی دوبارہ زندہ کر کے مختلف مواضع سے اٹھائے جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ خیر ہم تو نئے مردے ہوں گے شاید ہم دوبارہ زندہ ہو جائیں مگر جو ہم سے صدہا سال پہلے مر چکے ہیں ان کا دوبارہ زندہ ہونا تو بالکل ہی محال معلوم ہوتا ہے مشرکین اپنے گمان میں اس چیز کو خدا کی قدرت سے باہر جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ ہاں مرنے کے بعد تم اور تمہارے تمام آباؤ اجداد سب اٹھائے جاؤ گے درآنحالیکہ تم سب سخت ذلیل اور خوار ہوؤ گے اور تمہارا تکبر کچھ نہ چلے گا پس جس قیامت کو تم محال سمجھ رہے ہو وہ اللہ پر بہت آسان ہے جزایں نیست کہ وہ صرف ایک ہولناک آواز اور سخت آواز ہوگی اس سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو اس وقت سب زندہ ہو کر قبر سے نکل کھڑے ہوں گے اور قیامت کے اس ہولناک منظر کو ٹکٹکی لگائے ہوئے دیکھتے ہوں گے اور خوف ودہشت کی وجہ سے سب کے ہوش اڑ جائیں گے اور پچھتاویں گے اور حسرت سے یہ کہیں گے ہائے ہماری بربادی یہ تو روز جزاء معلوم ہوتا ہے جس کا انبیاء علیہم السلام نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور یہی وہی فیصلہ کا دن ہے کہ جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے اور جس کو تم محال بتلایا کرتے تھے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج اس تکذیب کا مزہ چکھنے کا دن ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم ان ظالموں کو اکٹھا کرو جنہوں نے خدا کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ان کو جمع کرو اور ان کے ساتھ ان کے جوڑوں کو بھی جمع کرو یعنی ان کے ہم مشربوں کو جو کفر میں ان کے مشابہ اور مماثل اور ان کے تابع اور پیرو تھے جیسے زناکاروں کو زناکاروں کے ساتھ اور سود خواروں کو سود خواروں کے ساتھ اور شراب خواروں کو شراب خواروں کے ساتھ اور بت پرستوں کو بت پرستوں کے ساتھ اور ستارہ پرستوں کو ستارہ پرستوں کے ساتھ اور صلیب پرستوں کو صلیب پرستوں کے ساتھ ایک ایک جگہ اکٹھا کرو مطلب یہ ہے کہ ایک قسم کے گنہگاروں کو ایک جگہ جمع کرو تا کہ سب مل کر ایک ہی قسم کی حسرت اور افسوس میں مبتلا ہوں اور ہر قسم کی حسرت کا نمونہ لوگوں کی نظروں کے سامنے آجائے اور ان ظالموں کے ساتھ ان چیزوں کو بھی جمع کرو جن کی یہ ظالم اللہ کے سوا پرستش کیا کرتے تھے یعنی ان کے ساتھ شیاطین اور اصنام کو بھی جمع کرو اور پھر ان سب کو دوزخ کی راہ دکھاؤ اور پھر یہ حکم ہوگا کہ ذرا ان کو ٹھہراؤ اور ان کو کھڑا رکھو ان سے باز پرس ہوگی ان سے ان کے عقائد اور اخلاق اور اعمال کے متعلق سوال ہوگا اور ان کو سرزنش کی جائیگی تا کہ ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور پھر بطور ملامت اور توبیخ ان سے کہا جائے گا کہ آج تم کو کیا ہوا کہ عذاب کا حکم سننے کے بعد ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے جیسے تم دنیا میں ایک دوسرے کے حامی اور مددگار بنے رہتے تھے ابوجہل نے بدر کے دن کہا تھا نحن جمیع منتصر "ہم سب ایک دوسرے کے مددگار رہیں" پس جب تم دنیا میں ایک دوسرے کے ہمدم اور دمساز اور ہم نوالہ اور ہم پیالہ بنے ہوئے تھے تو آج کیا ہوا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو اس وقت یہ ظالم شرمندگی کی وجہ سے کچھ نہیں بول سکیں گے بلکہ یہ لوگ اس دن گردن جھکائے ہوئے سرافگندہ اور دم بخود ہوں گے پھر آپس میں سوال و جواب کریں گے اور ایک دوسرے کو سرزنش کریں گے اور متبعین اپنے سرداروں کو الزام دیں گے کہ ہم تمہارے کہنے سے گمراہ ہوئے اور تمہاری بدولت ہم کو یہ روز بد دیکھنا پڑا اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کریں گے اور اپنے سرداروں سے بطور الزام یہ کہیں گے کہ تحقیق تم وہی لوگ ہو کہ جو دائیں جانب سے ہمارے پاس آتے تھے یعنی ہم کو حق سے روکتے تھے اور باطل کو اچھا کر کے دکھلاتے تھے یعنی یمین سے حق کے معنی مراد ہیں یا یمین سے قوت اور غلبہ کے معنی مراد ہیں یعنی تم بزور وقوت ہمکو راہ ہدایت سے روکتے تھے زبردستی تم نے ہم کو اس راہ پر لگایا سردار اپنے تابعداروں کے جواب میں پانچ باتیں کہیں گے۔

① یہ کہ ہم نے تم پر کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ تم خود ہی اپنے اختیار سے مؤمن نہ بنے اور تم نے اپنے اختیار سے کفر اور نافرمانی کو اختیار کیا

تمہارے گمراہ ہونے میں ہمارے گمراہ کرنے کو کوئی دخل نہیں تمہارے ضمیر میں پہلے ہی سے سرکشی اور شرارت کا مادہ تھا ہمارے ساتھ مل کر اور زیادہ شریر ہو گئے۔

② یہ کہ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا اور نہ زبردستی کہ ہم تم کو جبراً وقہراً کفر میں داخل کر دیں اور ایمان سے روکیں یا نکالیں۔

③ یہ کہ بلکہ تم خود حق سے برگشتہ قوم تھے اور از خود تم کفر اور ضلال میں حد سے گذرنے والے تھے ناصحین کا کہنا تو نہ مانا ہمارے کہنے اور بہکانے میں آ گئے اپنی گمراہی کی نسبت ہماری طرف کیوں کرتے ہو جیسا کہ دوسری جگہ شیطان جہنم میں اپنے معترفین اور الزام دینے والوں سے یہ کہے گا:

﴿مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ﴾ (ابراہیم:۲۲)

"یعنی میرا تم پر کوئی زور نہ تھا میں نے تم کو فقط کفر کی دعوت دی تھی تم نے از خود میری دعوت کو قبول کیا اور انبیاء کی دعوت کو رد کیا پس آج مجھے ملامت نہ کرو اپنے نفسوں کو ملامت کرو۔"

④ وہ سردار یہ کہیں گے کہ پس اصل بات یہ ہے کہ ہم پر غضب اور عتاب کے ساتھ اللہ کا کلمۂ عذاب لازم اور ثابت ہو گیا۔ پس ہم سب بلاشبہ اب اللہ کے عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے جو مقدر ہو چکا تھا وہ آج ہم پر ٹھیک پڑا اور قسمت کا لکھا ہوا پیش آیا بتلاؤ ہم کیا کریں غرض یہ کہ جو کچھ بھی ہو نتیجہ اور انجام یہ ہے کہ ہم سب پر اللہ کا حکم جاری اور نافذ ہوا اور قسمت کا لکھا ہوا سامنے آ گیا۔

⑤ پس حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم کو بہکایا سو اس کی وجہ یہ تھی کہ تحقیق ہم خود بہکے ہوئے تھے جس کفر اور گمراہی پر خود تھے اسی کو ہم نے تمہارے لیے اچھا کر کے دکھایا تا کہ تم بھی ہم ہی جیسے ہو جاؤ غرض یہ کہ ہم نے تم کو جبراً وقہراً گمراہ نہیں کیا۔

## احکم الحاکمین کی طرف سے مشرکوں کو وعید

﴿فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۳ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۳۴﴾

فریقین کی اس مخاصمت اور باہمی ملامت کے بعد احکم الحاکمین کی طرف سے یہ فیصلہ ہوگا کہ تم دونوں ہی فریق مجرم ہو پس تحقیق کافروں کے یہ دونوں فریق آج کے دن عذاب میں باہم شریک ہوں گے اس لیے کہ کفر اور گمراہی میں دونوں شریک تھے اگرچہ عذاب کے درجات میں فرق ہو تحقیق ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں کفر کے سردار اور ان کے تابعین سب ہی کفر اور گمراہی کے جرم میں شریک تھے اس لیے دونوں فریق عذاب میں بھی شریک ہوں گے تحقیق ان لوگوں کا جرم یہ تھا کہ یہ لوگ توحید اور رسالت کے منکر تھے ان سب کی حالت یہ تھی کہ جب ان سے لا الٰہ الا اللہ کہا جاتا کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو تکبر کرتے اور اکڑتے اور ناک بھوں چڑھاتے اور اس بات کے منکر ہو جاتے اور خالص اللہ کی الوہیت سے منہ موڑتے اور آنحضرت ﷺ جب ان کو توحید اور حق کی دعوت دیتے تو از راہ تکبر و غرور یہ کہتے کہ کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ آپ ﷺ نہ شاعر ہیں اور نہ مجنون بلکہ حق اور ہدایت کو لے کر آئے ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے جس قدر پیغمبر حق اور ہدایت لے کر آئے آپ نے ان سب کی تصدیق کی اور سب کو سچا بتلایا اور ظاہر ہے کہ جو حق اور ہدایت لے کر آئے وہ مجنون نہیں ہو سکتا اور نہ شاعر ہو سکتا ہے

اصول دین میں آپ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام متفق اور متحد ہیں اور ظاہر ہے کہ جس کا کلام کل عقلاء اور مرسلین کے مطابق ہو اور سرتاپا حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہو وہ شاعر اور مجنون کیسے ہوسکتا ہے پھر فرشتوں کی زبانی ان کو حکم سنایا جائے گا بیشک تم سب دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو جس طرح کفر اور تکذیب میں شریک تھے اسی طرح تم سب دردناک عذاب میں شریک ہو گے اور یہ کوئی ظلم نہیں مگر صرف تمہارے اعمال کی جزا ہے جاؤ جہنم میں اور کفر کا مزہ چکھو تمہارا کفر اور تکبر اس سزا کا باعث بنا ہاں اللہ کے وہ بندے عذاب سے نجات پائیں گے جو کفر اور شرک کی نجاست سے اور اس کے میل کچیل سے بھی پاک وصاف تھے جو عمل کرتے تھے وہ خالص اللہ کے لیے کرتے تھے اس میں ان کی کوئی دُنیاوی غرض شامل نہ ہوتی تھی ایسے لوگ قیامت کی ذلت اور رسوائی سے محفوظ رہیں گے۔

اب آگے عباد مخلصین کے انعام واکرام کا ذکر فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے عزت وکرامت کی جو روزی مقرر ہے وہ سب کو معلوم ہے جو قرآن میں جابجا مذکور ہے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق رزق کریم ملے گا ان کے لیے قسم قسم کے میوے ہوں گے جو ان کو بطور کرامت ومنزلت ملیں گے جن سے یہ لذت اندوز ہوں گے اشارہ اس طرف ہے کہ جنت کا رزق بطور لذت وفرحت ہوگا نہ کہ بطور ضرورت ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا﴾ (طٰہٰ:۱۱۹) اور یہ لوگ بڑی عزت والے ہوں گے اور نازونعمت کے باغوں میں عیش وآرام سے ہوں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور ان کے سامنے لطیف اور بہتی ہوئی شراب کا ایک جام پھرایا جائے گا جو دیکھنے میں سفید ہوگی اور پینے میں پینے والوں کو لذیذ اور مزہ دار معلوم ہوگی اس شراب میں نہ کسی قسم کی خرابی ہوگی یعنی اس کے پینے سے ان کے پیٹ میں کوئی درد نہ ہوگا اور نہ وہ لوگ اس شراب سے بدمست ہوں گے کہ اسے پی کر بے ہودہ اور بہکی ہوئی باتیں کرنے لگیں بہشتی شراب دُنیا کی شراب کی طرح نہ ہوگی کہ عقل خراب کردے یا کوئی اور خرابی ڈالے اور ان تختوں پر ان کے پاس نیچی نگاہ والی اور بڑی آنکھ والی عورتیں ہوں گی یعنی وہ عورتیں باوجود کمال حسن وجمال کے عفیفہ ہوں گی کہ سوائے اپنے شوہروں کے کسی پر نظر نہیں ڈالیں گی اور وہ عورتیں رنگت میں ایسی صاف وشفاف ہوں گی جیسے انڈے ہوں کسی پردہ میں پوشیدہ جو گردوغبار سے بالکل محفوظ ہوں انڈے کا رنگ سفید ہوتا ہے مگر مائل بہ زردی ہوتا ہے اور تمام رنگوں میں یہ رنگ نہایت خوشنما اور غایت درجہ پسندیدہ ہوتا ہے اور اہل جنت اس عیش وسرور میں ہوں گے کہ ایک دوسرے پر متوجہ ہوں گے ایک کا منہ دوسرے کے سامنے ہوگا اور اس وقت تفریحاً ایک دوسرے سے دنیا کے واقعات کے متعلق کچھ دریافت کریں گے اسی دوران گفتگو میں اہل جنت میں سے ایک کہنے والا اہل مجلس سے کہے گا کہ دُنیا میں میرا ایک ساتھی ایک ہم نشین تھا جو بعث کا منکر تھا اور مجھے احمق سمجھا کرتا تھا اور وہ بطور تعجب واستبعاد اور بطریق تکذیب وتمسخر مجھ سے یہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو اس بات کو سچ سمجھتا ہے کہ جب ہم مرجائیں گے اور خشک مٹی ہوجائیں گے یا جلا کر ہماری راکھ ہوا میں اڑادی جائے گی اور ہم ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کرکے اپنے اعمال کی جزاء دیئے جائیں گے یعنی میرا وہ ساتھی حشر ونشر اور جزاوسزا کا منکر تھا اور اس قسم کی باتوں سے مجھے بہکانا چاہتا تھا اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ اس ساتھی کو دیکھوں کہ کس حال میں ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں سے وہ دو بھائی مراد ہیں جن کا ذکر سورۂ کہف کی اس آیت ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ﴾ (الکہف:۳۲) میں گذرا پھر وہ جنتی بطور تفریح اپنی رفقائے مجلس سے کہے گا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تم میرے اس ساتھی کو جھانک کر دیکھو کہ وہ دوزخ میں کہاں پڑا ہے اور کس حالت میں ہے تاکہ تم کو اپنے مقام میں اور منکر حشر کے مقام میں فرق معلوم ہو جنت بلندی پر واقع ہے ساتویں آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب عرش سے نیچے واقع ہے اور جنت میں بالاخانے ہیں اور دوزخ پستی میں ہے اہل جنت اہل دوزخ کو اپنے

بالا خانوں سے جھانک کر دیکھ سکیں گے پھر وہ جنتی جنت کے بالا خانہ سے اس قرین کو جھانکے گا تو اس قرین کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا اور اسے دیکھ کر یہ کہے گا کہ خدا کی قسم تحقیق تو اس بات کے قریب تھا کہ اپنی گمراہ کن باتوں سے مجھے ہلاک کر ڈالے کہ تیری طرح میں بھی حشر ونشر کا منکر ہو جاؤں اور اگر میرے پروردگار کا مجھ پر فضل نہ ہوتا تو میں بھی جہنم میں تیرے ساتھ پڑے ہوؤں میں یعنی اگر خدا کی توفیق میری دستگیری نہ کرتی تو تیری طرح میں بھی منکر حشر ہو جاتا اور تیری طرح تباہ ہو جاتا۔

﴿ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝٥٨ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝٥٩ ﴾

گذشتہ آیت میں اس جنتی قائل کے کلام کا ذکر تھا جس نے اپنے ایک دُنیاوی قرین (ساتھی) کو جہنم میں جھانک کر دیکھا تھا اب اس آیت میں ﴿ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴾ میں پھر اسی کے کلام کا ذکر ہے۔

امام رازی اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہما نے اس آیت کی تفسیر میں دو قول نقل کیے ہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر * ص ۱۳۸ ج ۷)

**پہلا قول** یہ ہے کہ یہ کلام اسی جنتی قائل کے قول کا تتمہ ہے کہ جو جہنم میں جھانکنے اور اپنے قرین کا حال بد دیکھنے کے بعد کہے گا اور مطلب یہ ہے کہ یہ جنتی قائل جب اپنے قرین کے دیکھنے اور اس سے بات کر کے فارغ ہو گا تو اس کی بدحالی کو دیکھ کر متنبہ ہو گا اور قلب خدا تعالیٰ کے تشکر سے لبریز ہو جائے گا کہ خدا نے مجھ کو کیا عیش و عشرت عطا کی اس وقت یہ جنتی بطور تحدیث نعمت اور بطور فرحت ولذت جوش مسرت میں اپنے یاران مجلس سے یا اپنے اس قرین سے کہے گا جس کو دوزخ میں جھانک کر دیکھا ہے اسے دیکھ کر بطور توبیخ وملامت اس سے یہ کہے گا کہ تو دُنیا میں دوبارہ زندگی کا منکر تھا اور اس کو محال بتلاتا تھا اب دیکھ لے کہ کیا ہم اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ * اس بے مثال اور لازوال نعمت وکرامت میں نہ رہیں گے اور پھر ہم اس جنت میں رہنے والے کبھی مرنے والے نہیں یعنی ہم اب کبھی نہیں مریں گے بجز پہلی بار کی موت کے جو دنیا میں ایک بار ہم پر آ چکی اور گذر چکی اور اب ہم زندہ ہیں اور اس دُنیاوی موت کے بعد ہم دوبارہ زندہ کیے گئے جس کو تو محال بتلاتا تھا اور اس عیش وعشرت میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ الحمد للہ کہ اب ہم مرنے والے نہیں اور نہ کافروں کی طرح آئندہ کسی عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہوں گے جیسا کہ تو اور تیرے ساتھی گرفتار عذاب ومصیبت ہیں تم لوگ مر کر جینے کا انکار کرتے تھے اب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی حق ہے اور جزا و سزا حق ہے ہمارا حال تو تو نے دیکھ لیا اور تمہارا حال یہ ہے کہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ تم پر موت کی کیفیت اور حالت طاری ہے اور آئندہ عذاب کے لیے ہر لمحہ تم کو نئی زندگی مل رہی ہے۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دوبارہ زندگی عطا کر کے جنت میں خلود اور دوام عطا کیا اور سوائے پہلی موت کے کہ جو ایک بار ہم پر دُنیا میں واقع ہو چکی ہے اب ہم

---

* قال الامام الرازی قولہ تعالیٰ: ﴿ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴾ فیہ قولان الاول ان اھل الجنۃ لا یعلمون فی اول دُخولھم فی الجنۃ انھم لا یموتون فاذا جیئی بالموت علی صورۃ کبش املح و ذبح فعند ذٰلک یعلمون انھم لا یموتون والثانی ان الذی یتکامل خیرہ وسعادتہ فاذا عظم تعجبہ بھا قد یقول ایدوم ھذا الی افیبقی ھذا الی وان کان علی یقین من دوامہ تفسیر کبیر ص ۱۳۸ ج ۷

* اس عبارت میں اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ .... الخ ﴾ میں ہمزہ استفہام تقریری کے لیے ہے جو معنی تعجب اور مسرت کو متضمن ہے اور حرف فا عطف کے لیے ہے جیسا کہ جا بجا اس کے نظائر میں ہے اور اس جملہ کا عطف ایک جملہ مقدرہ پر ہے جس کی تقدیر یہ ہے انحن مخلدون منعمون فما نحن بمیتین ای بمن مشانہ الموت وقرئ بِمَائِتِيْنَ تفسیر بیضاوی وحاشیہ شیخزادہ ص ۱۵۵ ج ۴ وحاشیہ صادی علی تفسیر الجلالین ص ۲۳۸ ج ۳ و تفسیر قرطبی ص ۸۴ ج ۱۵۔

دوبارہ مرنے والے نہیں اور نہ ہم پر کوئی عذاب ہوگا اور بدون موت کے اور بدون عذاب کے ہم کو یہ دار کرامت عطا فرمایا اہل جنت بطور تحدیث نعمت اپنے خلود اور دوام کا ذکر کریں گے۔

**دوسرا قول** اس آیت یعنی ﴿اَفَمَا نَحۡنُ بِمَیِّتِیۡنَ﴾ میں دوسرا قول ⓵ یہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ﴿اَفَمَا نَحۡنُ بِمَیِّتِیۡنَ ۝ اِلَّا مَوۡتَتَنَا الۡاُوۡلٰی﴾ اہل جنت کا کلام ہے جو فرشتوں سے ہوگا دخول جنت اور دخول جہنم کے بعد موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اہل جنت اور اہل جہنم جب اس منظر کو دیکھیں گے کہ موت ذبح ہو گئی تو اس وقت اہل جنت فرط مسرت سے فرشتوں سے کہیں گے ﴿اَفَمَا نَحۡنُ بِمَیِّتِیۡنَ﴾ کیا اب ہم اس کے بعد ہم مرنے والے نہیں دنیا میں تو ہم کو ایک مرتبہ موت آ چکی تو کیا پھر اس پہلی موت کے بعد ہم کو موت نہیں آئے گی اب تو موت کی موت آ چکی ہے اور ہمارے سامنے موت ذبح کر دی گئی ہے موت کے ذبح ہو جانے کے بعد اہل جنت فرشتوں سے یہ سوال کریں گے ﴿اَفَمَا نَحۡنُ بِمَیِّتِیۡنَ .. الخ﴾ تو فرشتے ان کو بشارت دیں گے کہ ہاں اب موت نہیں بلکہ خلود ہی خلود ہے بلا موت کے اور دوام ہی دوام ہے بلا فنا کے یہ بشارت سن کر اہل جنت مطمئن ہو جائیں گے کہ اس زندگانی کے بعد موت نہیں اور نہ آئندہ میں کسی عذاب کا خطرہ ہے ابتدا میں اہل جنت کو یہ علم نہ تھا کہ جنت میں کبھی موت نہیں آئے گی موت کے ذبح کے بعد اہل جنت کو اس کا علم ہوگا کہ اب موت نہیں فرشتوں کے اس اعلان کو سن کر اہل جنت کی خوشی تو زیادہ ہو جائے گی اور اہل دوزخ کا رنج و غم بڑھ جائے گا اور نا اُمید ہو جائیں گے کہ اب اس عذاب سے ہم کو کبھی رہائی نہ ہوگی۔ (تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۱۳۸ ج ۷ اور تفسیر قرطبی ص ۸۴ ج ۱۵ اور تفسیر روح المعانی ص ۸۵ ج ۲۳ دیکھیں)

**خلاصۂ کلام** یہ کہ موت کے ذبح کے بعد اہل جنت کا فرشتوں سے یہ سوال اور استفہام ﴿اَفَمَا نَحۡنُ بِمَیِّتِیۡنَ﴾ محض دریافت کرنے کے لیے نہ ہوگا بلکہ اظہار مسرت کے علاوہ اس مشاہدہ کی مزید تاکید کے لیے ہوگا کہ ہم نے جو سمجھا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے نیز کفار کی زجر و توبیخ کو بھی متضمن ہوگا جو بعث کا انکار کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ صرف دنیا کا مرنا ہے اور بس ان دونوں قولوں میں پہلا قول اولیٰ اور بہتر ہے اکثر مفسرین کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ اہل جنت کی یہ بات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں بے شک ایسی ہی چیزوں کے واسطے عمل کرنے والوں کو چاہیے کہ عمل کریں بھلا یہ بہتر ہے مہمانی کے لحاظ سے جو نعمتیں اور راحتیں اہل جنت کو حاصل ہیں یا درخت زقوم ⓶ جس کو سینڈھ کا درخت کہتے ہیں جو نہایت بدبودار اور زہریلا درخت ہے دوزخ کے اندر حق تعالیٰ نے ایک درخت اگایا ہے جو دوزخ ہی کی آگ سے نشوونما پا رہا ہے جو درحقیقت ظالموں اور کافروں کے واسطے عذاب جہنم کی ایک خاص مصیبت کے درجہ میں ان کے واسطے رکھا گیا ہے کہ جب دوزخی بھوک میں مبتلا ہوں گے تو یہ کھانے کے لیے دیا جائے گا جس کی بدبو اور مزہ کی تلخی سے یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ اس کو حلق سے نیچے اتارا جا سکے یہ آزمائش اور عذاب ہے جس میں ان کو مبتلا کیا گیا کفار مکہ نے جب یہ سنا تو مذاق اڑانے لگے اور اعتراض کرنے لگے کہ کوئی

---

⓵ قیل ھو من کلام المؤمنین للملائکة حین یذبح ویقال یا اھل الجنة خلود بلا موت ویا اھل النار خلود بلا موت. (صاوی ص ۲۳۸ ج ۳)

⓶ زقوم کا درخت دنیا کے درختوں میں ایک نہایت مسموم اور بدبودار اور بدشکل درخت ہے اگرچہ غیر معروف ہے اور وہ ایسا مسموم ہے کہ اگر بدن سے مس کر جائے تو بدن میں ورم ہو جائے اور وہ مر جائے۔

درخت آگ میں کیونکر اگ سکتا ہے اور کیسے اس میں باقی رہ سکتا ہے اس احمقانہ بات یا اعتراض کا جواب آئندہ آیت میں دیا جا رہا ہے باقی کلمات اور اہل جنت کی نعمتوں کے بیان اور اہل جہنم کے عذاب اور ان کی شدتوں کو ذکر کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ یہ کافر اس قدر احمق ہیں کہ عذاب اور ثواب اور عزت اور ذلت کے فرق کو نہیں سمجھتے ورنہ مقصود استفہام نہیں۔

اب ان کے اس اعتراض کا کہ درخت آگ میں کیونکر ہوسکتا ہے جواب دیا جا رہا ہے تحقیق ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے ایک فتنہ کر دیا ہے دیکھیں کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں کافروں کو یقین نہیں آتا کہ آگ میں بھی درخت ہوسکتا ہے کہ جو ان کی مزید گمراہی کا سبب بن گیا اس لیے کہ تحقیق وہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے اگتا ہے کافر یہ سن کر کہنے لگے کہ بھلا آگ میں درخت کیسے پیدا ہوسکتا ہے ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ آگ میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے جس کا نام سمندر ہے اور آگ ہی میں وہ جیتا ہے اور آگ ہی سے وہ لذت حاصل کرتا ہے اور آگ ہی سے اس کا نشوونما ہوتا ہے۔

پس جب خدا تعالیٰ آگ میں ایک حیوان (جاندار) کو پیدا کرسکتا ہے اور آگ ہی کو اس کی غذا بنا سکتا ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ کافروں کے کھانے کے لیے (جو بمنزلہ حیوانات کے ہیں اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ) (الاعراف:۱۷۹) آگ میں ایک درخت پیدا کر دے اور اسی درخت کو آگ سے محفوظ رکھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زقوم ایک خاص درخت ہے جس کی شاخیں تمام جہنم میں پھیلی ہوئی ہیں جیسے طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں تمام جنت میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس درخت کے خوشے خبیث اور بدشکل ہونے میں شیطانوں کے سر کے مشابہ ہیں شیطانوں کے سر سے اس لیے تشبیہ دی گئی کہ اگرچہ لوگوں نے شیطانوں کو نہیں دیکھا مگر عام طبیعتوں میں شیطانوں کے سروں کا بدشکل اور بدرنگ اور قبیح المنظر ہونا راسخ اور جاگزیں ہے اور تشبیہ کے لیے دیکھنا ضروری نہیں فی الجملہ علم کافی ہے خواہ وہ حسی ہو یا خیالی جس طرح اس آیت میں ہے ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ (یوسف:۳۲) عرب کا محاورہ ہے کہ جب کسی کے حسن و جمال کو بے مثال دیکھتے ہیں تو اس کو فرشتے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور جو چیز قبیح المنظر ہوتی ہے تو اس کو یہ کہہ دیا کرتے ہیں كَاَنَّهٗ راس الشيطان۔

اُردو زبان میں دیکھ لو ہر لمبی بات کو کہتے ہیں کہ بات کیا ہے شیطان کی آنت ہے کیا شیطان کی آنت کسی نے دیکھی ہے غرض یہ کہ تشبیہ محاورۂ عرب کے مطابق اور عرف کے موافق ہے عرب اور عجم میں یہ محاورہ ہے کہ جب کسی کی بدصورتی کو بیان کرنا ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ شیطان کی صورت ہے اور جب کسی کی خوبصورتی بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ فرشتہ کی شکل ہے۔

پس تحقیق کفار جبراً و قہراً اس بدبودار اور بدمزہ درخت سے کھائیں گے اور یہ نہ ہوگا کہ زبردستی کی وجہ سے اس میں سے کچھ چکھ لیں اور پھر چھوڑ دیں بلکہ اس سے اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہوں گے یعنی ان پر زبردستی کی جائے گی کہ وہ اس سے کھائیں اور خوب کھائیں یہاں تک کہ ان کے پیٹ بھر جائیں۔ اہل جنت کا رزق کریم تھا اس کے بالمقابل اہل جہنم کا رزق زقوم اور حمیم ہوگا اس درخت سے کھا کر پیاس سے بے تاب اور بے قرار ہو جائیں گے تو پانی مانگیں گے تو اس کھانے کے بعد ان کے واسطے پیپ سے ملا جلا کھولتا ہوا پانی ہوگا جو ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ (محمد:۱۵) اور کھانے کی طرح یہ پانی بھی ان کو زبردستی پلایا جائے گا پھر ان کی واپسی اور لوٹنا دوزخ کی طرف ہوگا جو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے اور ان کا اصل ٹھکانا ہے یہ زقوم

اور ماء حمیم بطور مہمانی ❁ اور ناشتہ ان کو دخول جہنم سے پہلے کھلایا اور پلایا جائے گا اس ناشتہ کے بعد ان کو دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ ان کو زقوم کھلانے اور ماء حمیم پلانے کے لیے جحیم سے نکالا جائے گا اور زقوم اور ماء حمیم کے کھانے اور پینے کے بعد ان کو جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ کافروں کو زقوم اور حمیم کھلایا پلایا جائے گا وہ جگہ جحیم سے باہر ہوگی یا جہنم کے کنارہ پر ہو گی کھلانے اور پلانے کے بعد پھر ان کو جحیم کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو ان کے عذاب کی اصل جگہ ہے۔
(تفسیر کبیر ص ۱۴۲ ج ۷ وحاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۳۹ ج ۳)

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بھوکے اور پیاسے ہوں گے تو آگ سے ہٹا کر ان کو یہ کھانا پانی کھلا پلا کر پھر آگ میں ڈال دیں گے۔ (موضح القرآن)

پس یہ لوگ کبھی جحیم میں ہوں گے اور کبھی حمیم میں ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ﴾ (الرحمٰن: ۴۴) اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یعنی (دوزخیاں را) بعد خوردن ونوشیدن ایشاں را باز بدوزخ برند۔ (فتح الرحمٰن)

اب آگے فرماتے ہیں کہ اس دردناک عذاب کی وجہ یہ ہوگی کہ انہوں نے آباء واجداد کو گمراہی کی حالت میں پایا پس یہ لوگ ان کی محبت میں بے سوچے سمجھے اور بلا حجت اور بلا دلیل ان کے قدم بقدم تیزی کے ساتھ دوڑے چلے جا رہے ہیں ذرا غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ حق پر نہیں ان کا باطل پر ہونا بالکل ظاہر ہے اور ان کفار موعودین سے پہلے بھی تحقیق اکثر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے جو ان کو گمراہی کے انجام سے ڈراتے تھے مگر انہوں نے حق کو قبول نہ کیا اور گمراہی سے باز نہ آئے پس دیکھ لیجیے کہ ان لوگوں کا کیسا بُرا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا اور انہوں نے نہ مانا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب نازل ہوا مگر اللہ کے مخلص بندے کہ وہ ایمان اور اخلاص کی وجہ سے اس برے انجام سے اور دُنیاوی عذاب سے محفوظ رہے اور اسی طرح وہ اُخروی عذاب سے بھی محفوظ رہیں گے اب آگے چند انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر فرماتے ہیں اور ان بعض منذرین کا ذکر کرتے ہیں جن کی امتوں نے سرکشی کی اور دُنیا میں تباہ اور برباد ہوئے موجودہ زمانہ کے کفار کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑیں۔

---

❁ قال الامام الرازی قال اللہ تعالٰی ثم ان مرجعهم لالی الجحیم ای بعد اکل الزقوم و شرب الحمیم وھذا ایدل علی انهم عند شرب الحمیم لم یکونوا فی الجحیم و ذلك بان یکون الحمیم من موضع خارج عن الجحیم فهم یوردون الحمیم لاجل الشرب کما تورد الابل الی الماء ثم یوردون الی الجحیم تفسیر کبیر ص ۱۴۲ ج ۷ وھذا قول مقاتل ان الحمیم خارج الجحیم وقال القشیری ولعل الحمیم فی موضع من جهنم علی طوف منها تفسیر قرطبی ص ۸۸ ج ۱۵۔

| |
|---|
| وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ |
| اور ہم کو پکارا تھا نوح نے سو کیا خوب پہنچنے والے ہیں پکار پر اور بچا دیا اس کو اور اس کے گھر کو اس |
| الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ |
| بڑی گھبراہٹ سے اور رکھی اس کی اولاد وہی رہ جانے والی اور باقی رکھا اس پر |
| فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي |
| پچھلی خلق میں کہ سلام ہے نوح پر سارے جہان والوں میں ہم یوں بدلہ دیتے ہیں |
| الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ |
| نیکی والوں کو وہ ہے ہمارے بندوں ایمان دار میں پھر ڈبویا ہم نے دوسروں کو |

## قصہ اوّل نوح علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ ... الیٰ ... ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾﴾

**ربط:** گزشتہ آیات میں توحید اور جنت اور جہنم کا مضمون بیان فرمایا اور پھر اس کے ختم پر یہ فرمایا۔ ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ﴾ اب آگے چند پیغمبروں کے واقعات ذکر فرماتے ہیں جن سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مخلصین کو اور ان کے پیروؤں کو دنیا کے عذاب سے بچالیا اسی طرح وہ ان کو آخرت میں عذاب سے بچالے گا اس سلسلہ میں سات قصے ذکر کیے سب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا اور البتہ تحقیق نوح جو ہمارے عباد مخلصین میں سے تھا جب وہ اپنی قوم کے ایمان سے نا اُمید ہوا تو اس نے مدد کے لیے ہم کو پکارا ہم نے اس کی پکار کو سنا پس ہم اپنے عباد مخلصین کی پکار اور فریاد کو خوب سننے والے اور جواب دینے والے اور ان کی دعا قبول کرنے والے ہیں نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کے ایمان سے نا امید ہوئے تو یہ دعا کی ﴿اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (القمر:۱۰) اور یہ دعا کی ﴿لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ (نوح:۲۶)۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کے ہم نے نوح علیہ السلام کی فریاد رسی اور اس کو اور اس کے پیروؤں کو بڑے بھاری غم اور تکلیف سے بچالیا اور ہم نے صرف اس کی اولاد کو غرق ہونے سے باقی رہنے والا رکھا اہل سے مراد اہل دین اور اہل ایمان ہیں صرف ان لوگوں کو نجات دی جو ان پر ایمان لائے تھے اور تنہا ان کی ذریت سے زمین کو آباد کیا اور ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والی اُمتوں میں باقی چھوڑا یعنی ﴿سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ﴾ چھوڑا ساری اُمتیں ان کو سلام بھیجتی ہیں عالم انس اور عالم جن اور عالم ملائکہ میں ان پر سلام ہے تحقیق ہم اپنے نیکو کار بندوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور نوح بلاشبہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھا ایمان کی برکت سے قہر الٰہی سے محفوظ رہا اور اہل ایمان کے سوا اوروں کو ہم نے غرق کر دیا سوائے اہل ایمان کے کوئی پلک مارنے والی آنکھ باقی نہ رہی سب کو ڈبو دیا کافروں

میں سے کوئی نہ بچا صرف ان کی وہ ذریت باقی رہی جوان پر ایمان لے آئی تھی معلوم ہوا کہ طوفان عام تھا اور کل بلاد اور جمیع بلاد کو شامل تھا جمہور علماء کا یہی قول ہے اور آیات اور احادیث سب اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ طوفان تمام آبادی اور نوع انسانی کو عام اور شامل تھا اور جن بعض مصنفین نے طوفان کا انکار کیا یا اس میں تاویل کی یا بعض امکنہ کے ساتھ اس کو خاص کیا وہ قول قابل التفات نہیں تفصیل سورۂ ہود کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ

اور اسی کی راہ والوں میں ہے ابراہیم جب آیا اپنے رب پاس لے کر دل نروگا جب

قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ

کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کیا پوجتے ہو؟ کیوں جھوٹ بناتے حاکموں کو اللہ کے سوا

تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾

چاہتے ہو پھر کیا خیال کیا ہے تم نے جہان کے صاحب کو پھر نگاہ کی ایک بار تاروں میں

فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ

پھر کہا میں بیمار ہوں پھر الٹے گئے اس سے پیٹھ دے کر پھر جا گھسا ان کے بتوں میں

فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا

پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے تم کو کیا ہے؟ کہ نہیں بولتے پھر گھسا ان پر مارتا

بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾

داہنے ہاتھ سے پھر لوگ آئے اس پر دوڑ کر گھبرائے بولا کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي

اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو بولے، چنو اس کے واسطے ایک چنائی پھر ڈالو اس کو

الْجَحِيْمِ ﴿٩٧﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَ قَالَ اِنِّيْ

آگ کے ڈھیر میں پھر چاہنے لگے اس پر برا داؤ پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے اور بولا میں

ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾
جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دے گا اے رب! بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ
پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو ایک لڑکے کی جو ہو گا تحمل والا پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو کہا اے بیٹے! میں

اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ
دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو، تو کیا دیکھتا ہے؟ بولا اے باپ

افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ
کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھ کو پاوے گا اگر اللہ نے چاہا سہارنے والا پھر جب

اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ ج وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ لا قَدْ
دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم تو نے

صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ج اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
سچ کر دکھایا خواب ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو بے شک یہی ہے

الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي
صریح جانچنا اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کو بڑا اور باقی رکھا ہم نے اس پر

الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ صلے سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾
پچھلی خلق میں کہ سلام ہے ابراہیم پر ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ
وہ ہے ہمارے بندوں ایمان دار میں اور خوشخبری دی ہم نے اس کو اسحاق کی جو نبی ہو گا

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ
نیک بختوں میں اور برکت دی ہم نے اس پر اور اسحق پر اور دونوں کی اولاد میں نیکی والے ہیں

وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع

اور بدکار بھی ہیں اپنے حق میں صریح۔

## قصہ دوم ابراہیم علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ... الٰى ... وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع﴾

نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا یہ انہی لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نوح علیہ السلام کی مشایعت اور موافقت کی اور اللہ کی توحید پر ایمان لانے والے ہوئے اور قوم کی ایذاؤں پر صبر کیا اور جس طرح تمام عالم حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں حضرت ابراہیم، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کے بعد میں ہوئے کہا جاتا ہے کہ نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان دو ہزار ایک سو بیالیس سال کا فاصلہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بہت ملتا جلتا ہے آپ کی ملت ان کی ملت کے مطابق اور موافق ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے ابراہیم ہیں کہ توحید اور اخلاص میں اور دین پر پختگی میں اور مکذبین کی ایذاؤں پر صبر کرنے میں ان کے طریقہ اور نقش قدم پر تھے نوح علیہ السلام کو اللہ نے غرق سے نجات دی اور ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حرق یعنی آگ میں جلنے سے نجات دی۔

## لفظ شیعہ کی اصل

شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ شیعہ اس آیت سے ماخوذ ہے اور اپنی تفسیروں میں لکھتے ہیں کہ انبیاء اولوالعزم علیہم السلام ہمیشہ اس بات کی آرزو کرتے تھے کہ کاش شیعہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو شب معراج میں شیعہ علی دکھلائے گئے چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے چہرے نورانی تھے ان کو دیکھ کر بڑی آرزو کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے درخواست اور دُعا کی: "اے اللہ! مجھ کو شیعہ علی میں داخل کر" چنانچہ ان کی یہ دعا مستجاب ہوئی اور ﴿وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ﴾ میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے یعنی بے شک اس کے شیعوں میں سے ابراہیم علیہ السلام ہیں سبحان اللہ العظیم خدا تعالیٰ نے جس کو ادنیٰ عقل بھی دی ہے اس پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ یہ سراسر افتراء اور بہتان عظیم ہے گویا کہ شیعوں کے نزدیک ﴿وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ کی ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف راجع نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تحقیق ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بلا شبہ شیعانِ علی رضی اللہ عنہ سے تھے یہ سراسر نظم قرآنی کی تحریف ہے اور قطع نظم ہے اور اضمار قبل الذکر ہے اور ان قباحتوں اور شناعتوں کے علاوہ ایک عظیم قباحت و شناعت یہ ہے کہ حضرت علی معاذ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء اولوالعزم سے بھی افضل تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت رکھتے تھے جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔ (دیکھو کید شصت و دوم ۶۲ از مکائد شیعہ تحفہ اثنا عشریہ)

## شیعہ کس کو کہتے ہیں اور سُنّی کس کو کہتے ہیں؟

شیعہ اس کو کہتے ہیں جو اہل بیت کی محبت کا مدعی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھتا ہو اور خلافتِ نبوی کا آپ کو اور آپ کی اولاد کو مستحق سمجھتا ہو اور صحابہ کو خائن اور غاصب سمجھتا ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حق خلافت غصب کیا اور ان سے نفرت اور کراہت رکھتا ہو اور ان سے تبرا کرنے کو ذکر اللہ سے افضل سمجھتا ہو غرض یہ کہ شیعت کی بنیاد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض اور عداوت پر ہے۔

## سُنّی کس کو کہتے ہیں؟

اور سُنّی اس کو کہتے ہیں جو سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر ہو اور تمام صحابہ اور تمام اہل بیت اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت اور عظمت کو فرض اور لازم اور جزء ایمان سمجھتا ہو۔

اے نبیؐ! اپنی قوم کے سامنے اس وقت کا حال ذکر کیجیے کہ جب ابراہیم اپنے رب کی طرف قلب سلیم لے کر متوجہ ہوئے کہ جو دل عقائد اور اخلاق اور اعمال کی برائیوں سے اور عیبوں سے اور آلائشوں سے پاک تھا جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے جو بت پرست تھے یہ کہا کہ وہ کیا چیز ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو کیا جھوٹ موٹ ہی خدائے برحق کو چھوڑ کر ان جھوٹے معبودوں کی طلب اور تلاش میں پڑے ہوئے ہو اور ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہو پس تم نے تمام جہانوں کے حقیقی پروردگار کے ساتھ کیا خیال اور گمان رکھا ہے کہ وہ کیا چیز ہے اور اس کی کیا شان ہے ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ ستارہ پرست بھی تھے ایک بار کا واقعہ ہے کہ ان کی قوم کے لوگ اپنے ایک میلہ میں جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔

قوم کے لوگ نجومی تھے پس ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دکھلانے کے لیے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا کہ میں بیمار ہوں اس لیے میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا اور چونکہ وہ لوگ نجوم کے معتقد تھے اور کواکب کو حوادث عالم میں متصرف سمجھتے تھے اور عام طور پر علم نجوم استعمال بھی کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ اس ستارہ کا طلوع قوم کے نزدیک علامت طاعون کی سمجھی جاتی تھی اس لیے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کوئی اصرار نہ کیا اور ان لوگوں کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں اس کے ساتھ لے جانے سے اس کی بیماری ہم کو نہ لگ جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کی طرف دیکھنا بطور ایہام اور توریہ تھا لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو نجوم کا کوئی قاعدہ معلوم ہوگا اس لیے لوگوں نے ان پر نہ کوئی انکار کیا اور نہ ساتھ چلنے پر اصرار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ کہنے سے مطلب یہ تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے ٹھیک نہیں بیمار ہوا چاہتا ہوں یعنی مجھ کو اپنے اضمحلال سے بیمار ہونے کا اندیشہ ہے نیز ہر شخص کو زمانہ آئندہ کے اعتبار سے مرض الموت کا اندیشہ تو لگا ہی رہتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ تم لوگ جو خدائے برحق کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اس سے میرا دل بیمار اور رنجیدہ اور خستہ ہے اور عجب نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت کچھ بیمار بھی ہوں اگرچہ ظاہراً وہ محسوس نہ ہو۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول کذب اور خلافِ واقع ہو بلکہ ایک قسم کا توریہ تھا اور توریہ کے معنی کذب کے نہیں بلکہ توریہ کے معنی یہ ہیں کہ کلام متکلم کی مراد کے اعتبار سے توصحیح ہو لیکن مخاطب اپنی کم عقلی کی وجہ سے متکلم کی اصل مراد کو نہ پہنچ سکے اور اس توریہ اور ایہام سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ ان کے جانے کے بعد ان کے ساتھ کوئی کید اور تدبیر کریں تا کہ ان پر حجت لازم ہو جائے پس انہوں نے بیماری کا بہانہ

کیا تا کہ ان کے ساتھ عید میں نہ جائیں ستاروں کی طرف نظر کر کے کہا کہ میں بیمار ہوں یعنی اپنے اندر بیماری کے کچھ آثار محسوس کر رہا ہوں مجھے اپنے اضمحلال سے ایسا نظر آتا ہے کہ شاید میں بیمار پڑ جاؤں نیز موت ہر شخص کے لیے قطعی اور یقینی ہے اور جس پر موت لکھی ہوئی ہے وہ لامحالہ سقیم اور بیمار ہوتا ہی ہے چنانچہ بزرگوں کا قول ہے کہ ((الحمی برید الموت)). "بخار موت کا ڈاکیہ ہے"۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ﴿ إِنِّي سَقِيمٌ ﴾ ایک قسم کا توریہ اور ایہام تھا جس سے مقصود احقاق حق اور ابطال باطل تھا اور ستاروں کی طرف نظر کرنا ایک قسم کا حیلہ تھا جو محض ان کے دکھلانے کے لیے تھا کیونکہ وہ لوگ نجوم کی تاثیر کے قائل تھے اس لیے انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا یقین کر لیا اور ان کو چھوڑ کر چلے گئے اور ساتھ چلنے پر اصرار نہ کیا اس توریہ اور ایہام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض غایت درجہ محمود تھی کہ ان کے جانے کے بعد ان کے بتوں کے ساتھ کوئی کید کریں جس سے ان کا عاجز اور نا قابل الوہیت ہونا ثابت ہو جائے پس وہ لوگ ان کا یہ عذر سن کر ان کو چھوڑ کر چلے گئے کہ خواہ مخواہ بیمار کو کیوں ساتھ لے جائیں ایسا نہ ہو کہ اس کی بیماری ہم کو لگ جائے اس لیے ان سے کوئی جھگڑا نہیں کیا۔

پس ان کے چلے جانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام ان کے بت خانہ میں داخل ہوئے اور ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بطور تہکم اور استہزاء اور تمسخر ان کی طرف منہ کر کے کہا کہ یہ کھانے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں ان کو کھاتے کیوں نہیں آخر تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے بھی نہیں وہ خوب جانتے تھے کہ یہ سب جمادات اور پتھر ہیں یہ کیا بولیں گے عید میں جاتے وقت لوگ بتوں کے سامنے کھانا چھوڑ گئے تھے تا کہ وہ متبرک ہو جائے بعد ازاں ابراہیم پوشیدہ طور پر ان بتوں کے پاس آئے اور دائیں ہاتھ سے یا پوری قوت سے ان بتوں کو مارنے لگے اور تبر وغیرہ سے ان کو توڑنے لگے یہاں تک کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور توڑ پھوڑ کر وہاں سے چل دیئے پس جب قوم کے لوگ عید سے واپس آئے اور بت خانہ میں داخل ہوئے اور بتوں کا یہ حال دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ کام ابراہیم علیہ السلام کا ہے اس لیے وہ غصہ میں بھرے ہوئے دوڑتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے کہ ان سے باز پرس کریں اور ان پر ملامت اور زجر و توبیخ کریں۔ چنانچہ ان سے باز پرس شروع کی اور پکڑ کر ان کو نمرود کے پاس لائے اور گفتگو شروع ہوئی ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم اس چیز کو پوجتے ہو جس کو تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو وہ چیز کیسے معبود ہو سکتی ہے جو خود تمہارے ہاتھوں کی تراشیدہ ہو جو چیز کسی کے تراشنے سے تیار ہو لامحالہ وہ تراشیدہ چیز ذلیل اور خوار ہو گی پھر یہ کہ تراشنے سے اس چیز کی نئی شکل بن جاتی ہے جو پہلے نہ تھی پہلی ہیئت باقی نہیں رہتی دوسری ہیئت بن جاتی ہے گویا کہ یہ چیز محض تمہارے تراشنے اور اس نئی شکل بنانے سے معبود بن گئی پہلے سے معبود نہ تھی جس کا فاسد اور باطل ہونا واضح ہے کہ ایک چیز پہلے تو معبود نہ تھی اور اب وہ معبود بن گئی۔

اور حالانکہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور جو چیز تم بناتے ہو اور جو عمل تم کرتے ہو اس کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا یعنی جس طرح تمہاری ذات اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح تمہارے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں اور تمہاری صنعت اور کاریگری بھی اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے جس طرح شجر اور حجر کی ذات کو اللہ نے پیدا کیا اسی طرح اس صنعت اور کاریگری کو جس سے تم نے یہ بت بنایا اور تراشا ہے وہ بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے پس جو چیز تمہاری صنعت اور کاریگری سے تیار ہوئی وہ خدا کیسے ہو سکتی ہے کیا خدا بھی کسی کی صنعت اور کاریگری سے تیار ہوا کرتا ہے خالق لائق عبادت ہے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز قابل عبادت نہیں ہو سکتی لائق عبادت وہ ذات ہے جو ذوات اور صفات اور اعراض اور افعال سب میں مؤثر ہو۔

قوم کا مقصود اس باز پرس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملامت اور زجر و توبیخ تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دلیل اور برہان سے ان کی ایسی حماقت ثابت کی جو زجر و توبیخ کی منتہا تھی اور یہ آیت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ہر عمل اللہ کی مخلوق ہے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور ہر صنعت کو پیدا کرتا ہے۔ (رواہ البخاری فی خلق الافعال)

پس جب ان پر حجت قائم ہوگئی جس کے دفع پر وہ قادر نہ ہوئے اور نہ اس کا انکار کرسکے تو غیظ و غضب میں آ کر ایک دہکتی ہوئی آگ تیار کی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے تو منجنیق کے ذریعہ ابراہیم علیہ السلام کو اس دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا اللہ کی قدرت اور رحمت سے جب وہ آگ ابراہیم علیہ السلام پر بردوسلام ہوگئی تو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت واضح اور روشن ہوگئی بتوں کے توڑنے سے شرک باطل ہوگیا اور آگ کے بردوسلام ہوجانے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت و رسالت ثابت ہوگئی غرض یہ کہ اس طرح سے توحید اور رسالت دونوں کا اثبات ہوگیا۔

**خلاصۂ کلام** یہ کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے دلیل اور برہان سے ان کو قائل کردیا کہ خود تراشیدہ چیز ہرگز ہرگز قابل عبادت نہیں ہوسکتی تو قوم کے لوگ اس جواب باصواب سے مبہوت اور حیران رہ گئے اور جھلا کر بولے کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ایک بڑا آتش خانہ بناؤ جو آگ سے لبریز ہو پھر دہکتی ہوئی آگ میں ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دو پس ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بڑے ہی مکر کا ارادہ کیا کہ اس کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیں کہ جل کر راکھ ہوجائے اور یہ قصہ ہی ختم ہو پس ہم نے ان کو زیر کردیا اور سب کو نیچا دکھایا کہ اس دہکتی ہوئی آگ کو ان پر باغ و بہار بنادیا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حقانیت اور صداقت ثابت ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ اللہ اپنے عباد مخلصین کی اس طرح سے حفاظت کرتا ہے اور یہ معجزہ ان کی نبوت و رسالت کی دلیل بنا جس کا مفصل قصہ سورۂ انبیاء میں گذر چکا ہے۔

اور ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکلنے کے بعد جب ان کے ایمان لانے سے بالکل نا اُمید ہوگئے تو ان کے اندر رہنا شاق گذرا تو ارادہ ہجرت کا فرمایا کہ کافروں سے مفارقت اور علیحدگی ہی میں دین و دنیا کی خیر و برکت ہے تو یہ کہا کہ اب میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں جہاں میرا پروردگار مجھ کو لے جائے اُمید ہے کہ وہ مجھے ایسی جگہ پہنچا دے گا جہاں میرے دین اور دنیا کی صلاح اور فلاح ہو گی۔ چنانچہ بحکم خداوندی سرزمین شام کی طرف ہجرت فرمائی اور حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام ہمراہ تھیں اور جب شام پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی کہ اے اللہ مجھ کو ایسا فرزند عطا فرما جو تیرے نزدیک نیکوکاروں میں سے ہو پس ہم نے ان کی دُعا قبول کی اور ان کو ایک بردبار فرزند کی بشارت دی جس سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں حسب بشارت حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے غلام حلیم پیدا ہوا جس کا حلم ظاہر ہوتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور التجاء کے بعد اسمٰعیل علیہ السلام فرزند عطا کیا جس کی نسبت توریت میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے ابراہیم علیہ السلام) اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بہرہ مند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس سے بڑی قوم بناؤں گا۔ (توریت سفر پیدائش باب ۱۷ درس ۲۰)

بعد چندے حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکم خداوندی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مکہ معظمہ لائے اور تربیت کے لیے جبل فاران کے قریب ان کو چھوڑ کر ملک شام واپس ہوگئے وقتاً فوقتاً براق پر سوار ہو کر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے مکہ آتے۔

پس جب وہ غلام حلیم اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ چلنے اور دوڑنے لگے اور بقول بعض سات برس کے اور بقول بعض سترہ

برس کے ہو گئے اتفاق سے اس زمانہ میں ابراہیم علیہ السلام شام سے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو دیکھنے کے لیے آئے تھے تو تین رات مسلسل یہ خواب دیکھا کہ وہ اس فرزند کو ذبح کر رہے ہیں۔ پہلی رات جب یہ خواب دیکھا تو محو حیرت ہوئے پھر جب تین دن تک یہی خواب دیکھا تو اشارۂ خداوندی کو سمجھ گئے اور اس غلام حلیم کے ذبح کا عزم کر لیا۔

پس جب ابراہیم علیہ السلام ذبح فرزند کا عزم کر چکے تو مناسب جانا کہ اس فرزند سے بھی اس خواب کا ذکر کر دیا جائے جس کے ذبح کے متعلق یہ خواب دیکھا ہے تا کہ اس کی رائے بھی معلوم ہو جائے اور اس کے حلم اور صبر کا اور کمسنی میں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان ہو جائے اس لیے اس فرزند سے بطور مشورہ کہا اے میرے چھوٹے برخوردار یہ تصغیر ترحم اور شفقت کے لیے ہے تحقیق میں برابر خواب میں تجھ کو ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں پس تو دیکھ لے اور سوچ لے کہ اس بارہ میں تیری کیا رائے ہے اور تیرا دل کیا کہتا ہے اب اپنی مرضی بتلا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس ذکر سے مقصد یہ تھا کہ ان کے حلم اور صبر کا امتحان کریں اور دیکھیں کہ خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لیے کس درجہ تیار ہیں بیٹے نے باپ کی یہ بات سن کر کہا اے میرے باپ آپ کو جو خدا کی طرف سے حکم دیا جا رہا ہے آپ اس کو بلا تامل و تردد کر گذریئے اور اس میں دیر نہ کیجیے اور میری تکلیف کا ذرہ برابر خیال نہ کیجیے اور ان شاء اللہ آپ مجھ کو ضرور صابروں میں سے پائیں گے میں دل و جان سے بسر و چشم خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لیے تیار ہوں۔ اے پدر بزرگوار! اللہ کی طرف سے آپ علیہ السلام کو جو حکم ہوا ہے وہ فوراً بجا لایئے اسمٰعیل علیہ السلام نے صبر کا وعدہ فرمایا مگر اس کو اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق کیا یعنی اس کے ساتھ لفظ ان شاء اللہ کہا جو ان کی کمال معرفت اور تواضع کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنی قوت پر بھروسہ نہیں کیا کہ میں خود صبر کر سکوں بلکہ اللہ کی مشیت پر اس کو معلق کیا۔ پس جب دونوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی اور ابراہیم علیہ السلام تو بیٹے کو خدا پر فدا کرنے کے لیے اور بیٹا خدا کے لیے قربان ہونے کے لیے آمادہ ہو گیا اور خود حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: اے باپ! مجھے اوندھا کر دیجیے تا کہ میری صورت سامنے ہونے سے شفقت پدری حکم خداوندی کی تعمیل میں مانع نہ بنے اور میری ماں کو میرا سلام کہہ دینا۔

اور ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو پیشانی کے بل زمین پر گرا دیا تا کہ ان کو ذبح کریں اور منہ کے بل ان کو اوندھا لٹا کر ان کے گلے پر چھری چلانے لگے باتفاق روایات یہ ثابت ہے کہ چھری کُند ہو گئی اور گلا نہ کٹ سکا اللہ تعالیٰ نے فرزند کو سلامت رکھا اور اس کے فدیہ میں مینڈھے کے ذبح کا حکم دیا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام کو ذبح ولد کی طبعی رنج و غم سے بچا لیا اور جب ابراہیم علیہ السلام اس طرح سے ہمارا حکم بجا لایا تو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ اے ابراہیم علیہ السلام! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا خواب میں تو نے جو کچھ دیکھا تھا اس کے موافق عمل در آمد کرنے میں تو نے کوئی قصور اور کوتاہی نہیں کی ابراہیم علیہ السلام نے اگرچہ بیٹے کو ذبح نہیں کیا مگر جتنا کام ان کے امکان میں تھا وہ کر گزرے اگرچہ ذبح واقع نہیں ہوا لیکن تو نے تعمیل حکم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تو فرشتہ نے آواز دی کہ تم نے خواب سچ کر دکھایا پس ابراہیم علیہ السلام نے فرشتہ کی آواز سن کر اس طرف توجہ کی تو دیکھا کہ ایک سفید مینڈھا بڑے سینگوں والا اور بڑی آنکھوں والا سامنے کھڑا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فدیہ کے لیے بھیجا ہے۔

حضرت استاد مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ ﴿ اِنِّي ذَبَحْتُكَ ﴾ کہ میں نے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیا بلکہ یہ دیکھا تھا کہ ﴿ اِنِّيٓ اَذْبَحُكَ ﴾ کہ میں ذبح کر رہا ہوں یعنی ذبح کا جو فعل ہے گردن

پر چھری چلاناوہ کررہاہوں سواتنا کرنے سے وہ خواب میں سچے ہوگئے جتنا خواب دیکھا تھا اتنا پورا ہوگیا چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے تعمیل حکم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو ذبح سے بچا لیا تحقیق ہم اسی طرح امتحان عظیم کے بعد نیکوکاروں کو ایسی ہی جزائے جمیل عطا کرتے ہیں کافروں کی عزت ووجاہت وقتی ہوتی ہے اصل عزت ایمان اوراحسان کی ہے امتحان بے شک سخت تھا مگر تو پورا اترا ہم بھی خوش ہوئے اور تیرے فرزند کے عوض فدیہ کے لیے یہ مینڈھا بھیجتے ہیں جبرئیل علیہ السلام اس کو لے کر آئے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بجائے وہ ذبح ہوا تحقیق یہ بات جو ابراہیم علیہ السلام کو پیش آئی کھلی اور صریح آزمائش تھی جس سے مخلص اور غیر مخلص میں خوب تمیز ہوجاتی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ اس حکم سے ہمارا مقصود فقط ابتلاء اور امتحان یعنی آزمانا تھا حقیقتاً ذبح ولد مقصود نہ تھا سو امتحان میں تو پورا اترا اور کامیاب رہا اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کے فدیہ میں قربانی کا ایک عظیم جانور عطا کیا جو نہایت سفید اور بڑے سینگوں والا اور بڑی آنکھوں والا تھا اور بڑا فربہ تھا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ وہ مینڈھا ثبیر پہاڑ سے اترا تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ وہ مینڈھا تھا جس کو ہابیل علیہ السلام نے قربان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا تھا اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک وہ جنت میں چرتا رہا یہاں تک کہ وہ جنت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کے لیے اتارا گیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۰۷ ج ۱۵)

اس طرح سے فدیہ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی جان بچائی اور آئندہ کے لیے قربانی کا قانون مقرر کر دیا کہ لوگوں کو چاہیے کہ سنتِ ابراہیمی کے مطابق قربانی کیا کریں اور جو شخص حیوان کی قربانی کرے گا اس کو ذبح ولد کا ثواب ملے گا۔

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر پچھلی اُمتوں میں باقی چھوڑا کہ بعد میں آنے والی امتیں ان کو ذکر خیر کے ساتھ یاد کرتی رہیں خاص کر یہ آخری امت یعنی اُمت محمدیہ تشہد میں درودِ ابراہیمی پڑھتی ہے سلام ہو ابراہیم علیہ السلام پر بعد میں آنے والے بھی ان پر صلوٰۃ و سلام پڑھیں گے ہم اپنے نیکوکاروں کو ایسی جزاء دیا کرتے ہیں بے شک ابراہیم علیہ السلام ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا جنہوں نے ایمان اور اخلاص اور عبودیت کا حق ادا کر دیا۔

## دوسری بشارت کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۲ ... الٰی ... وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝۱۱۳﴾

گذشتہ آیات میں پہلے فرزند یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کا ذکر تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے اور اکلوتے بیٹے تھے اور ان کے ذبح اور فدیہ کا حال ذکر کیا اب اس کے بعد ان کے دوسرے فرزند یعنی اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اسماعیل علیہ السلام کے بعد ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک دوسرے فرزند کی بشارت دی کہ تمہارے ایک اور فرزند ہوگا جس کا نام اسحاق ہوگا اور وہ نبی ہوگا اور صالحین میں سے ہوگا اور باتفاق علماء حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔ (تفسیر ❋ قرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۵) جو حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے اوان کی نسل میں ہزاروں نبی اور بادشاہ ہوئے اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق پر یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام پر برکتیں نازل کیں اور ان کے بیٹے اسحاق علیہ السلام پر کہ ان کی نسل میں کثرت سے انبیاء علیہم السلام ہوئے۔

---

❋ قال القرطبی ولیس تختلف الرواۃ ان اسمعیل کان اکبر من اسحاق بثلاث عشرۃ سنۃ. (تفسیر قرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۵)

حق جل شانہ، کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو بشارتیں ملیں اوّل غلام حلیم کی بشارت ملی جوان کی دعا اور التجا اور سوال کے بعد ملی یعنی ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ کے بعد غلام حلیم یعنی اسمٰعیل علیہ السلام کی بشارت ملی اور دوسری بشارت یعنی اسحٰق علیہ السلام کی بشارت ہے وہ بلا سوال اور دعا کے ملی جس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی ۸۶ سال کی تھی اور جب اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے ۹۹ سال کی تھی۔

اور پھر آگے چل کران دونوں کی نسل سے نیکوکار بھی ہوں گے اور بدکار بھی جو اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والے ہوں گے یعنی آئندہ چل کران دونوں کی نسل میں سے نیکوکار اور بدکار دونوں قسم کے لوگ ہوں گے معلوم ہوا کہ بدون ایمان اور عمل صالح کے محض نسب پر فخر بیکار ہے عام طور پر مفسرین نے ﴿بٰرَكْنَا عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی اور علیٰ ہذا ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا﴾ کی ضمیر تثنیہ بھی ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کی طرف راجع کی ہے مگر حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اسمٰعیل اور اسحاق علیہما السلام کی طرف راجع کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ کہا دونوں بیٹوں کو (اسمٰعیل اور اسحٰق علیہما السلام کو) دونوں سے بہت اولاد پھیلی اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں نبی گذرے بنی اسرائیل کے اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں عرب جن میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ (انتہیٰ)

اور سیاق و سباق کے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ علیہ کی ضمیر پہلے بیٹے یعنی اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے ﴿عَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ کا اس پر عطف ہو کہ ایک ہی جملہ میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں پر برکتیں نازل کرنے کی خبر دی کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کو دینی اور دُنیاوی برکتوں سے نوازا اور آئندہ آیت ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا﴾ میں دونوں بیٹوں کی نسل اور اولاد کے متعلق خبر دی پس ضمیر تثنیہ لانے سے کوئی خاص اِثنینیت اور مغایرت نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کی ذریت اور اولاد علیحدہ علیحدہ نہیں دو بیٹوں اور دو بھائیوں کی اولاد کو علیحدہ علیحدہ نسل اور خاندان کہا جاسکتا ہے بیٹے کی اولاد بعینہٖ باپ کی اولاد ہے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ کی تفسیر میں اول مشہور قول کی بنا پر علیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی اور پھر دوسرا قول یہ نقل کیا کہ علیہ کی ضمیر اسماعیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور کہا کہ صحیح اور راجح قول اور ظاہر قرآن کے مطابق یہی معلوم ہوتا ہے کہ علیہ کی ضمیر اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح کی طرف راجع کی جائے کیونکہ ماقبل میں تمام قصہ اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح کا ذکر فرمایا اور پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر فرمایا ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور پھر دونوں یعنی اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے ذکر کے بعد فرمایا ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ ای بارکنا علی اسماعیل و اسحاق۔

چونکہ ماقبل میں اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے اس لیے علیہ کی ضمیر اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف راجع کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ دو بیٹوں اور دو بھائیوں کو ملا کر عطف کے ساتھ ذکر کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہے اور علیٰ ہذا ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا﴾ کی ضمیر تثنیہ بھی اسمٰعیل اور اسحاق علیہما السلام کی طرف راجع ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی * ص ۱۱۳ ج ۱۵)

---

* قال الامام القرطبی قولہ تعالیٰ: ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ ای بارکنا علی ابراھیم واولادہٗ علی اسحاق حین اخرج انبیاء بنی اسرائیل من صلبہ وقد قیل ان الکنایۃ فی (علیہ) تعود علی اسمٰعیل وانہ ھوالذبیح قال المفضل الصحیح الذی یدل علیہ القرآن انہ اسمٰعیل و ذلک انہ قص قصۃ الذبیح فلما قال فی اٰخر القصۃ ﴿فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ ثم قال وبارکنا علیہ ای علی اسمٰعیل وعلی اسحاق کنی عنہ لانہ قد تقدم ذکرہ ثم قال ومن ذریتھما فدل علی انھا ذریۃ اسمٰعیل واسحاق. ص ۱۳۳ ج ۱۵

# ذبیح اللہ کی بحث

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک فرزند صالح کی دُعا کا ذکر ہے اور پھر اس دعا کے بعد جو لڑکا پیدا ہوا خدا تعالیٰ کے لیے اس کو قربانی کے لیے پیش کرنے کا ذکر ہے اہل اسلام کے نزدیک وہ لڑکا جو اللہ کے نام پر ذبح ہوا وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ وہ اسحاق علیہ السلام تھے اہل کتاب نے اہل اسلام پر حسد کی بنا پر حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیا کہ یہ فضیلت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے ثابت نہ ہو لیکن آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ اسحاق علیہ السلام اور یہی جمہور اہلِ سنت و جماعت کا مذہب ہے اور یہی صحیح قول ہے کہ ذبح کا تمام واقعہ اسماعیل علیہ السلام سے متعلق ہے کیونکہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد کا ہے جو مکہ میں پیش آیا نہ کہ ملک شام میں اور بعض علماء اہل سنت سے جو یہ منقول ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے سو ان کا یہ قول صحیح نہیں ان کا یہ قول علماء اہل کتاب سے ماخوذ ہے یا توریت سے ماخوذ ہے اور موجودہ توریت اول تو وہ توریت نہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی صفحہ ہستی پر اس توریت کا کہیں نام و نشان نہیں۔ دوم یہ کہ جو توریت موسیٰ علیہ السلام سے موسوم ہے وہ درحقیقت ان مضامین کا مجموعہ ہے جو بعد میں تصنیف ہوئے پھر وہ بھی تحریف سے خالی نہیں بلکہ تغیر و تبدل سے مملو ہے۔

① حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ہجرت کر کے ارض مقدسہ میں آئے تو زمانہ تنہائی میں انس اور محبت کے لیے ایک فرزند صالح کی دُعا مانگی اور عرض کیا ﴿ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴾ "اے اللہ! مجھ کو ایک نیک فرزند عطا فرما" جو تیرے نیک بندوں میں سے ہو اور تیری طاعت میں اور دین کی خدمت میں میری مدد کرے اور سفر و حضر میں میرے لیے باعث انس ہو اور میرے بعد میرا جانشین ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کی اور ایک غلام حلیم کی ان کو بشارت دی ﴿ فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍ ﴾ چنانچہ اس دُعا اور بشارت کے بعد حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے پیدائش کے کچھ دنوں بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکم خداوندی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام کو وادی غیر ذی زرع فاران کے جنگل اور بیابان میں یعنی مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے اور اس بارہ میں اہل اسلام اور اہل کتاب کا کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے فرزند اور اکلوتے بیٹے ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی ۸۶ سال کی تھی اور حضرت اسحاق علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے ابراہیم علیہ السلام کا اصل قیام ملک شام میں اپنی بی بی سارہ علیہا السلام کے ساتھ تھا اور اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کے کوئی اولاد نہ تھی مگر حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے بکثرت مکہ مکرمہ آتے رہتے تھے اور یہ آمد و رفت براق پر ہوتی تھی دیکھ کر واپس ہو جاتے صبح کو آتے اور شام کو واپس ہو جاتے۔ (دیکھو البدایۃ والنہایہ * لابن کثیر ص ۱۵۹ ج ۱)

کچھ عرصہ بعد اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے اور چلنے پھرنے لگے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اشارہ فرمایا کہ اپنے فرزند وحید اور اکلوتے بیٹے کو ہمارے نام پر ذبح کرو جس سے مقصود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبت کا امتحان تھا۔

---

* فقدروی ان الخلیل یذھب فی کثیر من الاوقات راکبا علی البراق الی مکۃ یطلع علی الولد (ابنه) ثم یرجع كذا فی البدایۃ والنھایۃ.

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دل وجان سے اس حکم کی تعمیل کے لیے آمادہ ہو گئے اور یہ تمام واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے بہت پہلے کا ہے معلوم ہوا کہ ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ سے اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کی بشارت مراد ہے اور ذبیح اللہ بھی غلام حلیم ہے اور ﴿فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ﴾ سے اسی غلام حلیم کے ذبح کا فدیہ مراد ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں غلام حلیم کی بشارت اور ان کے ذبیح اور ان کے فدیہ کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر فرمایا اور ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ﴾ فرمایا اور یہ دوسری بشارت ہے جو پہلی بشارت کے عرصہ بعد دی گئی اور اس بشارت کو بحرف عطف ذکر سے جس کا پہلی بشارت ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ پر عطف ہے معلوم ہوا کہ یہ بشارت اور یہ قصہ پہلی بشارت اور قصہ سے مختلف ہے اور مغایر ہے اس لیے کہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے پہلی خوشخبری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق تھی اور دوسری خوشخبری حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق ہے جو واقعہ ذبح کے بعد دی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب پہلے لڑکے کے ذبح پر حسب حکم الٰہی مستعد ہو گئے اور امتحان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فدیہ بھیج کر ان کو بچا لیا اور کمال عنایت والطاف سے بعد چندے ایک اور فرزند کی بشارت دی یعنی اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی اور فرمایا ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ﴾ ان آیات میں دو بشارتوں کا ذکر ہے ایک فرزند کی بشارت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال اور التجاء کے بعد ہوئی اور دوسرے فرزند کی بشارت بدون سوال اور التجاء کے اور مختلف وقتوں میں ہوئی اول اللہ تعالیٰ نے بڑے بیٹے اور اکلوتے بیٹے کی بشارت کا ذکر کیا اور پھر ان کے چھوٹے بھائی اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر کیا اور اس دوسری بشارت کا پہلی بشارت پر عطف کیا معلوم ہوا کہ یہ دوسری بشارت پہلی بشارت سے مغایر اور مختلف ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تقریباً چودہ سال بڑے تھے۔

③ پھر دونوں فرزندوں کی بشارت کے بعد حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق علیہ السلام پر عموماً مفسرین نے علیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے اور علیٰ ہٰذا اس کے بعد والی آیت ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ﴾ ضمیر تثنیہ بھی ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کی طرف راجع کی ہے مگر سیاق وسباق کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ ﴿بٰرَكْنَا عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے جن کے ذبح کا مفصل قصہ قریب میں ذکر ہو چکا ہے اور اب ﴿عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ کا عطف نہایت مناسب ہے اس لیے کہ ﴿عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر پہلے اور بڑے بیٹے کی طرف راجع ہے اور (بٰرَكْنَا عَلَيْهِ﴾ میں اول پہلے بیٹے پر برکت کے نزول کا ذکر ہے اور ﴿وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ کا ﴿عَلَيْهِ﴾ پر عطف ہے جس میں دوسرے بیٹے پر بھی برکت نازل کی اور علیٰ ہٰذا ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ﴾ کی ضمیر تثنیہ عام طور پر مفسرین نے ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کی طرف راجع کی ہے مگر شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے اسمٰعیل اور اسحاق علیہما السلام کی طرف راجع کی ہے غرض یہ کہ ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ میں علیہ کی ضمیر کا اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف راجع ہونا اور پھر ﴿وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ کا اس پر عطف ہونا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ ذبیح اسحاق علیہ السلام نہیں بلکہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں عطف مغایرت کو چاہتا ہے ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے اور ایک بیٹے کو دوسرے بیٹے کے مغایر کہا جا سکتا ہے مگر بیٹے کو باپ کا مغایر نہیں کہا جا سکتا۔

④ نیز حق تعالیٰ نے جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ﴿وَنَبِيًّا﴾ وہ نبی بھی ہوں

گے معلوم ہوا کہ اسحاق علیہ السلام ذبیح نہ تھے اس لیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی بتلا دیا گیا کہ اسحاق علیہ السلام نبی بھی ہوں گے تو ایسی صورت میں امتحان میں ان کے ذبح کا حکم دینا بے معنی ہے پھر اس بشارت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبُ﴾ کہ اسحاق علیہ السلام کا بیٹا بھی ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اسحاق علیہ السلام اتنی عمر کو پہنچیں گے کہ ان کے بیٹا بھی ہوگا تو ایسی حالت میں اگر ذبح کا حکم ہوتا تو نہ نبوت ملتی اور نہ نکاح ہوتا اور نہ بیٹا ہوتا نیز حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کو ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ﴾ سے مستقلاً ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قصہ مستقل ہے جس کا پہلے قصہ سے تعلق نہیں۔

⑤ نیز جس ولد کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ اس کے بلوغ سے پہلے دیا گیا اس لیے کہ نص قرآنی میں یہ قید مذکور ہے ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ﴾ کہ جب وہ لڑکا چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تب اس کے ذبح کا حکم آیا اور یہ حالت بلوغ سے بہت پہلے ہوتی ہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت میں ﴿وَنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ کے علاوہ ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبُ﴾ بھی فرمایا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسحاق علیہ السلام بلوغ کو پہنچیں گے اور صاحب اولاد ہوں گے اگر ان کے ذبح کا حکم ہوتا تو ان کی موت یقینی ہوتی اور عقلاً یہ بات غیر معقول ہے کہ اولاد عطا کیے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں نیز نبوت عموماً چالیس سال کی عمر میں ملتی ہے۔

⑥ نیز اہل اسلام اور اہل کتاب کے اتفاق سے اور توریت سفر پیدائش باب ۲۲۔ ۱۔ ۲ سے صراحۃً یہ بات ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا توریت کے قدیم نسخوں میں وحید اور بکر کا لفظ موجود ہے اور باتفاق یہود و نصاریٰ اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام تھے نہ کہ اسحاق علیہ السلام اس لیے کہ اسحاق علیہ السلام واقعہ ذبح کے بعد پیدا ہوئے ہیں وہ اکلوتے بیٹے نہ تھے امتحان کے لیے اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت اسحاق علیہ السلام کیسے اکلوتے بیٹے ہوسکتے ہیں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے اور توریت کے بعضوں نسخوں میں جو وحید اور اکلوتے بیٹے کے بعد لفظ اسحاق کا بڑھا دیا ہے وہ یہود کی دیدہ دانستہ تحریف ہے اکلوتا بیٹا وہ ہے کہ جس کی موجودگی میں کوئی دوسرا بیٹا نہ ہو اور یہ بات صرف اسمٰعیل علیہ السلام پر صادق آتی ہے کہ ان کی موجودگی میں ان کے سوا اور کوئی بیٹا نہ تھا۔

⑦ اس کے علاوہ یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا اور اس کے آثار اور یادگاروں کا مکہ اور منیٰ میں ہونا اور مدتوں تک فدیہ کے مینڈھے کے سینگوں کا خانہ کعبہ میں معلق رہنا یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام واقعہ مکہ میں پیش آیا نہ کہ ملک شام میں شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے فدیہ کے دنبہ کے دونوں سینگوں کو خانہ کعبہ کے اندر دیکھا ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام بچپن سے مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور اسحاق علیہ السلام ملک شام کے شہر کنعان میں رہتے تھے اور کنعان نہ مقام حج ہے اور نہ قربان گاہ ہے بخلاف منیٰ کے کہ وہ قربان گاہ ہے اور مکہ مقام حج ہے اور بطور یادگار ابراہیمی و اسمٰعیلی حج اور قربانی اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمرات کی سنت آج تک بنی اسمٰعیل علیہ السلام میں جاری ہے اور حج اور قربانی ملت اسلام کا عظیم شعار ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے اب تک مکہ اور منیٰ میں چلی آرہی ہے۔

⑧ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو بن علاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا (کہ دو بیٹوں میں سے) ذبیح کون تھا تو مجھ سے کہا: اے اصمعی رحمۃ اللہ علیہ تیری عقل کہاں جاتی رہی کہ تجھ کو یوچھنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ مکہ میں اسحٰق علیہ السلام کہاں تھے بلکہ وہاں تو اسمٰعیل علیہ السلام تھے اور ذبح اور

قربانی کا مقام بھی مکہ کی سرزمین میں ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام ہی نے اپنے باپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر میں مدد دی تھی۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۰۰ ج ۱۵)

⑨ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا ابن الذبیحین اے دو ذبیح کے فرزند! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے جو عطا کیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی کچھ عطا کیجیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور ہنسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت اپنی مجلس میں بیان کی تو حاضرین میں سے کسی نے کہا: اے امیر المؤمنین! وہ دو ۲ ذبیح کون ہیں تو فرمایا ایک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں اور دوسرے ذبیح آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ ہیں جس کا قصہ یہ ہے کہ عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کے کھودنے کا حکم دیا تو اللہ سے یہ نذر کی کہ اگر اللہ نے یہ کام آسان کر دیا تو ایک بیٹے کو خدا کے نام پر ذبح کروں گا۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے قرعہ اندازی میں ذبح کا قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا خاندان اور دیگر احباب نے بیٹے کے ذبح سے ان کو روکا اور یہ مشورہ دیا کہ فدیہ میں سو اُونٹ قربان کر ڈالو عبدالمطلب نے اس کو منظور کیا اور عبداللہ کی طرف سے فدیہ میں سو اُونٹ دیئے اس طرح سے حضرت عبداللہ حکماً ذبیح اللہ ہو گئے اس لیے حاضر ہونے والے شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ابن الذبیحین سے خطاب کیا اے دو ذبیح کے بیٹے پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پُرنور کے جد امجد ہیں اور دوسرے ذبیح اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ تھے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وابن جریر فی تفسیرہ وغیرہما روح المعانی ص ۱۲۲ ج ۲۳ وتفسیر قرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۵)

⑩ نیز اسی طرح ایک مرفوع حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: انا ابن الذبیحین میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں۔ (دیکھو البحر المحیط ص ۳۶۹ ج ۷ اور روح المعانی ص ۱۲۴ ج ۲۳)۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کی سند پر مطلع نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

**خلاصۂ کلام** یہ کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض سلف اور خلف سے جو منقول ہوا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے وہ درحقیقت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ان سے سن کر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم نے اس قول کو نقل کیا یا اہل کتاب کے صحیفوں سے ماخوذ ہے جس کی بنا پر قرآن کریم کے صریح اور ظاہر مدلول سے عدول ہرگز جائز نہیں۔ (دیکھو البدایہ والنہایہ ❶ لابن کثیر ص ۱۵۹)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہی ہے کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور یہ کہنا کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام ہیں یہ قول بیس وجہ سے باطل ہے واللہ اعلم۔

---

❶ قال ابن کثیر وقد قال بانہ اسحاق طائفۃ کثیرۃ من السلف وغیرھم وانما اخذوہ واللہ اعلم من کعب الاحبار اوصحف اھل الکتاب ولیس فی ذلک حدیث صحیح عن المعصوم حتی نترک لاجلہ ظاھر الکتاب العزیز ولایفھم ھذا من القرآن بل المفھوم بل المنطوق بل النص عند التامل علی انہ اسماعیل علیہ السلام ھ ص ۱۵۹ ج ۱

| |
|---|
| وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ |
| اور ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون پر اور بچا دیا ان کو اور ان کی قوم کو اس بڑی گھبراہٹ |
| الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ |
| سے اور ان کی مدد کی تو رہے وہی زبر اور دی ان کو کتاب |
| الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا |
| واضح اور سجھائی ان کو سیدھی راہ اور باقی رکھا ان پر |
| فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي |
| پچھلی خلق میں کہ سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر ہم یوں دیتے ہیں بدلہ |
| الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ |
| نیکی کرنے والوں کو وہ دونوں ہیں ہمارے بندوں ایمان دار میں |

## قصہ سوم حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ... اِلٰى... اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾

**ربط**: اب یہ تیسرا قصہ ہے جس میں ان انعاماتِ خداوندی کا ذکر کرتے ہیں جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر مبذول ہوئے اور پھر ان انعامات کا ذکر کرتے ہیں جو کلیم اللہ کی اتباع کی برکت سے بنی اسرائیل پر مبذول ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی اور قہر اور ظلم وستم سے نجات دی اور قوم نوح کی طرح قوم فرعون کو غرق کیا اور ان کے اموال اور املاک کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا اور پھر ان کو توریت جیسی روشن کتاب عطا کی جو حدود اور احکام پر مشتمل تھی اور صراط مستقیم اور راہ ہدایت کو ان پر واضح کرنے والی تھی جو اس راہ پر چلا اس نے فلاح پائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور بے شک ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر نبوت ورسالت کے علاوہ کمالات ظاہرہ اور باطنہ سے ان کو سرفراز کیا اور ان دونوں کو اور ان دونوں کی قوموں کو سخت مصیبت سے نجات دی اور نہ صرف مصیبت اور تکلیف سے نجات دی بلکہ دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد کی پس وہی دشمن پر غالب ہونے والے ہوئے اور ان کی املاک کے وارث بنے اور ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو ایک روشن اور نورانی کتاب دی جس سے مراد توریت ہے جس میں احکام کو واضح طور پر بیان کیا تھا اور ہم نے ان دونوں کو سیدھی راہ دکھائی جو سیدھی منزل مقصود تک پہنچانے والی تھی اور ان کے بعد آنے والی قوموں میں ان کا ذکر خیر باقی چھوڑا کہ وہ کہیں سلام ہو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر چنانچہ دونوں کے ساتھ علیہ السلام کا لفظ کہا جاتا ہے بے شک ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح نیک بدلہ

دیا کرتے ہیں کہ ان کو مستحق ثناء و تحسین بنا دیتے ہیں بے شک وہ دونوں ہمارے خاص الخاص ایماندار بندوں میں سے تھے اشارہ اس طرف ہے کہ ایمان ہی تمام کمالات اور انعامات کا منبع اور سرچشمہ ہے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور تحقیق الیاس ہے رسولوں میں جب کہا اپنی قوم کو کیا تم کو ڈر نہیں

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ

کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہتر بنانے والے کو جو اللہ ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے

اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

باپ دادوں کا پھر اس کو جھٹلایا سو وہ پکڑے آتے ہیں مگر جو بندے ہیں اللہ کے

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

چنے اور باقی رکھا اس پر پچھلی خلق میں کہ سلام ہے الیاس پر

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو وہ ہے ہمارے بندوں ایمان دار میں۔

## قصہ چہارم الیاس علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ ... الى ... اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾﴾

حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں جو یوشع علیہ السلام کے بعد نبی بنائے گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے شہر بعلبک کی طرف مبعوث فرمایا جو دمشق کے غربی جانب میں واقع ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک حضرت الیاس علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام سے پہلے گذرے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام یہی ادریس علیہ السلام ہیں مگر یہ قول صحیح نہیں اس لیے کہ ادریس علیہ السلام تو نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں اور الیاس علیہ السلام نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اہل کتاب میں وہ ایلیاء کے نام سے مشہور ہیں۔

اور بے شک الیاس بھی ہمارے رسولوں میں سے تھا جن کو ہم نے بنی اسرائیل کے اس گروہ کی طرف مبعوث کیا تھا جو بعل بت کی پرستش کرتے تھے تاکہ ان کو توحید کی دعوت دیں جب کہ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے بھلا کیا تم

لوگ بعل بت کی پرستش کرتے ہو اور ایک بے حس وحرکت چیز کو اپنا رب بنائے ہوئے ہو اور اس سے اپنی حاجتیں مانگتے ہو اور چھوڑے بیٹھے ہو اس ذات پاک کو کہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے یعنی اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے وہ تو چھوڑنے کے قابل نہیں۔

معاذ اللہ احسن الخالقین کے یہ معنی نہیں کہ خالق تو بہت ہیں مگر اللہ سب سے بہتر ہے مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ خلق کے دو معنی ہیں ایک ایجاد اور اختراع کے معنی ہیں یعنی کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود میں لانا اس معنی کو خالق کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں عدم سے وجود لانا اور جان ڈالنا اور جان نکالنا سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کے اختیار میں نہیں اور آیت میں خالقین کے یہ معنی مراد نہیں۔

دوسرے معنی خلق کے تقدیر اور اندازہ کرنے اور صنعت اور کاریگری کے ہیں اس معنی کر احسن الخالقین کے معنی یہ ہوں گے کہ سب اندازہ کرنے والوں اور تمام صناعوں اور کاریگروں میں اللہ سب سے بہتر اور بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ کا اندازہ ہمیشہ بالکل ٹھیک اور درست ہے اللہ کے سوا کسی اور کا اندازہ کبھی درست ہوتا ہے اور کبھی غلط اور دُنیا میں اگرچہ صناع اور کاریگر بہت ہیں مگر خدا کی صنعت اور کاریگری کو کسی کی کاریگری نہیں پہنچتی ﴿صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ﴾ (النمل:۸۸)۔

اس معنی کو خالق کا اطلاق بمعنی صناع اور کاریگر بندہ پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ بندہ بھی اپنے علم اور قدرت کے مطابق صنعت اور کاریگری پر قدرت رکھتا ہے اور اس آیت میں خالقین کے یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔

پس ان لوگوں نے الیاس علیہ السلام کو جھٹلایا پس قیامت کے دن یہ لوگ بلاشبہ عذاب دوزخ کے لیے پکڑ بلائے جائیں گے مگر خدا کے خالص بندے کہ وہ سواریوں پر سوار کر کے اعزاز واکرام کے ساتھ جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے اور ہم نے الیاس کا ذکر خیر آنے والی اُمتوں میں باقی چھوڑا اسلام ہو ال یاسین پر یعنی الیاس علیہ السلام پر الیاسین بھی ان کا نام ہے جیسے میکال اور میکائیل اور میکالین اور سینا و سینین تحقیق ہم ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں اپنے نیکوکار بندوں کو بے شک الیاس ہمارے خاص الخاص ایمان والے بندوں میں سے تھا ایمان ایک اسم جامع ہے جو تمام کمالات ظاہری وباطنی کو شامل ہے جو علی الاطلاق اہل اختصاص کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اگر بندہء خویش خوانی مرا | بہ از مملکت جاودانی مرا
شہانے کہ باتخت فرخندہ اند | ہمہ بندگان ترا بندہ اند

وَ اِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذۡ نَجَّیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾

اور تحقیق لوط ہے رسولوں میں جب بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سارے

اِلَّا عَجُوۡزًا فِی الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اِنَّکُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ

مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں پھر اکھاڑ مارا ہم نے دوسروں کو اور تم گذرتے ہو

ع ۴ / ۲۵ / ۸ عَلَیۡهِمۡ مُّصۡبِحِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ بِالَّیۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾

ان پر صبح کے وقت اور رات کو پھر کیا نہیں بوجھتے۔

## قصہ پنجم لوط علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ ... الیٰ ... اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾﴾

یہ پانچواں قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے ان کی قوم لواطت اور بدفعلی میں مبتلا تھی اور یقیناً لوط علیہ السلام بھی خدا کے پیغمبروں میں سے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے سدوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا جہاں کے باشندے بت پرست اور لواطت اور قسم قسم کی بے حیائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا تھے ان کی ہدایت کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جب قوم نے نہ مانا تو ان پر اللہ کا قہر اور عذاب آیا پس اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کا حال لوگوں کے سامنے بیان کیجیے جب کہ ہم نے لوط کو اور اس کے سب اہل خانہ کو اپنے عذاب سے نجات دی جو ان پر ایمان لے آئے تھے سوائے ایک کافرہ بڑھیا کے جو ان کی زوجہ تھی اس کو عذاب سے نجات نہیں دی بلکہ وہ پیچھے رہنے والوں سے ہوگئی یعنی ان لوگوں سے ہوئی جو عذاب میں باقی اور پیچھے رہ گئے یا ان گزرنے والوں کے ساتھ رہی جو عذاب میں ہلاک ہوئے غابر بمعنی باقی بھی آتا ہے اور بمعنی ماضی بھی آتا ہے آیت میں دونوں صحیح ہیں لہٰذا دونوں معنی کے اعتبار سے ترجمہ کر دیا پھر سب باقی ماندوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو اہل مکہ کے لیے خاص طور پر مقام عبرت ہے اور اے اہل مکہ جب تجارت کے لیے ملک شام جاتے ہو تو تحقیق تم صبح کے وقت اور رات کے وقت ان پر گزرتے ہو اور ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کیا دیکھ کر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ بستیاں نبی کی مخالفت اور لواطت کی وجہ سے اُلٹی ہوئی ہیں۔

| |
|---|
| وَ اِنَّ یُوۡنُسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذۡ اَبَقَ اِلَی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۴۰﴾ |
| اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں جب بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر |
| فَسَاہَمَ فَکَانَ مِنَ الۡمُدۡحَضِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالۡتَقَمَہُ الۡحُوۡتُ وَ ہُوَ مُلِیۡمٌ ﴿۱۴۲﴾ |
| پھر قرعہ ڈلوایا تو ہو گیا الزام کھایا پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے اور وہ الاہنا کھایا تھا |
| فَلَوۡ لَاۤ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُسَبِّحِیۡنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیۡ بَطۡنِہٖۤ اِلٰی یَوۡمِ |
| پھر اگر نہ ہوتا کہ وہ تھا یاد کرتا پاک ذات کو تو رہتا اس کے پیٹ میں جس دن تک |
| یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذۡنٰہُ بِالۡعَرَآءِ وَ ہُوَ سَقِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ اَنۡۢبَتۡنَا عَلَیۡہِ شَجَرَۃً |
| مردے جیویں پھر ڈال دیا ہم نے اس کو چٹپڑ میدان میں اور وہ بیمار تھا اور اگایا ہم نے اس پر ایک درخت |
| مِّنۡ یَّقۡطِیۡنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرۡسَلۡنٰہُ اِلٰی مِائَۃِ اَلۡفٍ اَوۡ یَزِیۡدُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوۡا |
| بیل کا اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا زیادہ پھر وہ یقین لائے |

فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

پھر ہم نے ان کو برتنے دیا ایک وقت تک۔

## قصہ ششم یونس علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ . . . الٰى . . . فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾﴾

یہ چھٹا قصہ یونس بن متی علیہ السلام کا ہے جو اس سورت کا آخری قصہ ہے کہ جو اپنی قوم کی ایذاء پر صبر نہ کر سکے اور اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل گئے اور یہی یونس علیہ السلام ذوالنون نبی ہیں جنہوں نے بحکم خداوندی اپنی قوم سے ایمان نہ لانے پر عذاب آنے کا وعدہ کیا تھا جب وہ ایمان نہ لائے اور برابر کفر اور تکذیب پر ڈٹے رہے تو سمجھ گئے کہ ان کا بھی وہی انجام ہوگا جو سرکشوں اور نافرمانوں کا ہوا کرتا ہے اس لیے سمجھ گئے کہ عنقریب عذاب آنے والا ہے تو بغیر انتظار وحی کے اور بغیر حکم خداوندی کے یونس علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان سے اوّل شب میں نکل گئے اور دریا کے کنارہ پہنچے وہاں ایک کشتی مل گئی اس پر سوار ہو گئے حضرت یونس علیہ السلام جب اس کشتی میں سوار ہو گئے تو وہ کشتی یکا یک رک گئی جس کا ظاہر میں کوئی سبب نہ تھا ہوا وغیرہ بھی نہ تھی تو ملاح اپنے عقیدہ کے مطابق بولے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے اور یہ کشتی کا قاعدہ ہے جب اس میں کوئی بھاگا ہوا ہوتا ہے تو وہ چلتی نہیں پھر انہوں نے قرعہ ڈالا کہ جس کے نام کا قرعہ نکلے گا اس کو کشتی سے نکال کر دریا میں ڈال دیں گے تاکہ کشتی غرق ہونے سے بچ جائے تین مرتبہ لوگوں کے ناموں پر قرعہ ڈالا ہر مرتبہ قرعہ یونس علیہ السلام کے نام کا نکلا۔ یہ قصہ سورۂ یونس اور سورہ انبیاء میں مفصل گذر چکا ہے اور یہاں اجمالاً ذکر فرماتے ہیں اور اے نبی ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اس وقت کا حال ذکر کریں جب یونس علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف پہنچے جو لوگوں سے اور مال و متاع سے بھری ہوئی تھی جب وہ کشتی چلی اور دھارے پر پہنچی تو یکا یک ٹھہر گئی تو ملاح بولے کہ اس کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہے اس لیے یہ کشتی نہیں چلتی اس لیے اس کو کشتی سے علیحدہ کر کے دریا میں ڈال دیا جائے تو لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ قرعہ ڈالا جائے۔ پس یونس علیہ السلام بھی قرعہ میں ان کے ساتھ شریک ہوئے تو وہ خود ہی الزام کھایوں میں سے ہو گیا یعنی قرعہ میں وہ خود ہی مغلوب ہو گیا اور ملزم ٹھہرا مطلب یہ ہے کہ قرعہ یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام نے خود ہی اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا کہ شاید کنارہ قریب ہو اور میں تیر کر دریا کے کنارہ پر پہنچ جاؤں ورنہ اگر میری جان گئی بھی تو باقی لوگ تو بچ جائیں گے۔ پس جب یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا تو ہمارے حکم سے فوراً ایک مچھلی نے ان کو لقمہ بنا کر نگل لیا اور اپنے پیٹ میں ان کو محفوظ کر لیا تاکہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچے اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے کہ تو بغیر حکم الٰہی کے انتظار کیے ہوئے کیسے بستی سے نکل پڑا اور بغیر حکم خداوندی کیسے ہجرت کے لیے نکل کھڑا ہوا اور یہ ان کی خطاء اجتہادی تھی جس پر وہ مستحق ملامت ہوئے حضرات انبیاء علیہم السلام کا درجہ سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے اس لیے ان کی خطاء اجتہادی اور سہو و نسیان پر بھی مواخذہ اور ملامت ہوتی ہے۔ حسنات الابرار سیّئات المقربین یعنی ابرار کے مرتبہ میں جو امور حسنات ہیں وہ مقربین کے درجہ میں سیئات ہیں۔

پس یونس علیہ السلام اپنے آپ کو دریا میں ڈالنے کے لیے اٹھے تو دیکھا کہ ایک مچھلی منہ کھولے حضرت یونس علیہ السلام کی طرف دیکھ

رہی ہے یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام نے فوراً اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا مچھلی نے فوراً آپ کو نگل لیا اور مچھلی کی طرف اللہ کی وحی آئی کہ میں نے یونس علیہ السلام کو تیرے لیے رزق نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کی حفاظت کا ایک محل اور ظرف بنایا ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۲۵ ج ۱۵)

مطلب یہ تھا کہ اے مچھلی یہ یونس علیہ السلام تیرا رزق نہیں بلکہ تیرے پاس ہماری امانت ہے جس کی حفاظت تجھ پر واجب ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ عالم غیب سے مچھلی کو آواز آئی اے مچھلی! ہم نے یونس علیہ السلام کو تیرے لیے رزق نہیں بنایا بلکہ تجھ کو اس کے لیے مکان حفاظت اور مسجد بنایا۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۲۷ ج ۱۵)

چنانچہ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچنے کے کچھ بعد جب افاقہ ہوا اور سمجھے کہ میں زندہ ہوں تو کھڑے ہو کر نماز بھی پڑھنے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱ ج ۴)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے دریا میں بڑی بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں جس میں آدمی سہولت سے کھڑا ہو سکتا ہے۔ (روح المعانی)

پس اگر یونس علیہ السلام خدا کی تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ ٹھہرے رہتے اور وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوتا لیکن تسبیح کی برکت سے ان کو جلدی رہائی حاصل ہوئی شکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء: ۸۷) مگر تسبیح کی برکت سے جلدی رہائی پائی اور یہی تسبیح شکم ماہی میں ان کی غذا تھی جیسا کہ فتنہ دجال کے وقت جب قحط پڑے گا تو اس وقت مؤمن کی غذا تسبیح و ذکر الٰہی ہوگی بجائے رزق کے تسبیح اور ذکر الٰہی ان کو غذا کا کام دے گی اور پیٹ میں زندہ رہنا کوئی امر محال نہیں آخر بہت سے آدمیوں اور جانوروں کے بچے پیٹ میں زندہ رہتے ہیں تو ایک آدمی کا ایک بہت بڑی مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنا کیا مشکل ہے۔

تو قبل از حکم خداوندی ہجرت کرنے پر تنبیہ تھی اب آگے اپنے الطاف و عنایات کا ذکر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے یونس علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کس طرح گرمی اور سردی سے ان کی حفاظت کا انتظام کیا پس [1] تین دن کے بعد یا سات دن کے بعد یا چالیس دن کے بعد ہم نے ان کو ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا اللہ کی طرف سے مچھلی کو حکم آیا کہ یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک ریگستان اور چٹیل میدان میں ڈال دے پس مچھلی نے ان کو بحکم خداوندی ایک بیابان اور ریگستان میں ڈال دیا اور درآنحالیکہ وہ بیمار اور مضمحل تھے اور لاغر اور کمزور تھے جیسے چوزہ بے بال و پر ہوتا ہے کافی غذا اور ہوا نہ پہنچنے کی وجہ سے اس قدر لاغر اور کمزور کہ دھوپ اور شعاع کی بھی برداشت نہ رہی تھی اور بدن پر مکھی کا بیٹھنا بھی ناگوار تھا اور اس لیے ہم نے ان کے سر پر ایک بیل دار یعنی کدو کا درخت اُگا دیا یکایک خدا کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اُگ آئی جس نے ان کے جسم پر سایہ بھی کر دیا اور مکھیوں کی تکلیف سے بھی محفوظ ہو گئے کدو کے پتوں کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے گرد مکھی نہیں آتی۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۲۹ ج ۱۵)

پس یہ کدو کی بیل اور اس کے پتے ان کے لیے بمنزلہ خیمہ کے ہو گئے اور ان کی غذا کا یہ سامان کیا کہ ایک پہاڑی بکری کو یہ حکم ہوا کہ صبح و شام یونس علیہ السلام کے پاس چلی جایا کرتا کہ وہ تیرا دودھ پی لیا کریں چنانچہ وہ بکری صبح و شام ان کے پاس آتی اور وہ اس کا دودھ پیا کرتے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱ ج ۴)

---

[1] اختلاف اقوال کی طرف اشارہ ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۱ ج ۴

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور جب اس طرح سے یونس علیہ السلام کا گوشت پوست درست ہو گیا تو ہم نے ان کو ایک لاکھ آدمیوں کی طرف یا زیادہ کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر صرف عاقل بالغ لوگوں کو شمار کیا جائے تو ایک لاکھ تھے اور اگر چھوٹوں بڑوں سے کو شامل کر لیا جائے تو ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہ ایک لاکھ وہی لوگ تھے جو ان کی قوم تھی جن سے نکل کر آپ علیہ السلام دریا کی طرف بھاگے تھے اور نکلنے سے پہلے آپ علیہ السلام جن کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ علیہ السلام اپنی سابق رسالت پر مستمر تھے اور یہ ارسال جو اس آیت میں مذکور ہے وہ سابق قوم کی طرف ہے کسی دوسری قوم کی طرف ارسال مراد نہیں خوب سمجھ لو عنقریب اس کی تفصیل آنے والی ہے۔

**نکتہ** : یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو بمنزلہ جنین کے ہو گئے اور پھر چند روز بعد مچھلی کے پیٹ سے نکلنا بمنزلہ ولادت ثانیہ کے ہو گیا اور اس طرح مچھلی کے پیٹ میں رہنے سے اس سہو و نسیان اور لغزش کے اثر کا نام و نشان نہ رہا جو بغیر اذن خداوندی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے سے ہوا تھا کیونکہ بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو وہ گناہوں کی آلائشوں سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ پس حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف واپس پہنچے تو یہ سب لوگ اور قوم کثیر ان پر ایمان لے آئے اجمالی طور پر تو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔ اب اس واپسی کے بعد یونس علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان کی تجدید کی اور تفصیلاً ایمان لائے پس ایک مدت تک ہم نے ان کو زندگی سے بہرہ مند کیا جب تک وہ زندہ رہے ان پر کوئی عذاب نہیں آیا۔

یونس علیہ السلام جب اپنی قوم کے لوگوں سے ناراض ہو کر اپنی بستی نینوا سے نکل گئے تو جب اہل نینویٰ کو یہ معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام ان کی بستی کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ یونس علیہ السلام پیغمبر برحق تھے اور اب ہماری ہلاکت یقینی ہے سوائے ایمان کے اب عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اہل بستی نے جب آثارِ عذاب کے دیکھے کہ آسمان پر ایک نہایت ہولناک اور سیاہ بادل نمودار ہوا ہے تو سب بچوں اور عورتوں کو بلکہ مویشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل کو نکل گئے اور سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور عرض کیا: کہ اے اللہ! ہم یونس علیہ السلام پر ایمان لائے اور تضرع و بکاء سے آوازیں بلند ہوئیں اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور جو آثارِ عذاب کے نمودار ہوئے تھے وہ سب اٹھا لیے اِدھر یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ سے نکل آنے کے بعد تندرست ہو گئے تو جس بستی سے یونس علیہ السلام بغیر اجازت خداوندی ہجرت کر گئے اور بلا اذن صریح وہاں سے نکل گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر اس بستی کی طرف واپسی کا حکم ہوا کہ وہ بستی والے ایمان لے آئے ہیں اور اب ان کا حال درست ہو گیا ہے پس یونس علیہ السلام اسی پہلی بستی کی طرف واپس ہوئے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی ﴿ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴾ میں ارسال سے کسی دوسری قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجنا مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کو یہ وہم ہو گیا ہے بلکہ اس ارسال سے پہلی ہی بستی اور پہلی ہی امت کی طرف دوبارہ واپسی مراد ہے اور ﴿ فَاٰمَنُوْا ﴾ سے تفصیلی ایمان مراد ہے کیونکہ یونس علیہ السلام کے نکل جانے کے بعد ان کی گریہ وزاری اور اجمالی ایمان کی وجہ سے ان سے عذاب ٹل گیا تھا اب یونس علیہ السلام دوبارہ ان میں تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے دوبارہ ایمان کی تجدید کی اور تفصیلاً ایمان لے آئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو روح المعانی ص ۱۲۳ ج ۲۳)

مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اسی قوم کی طرف جانے کا حکم ہوا جن کی طرف پہلی مرتبہ بھیجے گئے تھے اور ان سے ناراض ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے تھے تا کہ اسی قوم کو جو آپ علیہ السلام کی غیبوبت میں اجمالی طور پر ایمان لا چکی ہے واپسی کے بعد اس کو ایمان اور شریعت سمجھائیں اس ارسال سے کسی جدید قوم کی طرف جدید بعثت مراد نہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ

اب ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے ہاں بیٹیاں اور ان کے ہاں بیٹے یا ہم نے بنایا فرشتوں کو

اِنَاثًا وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ

عورت اور یہ دیکھتے تھے سنتا ہے! یہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد

اللّٰهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ قف

اور یہ بے شک جھوٹے ہیں کیا پسند کیں بیٹیاں بیٹوں سے کیا ہوا ہے

كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾

تم کو کیا انصاف کرتے ہو کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو یا تم پاس کوئی سند ہے کھلی

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ

تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم سچے اور ٹھہرایا ہے اس میں اور جنوں میں

نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

ناتا اور جنوں کو معلوم ہے کہ وہ پکڑے آئے ہیں اللہ نرالا ہے ان باتوں سے جو

يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

بناتے ہیں مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے سو تم اور جن کو تم پوجتے ہو

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَ مَا مِنَّآ

اس کے ہاتھ سے بہکا نہیں لے سکتے مگر اسی کو جو پیٹھنے والا ہے آگ میں اور ہم میں جو ہے

اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ

اس کو ایک ٹھکانہ ہے مقرر اور ہم جو ہیں ہم ہی ہیں قطار باندھنے والے اور ہم جو ہیں ہم ہی ہیں

الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ

پاکی بولنے والے اور یہ تو کہتے تھے اگر ہم پاس احوال ہوتا

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ

پہلے لوگوں کا تو ہم ہوتے بندے اللہ کے چنے سو اس سے منکر ہوگئے اب آگے

يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ

جان لیں گے اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو رسول ہیں بے شک انہی کو

الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى

مدد ہونی ہے اور ہمارا لشکر جو ہے بیشک وہی زبر ہے سو تو ان سے پھر یا ایک

حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾

وقت تک اور ان کو دیکھتا رہ کہ آگے دیکھ لیں گے کیا ہماری آفت شتاب مانگتے ہیں

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى

پھر جب آ اترے گی ان کے میدان میں تو بری صبح ہو گی ڈرائے گیوں کی اور پھر یا ان سے ایک

حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾

وقت تک اور دیکھتا رہ اب آگے دیکھ لیں گے۔

## مشرکین کی بعض جہالتوں اور حماقتوں کی تردید اور اس پر تہدید اور وعید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿١٤٩﴾ ... الىٰ ... وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾﴾

**ربط:** شروع سورت میں دلائل توحید کا ذکر تھا بعد از اں انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر کیے جو اللہ کے عباد مخلصین تھے اور توحید کے داعی تھے اب پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بطور تفریع شرک اور کفر کا ابطال فرماتے ہیں اور مشرکین کے بعض عقائد باطلہ اور مہملہ کی اور ان کی بعض جہالتوں اور ضلالتوں کی تشریح اور تفصیل فرما کر ان کی تردید کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ فقط شرک کی گمراہی میں مبتلا نہیں بلکہ اس کے علاوہ قسم قسم کی جہالتوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہیں مثلاً خدا تعالیٰ کی تجسیم کے قائل ہیں اور اس کو صاحب اولاد مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ولادت ان اجسام کا خاصہ ہے جن میں کون وفساد جاری ہوتا ہے اس لیے کہ توالد وتناسل بقاء نوع کے لیے ہوتا ہے کہ افراد اگرچہ فنا ہو جائیں مگر نوع باقی رہے اور اس تشریح سے مقصود ان کی تفضیح اور تقبیح ہے تا کہ علانیہ طور پر مشرکین کی جہالتیں اور حماقتیں ظاہر اور عیاں ہو جائیں مشرکین عرب کے چند قبائل کا یہ خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کو خدا تعالیٰ کا سسرالی رشتہ دار

سمجھتے تھے ان آیات میں مشرکین کی ان دو باتوں کی قباحت اور حماقت ظاہر فرمائی کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جو ان کو ناپسند ہے اور بُری لگتی ہے گویا کہ اپنے نفس کو خدا پر ترجیح دیتے ہیں کہ خدا کے لیے خسیس اور کمتر چیز تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے عمدہ اور بہتر نیز اپنی حماقت سے فرشتوں کو دختران خدا بتلاتے ہیں اور خدا کے لیے اولاد ٹھہراتے ہیں اور بلا دلیل خدا کی اولاد کو مؤنث ٹھہراتے ہیں اور فرشتوں کی بھی توہین کرتے ہیں اور مشرکین کا فرشتوں کی بابت یہ کہنا کہ یہ عورتیں ہیں یہ بات تو مشاہدہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے ایسی بات محض عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی ایسی بات کے اثبات کے لیے مشاہدہ چاہیے اور ظاہر ہے کہ وہ بالبداہت مفقود ہے اس لیے کہ یہ لوگ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود اور حاضر نہ تھے تو پھر ان کو کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے عورتیں ہیں ان کی یہ بات بالکل جھوٹ اور من گھڑت ہے جس پر کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں۔

پھر اخیر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی براءت بیان فرمائی کہ فرشتے اس کذب و افترا سے بالکل بری ہیں جو مشرکین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ حاکیا عنھم: ﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۱۶۴ وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝۱۶۵ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝۱۶۶﴾

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے حال کی حکایت فرمائی اور ان کی عبادت اور بندگی کی خبر دی کہ وہ دن رات صف بستہ ہو کر تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اللہ کی تنزیہ و تقدیس کرتے ہیں اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتے ہیں تو پھر فرشتے خدا اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں فرشتے خود اپنی عبدیت کے مقر اور معترف ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہ تھے فرشتوں کی طرح خدا کے رسول بھی دن رات اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں پھر مکذبین رسالت کی تہدید کے لیے یہ خبر دی کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا انجام ہمیشہ نیک ہوتا ہے ان سے اللہ کا وعدہ فتح و نصرت کا ہوتا ہے کفار مکہ کو چاہیے کہ جلدی نہ کریں وہ اپنی مخالفت اور تکذیب کا انجام عنقریب دیکھ لیں گے ﴿وَ اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾ حالات چاہے کتنا ہی پلٹا کھاتے رہیں بالآخر غلبہ حق کا ہوگا یہ کفار ہمارے نبی کی مخالفت کر کے کچھ نہیں کر سکتے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ غلبہ ہمارے رسول ہی کا ہوگا پھر مشرکین کے اقوال کی تردید کے بعد سورت کو انبیاء کرام علیہم السلام کے سلام اور اپنی تنزیہ و تقدیس پر ختم کیا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہے جو مشرکین حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں:

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۸۰ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۸۱ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۸۲﴾

شروع سورت میں ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا﴾ میں منکرین حشر سے سوال توبیخ کا ذکر تھا اب اخیر سورت ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ﴾ میں منکرین توحید سے سوال تبکیت کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس اے نبیؐ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین سے جو قسم قسم کے باطل عقائد اور مہمل خیالات میں مبتلا ہیں بطور تقریع و توبیخ خود ان سے فتویٰ پوچھئے تاکہ خود ان کی زبان سے شرک کی قباحت اور ان کی جہالت اور حماقت ظاہر ہو کر خدا تعالیٰ کے بارہ میں کیا بہتان باندھتے ہیں کیا ان کے نزدیک تیرے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ہیں یعنی یہ لوگ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں اور بیٹیاں ناپسند کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کو زندہ درگور کر

دیتے ہیں تو پھر خدا کے لیے کیوں بیٹیاں پسند کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ ﴾ (النجم: ۲۱، ۲۲)۔۔۔۔ ﴿ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۰)

ایک قباحت تو یہ ہوئی۔ (**دوسری قباحت**) سنو کہ اگر ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے تو کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے اور کھڑے دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے تو پھر کیسے جانا کہ فرشتے عورتیں ہیں یہ بات تو مشاہدہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے محض عقل سے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا پس بلا مشاہدہ اور بلا دلیل تم نے فرشتوں کو کیسے مؤنث قرار دیا۔

(**تیسری قباحت**) یہ ہے آگاہ ہو جاؤ تحقیق یہ لوگ اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر ایسا کہہ رہے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا کے اولاد ہوئی اور معاذ اللہ! اللہ نے اولاد جنی اور تحقیق وہ بلا شبہ جھوٹے ہیں یہ تیسری قباحت ہوئی کہ خدا تعالیٰ کو صاحب اولاد قرار دیا جو خاصہ ان اجسام کا ہے کہ جن میں کون وفساد اور تغیر وتبدل جاری رہتا ہے اور اولاد باپ کے ہم جنس اور اس کے مثل ہوتی ہے اور خدا مثل سے پاک ہے۔ ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ کیا خدا تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں اپنے لیے بیٹیوں کو پسند کیا ہے تمہیں کیا ہوا کہ کیسا مہمل حکم لگاتے ہو۔ کیا تم ذرہ بھی خیال نہیں کرتے کہ کیسی بے ہودہ بات کہہ رہے ہو کیا تمہارے پاس اس بارہ میں کوئی واضح دلیل ہے اس بارہ میں تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل حسی ہے۔

(**چوتھی قباحت**) یہ ہے پس اگر اس بات پر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل ہو تو اپنے پاس سے کوئی آسمانی کتاب لا کر دکھاؤ جس میں فرشتوں کا بیٹیاں ہونا لکھا ہوا ہو اگر تم سچے ہو غرض یہ کہ تمہارے پاس نہ تو عقلی دلیل ہے جس سے ثابت ہو سکے کہ عقلاً فرشتوں کا مؤنث ہونا ضروری ہے اور عقلاً فرشتہ کا مذکر ہونا محال ہے کیا عقلاً فرشتہ کی ذات اور حقیقت کے لیے مؤنث ہونا لازم ذات اور لازم ماہیت ہے اور نہ تمہارے پاس یہ کہ اپنے مشاہدہ سے فرشتوں کا مؤنث ہونا ثابت کر سکو اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے کہ کسی آسمانی کتاب سے اس کی سند پیش کر سکو جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

(**پانچویں قباحت**) مشرکین نے جب یہ بکنا شروع کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ارے کمبختو! بتلاؤ کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بولے کہ سرداران جن کی بیٹیاں ان کی مائیں ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۴ ج ۱۵ وتفسیر ابن کثیر ص ۲۳ ج ۴)

بعض قبائل عرب کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سرداران جن کی عورتوں کو اپنی جورو بنایا اور ان سے یہ فرشتے پیدا ہوئے جیسا کہ ہنود کے بھی دیوی اور دیوتاؤں کے متعلق ایسے ہی خیالات فاسدہ ہیں۔

پس مشرکین نے کیسی بے حیائی اور ڈھٹائی سے جنوں کا خدائے پاک سے رشتہ ملایا حالانکہ سب اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہیں اس لیے فرماتے ہیں کہ بعض مشرکوں نے حد ہی کر دی کہ خدا تعالیٰ کے درمیان اور جنوں کے درمیان نسبی رشتہ اور ناتہ ٹھہرایا ہے حالانکہ جنوں کو خوب معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ سے ان کا کوئی رشتہ اور ناتا نہیں سب اللہ کے بندے ہیں قیامت کے دن حساب وکتاب کے لیے ضرور حاضر کیے جائیں گے یہ **پانچویں قباحت** ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے جنوں کا رشتہ مصاہرت ثابت کیا اور مصاہرت فرع زوجیت کی ہے اور اللہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے اللہ تعالیٰ کا کسی سے سسرالی رشتہ نہیں لعنت ہو اللہ کی ان گستاخوں پر جو جنوں سے اللہ کی مصاہرت کے قائل ہوئے فرشتوں کو خدا کی اولاد قرار دیا اور جنوں کو خدا تعالیٰ کی سسرال قرار دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دشمنان خدا (یعنی مجوس) یہ کہتے ہیں کہ یزدان اور اہرمن یعنی اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی بھائی ہیں ﴿ تَعٰلَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا ﴾۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۳ ج ۴)

معاذ اللہ ان نادانوں نے خدا تعالیٰ اور شیطان کو بھائی بھائی قرار دیا بعض قبائل عرب اس بات کے معتقد تھے کہ شیطان خدا تعالیٰ کا بھائی ہے اس لیے کہ خدا تو نور اور خیر محض ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور شیطان ظلمت اور شر محض ہے جس کو اہرمن کہتے ہیں اور مجوس کا بھی یہی مذہب ہے اس اعتبار سے خدا تعالیٰ اور شیطان کے درمیان جواز قسم جن ہے رشتہ اور قرابت ثابت کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس عقیدہ فاسدہ کا رد فرمایا کہ یہ لوگ کیسے عقل کے دشمن ہیں کہ اس قسم کی بے ہودہ باتیں کرتے ہیں اور جنوں سے خدا تعالیٰ کا دامادی اور سسرالی رشتہ ثابت کرتے ہیں ﴿ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں مگر اللہ کے مخلص بندے کہ وہ ایسی باتیں نہیں بناتے اب آگے کفار کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں سوائے مشرکو! تم اور جن کو تم پوجتے ہو سب مل کر بھی کسی کو خدا کی عبادت سے برگشتہ اور گمراہ نہیں کر سکتے مگر جس کے لیے علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے کہ وہ دوزخ میں جانے والا ہے ہدایت اور ضلالت تمہارے اختیار میں نہیں۔

اب آگے فرشتوں کی بندگی کا حال خود ان کی زبان سے نقل کرتے ہیں تا کہ ان کا بندہ محض ہونا ثابت ہو جائے اور مشرکین کے خیال کا رد ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ اور یہ فرشتے خود یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے ہم میں سے کوئی مگر اس کے لیے ایک جگہ اور ایک حد مقرر ہے کہ ہم نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں جس کام کی بجا آوری کے لیے ہم کو مقرر کر دیا ہے اس میں ہم اپنی رائے سے ذرہ برابر تغیر و تبدل نہیں کر سکتے اور دوم یہ کہ ہم ہی ہیں بارگاہِ خداوندی میں صف بستہ کھڑے رہنے والے کوئی اللہ کی بندگی کے لیے کھڑا ہے اور کوئی اس کے حکم کے انتظار میں کھڑا ہے تو جب ہمارا یہ حال ہے تو ہم کیسے خدا کی بیٹیاں اور اس کا جز ہو سکتے ہیں اور بغیر حکم الٰہی کے از خود کسی کو کیا نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں اور سوم یہ کہ تحقیق ہم ہی ہر وقت اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے والے ہیں۔ پس جو لوگ ہماری الوہیت اور معبودیت اور خدا سے ہماری جزئیت کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ کھلے گمراہ ہیں۔

## مشرکین عرب کی ایک بدعہدی کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ ﴾

یہاں تک مشرکین کے خیالات باطلہ کا رد فرمایا اب آگے مشرکین عرب کی ایک بدعہدی کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہود و نصاریٰ کی سرکشی اور ہلاکت کا حال سن کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر پہلوں کی طرح ہمارے پاس بھی توریت و انجیل جیسی کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی اللہ کے خالص فرمانبردار بندے ہوتے اور خوب اس پر عمل کرتے لیکن جب توریت و انجیل سے بڑھ کر ان کی ہدایت کے لیے قرآن نازل ہوا اور نبی کریم ﷺ ان کی طرف مبعوث ہوئے تو منکر ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی تکذیب اور مخالفت پر تل گئے بڑی شرم کی بات ہے کہ اپنے قول و قرار اور اپنی تمنا سے یکلخت برگشتہ ہو گئے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾ (الفاطر:۴۲)..... قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ ﴾ (الانعام:۱۵۶)

مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی یہ لوگ پہلے سے تمنا کیا کرتے تھے جب وہ ان کے سامنے آئی تو اس سے متنفر اور بیزار ہو گئے ان آیات میں وعدہ سے انحراف پر وعید اکید اور تہدید شدید ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور تحقیق یہ کفار مکہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر پہلے لوگوں کی طرح ہمارے پاس بھی کوئی کتاب ہوتی جس سے ہم پند و نصیحت حاصل کرتے جیسے یہود و نصاریٰ کے پاس اللہ کی کتابیں آئیں تو ہم اللہ کے خالص بندے ہوتے۔

پس جب ہم نے ان کی ہدایت کے لیے یہ قرآن بھیجا جو تمام آسمانی کتابوں سے بڑھ کر ہے تو اس سے منکر ہو گئے اور اپنے گذشتہ قول و قرار سے یکلخت منحرف ہو گئے۔ پس قریب ہی میں اپنے کفر کے انجام کو جان لیں گے کہ اپنی مخالفت میں ناکام ہوں گے اور وقتی طور پر جو ان کو قوت اور شوکت حاصل ہے وہ عنقریب ختم ہو جائے گی اور اللہ نے اپنے نبی سے جو اپنے دین کے غلبہ کا وعدہ کیا ہے ضرور اللہ اس کو پورا کرے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور البتہ تحقیق پہلے ہی سے ہمارے برگزیدہ بندوں اور پیغمبروں کے لیے ہمارا یہ حکم جاری ہو چکا ہے کہ بلاشبہ بالآخر وہی مظفر و منصور ہوں گے اور خدا جس کی مدد کرے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ ﴾ (مجادلہ:۲۱).... وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ ﴾ (المومن:۵۱)

اور تحقیق ہمارا لشکر ہی دشمنوں پر غالب رہے گا خدا کے لشکر سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے متبعین اور اہل حق مراد ہیں کہ بلا اسباب ظاہری کے ان کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ پس اے نبی کریم ﷺ! آپ ان سے ایک وقت معین تک منہ پھیر لیجیے اور ان کو دیکھتے رہیے جو کہتے اور کرتے ہیں وہ کرنے دیجیے پس یہ لوگ بھی عنقریب دیکھ لیں گے کہ کس طرح اسلام کو کفر پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور یہ لوگ اپنی ذلت و خواری کو بھی دیکھ لیں گے پس کیا یہ لوگ بطور تمسخر ہمارے عذاب کو جلد ہی مانگتے ہیں اور اس کی جلدی مچا رہے ہیں اور بیباکی اور دلیری سے کہتے ہیں کہ وہ عذاب کب آئے گا پس خوب سمجھ لیں کہ جب وہ عذاب ان کے مکانوں کے صحنوں میں آ کر اترے گا تو ان لوگوں کی صبح بہت بری ہوگی جن کو اس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا اور وہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے اور اے نبی آپ ان سے ایک خاص وقت تک اعراض کرتے رہیے اور دیکھتے رہیے کہ کس طرح اللہ کی مدد آتی ہے۔ پس یہ لوگ بھی اپنا نتیجہ اور انجام دیکھ لیں گے ان آیات میں اسلامی فتوحات بدر وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ آیت فتح اسلام کی پیشین گوئی ہے اور کفار کی تہدید ہے کہ یہ دشمنانِ اسلام عنقریب اپنی خواری کو دیکھ لیں گے حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ازالۃ الخفاء میں آیت ہذا یعنی ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی روز اول میں ہمارا وعدہ اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے متحقق ہو چکا ہے کہ تحقیق دشمن کے مقابلہ میں وہ ضرور مظفر و منصور ہوں گے اور بلاشبہ ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے اس آیت میں مرسلین سے وہ رسل مراد ہیں جو کفار سے جہاد و قتال کے لیے مبعوث اور مامور ہوئے اور لشکر سے ان کے اصحاب اور تابعین مراد ہیں جن کے دل میں داعیہ نصرت رسل اور اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا خواہ مرسلین کی موجودگی میں ہو اور خواہ ان کے وصال کے بعد جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ وہ اللہ کا لشکر تھے اور حق تعالیٰ نے جو وعدہ نبی کریم ﷺ سے اور آپ ﷺ کے متبعین سے مظفر

ومنصور ہوجانے کا فرمایا تھا وہ دُنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے ایک خاص گروہ کے دل میں داعیہ اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا اور وہ مظفر ومنصور بھی ہوئے تو بالبداہت معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جند اللہ کا مصداق تھے جو اس وعدے سے مشرف اور ممتاز ہوئے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر جو فتوحات ظاہر ہوئیں وہ اسی سابقہ وعدہ نصرت وغلبہ کی تکمیل تھی۔ (ازالۃ الخفاء)

| |
|---|
| سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ ج وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ ج |
| پاک ذات ہے تیرے رب کی عزت کا صاحب پاک ہے ان باتوں سے جو کرتے ہیں اور سلام ہے رسولوں پر |
| وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ع |
| اور سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا۔ |

ع ۵ ۹

## خاتمہ سورت بر تنزیہ وتحمید رب العالمین وتنویہ شان حضرات مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ ج وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ ج وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ع﴾

اب ان مضامین کے بعد اس سورت کو اللہ تعالیٰ اپنی تنزیہ وتحمید اور مرسلین کے سلام پر ختم فرماتے ہیں جو مضمون توحید اور مضمون رسالت کا خلاصہ اور لب لباب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی تیرا پروردگار جو خداوند عزت وغلبہ ہے وہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو مشرکین اس کی بابت کرتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کو ان تمام قبیح باتوں سے منزہ جانو جو مشرکین اس کی شان میں کہتے ہیں وہ عزیز غالب ہے وہ جب چاہے ان جلد بازوں کو پکڑ سکتا ہے جو عذاب میں جلدی مچا رہے ہیں اور وہ منزہ ہے اس سے کہ وہ اپنے وعدہ نصرت کو پورا نہ کرے۔

اور سلام ہے اللہ کا دُنیا اور آخرت میں اس کے رسولوں پر کہ سلامتی ان کے اتباع میں ہے جن کے ذریعہ خدا تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہوا پس ان کے اتباع کو فرض اور لازم جانو کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام تمہارے خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں بغیر ان کا دامن پکڑے خدا تک پہنچنا ناممکن ہے اور سب طرح کی تعریف ہے اللہ کے لیے جو رب ہے سارے جہانوں کا یعنی قابل ستائش اور بندگی صرف وہی ذات ہے جو سارے جہانوں کا مربی ہے بندوں کو چاہئے کہ ہر نعمت کو اسی کی طرف سے جانیں اور اس کا شکر کریں خاص کر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت سے بندوں کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجا تا کہ اللہ کا احکام ان تک پہنچائیں اور حمد ہے اس خدا کی جس نے اپنے دوستوں کی مدد کی اور کافروں کو ہلاک اور برباد کیا۔ سبحان اللہ کیا خاتمہ ہے کہ تین کلموں میں اجمالی طور پر تمام اُصولِ دین کی طرف اشارہ فرما دیا پہلے کلمہ میں مشرکین اور کفار کے خیالات سے اللہ کی تنزیہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے پاک

اور منزہ ہے جو شان الوہیت کے مناسب نہیں اور تمحید سے توحید کی طرف اشارہ فرمایا اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے جو اس کی شان کے لائق ہیں پہلے جملہ میں صفات سلبیہ کو بیان کیا اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ میں صفات ثبوتیہ کو بیان کیا اور ﴿سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ﴾ سے پیغمبروں کی عظمت شان کو بیان کیا تا کہ ان پر ایمان لائیں اور ان کے اتباع کو ہدایت اور سعادت کا ذریعہ جانیں اور ان کے اتباع کی برکت سے آخرت کے عذاب سے نجات پاویں۔

غرض یہ کہ ان تین آخری کلمات میں تمام اصول دین کی طرف اشارہ ہو گیا۔ امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ تابعی کبیر سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو اور اچھی معلوم ہوتی ہو کہ قیامت کے دن بھرپور پیمانہ سے ناپ کر اس کو ثواب دیا جائے اس کو چاہیے کہ اپنی ہر مجلس * کے اخیر میں یہ کہہ لیا کرے۔

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝۱۸۰ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ۝۱۸۱ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۸۲﴾

---

**الحمد للہ!** آج بتاریخ ۲۷ صفر الخیر ۱۳۹۴ھ یوم پنجشنبہ بعد نماز فجر مسودہ والصافات کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فالحمد للہ اولًا و اٰخرًا۔ یا ارحم الراحمین یا ذالجلال والاکرام اس کو قبول فرما اور اپنی رحمت اور توفیق سے باقی تفسیر کی اس ضعیف و ناتوان کے ہاتھ سے تکمیل فرما۔ آمین یارب العالمین

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ وَ یَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ ○ ... رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ وَ تُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○

وصلی اللہ علی خیر خلقه سیدنا وسید المرسلین محمد وعلیٰ اٰله الطیبین واصحابه الطاهرین وعلینا معهم یاارحم الراحمین اَللّٰھُمَّ احسن عاقبتنا فی الامور کلها واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاٰخرة والحمد لله اولًا و اٰخرًا وباطنًا۔

**اطلاع** یہاں تک معارف القرآن مصنفہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلد ششم مکمل ہوئی باقی تفسیر بنام تکملہ معارف القرآن حضرت موصوف کے صاحبزادہ مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ "مرتب"

**الحمد للہ** معارف القرآن کی جلد ۶ مکمل ہوئی ساتویں، آٹھویں جلد اس کے بعد بنام تکملہ معارف القرآن ہوگی۔

---

* اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھ لیا کرے ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْكَ﴾ تا کہ مجلس میں جو اس کی زبان سے نکلا ہے اس کا کفارہ ہو جائے۔ اس حدیث کا نام حدیث کفارہ مجلس ہے تفسیر ابن کثیر ص ۲۶ ج ۴۔